حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا مجموعہ

مواعظ اشرفیہ

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ تھانوی دفتر رسالہ الابقاء

مولوی مسافر خانہ ایم اے جناح روڈ کراچی ۱

فون: ۷۷۷۷۶۲۰، ۷۷۷۰۰۹۴

الاصابۃ فی معنی الاجابۃ

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبدالمنان غفرلہ

مکتبہ تھانوی ۔ دفتر الابقاء
متصل مسافرخانہ بندر روڈ کراچی ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی ب

الاصابۃ فی معنی الاجابۃ

اَیْنَ	مَتٰی	کَمْ	کَیْفَ	لِمَ	مَاذَا	مَنْ ضَبَطَ	[illegible]	مَنِ المُسْتَمِعُوْن	اَلْاَشْتَات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کس طرح ہوا	کیوں ہوا	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	[illegible]	سامعین کون تھے	متفرقات
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ

وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ٥ اس آیت سے مجھکو ایک مضمون بیان کرنا ہے
آیت کی تفسیر کرنا مقصود نہیں گو تبعاً تفسیر بھی ہو جائے مگر دراصل مجھکو ایک غلطی عام پر متنبہ کرنا
ہے جو علمی غلطی ہے اور اس علمی غلطی سے عملی غلطی بھی ناشی ہے اور اسی کی وجہ سے لوگ ایک بڑی
دولت سے محروم ہیں جو بہت بڑی دولت ہے۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ جب میرے بندے
آپ سے دریافت کریں میرے متعلق۔ کیا دریافت کریں؟ اس کا ذکر نہیں ہے مگر آگے جواب
سے معلوم ہو جائے گا کہ سوال کس بات کے متعلق تھا نیز حدیثوں سے بھی معلوم ہو گیا ہے کہ
سوال قرب و بعد خداوندی سے تھا کہ اللہ تعالیٰ قریب ہیں یا بعید۔ حدیث میں آتا ہے کہ بعض
لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا أَقَرِيبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيهِ أَمْ بَعِيدٌ
فَنُنَادِيهِ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے نزدیک ہیں تو آہستہ سے عرض معروض کر لیا کریں یا
دور ہیں کہ زور سے پکارا کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس سوال کو لغو نہ سمجھا جائے

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کا علم اگرچہ بدیہی ہے مگر اس کی تفصیل نظری ہے سائلین کو یہ تو معلوم
تھا کہ حق تعالیٰ سب کی سنتے ہیں اور کوئی بات ان سے مخفی نہیں رہتی مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ قریب سے
ہی سنتے ہیں یا بعید سے بھی کیونکہ عام لوگ دور سے سننے کو عجیب نہیں سمجھتے چنانچہ سلاطین تو بذریعہ
ذرائع ٹیلیفون وغیرہ دور دراز فاصلہ سے آواز سنتے ہیں غرض بعید سے سننا تو سب کے نزدیک عجیب
ہے مگر علم بلا واسطہ ان کے نزدیک عجیب تھا۔ کیونکہ سلاطین عالم کا علم واسطہ ہی
سے ہے اور انسان کی عادت ہے قیاس الشاہد علی الغائب کی۔ اور اسی کو شریعت نے
بہت سختی سے منع کیا ہے کہ قیاس شاہد علی الغائب نہ کرو۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ
اللہ تعالیٰ سے ہر چیز مانگو حتی کہ نمک اور جوتہ کا تسمہ بھی اللہ ہی سے مانگو یہ اسواسطے فرمایا
کہ بعض لوگ خدا تعالیٰ سے معمولی چیزوں کے مانگنے کو عیب سمجھتے ہیں اور اس کا منشا بھی وہی
قیاس الشاہد علی الغائب ہے کیونکہ سلاطین سے چھوٹی چیز مانگنا عرفاً عیب ہے، تو وہ یہ سمجھے کہ خدا سے
بھی پیسہ اور نمک مانگنا عیب ہوگا حضور صلعم نے اس غلطی کو رفع کر دیا کیونکہ اسی غلطی ہی سے
شرک پیدا ہوا کہ مشرکین نے چھوٹے کاموں کے لئے دوسرے معبود تجویز کرلئے منشا اس کا جہل کا
ہوتا ہے مگر اس کا رفع کرنا بھی تو ضروری ہے اور تعلیم کی خوبی تو یہی ہے کہ ذرا جہل کیساتھ

اس کے منشا کو بھی رفع کر دے بہرحال یہی قیاس منشا ہوا اس سوال کا کہ اللہ تعالیٰ قریب ہیں یا بعید سائلین یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ سنتے تو ہیں سب کی اور ان کے نزدیک سلاطین عالم سے خدا تعالیٰ کو یہی ایک امتیاز تھا کہ سب کی سنتے ہیں کیونکہ سلاطین دنیا تک ہر شخص کی بات نہیں پہونچتی ہے مگر ان سوال کرنے والوں کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ دور کی آواز کو سنتے ہوں آہستہ کو نہ سنتے ہوں یا تو اسلئے کہ وہ ہم سے دور ہیں اور بعد کا خیال بوجہ عظمت کے ہوا (وَ اَیْضًا فَاِنَّ کَوْنَہٗ تَعَالٰی فَوْقَ الْعَرْشِ مَنْصُوْصٌ وَاِثْبَاتُ الْعُلُوِّ لَہٗ لَازِمٌ شَرْعًا کَمَا ھُوَ عَقِیْدَۃُ السَّلَفِ مِنْ غَیْرِ بَیَانِ کَیْفِیَّتِہٖ عُلُوِّہٖ وَفَوْقِیَّتِہٖ ۱۲) یا اسلئے کہ وہ بہت سے کاموں میں مشغول ہیں اور شغل کی حالت میں آہستہ آواز مسموع نہیں ہوتی گو سامع قریب ہی ہو آگے اس سوال کا جواب ہے فانی قریب ظاہر حال کا مقتضا یہ تھا کہ یہاں فقل انی قریب ہوتا کیونکہ اوپر اذا سالک میں سوال بواسطے حضور کے ہے تو جواب بھی حضور کے واسطہ سے دیا جاتا کہ آپ اس سوال کے جواب میں فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہیں دور نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے جواب بلا واسطہ دیا ہے کہ یہاں قل کو حذف کر دیا گو یہ جواب پہونچے گا بواسطہ رسول ہی کے مگر حذف قل میں اس بات کو ظاہر فرما دیا کہ ہم تمہارے سوال کا جواب بلا واسطہ دیتے ہیں گو یہ سوال ہماری شان و عظمت کے خلاف ہے مگر ہم اس خطا کو عفو کر کے بلا واسطہ جواب دیتے ہیں اس طرز و عنوان میں جو کچھ عنایت و کرم مزید ہے ظاہر ہے آگے جواب کے بعد ارشاد ہے اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ اس میں ایک دوسری عنایت کا اظہار ہے کیونکہ سوال کا جواب تو اس سے ہو گیا کہ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اس کے بعد سائل کو کسی اور بات کا انتظار نہ تھا مگر کلام علی اسلوب الحکیم کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ جس میں اسپر تنبیہ ہے کہ قرب کی دو قسمیں ہیں ایک قرب علمی یہ تو فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ سے معلوم ہو چکا دوسرے قرب تعلق خصوصیت جیسے اردو میں ہم کبھی تو یوں کہتے ہیں کہ میں پاس ہی ہوں کہو کیا کہتے ہو یعنی سن رہا ہوں اس میں تو پاس ہونے سے قرب علمی و قرب سماع کا بیان مقصود ہے اور کبھی ہم یوں کہتے ہیں کہ فلاں تو ہمارا قریب ہے یعنی اس کو ہم سے خاص تعلق ہے نیز کہتے ہیں کہ تم تو دور رہ کر بھی پاس ہی ہو یعنی تم سے ہمارے دل کو خاص تعلق ہے۔

أُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ — ہیں دوسرے قرب کو یعنی قرب تعلق اور قرب نصرت و حمیت کو بیان فرمایا ہے ۔ یعنی میں باعتبار علم کے بھی قریب ہوں کہ سب کی بات سنتا ہوں اور باعتبار شفقت و رحمت و توجہ و عنایت کے بھی قریب ہوں کہ ہر دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں ۔
اب میں مضمون مقصود کی طرف رجوع کرتا ہوں دعا کے متعلق ایک غلطی علمی پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں اور اس غلطی ہی کی وجہ سے لوگ دعا میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ اس کی برابر کوئی چیز نہیں کیونکہ ہر نافع شئی میں یا منافع دینیہ ہوتے ہیں یا منافع دنیویہ اور دعا میں یہ امتیاز ہے کہ اس میں دونوں منافع ہیں یعنی تدابیر دنیا میں سے یہ بھی ایک تدبیر ہے اور سب سے بڑی تدبیر ہے ۔ دوسرا امتیاز دعا میں یہ ہے کہ دوسری تدابیر دنیا میں من حیث التدبیر کچھ ثواب نہیں اور دعا میں گو دنیا ہی مانگی جائے (بشرطیکہ ناجائز اور حرام شے کی دعا نہ ہو) ثواب ملتا ہے پس دعا میں ایک امتیاز تو یہ ہوا کہ وہ جامع بین الدین والدنیا یعنی دین و دنیا دونوں کے منافع کو جامع ہے دوسرا امتیاز یہ ہے کہ دعا ہر حال میں ثواب و عبادت ہے ۔ دیگر عبادات میں اگر دنیا کی آمیزش ہو جائے تو وہ عبادت نہیں رہتی اور اگر مقصود ہی دنیا ہو پھر تو بطلان عبادت ظاہر ہے مگر دعا سے اگر دنیا ہی مطلوب ہو جب بھی وہ عبادت ہے اس میں مقصود دینی دنیا سے وصف عبادت باطل نہیں ہوتا کیونکہ دعا میں عبدیت کی شان ہر حالت میں باقی رہتی ہے حدیثوں میں اسی لئے دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے اور عقلاً بھی یہ سب سے بڑی چیز ہے کیونکہ اس کا حاصل اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ اے اللہ ہمیں یہ دیدے اور یہ ہر تدبیر سے بڑھ کر تدبیر ہے کیونکہ دوسری تدبیر کا حاصل یہ ہے کہ انسان اس میں اپنے مثل کے سامنے اپنی احتیاج کو ظاہر کرتا ہے جیسے ملازمت وغیرہ میں اور زراعت میں گو کاشتکار حق تعالیٰ ہی سے مانگتا ہے مگر اسباب ظاہرہ کی طرف بھی احتیاج ہوتی ہے بغیر اسباب ظاہرہ کے زراعت غیر ممکن ہے اور ان اسباب میں غیر حق کا محتاج بننا پڑتا ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے حضرت مسیح اور ان کی والدہ علیہما السلام کی عدم الوہیت پر كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ سے استدلال فرمایا ہے کیونکہ جو شخص طعام کا محتاج ہے وہ سارے عالم کا محتاج ہے زمین کا بھی آسمان

کا بھی چاند سورج کا بھی بادل اور بارش کا بھی لکڑی کا بھی لوہے کا بھی جانور کا بھی اور لوہار و
بڑھئی اور بالدی کمہاروں کا بھی کیونکہ ان سب سے مل کر زراعت ہوتی ہے پھر کسی نے آٹا
پیسا کسی نے گوندھا کسی نے پکایا تب کھانا تیار ہوا تو طعام میں تمام عالم کی طرف احتیاج
ہے پھر ایسا محتاج الہ کیسے ہو سکتا ہے اسی کو سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار — شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

غرض ہر تدبیر میں انسان اپنے عاجز کے سامنے احتیاج کو ظاہر کرتا ہے خواہ قالاً یا حالاً
اور دعا میں ایسے سے مانگنا ہے جو سب سے زیادہ کامل القدرۃ ہے اور جس کے سب محتاج ہیں
پس یقیناً یہ تدبیر ہر تدبیر سے بڑھ کر ہے کیونکہ اور تدبیریں بھی حق تعالیٰ کی مشیت و ارادہ ہی سے
کامیاب ہو سکتی ہیں اور جو شخص حق تعالیٰ سے مانگے گا وہ ضرور کامیاب ہوگا اب عقل سے پوچھو
تو وہ یہی کہے گی کہ جو سب سے زیادہ قادر ہے اسی سے مانگنا اکمل و انفع ہے جب عقل بھی
نقل سے دعا کی فضیلت ثابت ہو گئی تو اب اپنی حالت میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا
کہ سب سے زیادہ متروک دعا کو کر رکھا ہے لوگ سب تدبیریں کرتے ہیں مگر دعا نہیں
کرتے بجز اس کے کہ دو تین دعائیں یاد کر لی ہیں نماز کے بعد مسنونہ کے طور پر ان کو پڑھ کے
منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں میں نے عمر بھر میں ایک شخص کے سوا کسی کو دعا کرتے نہیں دیکھا وہ بہت
بھولے تھے ان کا بھولا پن اس سے معلوم ہوگا کہ جمعہ کے دن ایک جنازہ لایا گیا تو وہ کہتے ہیں
کہ اے اللہ یہ دن سب کو نصیب ہو۔ لوگ بہت بگڑ گئے وہ سمجھے کہ سب کو مناتے ہیں کہ سب مرجائیں
حالانکہ انکی مراد یہ تھی کہ جب موت آوے جمعہ کا دن ہو مگر انہیں مطلب کو اس عنوان سے
ادا کیا جس پر سب بگڑ گئے تو میں نے ان کو دیکھا ہے کہ ایک ایک دعا میں ایک ایک گھنٹہ
لگا دیتے تھے اور اچھی طرح ہاتھ پسار پسار کر منہ بنا بنا کر دعا کرتے تھے اس طرح دعا کرتے
بہت کم لوگوں کو دیکھا گیا ہے۔ یہ تو لوگوں کی عملی غلطی تھی۔ اور علمی غلطی یہ ہے کہ دعا کے
قبول نہ ہونے سے شیطان یہ دھوکہ دیتا ہے کہ یہ تدبیر تو تدبیروں سے کمتر ہے دیکھو ایک مہینہ دعا
کرتے ہو گیا قبول ہی نہیں ہوئی اب یہ شخص کسی مولوی صاحب کے پاس جاتا ہے انہوں نے اسکی

یوں تسلی کی کہ قبول دعا کیلئے کچھ شرائط ہیں وہ شرائط مفقود تھے اسلئے قبول نہیں ہوئی یہ جواب بھی صحیح ہے کیونکہ واقعی قبول دعا کیلئے کچھ شرائط ہیں مگر عدم قبول فقدان شرائط ہی پر موقوف نہیں بلکہ بعض دفعہ باوجود اجتماع شرائط کے بھی عدم قبول متحقق ہوتا ہے تو اب وسوسہ پھر پیدا ہوگا اور آئندہ کو دعا سے ہمت ٹوٹ جائیگی اور بعض لوگوں کو ممکن ہے کہ نصوص میں شبہات پیدا ہونے لگیں اسلئے یہ جواب کافی نہیں ہے اور وساوس وشبہات کا استیصال نہیں ہوتا اسلئے ضرورت ایسے جواب کی ہے جس سے تشفی واقع ہو کر شبہات ووساوس کی جڑ کٹ جائے تو اس شبہ کا ایک جواب آج ذہن میں آیا جو شاید پہلے بھی آیا ہو مگر اس تفصیل سے غالباً نہ آیا تھا جیسا آج آیا اس لئے احباب کو وہ جواب سنانا چاہتا ہوں تاکہ شیطان کے اس وسوسہ سے نجات کلی ہوجاوے پھر دعا میں کوتاہی نہ ہو۔ وہ جواب یہ ہے کہ منظوری اور اجابت اور قبول کے دو درجے ہیں ایک یہ کہ درخواست لے لی جائے اور اسپر توجہ کی جائے دوسرے یہ کہ درخواست کے موافق فیصلہ بھی کردیا جائے صاحبو! درخواست کا لے لیا جانا بھی ایک قسم کی منظوری اور بڑی کامیابی ہے آپ نے مقدمات میں دیکھا ہوگا کہ جب کسی مقدمہ کی اپیل کی جاتی ہے تو وہاں بھی دو درجے ہیں ایک یہ کہ اپیل لے لیا جاوے اور اسمیں غور کیا جائے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ بڑی ناکامی یہ ہے اس شخص کی جسکا اپیل لیا ہی نہ جائے اسکے بعد دوسرا درجہ کامیابی کا یہ ہے کہ اپیل منظور کر لینے کے بعد درخواست کے موافق فیصلہ کردیا جاوے اور پہلے فیصلہ کو منسوخ کردیا جاوے جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سنیئے کہ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ منظوری کی قسم اول پر محمول ہے قسم ثانی پر محمول نہیں جسکی دلیل خود نص کے الفاظ ہی ہیں کیونکہ اس کو مرتب فرمایا ہے اذا دعان پر اور اس جملہ میں ترتب تعلق کو بیان فرمایا ہے اور ترتب اجابت کا مقتضا یہی ہے کہ درخواست لے لی جاوے اور اس پر توجہ کی جاوے خواہ فیصلہ دیر میں ہو یا جلدی اور موافق ہو یا نہ ہو کیونکہ فیصلہ تو قانون کے موافق ہوتا یا سائل کی مصالح پر نظر کر کے اور مقدمہ کی روداد کو دیکھ کر حاکم کے تعلق اور توجہ کا مقتضا صرف اتنا ہے کہ سائل کی درخواست کو واپس

لہ اس کی بہت واضح مثال [illegible] سے نقل کرتا ہوں یہ ہے کہ کوئی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجئے تو اصل منظوری تو علاج شروع کردینا ہے [illegible] مسہل دینا [illegible]

نکرے بلکہ اسکی درخواست کو توجہ کیساتھ سنتے اور اسکو فیصلہ کے واسطے لے لے پس اجیب کے معنی یہ ہوئے کہ ہم ہر دعا کرنے والے کی درخواست کو لے لیتے ہیں اس پر توجہ کی جاتی ہے بے توجہی نہیں کی جاتی۔ تو یہ کیا تھوڑی بات ہے۔ صاحبو! دنیا میں تو اتنی ہی بات کے لئے بہت سی تدبیریں اور خوشامدیں کی جاتی ہیں کہ بادشاہ ہماری درخواست کو لے لے۔ اسکے بعد جی کو سمجھا لیتے ہیں کہ اگر فیصلہ قانون کے موافق ہوا تو ہماری مرضی کے موافق ہوگا ورنہ نہیں۔ ایسے ہی یہاں بھی دل کو سمجھانا چاہیئے کہ جب درخواست لیلی گئی ہے تو اگر اسی کا پورا کرنا ہماری مصلحت کے خلاف نہوا تو ضرور پوری ہوگی ورنہ اس کی جگہ کچھ اور مل جائے گا یہ اسواسطے کہا کہ اللہ تعالیٰ دعا کے پورا کرنے میں کسی قانون کے تو پابند نہیں ہاں بندہ کی مصالح پر ضرور نظر فرماتے ہیں کہ اس دعا کا پورا کرنا اس کے لئے مضر نہ ہو سو یہ تو عین کامیابی ہے۔ دیکھیو بچہ باپ سے پیسہ مانگتا ہے تو ایک درجہ تو قبول کا تو یہ ہے کہ باپ اس کی درخواست کو سنکر محبت سے اس کو پیار کرے کہ ہاں ہاں ہم نے تمہاری درخواست سن لی اب کبھی تو وہ اسکو پیسہ دیدیتا ہے اور کبھی اس خیال سے کہ پیسہ لیکر یہ بازار میں جائے گا اور نہ معلوم کیا خرید کر کھالیگا جس سے نقصان پہونچے یا بازار جانے سے عادت خراب ہو جائے تو وہ اس کو بجائے پیسہ دینے کے کوئی چیز خود اپنے ہاتھ سے چار آنے کی خرید کر دیدیتا ہے تو کیا اس کو یوں کہا جائیگا کہ درخواست پوری نہیں کی ہرگز نہیں کہا جائیگا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ گو صورۃً پوری نہیں گی مگر حقیقتاً درخواست پوری کردی گئی کیونکہ اس کو پیسہ سے بہتر چیز دیدی گئی اسی طرح یہاں سمجھو کہ حق تعالیٰ حکیم بھی ہیں قادر بھی ہیں رحیم و مہربان بھی ہیں۔ ماں باپ سے زیادہ بندہ پر مہربان ہیں اسکے بعد بھی جو کچھ طلب کے موافق عطا نہیں ہوتا تو دل کو سمجھانا چاہیئے کہ ضرور ہماری درخواست کا بجنسہ پورا کرنا حکمت کے موافق نہ تھا اسلئے اللہ تعالیٰ بجائے اس کے ہمکو کچھ اور نعمت عطا فرماتے ہیں حکام دنیا تو درخواست منظور کرنیکے بعد فیصلہ کرنے کیوقت صرف اتنا دیکھتے ہیں کہ درخواست کا پورا کرنا قانون کے خلاف تو نہیں اگر قانون کے خلاف ہوا تو اس کو رد کردیتے ہیں اور اس کی جگہ اور کچھ نہیں دیتے اور اللہ تعالیٰ اس قانون کے ساتھ اسکو بھی دیکھتے ہیں کہ درخواست کا پورا کرنا بندہ کی مصالح کے تو خلاف نہیں اور اس صورت میں درخواست کا پورا کرنا عین

کامیابی ہے۔ پس اجابت جس کا وعدہ ہے اس کے معنی درخواست لے لینا اور درخواست پر توجہ کرنا ہے یہ اجابت یقینی ہے اس میں کبھی تخلف نہیں ہوتا آگے دوسرا درجہ ہے کہ جو مانگا ہے وہی مل جائے اس کا وعدہ نہیں بلکہ وہ ان شاء سے مقید ہے کہ اگر مشیت ہوگی تو ایسا ہو جائیگا ورنہ نہیں چنانچہ ارشاد ہے بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ اِنْ شَآءَ بعض علماء نے اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ کو بھی اِنْ شَآءَ سے مقید کیا ہے اور اس کو بعض لوگوں نے حذاقت میں شمار کیا ہے مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ دوسری آیت میں ہے وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یہاں سیاق آیت بتلا رہا ہے کہ دعا پر اجابت ضرور مرتب ہوتی ہے کیونکہ جواب امر کا ترتب پر ضروری ہے اس میں ان شاء کی قید خلاف ظاہر ہے۔ نیز یہاں بھی اِنِّیْ قَرِیْبٌ کے بعد اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ کو بیان فرمانا جس میں قرب کو محقق و مؤکد کیا گیا ہے اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اجابت مشیت کے ساتھ مقید نہیں ورنہ قرب کا معلق بالمشیت ہونا لازم آئے گا حالانکہ حق تعالیٰ کا قریب ہونا محقق ہے علماً بھی اور تعلق خصوصیت سے بھی۔ (لقولہ سبقت رحمتی غضبی وہو المراد بالتعلق ۱۲) پس میرے نزدیک اجابت بالمعنی الاول نہیں ہاں اِجَابَتْ بِالْمَعْنَی الثَّانِیْ اِنْ شَآءَ سے مقید ہے جب دعا اس طرح سے مقبول ہے پھر دعا میں کوتاہی کیوں ہے۔ اور اگر کسی کے ذہن میں یہ تحقیق نہ ہو تو وہ دعا میں اس طرح بھی تو دل کو سمجھا سکتا ہے کہ دنیا میں تو نفع موہوم پر بھی بہت سے کام کر لیتے ہیں گو آخر میں خسارہ بھی ہو جائے اور خسارہ کا خطرہ بھی ہوتا ہے جیسے تجارت وغیرہ میں احتمال ہے اور دعا میں تو خسارہ کا احتمال ہی نہیں پھر اس میں کوتاہی کیوں کی جاتی ہے دعا میں ایک بات اور ہے وہ یہ کہ دعا کرنے سے بندہ کو حق تعالیٰ سے خاص تعلق ہو جاتا ہے جس وقت آدمی دعا کرتا ہے اس وقت غور کر کے ہر شخص دیکھ لے اسکو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق محسوس ہوگا پس دعا کے بعد اگر مطلوب بعینہ حاصل نہ ہو تو یہ بات تو اسی وقت حاصل ہو جائیگی کہ دل میں قوت اور اطمینان حاصل ہوگا؛ دوسری برکت اس کی یہ ہے کہ دعا سے اللہ تعالیٰ کیساتھ بندہ کو تعلق ہو جاتا ہے عشاق کو تو دعا سے یہی مطلوب ہے اور کچھ مطلوب نہیں مولانا فرماتے ہیں

از دعا نبود مراد عاشقاں   جز سخن گفتن بآں شیریں دہاں

اسی لئے عشاق کو دعا قبول نہ ہونے پر کبھی التفات نہیں ہوتا کیونکہ عاشق کیلئے یہی بڑی بات ہے کہ محبوب اس کی باتیں سن لے عاشق کیلئے یہی بات بہت کافی ہے اس کے بعد اگر اجابت کی دوسری قسم کا بھی ظہور ہو جائے تو مزید عنایت ہے تو چاہیے کہ حق تعالے سے خاص تعلق پیدا کیا جائے جس کا بہت آسان طریقہ دعا ہے بغیر اس کے خاص تعلق نہیں ہوتا بلکہ ہوائی تعلق ہوتا ہے کہ اگر سوچا جائے اور غور کیا جائے تو حق تعالی سے بہت دور نظر آتا ہے جو ابھی پھر کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارا ایک تو خدا جس سے سابقہ ہے اور آئندہ بھی سابقہ پڑے گا اور ہم اس سے اس قدر دور ہو رہے ہیں وہ تو قریب ہی ہیں بس ہم دور ہو رہے ہیں اسی لئے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ فرمایا اَنْتُمْ اَقْرَبُ اِلَیْنَا نہیں فرمایا کیونکہ یہاں قرب علمی مراد ہے اور قرب علمی میں طرفین سے قرب لازم نہیں بخلاف قرب حسی ... کہ اس میں طرفین سے قرب لازم ہے بس اسوقت ہماری حالت سعدی کے شعر کی مصداق ہے

دوست نزدیک تر از من بمن است   وین عجب تر کہ من از وے دورم

اس مقام پر استطراداً میں ایک شبہ کو بھی رفع کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگوں کو پوری آیت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ سے یہ شبہ ہو گیا ہے کہ وساوس پر بھی مواخذہ ہوتا ہے کیونکہ پوری آیت یہ ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ؀ ترجمہ۔ اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ان باتوں کو جانتے ہیں جو اس کے دل میں بطور وسوسہ کے آتی ہیں، ان لوگوں نے نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ کو وعید پر محمول کیا ہے اور منشا شبہ کا یہ ہوا کہ بہت سی آیتوں میں جیسے وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَعْمَلُوْنَ اور وَھُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ وَاِنَّہٗ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ علم وعید کیلئے وارد ہے انہوں نے وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ کو بھی اسی پر قیاس کیا حالانکہ یہاں سیاق و سباق میں نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں وعید سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ دراصل یہاں اوپر سے حق تعالی میعاد کو ثابت فرما رہے ہیں جس کیلئے کمال قدرت اور کمال علم کی ضرورت ہے پس اولاً کمال قدرت کو ثابت فرمایا اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَھُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰھَا الآیات میں اور اس کے بعد وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ سے کمال علم کو ثابت فرماتے ہیں کہ ہم کو ان کے وساوس تک کا علم ہے جو دل میں آتے بھی نہیں پھر اعیان خارجیہ واجزاء اجسام کا علم کیوں نہ ہو گا اسکے بعد

ع۵ ہم انسان سے اتنا قریب ہیں ... ۱۰ ع ... انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں ... پارہ ۲۶ رکوع

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ. میں قرب علمی کو بیان فرمایا ہے کہ ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں اور یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو ہمارا اور ہماری حالت کا جس قدر علم ہے ہم کو حق تعالیٰ کا اس قدر علم نہیں بلکہ یوں کہئے کہ ہم کو جتنا ہمارے حق تعالیٰ کا کچھ بھی علم نہیں بلکہ ہم کو خود اپنی حالت کا بھی پورا علم نہیں کہ ہمارے اندر کتنی رگیں ہیں اور ان سے کیا کیا کام لئے جا رہے ہیں اور یہ اوپر معلوم ہو چکا کہ آیت میں قرب علمی مراد ہے پس یقیناً حق تعالیٰ کو ہم سے قرب علمی اس درجہ ہے کہ ہم کو بھی اپنی ساتھ نہیں۔ اسی کو اس طرح تعبیر فرمایا کہ وہ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہیں اور دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ خالق ہیں تمام اعضاء اور تمام قوی انہی کے عطا کئے ہوئے ہیں پس یقیناً حق تعالیٰ کو ہم سے ہمارے اعضاء سے زیادہ قرب ہے پہلے اللہ تعالیٰ کو ہمارے ساتھ تعلق ہوا پھر ہمارے اعضاء وغیرہ کو ہم سے تعلق ہوا (۱۲) بہر حال یہ بات واضح ہوگئی کہ قرب علمی لیکن اس میں ایک شئے قریب ایک بعید ہو سکتی ہے جب ہم کو حق اللہ تعالیٰ سے بعد ہو اس کو قریب بنانا چاہیئے جس کی ایک تدبیر تو وہ مراقبات و اشغال ہیں جو مشائخ کے یہاں معمول بہا ہیں اور سب سے زیادہ آسان اور نزدیک طریقہ دعا ہے کیونکہ دعا میں انسان اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے عرض معروض کرتا ہے اور جب تم باتیں کرو گے تو یہ تمہارا ایک خاص عمل ہوگا جس میں تم خود یہ تصور کرو گے کہ اللہ تعالیٰ سن رہے ہیں اور وہ ہم سے قریب ہیں تو اس سے تم کو اللہ تعالیٰ کا قرب اور ان کے ساتھ تعلق خصوصیت زیادہ ہوگا۔ اور یہ دعا کا وہ ثمرہ ہے جو کبھی مختلف نہیں ہوتا اس کے بعد اس دعا کی اجابت بالمعنی الاول کا ثمرہ الگ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری درخواست کو سن لیتے ہیں اس پر توجہ فرماتے ہیں اور شفقت و رحمت کے ساتھ تمہاری عرض و معروض کو سنتے ہیں اس کے بعد اجابت بالمعنی الثانی کا ثمرہ الگ ہے جو کبھی مرتب ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا پس دعا کے متعلق علمی غلطی کو تو میں نے رفع کر دیا اب عملی کوتاہی رہ گئی اس کو آپ رفع کریں جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر حاجت میں دعا کیا کریں اور دل سے دعا کیا کریں اور اس کے ساتھ تدبیر بھی کرو کیونکہ تدبیر امر مشاہد ہے اور مشاہدے سے تسلی زیادہ ہوتی ہے اور دعا و تدبیر کرنا تو بلاغی ظاہر ہے ورنہ حقیقت میں اس کا درجہ تدبیر سے آگے ہے۔ دعا کو تقدیر سے زیادہ قرب ہے کیونکہ اس میں اس ذات سے درخواست و سوال ہے جس کے قبضہ میں تقدیر ہے۔ باقی اسباب و تدابیر کا درجہ صرف اتنا ہے جیسے ریلوے کا ملازم لال جھنڈی دکھا دے جس کو دیکھ کر ٹرین فوراً رک جاتی ہے

کہ لال جھنڈی میں تاثیر کی قوت نہیں اگر ڈرائیور انجن کو نہ روکے تو ہزار لال جھنڈیاں بھی پامال ہو جائیں گی پس لال جھنڈی کا درجہ صرف اتنا ہے کہ یہ ڈرائیور نے اصطلاح مقرر کر لی ہے کہ ہم ایسی جھنڈی سے گاڑی کو روک دیں گے اور دوسری قسم سے چلا دیں گے لیکن اگر کسی وقت وہ اس قرار داد کے خلاف کرنا چاہے تو جھنڈی میں اس کو روکنے کی اصلا طاقت نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر فرما دیا ہے کہ جو شخص اسباب کو اختیار کرے گا ہم مسببات کو ان پر فائض کر دیں گے لیکن اگر کسی وقت وہ مسببات کو پیدا نہ کرنا چاہیں تو اسباب سے کچھ نہیں ہو سکتا اسی لئے حقیقت شناس یوں کہتا ہے ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں ؛ مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

اسباب کا نام ایک مصلحت و حکمت کی وجہ سے ہے ورنہ سب کچھ وہی کرتے ہیں اور بندہ کا نام ہو جاتا ہے کہ حکیم صاحب کے ہاتھ سے شفا ہوئی یا فلاں صاحب کی تقریر کا یہ اثر ہوا۔ صاحبو اثر اور تاثیر سب خدا کی طرف سے ہے۔ وعظ کہکر جب یہ وسوسہ آتا ہے کہ آج اچھا مضمون بیان ہوا تو میں یہ شعر پڑھتا ہوں ؎ بوے نافہ کاخر صبا زاں طرہ بکشاید ؛ ز تاب جعد مشکینش چہ خوں افتاد در دلہا ایک شعر اردو کا بھی اسی معنی میں اچھا ہے ؎ کہاں میں اور کہاں یہ نگہت گل ؛ نسیم صبح تیری مہربانی ؛ مولانا فرماتے ہیں ؎ عشق من پیدا و معشوقم نہاں ؛ یار بیروں فتنہ او در جہاں۔

حقیقت میں موثر وہی ہیں اسباب میں تاثیر کی طاقت نہیں وہ صرف علامات ہیں جیسے میں نے ابھی لال جھنڈی کی مثال دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس مضمون کو باربار بیان فرمایا ہے چنانچہ ایک جگہ بہت تصریح کیساتھ فرماتے ہیں أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۝ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۝ أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝

حاصل اس کا یہ ہے کہ کھیتی کا پیدا کرنیوالا بھی وہی ہے پانی کا برسانیوالا بھی وہی ہے اگر وہ چاہے تو ہرے بھرے کھیت ایک دم میں خشک ہو جائیں اور کاشتکار ہاتھ ملتے رہ جائیں بادل سے تیر

پانی وہی برساتا ہے اگر وہ چاہے تو سمندر کا شور پانی اسی شوریت کیساتھ نازل ہوا کرے جو سمندر میں ہے مگر وہ اپنی رحمت سے اس کو صاف کرکے شیریں کرکے نازل کرتے ہیں ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بار بار سوال فرمایا ہے کہ بتلاؤ یہ کام تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں جسکا جواب کسی کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں یہ تو اعیان کے متعلق گفتگو تھی میں کہتا ہوں کہ ہمارے افعال بھی ظاہر میں ہمارے معمول نظر آتے ہیں ورنہ حقیقت میں ان کی علت بھی وہی ہیں اور ہماری طرف ان اعمال کی نسبت ایسی ہے جیسے بچے کے ہاتھ میں قلم دیکر پھر اسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر لکھا جائے اور دو چار حرف خوشنما لکھکر بچہ کی تعریف کی جائے کہ شاباش بہت اچھا لکھا اب اگر بچہ سمجھدار ہے وہ جانے گا کہ میرا کمال کچھ نہیں بلکہ اس کا کمال ہے جس نے اپنے ہاتھ میں میرا ہاتھ لے رکھا تھا اور نادان ہے تو جہالت سے ناز کرنے لگے گا مگر جس وقت وہ دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ ہو جائیگا اسوقت اسکو معلوم ہوگا کہ وہ لکھنے پر کتنا قادر ہے اور اس میں کتنا کمال ہے صاحبو! اسی طرح اپنے اعمال صالحہ و اوصاف کمالیہ پر نادان ہی ناز کرسکتا ہے جسکو اپنا ہاتھ تو نظر آتا ہے اور دوسرا ہاتھ نظر نہیں آتا، اور جنکو دوسرے ہاتھ کا مشاہدہ ہو گیا ہے۔ ان کی نظر اپنے کمالات پر اصلاً نہیں ہوتی بلکہ یہ حال ہوتا ہے جیسے دیوار میں کسی نے میخ ٹھونکی دیوار نے میخ سے کہا کہ میرا سینہ کیوں پھاڑتی ہے میخ نے کہا کہ جو مجھکو ٹھوک رہا ہے اس سے کہہ مجھ سے کیا کہتی ہے اور بعض پر یہ مشاہدہ اس درجہ غالب ہو جاتا ہے کہ وہ وحدۃ الوجود میں الجھ جاتے ہیں مگر محقق وہ ہے جو دونوں ہاتھوں کا مشاہدہ کرے خالق کا بھی کاسب کا بھی نہ صرف کاسب پر نظر کرے نہ صرف خالق پر بلکہ خالق و کاسب دونوں پر نظر کرکے فعل کو دونوں کی طرف منسوب کرے خالق کی طرف خلقاً اور کاسب کی طرف کسباً خوب سمجھ لو۔ پس اس حقیقت کو حاصل کرنا چاہیے جسکا سہل طریق دعا ہے کہ حق تعالیٰ سے ہر حاجت کو عرض کرو۔ آج سے اس کا التزام کرلو کہ جو بات ہوگی حق تعالیٰ سے عرض کیا کریں گے، مگر آموختہ سا نہ پڑھو بلکہ جیسا حکام دنیا کے سامنے لجاجت اور خوشامد سے عرضی دیتے ہو اور حاکم کے سامنے زبانی عرض و معروض کرتے ہوئے ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہو اس طرح توجہ و خشوع کیساتھ دعا کرو اور پختگی کیساتھ درخواست کرو کہ اے اللہ ایسا کر ہی دیجئے یوں نہ کہو کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو ایسا کر دیجئے کیونکہ ان پر اکراہ کرنے والا

کون ہے وہ تو بدوں تمہارے اس کہے بھی اپنی مرضی کے موافق ہی کرینگے پس تم بخل کیساتھ درخواست
کرو کیونکہ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُلِحِّیْنَ فِی الدُّعَاءِ اور الحاح سے جو یہ وسوسہ مانع تھا کہ نہ معلوم
دعا قبول ہو یا نہو اسکو میں رفع کرچکا ہوں اور بتلا چکا ہوں کہ ایک اجابت تو یقینی ہے یعنی عرضی کا لینا
اور اس کو توجہ سے سننا کیونکہ اجابت کو آیت میں قرب پر مرتب فرمایا گیا ہے اور قرب تعلق کا ادنے
درجہ یہ ہے کہ عرضی لے لی جاوے پس آیت میں اس کا وعدہ ہے اس سے آگے کا وعدہ نہیں بلکہ وہ ان شاء
کے ساتھ مقید ہے اب یہ شبہات سب رفع ہوگئے تو عمل شروع کردینا چاہئے اور یہ کسی حاجت کیلئے
بھی مت سوچو کہ یہ تو معمولی سی بات ہے اسکے واسطے اللہ تعالیٰ سے کیا دعا کریں کیونکہ حدیث میں ہے کہ
اللہ تعالیٰ سے نمک تک مانگو اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شبہ کو رفع کیا ہے
وہ یہ کہ بعض لوگ چھوٹی سی چیز مانگنی شان خداوندی کے خلاف سمجھتے ہیں جیسے سکندر سے کسی نے ایک روپیہ کا
سوال کیا تھا سکندر نے کہا کہ ایک روپیہ مانگنا میری شان کے خلاف ہے سائل نے کہا پھر سلطنت
دیدو کہا یہ تیری شان کے خلاف ہے سلاطین دنیا کے مذاق پر قیاس کرکے بعض کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ
بھی چھوٹی چیز کے سوال سے ناخوش ہونگے مگر یہ غلط ہے کیونکہ سلاطین چھوٹی چیز کے سوال سے اسواسطے ناخوش ہوتے
ہیں کہ انکے نزدیک کوئی چیز بڑی بھی ہے اور حق تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کی بھی کچھ وقعت نہیں ان کے نزدیک عرش
اور نمک کی ڈلی برابر ہے حالانکہ عرش اتنا بڑا ہے کہ ساتوں آسمان زمین اسکے سامنے بے حقیقت ہیں شیخ
عبدالکریم جیلی بڑے صاحب کشف ہیں انکو ایک دریا منکشف ہوا ہے جسکی ایک ایک موج اتنی بڑی ہے کہ ساتوں
آسمانوں اور زمینوں کو غرق کردے مگر ملائکہ محافظ ہیں وہ اسکی موجوں سے زمین و آسمان کو بچاتے ہیں مگر
عرش اس سے بھی بڑا ہے عرش کی برابر کوئی چیز نہیں با ایں ہمہ عرش کا پیدا کرنا اور نمک کی ڈلی کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ
کے نزدیک برابر ہے کیونکہ ان کو تو صرف حکم کرنا پڑتا ہے ایک کلمہ کن سے وہ عرش بھی بنا دیتے ہیں اور نمک کی ڈلی بھی
پس جو شخص نمک کی ڈلی مانگنے کو شان خداوندی کے خلاف سمجھتا ہے وہ کسی چیز کو خدا تعالیٰ کے سامنے عظیم
و قبیح بھی سمجھتا ہے اور یہ خیال غلط ہے اسلئے حق تعالیٰ سے ہر چیز مانگو اس کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹی
چیز کو بڑی سمجھکر مانگو بلکہ مطلب یہ ہے کہ بڑی کو بھی چھوٹی سمجھو۔ صاحبو جب خدا تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز
آسان ہے کوئی چیز دشوار و مشکل نہیں تو ان سے کیوں نہیں مانگتے۔ اصل یہ ہے کہ ہمکو اللہ تعالیٰ کی قدر ہی
نہیں مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ۔ یہ گفتگو تو اعیان کے متعلق تھی کہ حق تعالیٰ کے نزدیک

۱۴

بڑی سے بڑی چیز بھی بے حقیقت ہے اب اعراض کے متعلق یہ بتاتا ہوں کہ گناہ بھی بڑے سے بڑا حق تعالیٰ کی مغفرت و رحمت کے سامنے بے حقیقت ہے حدیث میں حق تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یَا ابْنَ آدَمَ لَوْ اَتَیْتَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ ذُنُوْبًا ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِیْ لَغَفَرْتُهَا لَكَ وَلَا اُبَالِیْ (اوکما قال) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم اگر تو روئے زمین کی برابر میرے پاس گناہ لیکر آئے پھر مجھ سے مغفرت چاہے تو میں سب گناہوں کو بخشدوں گا اور ذرا بھی (اس کثرت کی) پروا نہ کروں گا ہاں یہ ضرور ہے کہ توبہ و استغفار کرے دوسرے گناہ کا عزم نہ ہو بعض نے توبہ کیلئے کہ توبہ کے صحیح ہونیکی شرط یہ ہے کہ اسوقت یہ عزم کرلیا جائے کہ آئندہ یہ گناہ نہ کریں گے گر محققین کے نزدیک یہ بھی شرط نہیں بلکہ یہ عزم مستقل طاعت ہے صحت توبہ کا موقوف علیہ نہیں محققین کے نزدیک توبہ کی حقیقت صرف ندامت ہے جیسا حدیث میں ہے اَلتَّوْبَةُ النَّدَمُ ہاں یہ ضرور ہے کہ توبہ کے وقت مضاد توبہ کا عزم نہو یعنی جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے توبہ کے وقت دل میں یہ قصد نہو کہ یہ گناہ پھر بھی کروں گا کیونکہ اس صورت میں ندامت کا تحقق نہوگا پس اگر اسوقت عزم ترک فی المستقبل نہو تو عزم عمل فی المستقبل بھی نہو بلکہ عزم عمل سے ذہن خالی ہو اگر خالی الذہن ہو کر بھی توبہ ندامت کیساتھ ہوگئی تو توبہ صحیح ہوگئی۔ پس توبہ کرتے ہوئے گناہوں کی کثرت کو نہ دیکھو نہ اس کو دیکھو کہ یہ گناہ تو آئندہ پھر بھی ہوگا بلکہ آئندہ سے ذہن کو خالی کرکے صرف ماضی پر نادم و پشیمان ہوکر توبہ کرو یہ بھی دعا کی ایک اعلیٰ فرد ہے اس کا التزام کرو۔ میں دعا کی برکات کو بیان نہیں کرسکتا کیونکہ یہ عملی شے ہے اس کی برکات عمل کے بعد ہی سمجھ میں آتی ہیں ہاں ایک حسی فائدہ بتلاتا ہوں کہ دعا سے یہ اثر ہر شخص کو فوراً محسوس ہوگا کہ پریشانی رفع ہو جائیگی اور باطنی نفع یہ محسوس ہوگا کہ حق تعالیٰ سے قرب خاص مشاہد ہوگا اللہ تعالیٰ سے جی لگے گا اللہ تعالیٰ کی یاد سے وحشت نہوگی اللہ تعالیٰ سے بعد محسوس نہ ہوگا۔ اسکے بعد فرماتے ہیں فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ کہ جب میں بندہ کی ہر درخواست کو لے لیتا ہوں قبول کرلیتا ہوں تو بندوں کو بھی میری بات ماننا چاہیئے۔ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ مجھ پر ایمان لانا چاہیئے۔ اس پر شاید آپ یوں کہیں کہ جب اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ میں اجابت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ درخواست لیلیتے ہیں اور اسکو توجہ سے سنتے ہیں اور اسکا مراد مقصود نہیں تو ہم استجابت کو بھی یہی معنی لیں گے کہ اللہ میاں آپکے احکام آنکھوں پر ہم سب کو مانتے ہیں یا عمل

بالاحکام سو اس کی طلب آیت میں کہاں ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ آپ استجابت کے یہی معنی لیجئے میں اپنی
تفسیر سے رجوع نہ کروں گا میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس آیت میں صرف اتنی ہی بات کا حکم ہے کہ اللہ تعالےٰ
کے احکام کو مان لو ۔ اور وَلْيُؤْمِنُوا بِي تفسیر ہے فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي کی پس استجابت سے مراد ایمان لانا
اور احکام الٰہیہ کو مان لینا ہے اب یہ آیت نظیر دوسری آیت کی یعنی يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَ
آمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ یہاں بھی أَجِيبُوا کی تفسیر آمِنُوا سے
وارد ہوا اور اجابت و استجابت دونوں متحد المعنیٰ ہیں پس آپ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہاں استجابت کے معنی
یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے احکام کو مان لو یہاں عمل کا ذکر نہیں لیکن عدم ذکر سے
یہ سمجھ لینا غلط ہے کہ یہاں اعمال کی نفی کی گئی ہے ہرگز نہیں ہاں یوں کہو کہ سکوت ہے اس کا مضائقہ
نہیں کیونکہ ایک آیت میں سب باتوں کا ذکر ہونا ضروری نہیں بلکہ ایک بات کا حکم ایک آیت میں ہے
دوسری باتوں کا دوسری آیتوں میں ہے پس فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي کو اجابت
بالمعنی الاول پر محمول کرنا تو صحیح مگر اس سے عمل کی نفی کرنا غلط جیسا کہ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ میں
ہم نے بھی اجابت بالمعنی الاول کا اثبات کیا ہے مگر اجابت بالمعنی الثانی کی نفی تو نہیں کی بلکہ اس سے
آیت کو ساکت مانا ہے پھر تم نفی عمل کی زیادت کیسے کرتے ہو ۔ دوسرے أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ
میں تو سکوت عن عطاء المراد کی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ تمہاری درخواست بعض دفعہ نامناسب خلاف
مصلحت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں یہ بات نہیں ہے تو ہم کو یہ بھی حق ہے کہ ہم فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي
وَلْيُؤْمِنُوا بِي کو طلب عمل سے ساکت نہ مانیں کیونکہ جو احکام سراپا خیر اور سراپا مصلحت ہیں انکے
ماننے کے معنی یہی ہیں کہ انکے موافق عمل کیا جائے ۔ اس کے بعد ارشاد ہے لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ بظاہر یہ سب
امور مذکورہ کے متعلق ہے ۔ مطلب یہ ہوا کہ بندوں کو میرے قرب علمی و قرب تعلق کی اطلاع دیدیجئے
تاکہ وہ اسکو معلوم کر کے میرے احکام کو بھی مانیں اور اس مجموعہ سے توقع ہے کہ ان کو صواب و رشد حاصل
ہو جائیگا ۔ یہ جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ صواب و رشد یہی ہے کہ حق تعالیٰ سے اس طرح معاملہ کیا جائے
کہ اعتقاداً ان کو اپنے سے قریب سمجھے اور عملاً اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور دعا کرنے کی عادت کی جائے اب
دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اسکی توفیق عطا فرمائیں ۔ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَىٰ عَلَىٰ خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
اشرف علی ۱۵ ارج ۱۳۴۹ھ

ع — اے بھائیو! اللہ کی طرف سے بلانے والے کا کہنا مانو اور حق تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دیگا اور تم کو عذاب دردناک سے محفوظ رکھے گا ۱۲ منہ ۔ پارہ ۲۶ رکوع ۴ ۔

۱۶

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ التبلیغ

کا وعظ مسمی بہ

الترفع بالباس
عن
النفع للناس

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد المنان غفرلہ

مکتبہ تھانوی ۔ دفتر "الابقاء"

متصل مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ۱

ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ھن لباس لکم وانتم لباس لھن ۔

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے اس میں حق تعالیٰ شانہ نے زوجین کے تعلقات کو ایک مختصر مگر بلیغ عنوان سے بیان فرمایا ہے ۔

چونکہ اس بیان کا سبب ایک تقریب والوں کی تحریک ہے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ بیان نکاح ہی کے مناسب ہو۔ اور مختصر ہو کیونکہ وقت تھوڑا ہے عصر سے پہلے بیان کا ختم کر دینا ضروری ہے تاکہ اسکے بعد نکاح کیلئے بھی کافی وقت باقی رہے۔ اسلئے میں نے قرآن کے اس جملہ کو بیان کیلئے اختیار کیا جو مختصر بھی ہے اور بلیغ بھی اور مقصود کے واضح کرنے میں کافی بھی۔ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ وہ عورتیں یعنی حلال عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو ھن کے ترجمہ میں حلال عورتیں میں نے اسلئے کہا کہ اوپر سے ازواج ہی کا ذکر چلا آرہا ہے دوسرے عام عورتوں کو مردوں سے کوئی خصوصیت مقصود نہیں اسلئے عام عورتوں کو مردوں کا لباس اور مردوں کو ان کا لباس نہیں کہا جا سکتا کیونکہ آگے معلوم ہو جائیگا کہ لباس کی مع تعبیر کرنے میں شدت تعلق کی طرف اشارہ ہے اور ظاہر ہے کہ شدت تعلق عام عورتوں اور مردوں میں نہیں ہوا کرتا بلکہ زوجین ہی میں ہوتا ہے تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ غیر حلال کے منافع کیوں بیان فرماتے اگر کہیں نفع کی محض تھا تو اسکے ضرر کو غالب بتاکر اس نفع کو غیر قابل تحسین زیادہ کیا جیسا ارشاد ہے (اثمہما اکبر من نفعہما) خمر کے باب میں ارشاد ہے انہ لیس بدواء ولکنہ داء (رواہ مسلم) اور اس آیت میں مرد عورت کے تعلق کے منافع کا ذکر ہے پس لازم ہے کہ تعلق حرام کے منافع کا ذکر نہ ہو بلکہ تعلق حلال ہی کا ذکر ہو اور حدیث کا یہ مطلب نہیں خمر وغیرہ حرام چیزیں نہ دوائیت نہ نفع مطلقاً نہیں تاکہ یہ اشکال وارد ہو کہ یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے ہم تو مشاہدہ سے دیکھتے ہیں کہ حرام چیزوں سے بھی نفع ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ نفع قابل اعتبار نہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اعتبار غالب کا ہوتا ہے اگر کسی شے میں غالب نفع ہے تو وہ شے نافع ہے اور اگر ضرر غالب ہے تو وہ مضر ہے پس مطلب یہ ہے کہ حرام میں ضرر اس قدر ہے کہ اس کے مقابلہ میں نفع ناقابل اعتبار ہے کیونکہ مآل کار آخرت میں اسکا ضرر شدید ہے جسکے مقابلہ میں شفا عاجل کالعدم و کالمنفی ہے اور دوسرے جن چیزوں کو

شریعت نے حرام کیا ہے دنیا میں بھی وہ ضرر سے خالی نہیں ان میں غالب ضرر ہی ہے اللہ تعالیٰ نے طیبات کو حلال کیا ہے اور خبیثات کو حرام پس تحقیق و تفتیش سے معلوم ہو جائیگا کہ جن چیزوں کو شریعت نے حرام کیا ہے ان میں ضرر ہی غالب ہے گو کسی خاص وقت میں ضرر کا ظہور نہ ہو ۱۲ منہ پس حرام سے جو شفا ہوتی ہے وہ حقیقت میں شفا ہی نہیں (بلکہ وہ ایک مرض کو دفع کرتی ہے دوسرے امراض جسم میں پیدا کر دیتی ہے ۱۲ منہ) بہرحال اس کا قائل ہونا ضروری ہے کہ یہاں حلال بیبیاں اور حلال مرد مراد ہیں کیونکہ تخصیص بالازواج پر قرائن عقلیہ بھی قائم ہیں اور قرائن نقلیہ بھی۔ اور ہر چند کہ اس آیت کا شان نزول بھی تخصیص بالازواج ہی کو مقتضی ہے مگر اسکے بیان کی چنداں ضرورت نہیں۔ اب میں مکرر ترجمہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیبیاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو اسکے بعد میں اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو عنوان لباس سے مقصود ہے یعنی اس تعلق کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو زوجین کے درمیان ہوتا ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے اس عنوان بلیغ سے بیان فرمایا ہے پس اول یہ سمجھنا چاہئے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے تشبیہ کو استعمال فرمایا ہے کیونکہ لباس لغوی تو یقیناً مراد نہیں بلکہ استعارہ و مجاز مراد ہے اسکے بعد یہ سمجھو کہ ایک چیز کی دوسرے کیساتھ تشبیہ کسی خاص وصف میں ہوتی ہے خواہ وصف واحد ہو یا متعدد۔

۴۰

پھر کبھی تو وہ وصف منصوص ہوتا ہے اور کبھی اجتہادی ہوتا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ وجہ تشبیہ ایسا وصف ہونا چاہیے جو مشبہ بہ میں مشہور و معروف اور واضح ہو جیسے شجاعت میں تشبیہ دینے کیلئے کہا جاتا ہے زید اسد زید شیر ہے کیونکہ شیر کی بہادری اور شجاعت مشہور ہے اسی طرح یہاں جو زوجین کو لباس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو وجہ تشبیہ ایسا وصف ہونا چاہئے جسمیں لباس مشہور ہو پس اب ہم کو لباس کے اوصاف میں غور کرنا چاہئیے اور گو اس کی تعیین میں اختلاف ہوا ہے کہ یہاں کونسا وصف مراد ہے۔ لیکن میرے نزدیک ان سب اقوال میں تعارض کچھ نہیں بلکہ سب کا حاصل یہ ہے کہ وجہ تشبیہ میں تعدد ہو کیونکہ لباس کے اوصاف متعدد ہیں اور سب کو زوجین کے تعلق سے مناسبت ہے پس ایک شخص کا ذہن ایک وصف کی طرف منتقل ہوا اور دوسرے کا دوسرے وصف کی طرف چنانچہ لباس میں ایک وصف اشتمال ہے چونکہ زوجین میں تعانق و تواصل کے وقت اشتمال یکدگر ہوتا ہے اس لئے ہر ایک کو لباس سے تشبیہ دی گئی مگر شارع کا مقصود اس تشبیہ سے محض اس اشتمال حسی

پر اشارہ کرنا نہیں بلکہ شدت تعلق کی طرف اشارہ مقصود ہے یعنی اس تشبیہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ زوجین میں بہت شدید اور گہرا تعلق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ میاں بی بی کے درمیان ایسا قوی تعلق پیدا کر دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ کوئی تعلق دنیا میں نہیں ہوتا کیونکہ بدون تعلق شدید کے حقوق زوجیت کا بسہولت ادا ہونا دشوار تھا گو قدرت سے باہر تو نہیں کیونکہ وہ تمام حقوق انسان کی قدرت و اختیار میں ہیں اور انسان اپنے اختیار وارادہ ہی کے صرف کرنے کا مکلف ہے اور اسی سے صدور افعال کا ہوتا ہے۔ ان سے کام لینا بہت ضروری ہے مگر لوگ خاص دین کے باب میں اس کے درپے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کو ایسا شدید تعلق ہو جاوے کہ حقوق خود بخود ادا ہوتے رہیں ہمیں کچھ کرنا نہ پڑے بس محبت وشوق کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ نماز روزہ خود ہی ادا ہوتا رہے سو یہ حالت غیر اختیاری ہے بندہ کے اختیار میں نہیں بلکہ اس کے ذمہ یہ واجب ہے کہ اپنے ارادہ و اختیار سے کام لے اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہو اس مسئلہ کے متعلق میرے چند بیانات ہو چکے ہیں اور یہ بہت ضروری مسئلہ ہے جیسے حدیث میں اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ (پاکی ایمان کا جز ہے) وارد ہے اسی طرح میں اس مسئلہ کو نصف السلوک سمجھتا ہوں کہ اختیاری میں کوتاہی نہ کرے اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہو لوگوں نے آج کل صرف نماز روزہ کا نام دین رکھ لیا ہے حالانکہ یہ عمل دین کا جزو ہے کہ اختیاری امور کے درپے ہو غیر اختیاری کے درپے نہ ہو اور یاد رکھو کہ یہ امور غیر اختیاری یعنی حالات وکیفیات وغیرہ اگر کبھی حاصل ہوتے ہیں اعمال اختیاریہ ہی میں مشغول ہونے سے حاصل ہوتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ عمل اختیاری سے غیر اختیاری کی نیت بھی نہ کرے کیونکہ حصول میں تعجیل وتاجیل اختیار سے باہر ہے کبھی تو نقصان عمل کی وجہ سے تاجیل ہوتی ہے کبھی قلت استعداد وضعف استعداد کی وجہ سے دیر ہوتی ہے بس تم اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو خود ان کے درپے نہ ہو بلکہ ان اعمال کے درپے ہو جو تمہارے اختیار میں ہیں ؎

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن — کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

وہ خود جانتے ہیں کہ تمہارے لئے کیا مناسب ہے کیا نہیں اسلئے اگر حالات وکیفیات تمہارے لئے مناسب ہوں گے عطا کر دیں گے نہیں مناسب ہوں گے تو نہیں عطا کریں گے۔

۲۱

۵

دیکھو ماں اپنے بچہ کے واسطے بمصالح کیسی سختی کرتی ہے بچہ کی خواہش پر عمل نہیں کرتی خصوصاً باپ کہ وہ تو بچہ کی مصلحت کا بہت زیادہ ماں تو کسی وقت مغلوب بھی ہوجاتی ہے مگر زیادہ حالت یہی ہے کہ والدین بچہ کے اپنی رائے کے موافق معاملہ کرتے ہیں جو مصلحت ہوتا ہے اسی پر عمل کرتے ہیں گو بچہ کتنا ہی ضد کرے مولانا فرماتے ہیں ؎

طفل مے لرزد ز نیش احتجام مادر مشفق ازاں غم شاد کام

بچہ پچھنے لگانے والے کے نشتر وغیرہ کو دیکھکر رونا ڈرتا ہے مگر ماں خوشی کے ساتھ اس کے پچھنے لگواتی ہے کیونکہ اس کی نظر انجام صحت پر ہے۔

عربی میں حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں خط بنانے والے کو نہیں کہتے بلکہ اس کو حلاق کہتے ہیں مگر آجکل حلاق کو حجام کہا جاتا ہے اور ہمارے یہاں کے بچے تو اس سے بھی ڈرتے ہیں چنانچہ سر مونڈنے کے وقت بہت روتے ہیں تو جب باپ ماں بچوں کی رائے پر کام نہیں کرتے پھر حق تعالیٰ بندوں کی رائے پر کیوں کام کریں اور تم سے مشورہ کیوں لیں وہاں شخصیت پچھ پارلیمنٹ نہیں ہے۔ غرض اعمال اختیاریہ میں بھی امور غیر اختیاریہ کا قصد نہ کرے جو بات اس کے اختیار میں نہیں ہے اس کی طرف التفات ہی نہ کرے بلکہ اپنے کام میں لگے۔ صاحبو انسان کے اندر ایک چیز ہے جس سے صدور افعال ہوتا ہے جسکا نام قصد و اختیار ہے۔ آدمی جب تک اس سے ہمت کے ساتھ کام لیتا رہے معاصی سے بچ سکتا ہے مگر رسوخ و دوام صرف داعی فی القلب ہی سے ہوتا ہے کہ دل میں کوئی خاص حالت داعی پیدا ہوجائے ایسا شخص کسی وقت بھی احکام سے پہلوتہی نہیں کرسکتا وہ شادی کی پہلی رات میں بھی نماز کی جماعت ترک نہیں کرتا اور جو شخص داعی قلب سے خالی ہے وہ ایسے وقت میں اول تو نماز قضا کردے گا ورنہ جماعت تو فوت کرہی دے گا حالانکہ بیوی میاں کو نماز سے نہیں روکتی مگر آپ دیکھ لیں کہ شادی کرکے شب زفاف میں کتنے لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں حالت موجودہ یہ ہے کہ نکاح شادی میں دولہا دولہن کا تو کیا کہنا سارے باراتی اور گھر والے ہی بے نمازی ہوجاتے ہیں خصوصاً وہ لوگ جن کے سپرد کوئی کام یا انتظام ہو اور اس کی وجہ وہی ہے کہ لوگ داعی قلب سے خالی ہیں ورنہ اگر قلب میں نماز کا داعی ہوتا تو وہ نمازی آدمی کو نماز کیوقت

بیچین کر دیتا ہے بدون نماز کے اسکو چین ہی نہیں آتا اب بتلایئے وہ کسی وقت قصداً جاگتے
ہوئے ہوش وحواس میں ہوتے ہوئے نماز کیونکر ترک کر سکتا ہے ہرگز نہیں پس دوام اور
بناء سہولت کے ساتھ داعی تقاضا ہی سے ہوتا ہے اور بدون اسکے بھی دوام ہو سکتا ہے مگر
ہمت قویہ کے ساتھ ہر وقت ارادہ اور اختیار سے کام لے ہر روز نیا قصد اور نیا ارادہ پیدا
کرے اسی لئے حضرت شارع نے ہمکو سہولت اعمال کے طریقے بھی تبلا دیئے ہیں (جو حاصل ہے
قلب میں داعی پیدا ہو جانے کی) مگر تسہیل اعمال کے طریقے تبلانا شارع یا نائب شارع کے
ذمہ نہیں بلکہ اگر وہ ایسے طریقے تبلا دیں تو ان کا تبرع واحسان ہے اس مسئلہ پر بھی میرا ایک بیان
ہو چکا ہے (جسکا نام التسہیل والتحصیل ہے ۱۲) کیونکہ عمل کا مدار اسپر نہیں بلکہ اصل مدار اعمال
ارادہ وقصد وصرف اختیار پر ہے ہاں اسمیں شک نہیں کہ طریقہ موثق صدور اعمال کا یہی ہے
کہ حق تعالیٰ قلب میں ایک داعی اور تقاضا پیدا کر دیں خصوصاً بچوں کی پرورش جو کہ محض گو
ڈھیر اور موت کی پوٹ ہیں وہ بدون داعی قلب کے ہو ہی نہیں سکتی بچے تو ہر وقت اپنی
خدمت کراتے ہیں خود خدمت کے لائق نہیں ان کے اقوال وافعال بھی مجنونانہ ہیں مگر حق تعالیٰ
نے محبت ایسی پیدا کر دی ہے کہ ان کی مجنونانہ حرکات بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ وہ
کوئی کام خلاف تہذیب کر دیتے ہیں جسپر سزا دینا عقلاً ضروری ہوتی ہے مگر بچوں کے متعلق عقلاء
میں اختلاف ہو جاتا ہے ایک کہتا ہے کہ سزا دی جائے دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بچے ہیں ان سے
ایسی غلطی ہو ہی جاتی ہے معاف کر دینا چاہیئے۔

غرض اپنے بچوں کو تو کیوں نہ چاہیں دوسروں کے بچوں پر دیکھکر پیار آتا ہے اور ان کی
حرکتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر یہ محبت کا تقاضا اور داعی نہ ہوتا اور راتوں کو جاگنا اور گو موت
کرانا پڑتا تو کیونکر گذر ہوتا یقیناً بدون محبت کے یہ کام دشوار ہو جاتا مثلاً کسی غیر کے بچہ کی خدمت
کر کے دیکھو تو حقیقت معلوم ہو جائے گی گو خدا کا خوف کر کے تم روزانہ اس کی خدمت کر دیگے
مگر دل میں پیچ وتاب ضرور رہو گا اور اس کے والدین پر غصہ بھی آئے گا کہ کمبختوں نے دوسروں
پر یہ وبال ڈالا یا جن جن کے بچے پھینک دیئے ان کی پرورش نہیں کی جاتی۔ اور ماں دروں کے
قصے تو اس بارہ میں بہت ہی مشہور ہیں۔ ماں در پر سوتیلی اولاد کی خدمت اس قدر گراں ہے

کر اس کے دل میں ان کی محبت نہیں بعض تو ان سے پریشان ہوکر ان کو ستاتی ہیں اور بعض اللہ کی نیک بندیاں ایذا تو نہیں پہنچاتیں مگر سینہ نیلیوں کی خدمت گراں اور دوبھر انکو بھی ہوتی ہے چونکہ اولاد کی خدمت بدون محبت کے دشوار تھی اسلئے حق تعالے نے اولاد کی محبت والدین کے دل میں ایسی پیدا کردی ہے کہ اب وہ اس خدمت میں مجبور ومضطر ہیں اور یہ ایسی محبت ہے کہ کہ جو ذوات قدسیہ محض محبت حق ہی کیلئے مخصوص ہیں وہ بھی اس محبت سے خالی نہیں ہیں چنانچہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات حسنین رض سے ایسی محبت تھی کہ ایک بار آپ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ حضرات حسنین رض بچے سے لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں آگئے حضور سے ان کا لڑکھڑانا دیکھا نہ رہا گیا آپنے درمیان خطبہ ہی میں ممبر سے اتر کر ان کو گود میں اٹھا لیا اور پھر خطبہ جاری فرمادیا اگر آج کوئی شیخ ایسا کرے تو آجکل کے جہلا اس کی حرکت کو خلاف وقار کہتے مگر وہ زبان سنبھالیں کیسا وقار لئے پھرتے ہیں آجکل لوگوں نے تکبر کا نام وقار اور خودداری رکھ لیا ہے صاحبو! سچے آدمی کی علامت یہی ہے کہ وہ اپنے جذبات فطریہ کے موافق بلا تکلف عمل کرتا ہے اسکو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ کوئی میرے اس فعل پر اعتراض کریگا یا کیا سمجھے گا۔ بنا ہوا جھوٹا آدمی ایسا نہیں کرسکتا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ میں تصنع اور بناوٹ کا نام ونشان نہ تھا آپ بے تکلف اپنے جذبات پر عمل فرماتے تھے کبھی خطبہ کے درمیان بچوں کو اٹھا لیتے تھے کبھی بچہ کو کندھے پر سوار کرکے نماز پڑھ لیتے تھے کبھی صحابہ کیساتھ مزاح فرما لیتے تھے کبھی اپنی بیویوں کے ساتھ مسابقت کرلیا کرتے تھے یہ باتیں سچا ہی کرسکتا ہے بنا ہوا مدعی نبوت کبھی نہیں کرسکتا کیونکہ اسکو تو ہر وقت یہی اندیشہ رہتا ہے کہ لوگ مجھپر اعتراض نہ کریں اسلئے وہ کبھی آزادی کے ساتھ اپنے جذبات پر عمل نہیں کرسکتا اسی طرح قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ بیساختہ کلام ہے کسی تکلف کی اس میں پابندی نہیں نہ قافیہ کی نہ سجع کی اور اس سے بڑھکر ایک بات خاص قرآن میں یہ ہے کہ اسکو سنکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکے متکلم پر کسی کا بھی کچھ اثر نہیں۔ ورنہ ہر کلام کو غور کرکے دیکھ لیا جائے تو ضرور متکلم پر کسی نہ کسی کا اثر معلوم ہوگا سلاطین بھی مصالح ملکیہ سے متاثر ہوکر مصالح کی رعایت سے کلام کرتے ہیں کیونکہ عمائد وارکین سلطنت کا ان پر کچھ اثر ہوتا ہے

حتی کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام یعنی حدیث سنکر بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ متکلم کسی سے مغلوب ہیں کیونکہ آپ پر تو خشیت و خوف الٰہی سب سے زیادہ غالب تھا تو آپ کے کلام میں بھی تاثر کی شان ہے مگر قرآن شریف میں یہ خاص بات ہے کہ اسکو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ اسکے متکلم پر کسی کا بھی اثر نہیں ہے آزادی کے ساتھ جو چاہتا ہے جسکو چاہتا ہے کہدیتا ہے یہ بات بہت سے لوگوں کے دل میں جنکو قرآن سے کچھ مناسبت ہے آتی ہے اور قریب قریب سب کو احساس ہوتا ہے کہ قرآن میں ایک خاص بات ہے جو کسی کلام میں نہیں مگر اس خصوصیت کی تعبیر پر اکثر لوگ قادر نہیں ہوتے الحمدللہ میں نے اسکو بہت سہل عنوان سے بیان کر دیا ہے ایک عالم کے سامنے میں نے اس بات کو بیان کیا تو وہ وجد کرنے لگے اور کہا میرے دل میں بہت دنوں سے یہ بات تھی مگر تعبیر پر قادر نہ تھا پھر میں نے حیدرآباد کے ایک عالم کے کلام میں دیکھا کہ انہوں نے اس تقریر کو میری طرف منسوب کیا ہے مجھے خوشی ہوئی کیونکہ طبعاً یہ بات خوشی کی ہے ہی۔

غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے واسطے کبھی یہ فکر نہیں کی کہ کوئی کیا کہیگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو امت کیساتھ شفیق تھے اپنی مصلحت کے واسطے نہ تھے بلکہ ہماری مصلحت کے واسطے شفیق تھے یہ تو معاملات حیات میں آپ کا برتاؤ تھا اور وفات کے واقعات میں یہ ہوا کہ حضورؐ نے اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم (علیہ وعلی ابیہ افضل الصلوٰۃ والسلام) کے وصال کے وقت رنج و غم کا اظہار فرمایا آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی رواں تھے اور زبان سے بھی یہ فرمایا اَنَا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ اے ابراہیم ہمکو تمہاری مفارقت کا واقعی صدمہ ہے۔ یہ بھی آپ کے سچے نبی ہونے کی علامت تھی کہ آپنے اسوقت قولاً و عملاً جذبہ فطریہ کو بے تکلف ظاہر فرمایا ورنہ بناوٹی آدمی کبھی اپنے جذبہ کو اس وقت ظاہر نہ کرتا بلکہ بہادر بنا ہوا صدمہ کو ٹالتا اور یہ سمجھتا کہ میں دعوے نبوت کے ساتھ رنج و صدمہ کیونکر ظاہر کروں جبکہ ایک ادنیٰ درجے کا ولی ایسے موقعہ پر پورے ضبط سے کام لیتا ہے بلکہ بعض اولیاء تو وفات فرزند پر رونے کے بجائے ہنستے ہیں اور بعض نے اپنی اولاد کو دیکھکر کہا کہ افسوس یہ سب بچے یتیم ہیں کسی نے کہا حضور یہ کدھر سے یتیم ہوگئے جبکہ آپ ان کے باپ زندہ سلامت ہیں تو کہا میں تو بہت زمانہ سے

مرچکا ہوں تو ہنا ہوا بھی ان انبیاء کے واقعات سے متاثر ہو کر اپنے رنج و صدمہ کو ضرور دباتا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی ذرا پرواہ نہیں کی بلکہ بے تکلف اپنے جذبات کو ظاہر فرما دیا اور کسی کے معتقد رہنے یا نہ رہنے کی مطلق پرواہ نہیں کی اور حضورؐ کے اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکمل حالت وہی ہے جو حضورؐ پر ظاہر ہوئی اور جو اولیاء ایسے مواقع پر ہنستے ہیں وہ متوسطین ہیں کیونکہ یہ یکطرفہ ہیں انہوں نے محض خدا کے حق کا لحاظ کیا اولاد کے حقوق کا کہ وہ بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں لحاظ نہیں کیا بلکہ اولاد کے حقوق کو تلف کر دیا اور کمال یہ ہے کہ ع بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ؛ ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن حضورؐ کی یہی شان تھی یعنی جامعیت۔ اور اس جامعیت کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے بھی حقوق ادا کرے جنہیں اولاد کے حقوق سب سے زیادہ ہیں اور اولاد کا ایک حق یہ ہے کہ ان کے مرنے کے وقت ان کی مفارقت کا رنج و غم بھی کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حق کو بھی ادا کر کے دکھلا دیا اور یہی نہیں کہ محض عقلی غم ہوا ہو بلکہ آپکو طبعی غم بھی ہوا کیونکہ بکاء بالعین محض عقلی غم سے نہیں ہو سکتا آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا رواں ہونا بتلاتا ہے کہ آپ کو طبعی رنج و غم ہوا تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ اولاد کی محبت سے ذوات قدسیہ بھی خالی نہیں تو یہ حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہمارے اندر اولاد کی محبت پیدا کر دی اگر یہ داعی نہ ہوتا تو ہم انکے حقوق ادا نہ کر سکتے اور یہ حکمت ہم اپنے لحاظ سے بیان کر رہے ہیں باقی انبیاء علیہم السلام میں یہ محبت کس حکمت کی وجہ سے کی گئی اس کو ہم نہیں جانتے کیونکہ یہ حکمت جو ہمارے لحاظ سے ہے وہاں نہیں ہو سکتی وہ حضرات بدون محبت کے بھی اولاد کے حقوق پوری طرح ادا کرتے بوجہ امر حق کے۔ ان کیلئے تو امر حق[عہ] ہی بڑا داعی تھا اور یہی تمام حقوق کے ادا کیلئے کافی تھا پھر اس حکمت کے بعد کمال عنایت یہ ہے کہ باوجودیکہ والدین اولاد کی تربیت اور

عہ قلت ولا یبعد ان یکون ایداع حب الاولاد والازواج فی قلوب الانبیاء لاتمام الحجۃ علی الخلق بان الانبیاء مع کونہم اشد قوۃ واکمل جذبا الی الازواج والذریۃ لایعصون اللہ طرفۃ عین ولا یشغلہم حب الخلق عن الخالق ولا ساعۃ فلکم فی رسل اللہ اسوۃ حسنۃ ولو کانوا عراۃ عن ذلک الحب لم یؤثر تبلیغہم فی الناس وقالوا انکم لا تعصون اللہ لتخلیۃ قلوبکم وسلوانکم عن حب الازواج والذریۃ ولو کنتم مثلنا مشغوفین بہم لم تستطیعوا العمل بما تامروننا ہذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۱۲ ظ۔

شوہر بیوی کے ساتھ الفت اپنے فطری جذبہ سے مجبور ہو کر کرتا ہے مگر اس پر اسکو ثواب بھی ملتا ہے حدیث میں ہے حَتَّی اللُّقْمَةَ تَضَعُهَا فِي فِي امْرَأَتِكَ فَهِيَ صَدَقَةٌ کہ بیوی کے منہ میں جو ایک لقمہ شوہر رکھدے تو یہ بھی صدقہ ہے اس کا بھی اس کو ثواب ملتا ہے حالانکہ قیاس وعقل کا مقتضی یہ تھا کہ اس میں ثواب تو کیسا ملتا بلکہ برعکس فیس مانگی جاتی تو بعید نہ تھا مگر اللہ رے عنایت کہ وہ خود اپنے پاس سے فیس دیتے ہیں۔ اور یہاں سے اس اولاد کی نالائقی ظاہر ہو گئی جو والدین کی خدمت وتربیت کی یہ کہکر ناقدری کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا جو کچھ کیا اپنے جذبۂ فطریہ سے مجبور ہو کر کیا جس سے جانور تک مجبور ہو کر اپنی اولاد کی خدمت کرتے ہیں۔ افسوس!! ان لوگوں کو شرم کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ انسان کے جذبات کو سب سے زیادہ جانتے ہیں وہ تو والدین کی اس خدمت وتربیت کی اتنی قدر فرماتے ہیں کہ ایک ایک لقمہ پلانے کا اجر دیتے ہیں حالانکہ اس سے خدا کو کچھ بھی نفع نہیں پہونچا اور اولاد جسکو والدین کے اس جذبہ سے پورا نفع پہونچا ہے یہ کہکر اسکو ٹھکراتی ہے کہ والدین نے ہمارے ساتھ کیا کیا جو کچھ کیا اپنے جذبہ سے مجبور ہو کر کیا۔ جملۂ معترضہ یہ مضمون محبت اولاد کا اس پر چلا تھا کہ میں نے یہ کہا تھا کہ صدور افعال کا مدار تو ارادہ واختیار پر ہے مگر سہولت اعمال داعیٔ قلب سے ہوتی ہے اسی سے اعمال میں رسوخ ودوام نصیب ہوتا ہے دیکھئے رمضان میں بعض دفعہ سخت گرمی ہوتی ہے مگر روزہ دار کو جو روزہ کا عادی ہو چکا ہو کوئی ہزار بلکہ لاکھ روپے بھی دے کہ تو روزہ توڑ دے تو وہ ہرگز نہ توڑیگا حالانکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ میں روزہ کا کفارہ ادا کر سکتا ہوں مگر عمداً افطار کرنے پر کفارہ کے بھروسے کوئی روزہ دار جرأت نہیں کرتا خصوصاً ان پڑھ مسلمان کہ وہ اس معاملہ میں مولویوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں پڑھے لکھے تو اگر مگر کر کے کچھ تاویل بھی کر لیتے ہیں مگر جاہل لوگ نہایت پختہ ہوتے ہیں وہ تاویل کو نہیں جانتے۔ یہ مولوی تو بعض دفعہ معمولی مرض میں روزہ توڑ دیتے ہیں مگر جاہل مسلمان سخت مرض میں بھی روزہ نہیں توڑتے چاہے ان کی جان جاتی رہے۔ اب اس کے متعلق بعض مولوی استفتاء کیا کرتے ہیں کہ جب اس شخص کو شرعاً افطار جائز تھا تو اس کو افطار نہ کر کے اپنے کو ہلاک کرنے کا گناہ ہوا یا نہیں میں کہتا ہوں کہ تم نے اسکی ہمت وپختگی کی کچھ قدر نہ کی [illegible] کو گنہگار بھی کرنا چاہتے ہو۔ صاحب اس کو افطار نہ کرنے [illegible]

اجر ملے گا کیونکہ وہ تو افطار کو ممنوع سمجھکر روزہ پر اصرار کر رہا ہے عہ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ یہ اور بات ہے کہ اسکو جہل عن الاحکام کا گناہ ہو سو اسکو اس حالت کیساتھ کوئی خصوصیت نہیں جاہل کو جہل کا گناہ تو ہر حالت میں ہے جب تک وہ جاہل رہیگا۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ روزہ دار جو ایک روزہ کے مقابلہ میں ہزار لاکھ روپے پر لات مار دیتا ہے یہ کیا بات ہے یہ اسی داعی قلب کا اثر ہے جس نے روزہ کی ساتھ اتنا تعلق بڑھا دیا کہ دنیا کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رہی یہ بات بدون داعی قلب کے محض ارادہ و قصد سے نہیں ہوتی جو شخص محض ارادہ اور قصد سے عمل کرتا وہ بعض وقت دنیا کو دین پر مقدم بھی کر دیتا ہے اور جو داعی قلب سے عمل کرتا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا عہ (اِلَّا نَادِرًا وَالنَّادِرُ کَالْمَعْدُوْمِ ۱۲) پس آیت میں زوجین کو لباس کے ساتھ تشبیہ دیکر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہم نے زوجین کے متعلق جو حقوق رکھے ہیں ان کی تسہیل اس طرح کر دی گئی ہے کہ طرفین میں قوی تعلق رکھدیا ہے جس سے ادائے حقوق آسان ہوگیا۔ اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ادائے حقوق نہایت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا اس قدر اہتمام ہے کہ اسکی تسہیل کا ایسے طریقہ سے انتظام فرمایا جو بندہ کے اختیار سے باہر تھا جس چیز کا اللہ تعالیٰ اہتمام فرمائیں ہمارے ذمہ اسکی نگہداشت نہایت ضروری ہے مگر آجکل حالت یہ ہے کہ مرد اپنے حقوق تو بیوی کے ذمہ سمجھتے ہیں بیوی کے حقوق اپنے ذمہ نہیں سمجھتے جیسے بعضا باپ اولاد پر تو اپنا حق سمجھتا ہے مگر اولاد کے حقوق اپنے اوپر نہیں جانتا اور اس میں راز یہ ہے کہ عرفاً حکومت زندگی ہے محکومیت موت ہے۔ اسلئے حاکم زندہ ہے وہ اپنے حقوق کو بھی زندہ سمجھتا ہے اور وصول کر لیتا ہے اور محکوم چونکہ مردہ ہے اسلئے اس کے حقوق بھی مردہ سمجھے جاتے ہیں اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ آجکل ہر محکوم کے حقوق مردہ ہیں اکثر سلاطین رعایا سے اپنے حقوق وصول بھی کر لیتے ہیں اور مطالبہ بھی کرتے ہیں مگر رعایا کے حقوق ادا نہیں کرتے ان کی راحت و چین کا پورا انتظام نہیں کرتے اسی طرح سلاطین سے نیچے جو حکام ہیں وہ بھی اپنا بھلا چاہتے ہیں محکومین کیساتھ ذرا ہمدردی نہیں کرتے ان کے بعد باپ کی حکومت اولاد پر ہے شوہر کی بیوی پر آقا کی نوکر پر استاد کی شاگرد پر پیر کی مرید پر قریب قریب سب کی یہی حالت ہے کہ صاحب حکومت اپنے حقوق وصول کر لیتا ہے اور محکوم کے

عہ اعمال کا اعتبار نیتوں سے ہے۔

عہ مگر شاذ و نادر اور نادر کالمعدوم ہوتا ہے۔

۲۸
۱۲

حقوق عموماً مردہ سمجھے جاتے ہیں کیونکہ وہ مطالبہ نہیں کرسکتا ہاں جو محکوم حاکم کا مقابلہ کر کے سختی کیساتھ
اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے تو اسکو کچھ حق مل جاتا ہے تو یوں کہئے کہ آجکل اہل حکومت یوں چاہتے
ہیں کہ جب تک محکوم محکوم بنکر رہے اسوقت تک اسکو حقوق نہ دئے جائیں ہاں جس دن وہ محکوم
حاکم بن کر یا کم از کم مساوی بنکر اپنے حق کا مطالبہ کرنے لگے گا اسی دن سے اسکو حقوق ادا ہونے لگیں گے
کیونکہ مثل مشہور ہے جسکی لاٹھی اسکی بھینس مگر شریعت میں اس کا برعکس ہے شریعت میں ایسے مردہ حقوق
کے ادا کرنے کی زیادہ تاکید ہے جنکا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں ہے حدیث میں ہے کہ جس حق کو
خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا حتی کہ صاحب حق بھی نہیں جانتا۔ ایسے حقوق کا خدا تعالے خود
حساب اور مطالبہ فرمائیں گے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا کوئی مددگار نہو
خدا اس کا سب سے زیادہ مددگار ہے چنانچہ مظلوم کی بددعا کا رد نہ ہونا اسی پر مبنی ہے کہ رد
نہیں ہوتی مظلوم جب بددعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَاَنْصُرَنَّکَ وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ او کما قال یعنی
میں ضرور تیری مدد کروں گا گو کچھ دیر ہی میں اس کا ظہور ہو۔ اور اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حق تعالے
نے آیۃ المواریث میں وصیت کے ذکر کو دین سے مقدم کیا ہے حالانکہ بالاجماع دین کا ادا کرنا وصیت
سے مقدم ہے علماء نے اس میں یہی وجہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیم وصیت میں ہمکو
متنبہ کیا ہے کہ جس حق کو صاحب حق زور کیساتھ وصول نہ کرسکے اس کا مطالبہ سب سے پہلے
ہم کرینگے سو وصیت کا حق اس وجہ سے کہ تبرع ہے اور موصی لہ کو بعض اوقات اس کی خبر
بھی نہیں ہوتی یا اس میں قوت نہیں ہوتی اسواسطے وہ مطالبہ نہیں کرسکتا اور خبر و قوت بھی ہو
تب وہ مطالبہ سے شرماتا ہے کہ لوگ کہیں گے میاں کچھ تم نے دیا تھا جو تقاضا کرتے ہو معمولی بات
سمجھ کر مت ٹالنا بلکہ اس کے نافذ کرنیکا پورا اہتمام کرنا اور دین گو ادا میں مقدم ہے مگر چونکہ اسکا
مطالبہ کرنیوالا موجود ہے جو کاغذ سے اور گواہوں سے ثبوت دیکر مطالبہ کریگا اور مطالبہ میں شرمائیگا
بھی نہیں اسلئے اس کا ذکر موخر کیا گیا۔ غرض باپ نے اور خاوند نے یعنی اہل حکومت نے یہ سمجھ لیا ہے کہ
ہمارے حقوق زندہ ہیں کیونکہ ہم وصول کرنے اور مطالبہ کرنے پر قادر ہیں اور عورتیں بیچاری
کچھ نہیں کرسکتیں اسلئے ان کے حقوق مردہ سمجھے جاتے ہیں۔ ہاں عورتیں ایک کام تو کرتی ہیں کہ انکو
کوسنا خوب آتا ہے جب کوئی خاوند ان کو ستاتا ہے تو ان کی زبان خوب چلتی ہے کہ جھاڑو مارو

آگ لگا نگوڑا مگر اسکے نہ جھاڑو لگے نہ آگ لگے ہاں دل میں ان باتوں سے ضرور آگ لگتی ہے تو
وہ پہلے سے بھی زیادہ مارتا ہے اور یہ بھی برابر زبان کو تیز کرتی جاتی ہیں۔ عورتیں کہا کرتی ہیں کہ
کسی کا ہاتھ چلے کسی کی زبان چلے۔ مگر صاحبو! اس زندگی میں کچھ لطف نہیں کہ چار دن ہنس بول لئے
اور دس دن کو لڑ جھگڑ لئے۔ لطف زندگی جبھی ہے کہ جانبین سے ایک دوسرے کے حقوق
کی پوری رعایت ہو مگر مردوں نے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم عورتوں کو کھانا کپڑا دیتے ہیں تو بس
اس سے سارا حق ادا ہو گیا اور اس کے بعد جو کچھ حقوق ہیں عورتوں ہی کے ذمہ ہیں
ہمارے ذمہ کچھ نہیں مگر میں کہتا ہوں کہ تمہارے کھانے کپڑے کے عوض میں بیبیاں
تمہاری اس قدر خدمت کرتی ہیں کہ اتنی تنخواہ میں کوئی نوکر یا ماما ہرگز نہیں کر سکتی جسکو
شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے بدون بیوی کے گھر کا انتظام ہو ہی نہیں سکتا چاہے تم
لاکھ خادم رکھو۔ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جنکی معقول تنخواہ تھی مگر بیوی نہ تھی نوکروں
کے ہاتھ میں خرچ تھا تو ان کے گھر کا خرچ اس قدر بڑھا ہوا تھا جسکی کچھ حد نہیں نکاح ہی کے بعد
گھر کا انتظام ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر بیوی کچھ بھی گھر کا کام نہ کرے صرف انتظام اور دیکھ بھال
ہی کرے تو یہی اتنا بڑا کام ہے جس کی دنیا میں بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی ہیں اور منتظم کی بڑی
عزت وقدر کی جاتی ہے۔ دیکھئے وزیر اپنے ظاہر میں کام کچھ نہیں کرتا کیونکہ اس کے تحت
میں اتنا بڑا عملہ کام کرنے والا ہوتا ہے کہ اسکو خود کسی کام میں ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں
ہوتی مگر اسکی جو اتنی بڑی تنخواہ اور عزت ہے محض ذمہ داری اور انتظام کی وجہ سے پس بیویوں
کا یہی کام اتنا بڑا ہے جسکا عوض نان ونفقہ نہیں ہو سکتا مگر ہم تو شریف زادیوں کو دیکھتے
ہیں وہ خود بھی اپنے ہاتھ سے گھر کا بہت کام کرتی ہیں خصوصاً بچوں کو بڑی محنت سے
پرورش کرتی ہیں یہ وہ کام ہے کہ تنخواہ دار ماما کبھی بیوی کی برابر نہیں کر سکتیں۔ اور یہ
ہندوستان کی عورتیں خصوصاً ہمارے اطراف کی عورتیں تو واقعی جنت کی حوریں ہیں
جن کی شان میں عُرُباً یعنی عاشقات لازواج آیا ہے چنانچہ مردوں پر فدا ہیں کہ مرد ان کی
ایذا کو ہر طرح سہتی ہیں اور صبر کرتی ہیں ورنہ بعض مقامات میں تو روزانہ خلع طلاق ہوتا رہتا ہے
اور عرب میں وہاں سے بھی زیادہ سنتے وہاں ایک اکیس سالہ لڑکی کو دیکھا اس کے [illegible] ہو چکا تھا۔

۴۴۰
۱۷

وہاں تو یہ حالت ہے کہ جہاں عورت مرد میں نااتفاقی ہوئی اور عورت نے قاضی کے یہاں دعویٰ دائر کیا اور رالونث کا خاصہ ہے کہ حاکم عورت ہی کو مظلوم سمجھتا ہے اس لئے عموماً ڈگریاں انہی کو ملتی ہیں اور فوراً مرد کو طلاق یا خلع پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں یہ حالت ہے کہ اول تو کوئی عورت طلاق و خلع کو گوارا نہیں کرتی اور جو سخت مصیبت میں خلع کی درخواست کرتی بھی ہے تو یہ حال ہوتا ہے کہ کانپور میں قاضی صاحب سے (جو نکاح خواں قاضی تھے) خود خلع کی درخواست کی چنانچہ قاضی صاحب کے کہنے سے مرد خلع پر راضی ہوگیا پھر جب اس نے عورت کو طلاق دی ہے تو حالانکہ خود اسی کی درخواست پر دی تھی لیکن طلاق دیتے ہی وہ دہاڑیں مار کر روتی تھی کہ ہائے میں برباد ہوگئی ہائے میں تباہ ہوگئی؛

اور ہندوستان کی عورتوں میں حوروں کی ایک اور صفت بھی ہے یعنی قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ چنانچہ ان کو اپنے شوہر کے سوا کسی کی طرف میلان نہیں ہوتا۔ بعض عورتوں کو عمر بھر غیر مرد کا وسوسہ بھی نہیں آیا اور اگر ان کو کسی غیر کا میلان اپنی طرف معلوم ہو جائے تو اس سے سخت نفرت ہو جاتی ہے یہاں کی یہی تہذیب ہے۔ مگر یورپ کی تہذیب یہ ہے کہ جو اپنے کو چاہے ہم کو بھی اس کی طرف جھکنا چاہیئے اسلئے اگر وہاں کی عورتیں کسی کو اپنی طرف مائل دیکھتی ہیں اس کی خوب خاطر مدارات کرتی ہیں۔ اور ہندوستان کی عورتوں کو جو اپنے مردوں کے ساتھ اس قدر تعلق ہے یہ زمین ہند کا خاصہ ہے اسی لئے بھاشا وغیرہ میں جو عاشقانہ دوہرے ہیں ان میں عورت کی طرف سے مرد کو خطاب ہوتا ہے۔ اور ستی کی رسم کا منشا بھی یہی تعلق ہے گو یہ غلو ہے تو ہندوستان کا مذاق میلان النساء الی الرجال ہے۔ اور عرب کا مذاق میلان الرجال الی النساء ہے عرب کا مرد عورت کو عاشقانہ خطاب کرتا ہے اور سب سے گندہ مذاق فارسی کا ہے یعنی میلان الرجال الی الرجال فارسی شاعری میں مرد مرد کو خطاب کرتا ہے کہ تو حیرت ہے کہ جہاں کی عورتیں دنیا بھر کی عورتوں سے زیادہ مردوں کی تابع و مطیع ہیں وہاں ہی یہ ظلم ہے کہ ان کے حقوق ادا نہیں کئے جاتے۔ اور جہاں روزانہ خلع و طلاق ہوتا رہتا ہے اور قاضی کے دروازہ پر

۳۱
۱۵

عورتیں کھڑی رہتی ہیں وہاں کے مردوں کا مزاج درست رہتا ہے۔ اب میں ان حقوق کی تفصیل تو نہیں کرسکتا کیونکہ وقت مختصر ہے اور نہ تفصیل کی ضرورت ہے کیونکہ کتابوں میں حقوق ازواج مفصل مذکور ہیں البتہ اسوقت ایک قصہ یاد آگیا اسکو بیان کئے دیتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ خاوند اور باپ جو یہ سمجھتا ہے کہ سارے حقوق میرے ہی عورت پر یا اولاد پر ہیں میرے ذمہ کوئی حق ان کا نہیں یہ غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں ایک باپ نے اپنے بیٹے پر دعویٰ کیا کہ یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا حضرت عمرؓ نے لڑکے سے دریافت کیا اس نے کہا اے امیر المومنین کیا باپ ہی کا سارا حق اولاد پر ہے یا اولاد کا بھی باپ پر کچھ حق ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اولاد کا بھی باپ کے ذمہ حق ہے کہا میں ان حقوق کو سننا چاہتا ہوں۔ فرمایا اولاد کا حق باپ پر یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کیلئے شریف عورت تجویز کرے اور جب اولاد پیدا ہو ان کا نام اچھا رکھے اور جب ان کے ہوش درست ہو جائیں ان کو تہذیب اور تعلیم دین دے۔ لڑکے نے کہا کہ میرے باپ نے ان حقوق میں سے ایک حق بھی ادا نہیں کیا کیونکہ اس نے ایسی باندی کو میری ماں بنایا ہے جو آوارہ گرد تھی اور جب میں پیدا ہوا تو میرا نام جُعل رکھا (جسکے معنی ہیں گوہ کا کیڑا) اور مجھے دین کا ایک حرف نہیں سکھلایا مجھے دینی تعلیم سے بالکل کورا رکھا یہ سنکر حضرت عمرؓ کو باپ پر بہت غصہ آیا اور اسکو بہت دھمکایا اور یہ کہکر مقدمہ خارج کردیا کہ جاؤ پہلے تم اپنے ظلم کی مکافات کرو اسکے بعد لڑکے کے ظلم کی فریاد کرنا خلاصہ یہ کہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ میں زوجین کو لباس سے تشبیہ دیکر ایک اشارہ تو اس طرف فرمایا کہ ہم نے ادائے حقوق کی تسہیل کیلئے زوجین میں ایسا قوی تعلق پیدا کیا ہے کہ جسکی وجہ سے گویا دونوں متحد ہیں کہ ایک دوسرے کو شامل ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ دو قالب یک جان ہیں اور دوسرا اشارہ اس تشبیہ میں اس طرف فرمایا کہ جیسے لباس میں ستر کی شان ہے اسی طرح عورت مرد کی ساتر ہے اور مرد عورت کیلئے ساتر ہے اور یہ ستر کئی طرح پر ہے ایک اس طرح کہ ہر ایک دوسرے کی عیوب کیلئے ساتر ہے کیونکہ نفس میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں اگر ان کے پورا ہونے کیلئے ایک محل بھی تجویز نہ کیا جائے تو پھر انسان اپنے تقاضے کو ہر جگہ پورا

۳۲ ۱۶

(باقی آئندہ)

کریگا اور اس طرح اس کی بے حیائی کا عیب نمایاں ہو جائے گا اسی لئے شریعت نے نکاح تجویز کیا ہے جسمیں تقاضائے نفس کو پورا کرنے کے لئے ایک محل کی تعیین ہے اور اس تجویز میں شریعت کا عقل سے زیادہ خیر خواہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر عقل سے استفتا کیا جائے تو عقل نکاح کو تجویز نہیں کر سکتی کیونکہ ایک اجنبی مرد کے سامنے ایک اجنبی عورت کا اس طرح بیحجاب ہو جانا اور اس کے ساتھ مرد کا بیحجاب ہو جانا عقل کے نزدیک بالکل قبیح ہے مگر عقل کی اس تجویز پر عمل کیا جاتا تو زیادہ فتنہ برپا ہوتا کہ اب تو ایک ہی اجنبی مرد عورت بے حجاب ہو رہے تھے پھر نہ معلوم کتنے مرد اجنبی عورتوں کے ساتھ بے حجاب ہوتے اور کتنی عورتیں اجنبی مردوں کے سامنے بے حجاب ہوتیں کیونکہ آخر مرد عورت ایک دوسرے سے کہاں تک صبر کرتے ان عواقب پر نظر کر کے شریعت سماویہ نے نکاح کو تجویز کیا تاکہ اس تقاضے کے پورا ہونے کا محل محدود و متعین ہو کر فتنہ نہ بڑھے اور یہی علامت ہے مذہب کے سماوی ہونے کی کہ اسکی عواقب پر محیط ہوتی ہے اور جو قوانین محض عقل سے بنائے جاتے ہیں ان کی نظر عواقب پر محیط نہیں ہوتی اسی لئے بعض جگہ شریعت کا حکم بظاہر عزیمت کے خلاف معلوم ہوتا ہے مگر عواقب کے اعتبار سے وہی افضل ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبالغہ فی العمل سے منع فرمایا ہے اور جب بعض صحابہ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات دریافت کئے اور سنکر اپنے نزدیک ان کو تھوڑا کام سمجھا اور یہ کہا کہ حضور تو بالکل بخشے بخشائے ہیں ہمکو زیادہ کام کرنا چاہیئے اور یہ بھی حضرات صحابہ کے حسن مذاق کی دلیل ہے کہ ان کو اعمال صالحہ کا بہت شوق تھا ورنہ ہم ہوتے تو یوں کہتے کہ جب حضور پیغمبر ہو کر اتنا کام کرتے ہیں تو ہم کو تو اس سے بھی کم کافی ہے ہم تو چھوٹے درجہ کے ہیں ہم کو تھوڑا عمل بھی کافی ہے جب حضورؐ کو صحابہ کا قول معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا اَمَّا اَنَا فَاَقُوْمُ وَاَرْقُدُ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ هٰذِهٖ سُنَّتِيْ وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ اَوْكَمَا قَالَ ! اب ظاہر بین سمجھتا ہے کہ حضورؐ نے تکثیر عمل سے منع فرما دیا مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ درحقیقت حضورؐ نے تقلیل عمل سے منع فرما دیا ہے کیونکہ مبالغہ فی العمل کا مآل تعطل ہے۔ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ محنت

میں زیادتی نہ کرنا یہ کامل اور عاقل کی تعلیم ہے اور اناڑی نویوں کہتا ہے کہ جتنی محنت ہو سکے کرو مگر مولانا فرماتے تھے کہ اگر سبق کو دس دفعہ کہنے کو جی چاہے تو ایک دفعہ کا شوق باقی رکھ لو جیسے کھانے میں اطبار کہتے ہیں کہ تھوڑی سی بھوک رکھکر کھانا چاہیئے ورنہ ایک دفعہ ٹھونس کر کھانے کا انجام یہ ہوگا کہ دوسرے وقت بھوک مرجائے گی پھر اگر دوسرے وقت اگر بے بھوک کھالیا گیا تو معدہ کا ناس ہو جائیگا۔ مگر بعض لوگ ایسے بے تکے ہوتے ہیں کہ مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کے پاس ایک بدہضمی کا مریض آیا آپ نے اس کے لئے نسخہ لکھنا چاہا تو وہ کہتا ہے کہ اُس کے پینے کی گنجائش ہوتی تو اور کھانا ہی نہ کھاتا۔ اسی طرح یہاں ہمارے قصبہ میں ایک صاحب تھے وہ کھاتے تھے اور قے کرتے تھے اور قے کرکے پھر کھاتے تھے یہ تو واہیات ہے بلکہ موجبِ ہلاکت ہے پس اعتدال یہ ہے جو حدیث میں ہے ثُلُثٌ لِطَعَامِہٖ وَثُلُثٌ لِشَرَابِہٖ وَثُلُثٌ لِنَفَسِہٖ ایک تہائی کھانے کے لئے اور ایک پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کیلئے اور ایک ثلث کی قید اتفاقی ہے مطلب یہ ہے کہ کچھ گنجائش رکھکر کھانا چاہیئے یہی تعلیم مولانا کی لکھنے پڑھنے کے متعلق تھی کہ تھوڑا سا شوق باقی رکھکر محنت کیا کرو۔ پھر مولانا نے فرمایا کہ تم نے چکئی بھی پھرائی ہے ہم نے کہا حضرت نہیں فرمایا تم نے دنیا میں خاک دیکھا۔ دیکھو چکئی پھرانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اس پر سے سارا ڈورا نہ اتارا جائے اگر ڈورا سارا اُتر جائیگا تو پھر از سر نو چڑھانا پڑے گا اور اگر تھوڑا سا ڈورا اس پر لپٹا رہے تو نہایت آسانی سے اسی پر لوٹ آتی ہے۔ یہی قاعدہ شارع نے مقرر کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا یعنی عمل شوق باقی رکھکر کرو اتنا عمل نہ کرو کہ سارا شوق ایک دم سے ہی پورا کر لو بلکہ نفس پر آسانی کرو زیادتی نہ کرو عبادت تحمل کے موافق کرو تحمل سے زیادہ نہ کر دیں یہ کہہ رہا تھا کہ شریعت کی نظر عواقب پر ہوتی ہے گو ظاہر میں خلاف عزیمت ہو مگر انجام کے لحاظ سے وہی افضل ہوتا ہے۔ چنانچہ عقل تو مطلقاً حیا کو مطلوب سمجھتی ہے اور نکاح کو خلافِ حیا بتلاتی ہے مگر شارع نے قانونِ نکاح حیا ہی کی حفاظت کے لئے مقرر کیا ہے کیونکہ اگر ایک جگہ بھی حیا کو ترک نہ کیا جائے تو پھر انسان پورا بے حیا ہو جائے گا تو زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے ساتر ہو گیا یعنی ایک دوسرے کے لئے معاصی سے ساتر ہے اِسی فائدہ کو حدیث میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَاءَۃَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَاِنَّہٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ

۱۸

[margin, handwritten:] اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا تا وقتیکہ تم اکتا جاتے ہو

بِلْغَیْرِ ہم میں کو اسباب نکاح مُیسر ہوں اُسے شادی کر لینا چاہیئے کیونکہ نکاح نگاہ کو بہت نیچا
کر دیتا ہے اور عفت کو بہت محفوظ کر دیتا ہے یعنی اِس سے بصر و عفت آسانی سے محفوظ ہو جاتی
ہے۔عادت غالبہ یہی ہے کہ نکاح سے طبیعتِ سلیمہ کو عفت بآسانی حاصل ہو جاتی ہے باقی جو
خبیث الطبع ہو جسے ایک نکاح یا دو نکاح یا چار نکاحوں سے بھی عفت حاصل نہ ہو بلکہ
متعہ یا زنا وغیرہ سے پھر بھی گوہ کھاتا پھرے اُس کا یہاں ذکر نہیں کیونکہ یہاں آدمیوں کا ذکر
ہے جانوروں اور بندروں کا ذکر نہیں۔سہولت عفت بالنکاح کی حقیقت یہ ہے اور یہی
سبب سہولت کی حقیقت ہے کہ تقاضا کی دو قسمیں ہیں ایک تقاضا شدید ایک تقاضا
مُطلق۔پس مطلق تقاضا تو کسی طرح بھی زائل نہیں ہونا چاہیئے کوئی کیسا ہی مجاہدہ کرے اور چاہے
کیسی ہی دوائی سرد استعمال کی جائے ہم نے ایک ستر برس کے بڈھے کو دیکھا ہے جسے ایک
لڑکے سے محبت تھی جو اُن کے پاس نوکر تھا حالانکہ وہ خود کسی مصرف کے نہ تھے مگر اُس کی
طرف دیکھنے کا تقاضا تھا اور تقاضا بشہوت تھا جو یقیناً حرام تھا وہ مجھ سے اپنا حال بیان کرکے
علاج کے طالب ہوئے میں نے کہا کہ اس لڑکے کو اپنے سے الگ کر دو کہنے لگے یہ تو مشکل ۱۹
ہے۔میں نے کہا پھر علاج بھی مشکل ہے مشکل مرض کا آسان علاج تو مجھکو آتا نہیں لوگ یہ چاہتے
ہیں کہ علت بھی لگی لپٹی رہے اور شفا بھی ہو جائے تو یہ نہیں ہو سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ
علاج ہی کے طالب نہیں اور اپنے کو مریض ہی نہیں سمجھتے اگر امراضِ باطنہ کو بھی مثل امراضِ
ظاہرہ کے مہلک سمجھتے تو دوائی تلخ سے ہرگز نہ گھبراتے۔آخر ظاہری امراض کے علاج میں کس
قدر مشقتیں برداشت کی جاتی ہیں صرف اس وجہ سے کہ اسکو مرض اور سبب ہلاکت سمجھا جاتا ہے
امراضِ باطنہ کو سببِ ہلاکت نہیں سمجھا جاتا یا بربادیٔ دین کی پرواہی نہیں تو میں نے اُن بڑے
میاں سے کہا کہ اِس کا علاج صرف بعد ہے اور وہ بھی کُلی بعد کہ اول تو اُس کو اپنے سامنے
سے دُور کرو پھر ذہن سے بھی دُور کرو یعنی بالقصد اُس کا تصور نہ کرو جس کا طریقہ یہ ہے
کہ کسی اور چیز کا تصور اپنے ذمہ لازم کر لو یا تو عذابِ جہنم کا تصور کیا کرو۔بعض کو اِس
سے بہت نفع ہوا ہے یا کسی بدشکل آدمی کا تصور کیا کرو بعض کو اِس سے بھی نفع ہوا ہے۔
غرض مجاہدہ سے یہ نہیں ہوتا کہ تقاضا بالکل زائل ہو جائے بلکہ یہ تو نہ بڑھاپے سے ہو نہ کسی دوا

سے ہو نہ تقلیل غذا سے ہو پس مجاہدہ کا نفع یہ ہے کہ تقاضا خفیف ہو جاتا ہے کہ پہلے مقاومت دشوار تھی اب آسان ہو گئی۔ اب ذرا سے اشارہ میں نفس مغلوب ہو جاتا ہے پہلے سخت سزا اور جرمانوں سے بھی درست نہ ہوتا تھا۔ اور اگر تقاضا بالکل زائل ہو جائے تو ثواب کیوں کر ہو گا ثواب تو اسی واسطے ملتا ہے کہ آدمی تقاضے کا مقابلہ کر کے نیک کاموں پر جما رہتا ہے بعض لوگ اپنے امراض کو بلی کی گوہ کی طرح چھپائے رہتے ہیں کسی محقق پر ظاہر نہیں کرتے یاد رکھو اس طرح شفا حاصل نہیں ہو سکتی ؎

ما حال دل را با یار گفتیم   نتواں نہفتن درد از طبیباں

اور اس سے پہلے جو فرمایا ہے ؎

چنداں کہ گفتیم غم با طبیباں   درماں نکردند مسکین غریباں

وہاں طبیب سے مراد ظاہری طبیب ہے کہ ان حکیموں سے دردِ دل کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اور نتواں نہفتن درد از طبیباں میں طبیب باطن مراد ہے کہ دردِ دل کو ان سے نہ چھپانا چاہئے بعض اس خیال سے اپنے امراض کو ظاہر نہیں کرتے کہ وہ بزرگ ہم کو ذلیل سمجھیں گے یا کسی اور سے کہہ دیں گے مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ تم کو تو کیا ذلیل سمجھتے جب وہ کتے کو بھی اپنے سے افضل سمجھتے ہیں دوسرے وہ امین ہوتے ہیں کسی کا راز دوسروں پر کبھی ظاہر نہیں کرتے بعض لوگ اس خیال سے اپنا حال ظاہر نہیں کرتے کہ اس میں اظہار معصیت ہے سو میں کہتا ہوں کہ معصیت تو فعل ہے افعال کے اظہار کی ضرورت نہیں بلکہ مواد کو بیان کرو اور مواد کا بیان کرنا معصیت نہیں۔ اور اگر کسی وقت شیخ افعال کی بھی تحقیق کرے اور علاج کیلئے تحقیق افعال کی ضرورت سمجھے تو اسوقت افعال کا بھی ظاہر کرنا شیخ پر جائز ہے اور اسکی بالکل وہی مثال ہے جیسے بدن مستور کا کھولنا ڈاکٹر اور جراح کے سامنے جائز ہے جبکہ پوشیدہ جگہ زخم ہو۔ مشائخ اعمال صالحہ کی وجہ سے بابرکت ہوتے ہیں اسلئے ان کی تعلیم میں بھی برکت ہوتی ہے جسکی وجہ سے جلد شفا ہو جاتی ہے خود کتابیں دیکھکر علاج جان لینا کافی نہیں۔ پس یہ جو مشہور ہے کہ مجاہدہ سے نفس مر جاتا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ ضعیف ہو جاتا ہے کہ اب اس کا مقابلہ آسان ہو جائے گا اور مقابلہ تو پہلے بھی کر سکتا تھا اس وقت بھی مقاومت قدرت

میں تھی مگر مجاہدہ سے پہلے تقاضائے نفس کی مقاومت میں دشواری ایسی ہوتی ہے کہ انسان یوں سمجھ لیتا ہے کہ میں اس وقت مجبور ہو گیا ہوں حالانکہ یہ خیال غلط ہوتا ہے مجبور تو نہیں ہوتا ہاں مغلوب ہو جاتا ہے حدیث میں لفظ اَغَضُّ واَحْصَنُ میں اسطرف اشارہ ہے کہ مطلق غض و حصن نکاح سے پہلے بھی ممکن تھا اگر آدمی ہمت سے کام لے تو بدون نکاح کے بھی نگاہ نیچی رکھ سکتا اور اپنی عفت کو بچا سکتا ہے مگر ایسے ہمت والے تھوڑے ہی ہیں زیادہ نہیں ہیں اسلئے شریعت نے مخفل کے فتوے کو رد کر کے یہ حکم دیا ہے کہ نکاح کرو اور بیوی کے سامنے حیا کو الگ کر دو لیا غلو فی الحیا محمود نہیں کہ بیوی میاں سے یا شوہر بیوی سے بھی حیا کرے اس ایک محل میں ترک حیا کا انجام یہ ہوگا کہ دوسرے مواقع میں حیا و عفت محفوظ رہے گی پھر معاصی کا تقاضا شدید نہ ہوگا جو نفس کو سکون ہو جائیگا۔ ہاں اگر کوئی یہ چاہے کہ نکاح کے بعد معاصی کا وسوسہ بھی نہ آئے ذرا بھی تقاضا نہ ہو تو یہ نہیں ہو سکتا۔ پس تشبیہ باللباس سے ایک اشارہ اس طرف ہوا کہ شوہر بیوی کا اور بیوی شوہر کی ساتر و محافظ ہے یعنی ایک دوسری کی حیا و عفت کو محفوظ رکھتا اور گناہوں سے بچاتا ہے بشرطیکہ کوئی خود بھی بچنا چاہے اور جو گناہ ہی کرنا چاہے اس کے لئے کوئی تدبیر بھی نافع نہیں۔ یہ دو وجہ تشبیہ تو علماء کے کلام میں منقول ہیں۔ ایک وجہ تشبیہ میرے ذہن میں یہ آئی ہے کہ جیسے بدون کپڑے کے انسان سے صبر نہیں ہو سکتا اسی طرح بدون نکاح کے مرد و عورت کو صبر نہیں آسکتا کوئی تقاضائے نفس ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اعانت وغیرہ میں عورت اپنے خاوند کی محتاج ہے اور خدمت و راحت رسانی میں مرد عورت کا محتاج ہے چنانچہ بیماری کے زمانہ میں بیوی سے زیادہ کوئی خدمت نہیں کرسکتا ایک بوڑھے میاں نے ستر اسی برس کی عمر میں پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کا قصد کیا حالانکہ انکی بہو بیٹیاں بہت تھیں سب نے منع کیا کہ تمہاری خدمت کو ہم موجود ہیں نکاح کی کیا ضرورت ہے بڑے میاں نے کہا کہ بیوی کی برابر کوئی بھی خدمت

عسہ یعنی جس طرح بدون لباس کے صحت خراب ہو جاتی ہے کہ کبھی گرمی ستاتی ہے کبھی سردی اسی طرح بدون ازدواج کے صحت اچھی نہیں رہتی جو لوگ بے نکاح رہتے ہیں یا علی ہذا جو عورتیں بے خاوند کے ہیں اکثر امراض و آلام میں مبتلا رہتے ہیں ۱۲ منہ

نہیں کرسکتا اور موقع پر میں تم کو بتلادوں گا چنانچہ نکاح ہوا اور چند سال کے بعد بڑے میاں کو ایک مرض ہوا اُس میں دست آنے لگے تو ساری بہو بیٹیاں تعفن سے گھبرا کر الگ ہوگئیں اور بیوی کی یہ حالت تھی کہ اُن کو پیروں پر بٹھلا کر پاخانہ کراتی اور استنجا کر کے کپڑوں کو پاک و صاف کرتی دن میں بیس پچیس دست بھی آتے تو وہ ہر دفعہ اسکو پاک و صاف کر کے لٹاتی تھی اِس وقت بڑے میاں نے کہا کہ میں نے اس دن کے واسطے نکاح کیا تھا دیکھ لو آج اُس کے سوا میرے کوئی کام نہیں آیا پس لباس کی طرح مرد کو عورت سے استغنا نہیں عورت کو مرد سے استغنا نہیں مرد عورت کا معاون ہے عورت مرد کی خادم ہے۔ ایک وجہ تشبیہ میرے ذہن میں اور آئی کہ جس طرح لباس زینت ہے اُسی طرح زوجین میں عورت مرد کے لئے اور مرد عورت کے لئے زینت ہے۔ لباس کا زینت ہونا تو خود نص سے ثابت ہے یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ وَقُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ۔ میں بالاتفاق زینت سے مراد لباس ہے اوپر سے لباس ہی کا ذکر ہو رہا ہے چنانچہ اس سے پہلے ارشاد ہے یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا یہاں گو لباس کو صراحۃً زینت نہیں کہا گیا ہے مگر زینت کا جو نتیجہ ہے وہ یہاں بھی مذکور ہے یعنی یُوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ کہ ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس ایجاد کیا جو تمہاری بدنمائی کو ڈھانکتا ہے اور یہی زینت کا حاصل ہے کہ بدنمائی اور عیوب پوشیدہ ہو جائیں اور ریشًا[ع] سے مراد پرندوں کے پر ہیں کہ وہ حیوانات کے لئے زینت ہیں۔ یہاں شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ تم نے جو لباس کو زینت کہا ہے اور آیت میں اس پر امتنان فرمایا ہے تو کیا زینت کے لئے لباس پہننا جائز ہے جواب یہ ہے کہ جائز ہے اور یہ بھی لباس کی ایک منفعت ہے اور منافع لباس میں یہ تفصیل ہے کہ اِس منفعت کے چار درجے ہیں ایک درجہ ضرورت کا ہے یہ تو ضروری ہے اس کے بعد ایک درجہ آسائش کا ہے مثلاً ضرورت تو دو آنے گز کپڑے میں رفع ہو سکتی تھی مگر اس سے تکلیف ہوتی اِس لئے چار آنہ آٹھ آنہ گز کا نرم کپڑا پہن لیا یہ بھی جائز ہے ایک درجہ آرائش کا ہے یعنی زینت کا

ع بعض نے ریش سے مراد مال لیا ہے اور لباس کے ساتھ اس کا تعلق یہ ہے کہ مال بھی لباس کی طرح عیب پوش ہے مالداروں کے عیوب پر کسی کی نظر نہیں ہوتی الا قلیل ۱۲ ظ۔

مثلاً آرام کے لئے تو گبرون بھی کافی تھی تم نے زینت اور دل کی خوشی کے لئے سرج کا کپڑا پہن لیا یہ بھی مباح ہے اس کے بعد نمائش کا درجہ ہے یعنی ریا کا یہ حرام ہے یعنی اس نیت سے عمدہ کپڑا پہننا کہ لوگ دیکھکر ہم کو بڑا آدمی سمجھیں گے پس کل چار درجے ہیں ضرورت آسائش آرائش۔ نمائش جن میں سے حرام صرف ایک ہے باقی سب مباح ہیں اور درجوں کے عنوانات میں قافیہ بھی ہے صرف ایک درجہ بدون قافیہ کے ہے اگر ضرورت کے معنی کا بھی قافیہ مل جاتا تو اور زینت ہوجاتی مگر آرائش اور نمائش میں فرق کرنا دشوار ہے بہت لوگ نمائش کے لئے عمدہ لباس پہنتے ہیں اور دل کو یوں سمجھا لیتے ہیں کہ ہم تو اپنا جی خوش کرنے کے لئے پہنتے ہیں میں اس کے لئے ایک معیار بیان کرتا ہوں اس سے فرق واضح ہوجائیگا وہ یہ کہ جو شخص عمدہ لباس پہننے میں نمائش کی نیت کا انکار کرتا ہے اُس کو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ صرف محافل و مجامع ہی میں عمدہ لباس پہنتا ہے یا خلوت میں بھی اچھا لباس پہنتا ہے جو لوگ نفیس المزاج ہیں اور صرف اپنا جی خوش کرنے کے لئے عمدہ لباس پہنتے ہیں وہ خلوت میں بھی عمدہ ہی لباس پہنتے ہیں اور جو نمائش کیلئے عمدہ لباس پہنتے ہیں اُن کی ایک اچکن (اچکن نہیں) بلکہ ایک شیروانی کھونٹی پر الگ لٹکی رہتی ہے اور ایک گرگابی جُدا رکھی رہتی ہے (ان لباسوں کے نام سے بھی تو درندگی ٹپکتی ہے کسی کے اول میں شیر ہے تو کسی میں گرگ ہے) غرض یہ شیروانی اور گرگابی باہر نکلتے ہوئے پہنی جاتی ہے اور اُوپر سے نکٹائی لگائی جاتی ہے یعنی ناک کٹائی اور اس کے ساتھ بوٹ سوٹ بھی پہنا جاتا ہے ہمیں تو نام بھی ان لباسوں کے یاد نہیں اور خدا کرے کبھی یاد نہ ہوں غرض محفلوں اور بازاروں میں تو یوں بن کر نکلتے ہیں اور خلوت میں گھر کے اندر یہ ایسے رہتے ہیں جیسے چمار۔ تو جنکی یہ حالت ہے وہ عمدہ لباس محض ریا و نمائش کے لئے پہنتے ہیں۔ آجکل ایک لباس اور نکلا ہے جس کا نام نکر ہے جس میں گھٹنے کھلے رہتے ہیں اس کو پہن کر آدمی شریف تو معلوم ہوتا نہیں بلکہ نوکر معلوم ہوتا ہے نام بھی نکر جو نوکر سے ملتا ہوا ہے۔ نہ معلوم ان لوگوں کی حیا و غیرت و شرافت کہاں چلی گئی جو محض یورپ کی تقلید میں ایسا لباس پہنتے ہیں اور محض تقلید یورپ ہی اس کا سبب ہے ورنہ اس میں نہ کوئی منفعت ہے نہ کوئی زینت واقعی کسی نے سچ کہا ہے کہ اگر کسی وقت یورپ میں ناک

۲۳

لہ اور اگر بڑائی اور تکبر کی نیت نہ ہو بلکہ صرف اپنے کو ... مقصود ... زینت بھی جائز ہے ۱۲ ظ

کتا نافیشن میں داخل ہو جائے تو ہندوستانی ناک بھی کٹوانے لگیں گے چنانچہ مسلمان ڈاڑھی تو منڈوانے لگے اور اب سنا ہے کہ ڈاکٹروں میں اس مسئلہ پر گفتگو ہو رہی ہے بعض ڈاکٹروں نے ڈاڑھی منڈانے کو مضر ثابت کیا ہے۔ اس پر میں نے الہ آباد میں کہا تھا کہ جنٹلمینوں کو اس وقت جلدی سے ڈاڑھی رکھ لینا چاہیئے کیونکہ بعض ڈاکٹروں نے اسکے منڈانے میں مضرت ثابت کی ہے اگر سب کا اس پر اتفاق ہو گیا تو یورپ والے ضرور ڈاڑھیاں بڑھائیں گے اور اس وقت ان کی تقلید میں تم بھی بڑھاؤ گے تو پرانے مسلمان تم پر ہنسیں گے کہ یہ ڈاڑھی تقلید یورپ کی ہے۔ تم ڈاکٹروں کے اتفاق سے پہلے ہی بڑھا لو تاکہ لوگ تم کو نہ ہنسیں۔ غرض جس طرح لباس زینت ہے اسی طرح شوہر بیوی کی زینت ہے اور بیوی اپنے مرد کیلئے زینت ہے۔ عورت سے تو مرد کی زینت یہ ہے کہ بیوی بچوں والا آدمی لوگوں کی نظر میں معزز ہوتا ہے اگر کسی سے قرض مانگے تو اسکو قرض بھی مل جاتا ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اسکی اکیلی جان نہیں بلکہ آگے پیچھے کو اور بھی آدمی ہیں یہ کہاں جا سکتا ہے اور اکیلے آدمی کو ادھار قرض نہیں ملتا اس کی عزت دنیا والوں کی نظر میں کم ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ بیوی والے کو سانڈ نہیں سمجھتے اپنی بیوی بچوں پر اس کی نفسانی خواہش کا خوف نہیں کرتے اور بے نکلے آدمی کو مثل سانڈ کے سمجھتے ہیں اس کی طرف سے ہر شخص کو اپنی بیوی بچیوں پر خطرہ ہوتا ہے۔ اور مرد سے عورت کی عزت یہ ہے کہ لوگ اس کے اوپر کسی قسم کا شبہ نہیں کرتے۔ میاں چاہے پاس رہے یا پردیس میں رہے جتنے بال بچے ہوں گے سب اسی کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے رہیں گے۔ اور نکاح سے پہلے عورت کی عزت وآبرو ہر وقت خطرہ میں رہتی ہے۔ یہ تو وہ اشارات تھے جو لباس کے اوصاف ظاہرہ سے

۲۷

عـہ میں کہتا ہوں کہ لباس میں ایک وصف ظاہری اور ہے وہ یہ کہ لباس ضروریات خارجیہ منفصلہ میں سے ہے اور اس کا درجہ ضروریات داخلیہ متصلہ کے بعد ہے چنانچہ غذا کا اہتمام لباس کے اہتمام سے مقدم ہے پس اس تشبیہ میں اسطرف اشارہ ہے کہ مردوں کو چاہیئے کہ عورتوں کو مثل لباس کے سمجھیں یعنی وہ ایک خارجی اور منفصل ضرورت کی چیز ہے اس سے تعلق اتنا ہی رکھیں جتنا لباس سے تعلق ہوتا ہے زیادہ اس کو دل میں جگہ نہ دیں وعلیٰ ہذا عورتوں کو بھی مردوں سے اتنا ہی تعلق رکھنا چاہیئے تاکہ طلاق و موت کے وقت زیادہ کلفت نہ ہو اور تاکہ اس کی محبت بڑھ کر احکام الٰہیہ میں اختلال نہ ہو۔ نیز لباس کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ جسم کی وضع پر رکھے (بقیہ صفحہ آئندہ)

تشبیہ اخذ کر کے حاصل ہوئے تھے اب ایک وصف لباس کا اور ہے جو شرعی وصف نہ اس سے بھی ایک اشارہ حاصل ہوتا ہے میں اسکو بیان کرکے ختم کردوں گا وہ یہ کہ قرآن میں جہاں تک میں نے غور کیا لباس کا لفظ عذاب وضرر کے واسطے مستعمل نہیں ہوا سوائے ایک جگہ کے کہ سورۂ نحل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ اور اس کی ساتھ ہی بطور جملہ معترضہ کے ایک فائدہ بھی بتلاتا ہوں کہ لفظ ذوق قرآن میں زیادہ تر عذاب ہی کے واسطے آیا ہے تو اس آیت میں عجیب صنعت ہے کہ عذاب کیلئے لفظ ذوق بھی لایا گیا اور لباس بھی تو ذوق کے لفظ سے تو عذاب کو مطعوم کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے صفت احساس میں کہ اس کا ایسا احساس ہوگا جیسا منہ میں رکھی ہوئی چیز کا احساس ہوتا ہے اور لباس کے لفظ سے عذاب کو تشبیہ دی گئی ملبوس کے ساتھ اشتمال واحاطہ میں قرآن میں عجیب عجیب صنعتیں ہیں۔ غرض قرآن میں لباس کا لفظ سوا ایک جگہ کے اور کسی جگہ عذاب وضرر کے واسطے نہیں آیا تو عورتوں کو لباس کہنے میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ عورتوں میں اضرار کی شان بھی نہ ہے گو قلیل ہی سہی گو صرف لام کے موضوع ہے انتفاع کیلئے اس سے ظاہراً آتی ہے لیکن لام صلہ کا بھی ہوتا ہے جیسے لَهُمْ عَذَابٌ اور اگر اس ربط کا اعتبار کیا جاوے اس اشارہ کو مدلول قرآن نہ کہا جاوے صرف مادہ لباس کو وجہ اشارہ کہا جاوے اس اشارہ کے اعتبار سے کہا جاوے گا کہ عورتیں جہاں بہت سے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) موافق ہوتا ہے اگر لباس جسم کے موافق نہ ہو تو اس کو الگ کر دیا جاتا ہے اسی طرح عورت ومرد میں اگر باہم توافق نہ ہو تو طلاق وخلع سے مفارقت جائز ہے نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نکاح میں توافق طبع وتوافق مزاج کی رعایت اہم ہے جیساکہ لباس میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ تراش وضع جسم کے موافق ہو اور اگر سلنے کے بعد بہت تنگ یا بہت ڈھیلا ہو تو جیسے اس وقت ناگواری ہوتی ہے اور سلے سلائے کپڑے کو ادھیڑنا یا بیکار کرنا گراں گذرتا ہے اسی طرح نکاح کے بعد طلاق دینا بھی گراں اور ناگوار چیز ہے۔ نیز جب نکاح بمنزلہ لباس کے ہے تو بے نکاح رہنا عریانی ہے پس اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عورت ومرد کیلئے بے نکاح رہنا عیب کی بات ہے جبکہ استطاعت ہو۔ لہذا ذکرہ الفقہاء امتہ الاخر بحضرۃ المتاہل لکونہ عریانا معنی ولذا ورد فی الحدیث شرارکم عزابکم پس کسی عورت کو بیوہ اور کسی مرد کو حتی الامکان بے نکاح نہ رہنا چاہیے ۱۲ ظ

عہ ویرد علیہ ان ہذا یستلزم وجود شان الاضرار فی الرجال ایضا للنساء والجواب انہ ان الرجل یلتبس بالمرأۃ کذا تلتبس ہی ایضا بہ فی دینہا ولکن فتنۃ الرجال للنساء اقل کما ان کونہم لباس لہن موخر ذکرا ۱۲ ظ۔

عہ

سیپارہ ۱۴ رکوع ۲۱

۲۵

منافع ہیں کچھ ضرر بھی ہے چنانچہ اس شان ضرر کی طرف اِس حدیث میں اشارہ ہے مَا اَخُوفُ فِتْنَۃُ اَضرَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مِنَ النِّسَآءِ کہ میں اپنی امت کے لئے عورتوں سے زیادہ خطرناک فتنہ کوئی نہیں سمجھتا نیز نص ہیں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ اے ایمان والو! تمہارے بیوی بچوں میں بعض تمہارے لئے (باعتبار انجام کے) دشمن بھی ہیں اُن سے ڈرتے رہو۔ اس پر ایک لطیفہ یاد آیا وہ یہ کہ ہمارے ایک دوست تھے وہ اولاد سے بہت ڈرتے تھے بلکہ اولاد کے دشمن تھے اور دلیل میں یہ آیت پڑھتے تھے اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ عـه اللہ تعالیٰ نے اولاد کو فتنہ کہا ہے اسلئے میں تو نکاح نہ کرونگا اور اگر کروں گا تو بیوی کو کوئی ایسی دوا کھلادونگا کہ اولاد نہ ہو میں نے کہا عقلمند آیت میں تو اموال کو بھی فتنہ فرمایا گیا ہے اگر فتنہ ہونے کی وجہ سے تم اولاد کے دشمن ہو تو ملازمت کیوں کرتے ہو مال کے دشمن کیوں نہ بنے اب تو ہوش درست ہوئے۔ آیت کا مطلب یہ تھوڑا ہی ہے کہ بیوی بچوں سے فتنہ لگا ہوا ہے کہ تم کو لپٹ ہی جائیگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں تم کو ضرورت کیلئے دی گئی ہیں اور اُن سے تمہارا امتحان بھی مطلوب ہے کہ تم اُن سے بقدر ضرورت ہی تعلق رکھتے ہو یا بس اُنہی کے ہو رہتے ہو۔ بہرحال اِس اشارہ سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں ضرر کی شان بھی ہے اور واقعی ہے بھی کیونکہ عورتوں کے فتنہ نے بہت لوگوں کا دین برباد کردیا ہے کوئی عورتوں کی وجہ سے سُود لینے میں مبتلا ہے کوئی رشوت لینے میں تاکہ اُن کی فرمائش زیور وغیرہ کی پوری کی جائے اور کوئی حرام اور ناجائز تعلق میں گرفتار ہے اور فتنہ سب سے اشد اور اُمّ الفتن ہے لیکن شریعت نے جو طریقہ اِس ام المفاسد کے انسداد کا مقرر کیا ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو یہ فتنہ بند ہو سکتا ہے اور وہ طریقہ پردہ ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ صاحب پردہ میں بھی فتنہ ہو جاتا ہے اِس کا جواب یہ ہے کہ وہ بھی پردہ میں کوتاہی کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی پردہ میں کچھ بے پردگی ہوتی ہے تب فتنہ ہوتا ہے اور اگر پردہ میں ذرا بے پردگی نہ ہو تو کوئی وجہ فتنہ کی نہیں ہے اور ہرچند کہ پردہ فطری شے ہے غیرتمند حیادار طبیعت کا خود یہ تقاضا ہے کہ عورتوں کو پردہ میں رکھا جائے کوئی غیور آدمی اِس کو گوارہ نہیں کرسکتا کہ اُس کی بیوی کو تمام مخلوق کھلے منہ

عـه تمہارے اموال اور اولاد تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے پارہ ۲۸ رکوع ۱۶

۲۶

ـه آیت میں مِنْ تبعیضیہ اِس شانِ اضرار کی قلت پر اشارہ کر رہا ہے کہ ازواج سب ایسی نہیں ہیں بعض ایسی ہی ہیں۔

دیکھیے اور شریعت نے فطریات کا خاص اہتمام نہیں کیا چنانچہ پیشاب پاخانہ کی طہارت نجاست
سے تو بحث کی ہے یہ کہیں حدیث و قرآن میں نہیں آیا کہ پیشاب پینا حرام یا پاخانہ کھانا حرام ہے
کیونکہ اس سے تو طبائع کو خود ہی نفرت ہے اس قاعدہ کا مقتضی یہ تھا کہ شریعت پردہ کے احکام
سے بھی بحث نہ کرتی مگر شارع کو معلوم تھا کہ ایک وقت میں طبائع پر بہیمیت غالب ہوگی جس
سے حیا کم ہوجائیگی یا جاتی رہیگی اس لئے اس کے متعلق احکام فرمادیئے ہیں پھر ان کا بھی کس قدر
اہتمام کیا ہے جو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ کہ اپنی
زینت کو بھی ظاہر نہ کریں اور اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ قرآن میں زینت سے مراد لباس ہے
چنانچہ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ اپنا لباس پہن لیا۔ میں تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے
مراد لباس ہی ہے اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ نے اس آیت کی تفسیر یہی کی ہے کہ عورتیں اپنا
لباس بھی ظاہر نہ کریں یعنی ایسا لباس جس میں زینت کی شان ہو جیسے آجکل بعض عورتیں خوب بن ٹھن کر
پھر بھڑکدار برقعہ اوڑھ کر باہر نکلتی ہیں اور زینت کو تو برقعہ چھپالیتا ہے مگر برقعہ میں ایسی چاپن بیل لگی
ہوتی ہے کہ اس کو دیکھ کر ہی دوسرے کا دل بے چین ہوجائے۔ واقعی وہ برقعہ ایسا ہوتا ہے جسے
دیکھکر لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی حور کی بچی ہوگی گو منہ کھولنے کے بعد چڑیل ہی کی ماں
نکلے تو شریعت نے ایسے زینت کے لباس کا ظاہر کرنا حرام کہا ہے پھر بھلا چہرہ اور گلا کھولنا
مطلقاً کیونکر جائز ہوسکتا ہے جو مجمع المحاسن ہے ایک نکتہ تشبیہ باللباس کا اور سمجھ میں آیا وہ
یہ کہ لباس تابع ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں مردوں کی تابع ہیں پھر لباسیت نساء کا ذکر
مقدم کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ تابعیت میں عورتیں مقدم ہیں۔ یہاں یہ سوال ہوگا کہ آگے تو
مردوں کو بھی عورتوں کا لباس کہا گیا تو کیا وہ بھی عورتوں کے تابع ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ
ہاں ایک درجہ میں وہ بھی تابع ہیں مگر ان کی تابعیت موخر ہے متبوعیت مقدم ہے اور عورتوں
کی تابعیت مقدم ہے متبوعیت موخر ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عورتیں تو فطرۃً اور
قانوناً مردوں کی تابع ہیں اور مرد محبت کی وجہ سے تابع ہوجاتے ہیں اور یہاں ایک کام کی بات
یاد آئی وہ یہ کہ یہ تابعیت محبت کے بقا تک ہے اور محبت کا بقاء پردہ کی بقا تک ہے اور یہ
مسئلہ عقلی بھی ہے چنانچہ ایک یوروپین عورت نے اسکے متعلق اخبارات میں اپنی تقریر شائع کی ہے

۲۷

کہ عورتوں کے لئے جو بے پردگی کی کوشش کی جاتی ہے یہ عورتوں کیلئے سخت مضر ہے کیونکہ
اس وقت تو مردوں کو عورتوں کی راحت رسانی کا پورا اہتمام ہے اور اس کا سبب محبت ہے
اور محبت کا منشا اختصاص ہے مشاہدہ ہے کہ جو چیز عام ہوتی ہے اس سے قوی تعلق نہیں ہوتا اور
یہ اختصاص پردہ سے قایم ہے پس محبت کی بنا پردہ ہے اس انگریزن کی تقریر سے پردہ کی تاکید بھی
معلوم ہورہی ہے ہندوستان کے لوگوں کو شرم کرنا چاہیئے کہ ایک یورپین عورت تو پردہ کی خوبی بیان
کرے اور تم ایشائی ہوکر پردہ کی مذمت کرتے ہو۔

اب میں ختم کرتا ہوں قرآن کے ان دو جملوں میں جو مضامین اس وقت بیساختہ سمجھ میں
آئے وہ میں نے بیان کردیئے اور سامعین کو معلوم ہوا ہوگا کہ ان مضامین کو گھیر گھار کر نہیں لایا گیا
اور اگر غور کیا جاتا تو شاید اور بھی یہ مضامین نکل آتے اب دعا کیجئے اللہ تعالیٰ سے کہ ہم کو توفیق
عمل اور فہم سلیم عطا فرمائیں وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی

نوٹ :۔ بیان کے بعد حضرت والا نے خواجہ صاحب سے دریافت فرمایا کہ صاحبزادے کا
عقد نکاح یہاں ہی کردیا جائے یا مسجد میں کیا جائے خواجہ صاحب نے کہا یہاں ہی کردیا جائے ۲۸
چنانچہ اسی مجلس میں نکاح ہوا بعد عقد نکاح کے حضرت نے فرمایا کہ بعض مستورات نے فرمائش کی
تھی کہ نکاح گھر ہی میں ہوتا کہ ہم بھی دیکھیں نکاح کس طرح ہوتا ہے کیونکہ نکاح ہمیشہ مسجدوں
میں یا مردانہ مکانوں میں ہوتا ہے عورتوں نے نکاح کا طریقہ کبھی نہیں دیکھا تھا اس واسطے
جی میرا بھی یہی چاہتا تھا کہ نکاح اسی مجلس میں ہوتا کہ مستورات کی فرمائش بھی پوری ہوجائے
مگر میں نے ابتدا میں اسکو ظاہر نہ کیا تاکہ اہل مجلس آزادی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر
کریں فقط

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۲ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی ب

سبیل السعید

الاشتات	[illegible]	[illegible]	[illegible]	ماذا	لِمَ	کیف	کم	متٰی	اَین
متفرقات	[illegible]	[illegible]	[illegible]	کیا مضمون تھا	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
افسوس اس وعظ کے محرک مولانا سعید الدین صاحب کا ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ بروز جمعہ انتقال ہوگیا اناللہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت میں اعلیٰ درجہ عطا فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے مرحوم کو دار العلوم سے بہت محبت تھی مدرسہ کا کام بڑی محنت اور محبت سے کرتے تھے اور باوجود صاحب ریاست ومتمول ہونیکے علم سے اسقدر شغف تھا کہ دو چار طالب علم ہمیشہ آپ سے علم دین حاصل کرتے رہتے تھے جنکا خرچ خود مولانا برداشت کرتے تھے ۱۲ ظ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ = یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے جس میں حق تعالیٰ نے تمام دین کا خلاصہ ارشاد فرمایا ہے ۔ تمام دین اس کی تفسیر ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اسکو ایسے خاص عنوان سے بیان فرمایا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ اسکو سنکر عمل کی رغبت ہوتی ہے ۔ اور یہی تعا

کی حکمت ہے کہ وہ احکام جو فی نفسہ آسان ہیں مگر مخالفت نفس اور منازعت نفس کے عارض سے دشوار ہوگئے ہیں اُن کو نہایت سہل عنوان سے بلکہ شوق دلانیوالے عنوان سے بیان فرمایا ہے تاکہ یہ عارضی دشواری شوق کی حرکت سے مغلوب ہوجائے۔ اور یہ دلیل ہے حق تعالیٰ کے شفیق ہونے کی۔ حق تعالیٰ نے ہمارے ساتھ ضابطہ کا تعلق نہیں رکھا ہے اور جتنے ضوابط و قواعد حق تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اُن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب بندوں کی مصلحت کے لیئے ہیں۔ وہ ضابطہ محضہ نہیں بلکہ عین شفقت ہے اِسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بچہ کنویں میں گرنے لگے تو اُس کو گرنے سے اِس طرح روکتے ہیں کہ ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور دو چار طمانچہ لگا کر وہاں سے ہٹا دیتے ہیں شفقت کا منشا یہی ہے نہ یہ کہ اہل حکومت کی طرح ضابطہ سنا دیا جائے جیسے حکام و سلاطین اور اُن کے نواب کا طریقہ ہے کہ منادی کرنے والا ایک طرف سے منادی کرتا چلا گیا چاہے کوئی سُنے یا نہ سُنے، سمجھے یا نہ سمجھے اور رغبت ہو یا نہ ہو سو یہ ضوابط ہیں۔ اور حق تعالیٰ کے احکام میں ایسے ضوابط نہیں ہیں ہاں صورت ضوابط کی ہے سو اس کی ایسی مثال ہے جیسے حکیم دوا کی مقدار معین کرتا ہے وقت مقرر کرتا ہے پرہیز متعین کرتا ہے تو ظاہر میں یہ بھی ضوابط ہیں مگر حقیقت میں یہ محض ضوابط نہیں ہیں کیونکہ اگر یہ ضوابط مرتفع ہو جائیں تو حقیقت میں ہلاک ہوگا۔ طبیب یہ قیدیں صرف مریض کی مصلحت سے لگاتا ہے۔ اپنی مصلحت کے لیئے نہیں لگاتا۔ اِسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے اپنی شانِ حکومت کے لحاظ سے ضوابط مقرر نہیں فرمائے بلکہ بندوں کی مصالح اور منافع کے لیئے متعین فرمائے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتے تو بندوں ہی کا ضرر تھا پس احکام میں بظاہر جو کچھ قواعد و ضوابط ہیں اُن کا مبنیٰ شفقت ہے اور اِسی شفقت کا یہ اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام کو ایسے عنوان سے بیان فرماتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندوں کو اُن کو اختیار کرنے کی رغبت پیدا ہوئی اور شوق پیدا ہو جاتا ہے جیسے باپ بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے اِس کی رعایت کرتا ہے کہ بیٹا سمجھ لے اور اُس کی سمجھ میں بات آجائے۔ چنانچہ اِس آیت میں بھی اِس طرز شفقت کی پوری رعایت ہے۔ فرماتے ہیں وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ واقعی یہ میرا راستہ ہے هٰذَا

کا اشارہ اُوپر کے احکام کی طرف ہے جو امہاتِ احکام ہیں جو تمام دین کا خلاصہ ہیں مگر وہ تو اجمال بصورت تفصیل تھی اور یہ یعنی آیت اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا اجمال بعد تفصیل ہے قبل ازیں کہ میں اس آیت کے عنوان میں طرزِ شفقت کو واضح کروں ایک اشکال کو رفع کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ شاید کسی ذہن کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے کہ ہمکو بدون ابتلاء بالاحکام کے جنت عطا فرمادیں اور شفقت کا مقتضیٰ بھی بظاہر یہی تھا کہ ابتلاء سے محفوظ رکھکر ہم کو نجات عطا فرماتے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ بیشک حق تعالیٰ اِس پر قادر ہیں کہ بدون ابتلاء و امتحان کے سب کچھ عطا فرمادیتے مگر وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ انسان کو ابتلاء و تکلیف کے بعد ہی دولتِ قرب عطا فرماتے ہیں (اور قرب ہی کا نام نجات ہے اور ہلاکت فراق و بعد کا نام ہے ؎

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعاں گفت ✦ فراقِ یار نہ آن می کند کہ بتواں گفت
حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظِ شہر ✦ کنا یتیست کہ از روزگارِ ہجراں گفت ۱۲)

چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ رہا یہ کہ اسکی وجہ کیا ہے سو اس کے بارہ میں ہمارے بزرگوں کا مسلک یہ ہے کہ حکم کی تفصیل میں گفتگو نہیں فرماتے اُن کا طریقہ یہ ہے اِبْهَمُوْا مَا اَبْهَمَ اللّٰهُ کہ جس چیز کو خدا تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے۔ تم بھی اس کو مبہم ہی رکھو۔ پس اجمالاً ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ابتلاء میں حکمت ضرور ہے گو ہم کو معلوم نہ ہو اور اس باب میں ایک بات جو بے ساختہ دل میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر انسان سے طاعت بدونِ ابتلاء مقصود ہوتی تو اس کے لئے ملائکہ پہلے سے موجود تھے انسان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ ملائکہ میں اطاعت بدون ابتلاء ہی ہے اُن میں منازعت کا مادہ ہی موجود نہیں۔ اور انسان کے اندر مقاومت و منازعتِ احکام کا مادہ رکھا گیا ہے مگر وہ ایک خاص درجہ پر ہے اور وہ بھی تکمیلِ اجر کے لئے اِس میں رکھا گیا ہے کیونکہ طاعت بلا منازعت سے طاعت بمنازعت افضل ہے بوجہ مجاہدہ کے۔ اور درجہ خاص کی قید میں نے اِس لئے لگائی کہ اگر منازعت خاص درجہ پر نہ ہوتی تو اَلدِّيْنُ يُسْرٌ کے خلاف ہوتا اسلئے میں نے یہ قید

لگا دی اور یہ منازعت بھی ابتدا ہی میں ہوتی ہے بعد رسوخ کے یہ منازعت بھی باقی نہیں رہتی بلکہ احکام الٰہیہ امور طبعیہ بنجاتے ہیں حق تعالیٰ نے افعال حسیہ میں بھی یہی قاعدہ رکھا ہے چنانچہ مشی وغیرہ میں ابتداہی میں ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے پھر ہر قدم پر ارادہ کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہی پہلا ارادہ مستمر قرار دیا جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے اسکو فعل اختیاری کہا جاتا ہے اسپر یہ شبہ ہو کہ شاید پھر ثواب کم ہو جاتا ہوگا کیونکہ طاعت بلا منازعت سے طاعت بمنازعت افضل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہی ہے کہ ابتدا سے منازعت کا مقابلہ کرنیکے بعد ثواب منازعت ہی کا ہمیشہ ملتا ہے کیونکہ اس نے تو اپنی طرف سے مقاومت منازعت کے دوام کا قصد کرکے عمل شروع کیا ہے چنانچہ ہر مسلمان جو نماز روزہ کا پابند ہے اس کا ارادہ یہی ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھوں گا ہمیشہ روزہ رکھوں گا خواہ نفس کو کتنا ہی گراں ہو۔ اب یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ بعد میں منازعت کو باقی نہیں رکھتے مگر چونکہ بندہ نے ہمیشہ کیلئے اس منازعت کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اسواسطے اسکو زوال منازعت کے بعد بھی بوجہ نیت دوام کے وہی ثواب ملتا ہے جو منازعت کے ساتھ ثواب ملتا۔ تو جیسے مشی کو فعل اختیاری اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ابتدا میں اختیار وارادہ کی ضرورت ہے گو بعد میں ضرورت نہیں رہتی اسی طرح یہاں بھی گو بعد میں منازعت نہیں رہتی مگر چونکہ ابتدا میں منازعت کی مخالفت کی ضرورت تھی اسلئے انتہا تک اس مخالفت منازعت کو حکماً مستمر قرار دیا جائیگا۔ اور یہاں سے پتہ لگتا ہے حق تعالیٰ کی رحمت کا ورنہ عقل کا مقتضا یہ ہے کہ جب منازعت ختم ہو جائے اور عبادت میں لذت وحظ پیدا ہو جائے تو اس شخص کو اجر نہ ملے کیونکہ اب طاعت مع الابتلا نہیں ہے اسوقت عقل کہتی ہے کہ یہ شخص اجر کا مستحق نہیں مگر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تجھے ہمارے بندہ سے محبت نہیں ہے ہم اسکو منازعت ہی کا اجر دینگے گو اب محنت کچھ نہیں رہی مگر اب ہم اس کو پنشن دینگے لیکن عقل پنشن کو جائز نہیں کرتی جیسے معتزلہ نے کہا ہے کہ گناہ پر سزا دینا ضروری ہے۔ عفو و مغفرت خلاف عقل ہے یوں یوں کہئے کہ رسوخ کے بعد بندہ کی وہ حالت ہو جاتی ہے جو بعضے پیروں کی حالت سنی گئی ہے کہ جب کوئی مریداں کی دعوت کرتا ہے تو وہ دعوت کے بعد نذرانہ بھی لیتے ہیں جسکو دانت گھسائی

کہنا چاہئے ایک پیرزادہ کو دعوت کے بعد دس روپے دئیے گئے تو اس نے پھینکدئے اور کہا کہ کیا ہماری شان پچاس روپیہ کے لائق ہے۔ غرض دو سو روپیہ لیکر ٹلے۔ تو حق تعالیٰ نے یہ کرکے دکھلا دیا کہ وہ بندہ کو دانت گھسائی بھی دیتے ہیں کیونکہ انتہا میں طاعت کا بجالانا کچھ کمال نہیں رہتا بلکہ اس کے ترک میں تکلف ہوتا ہے آخیر میں وہ حالت ہو جاتی ہے جو حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وارد ہے کان خُلُقُہُ الْقُرْاٰن کہ قرآن پر عمل کرنا آپ کی طبیعت تھی آپ کی تو یہ فطرت ہی سے طبیعت تھی مگر کاملین کی بھی اخیر میں اسی کے قریب حالت ہو جاتی ہے اور اس وقت اس کے حق میں وعیدات کی ایسی شان ہو جاتی ہے جیسے ماں بچہ کو بعض دفعہ دودھ پلانا چاہتی ہے اور وہ کھیل کے شوق میں بھاگتا ہے تو وہ اس کے چپت لگاتی ہے حالانکہ وہ جانتی ہے کہ یہ خود دودھ پئے گا کیونکہ دودھ سے اس کو خود ہی رغبت ہے مگر اظہار شفقت کیلئے چپت لگاتی ہے ایسے ہی منتہی کے لئے یہ وعیدات محض اظہار شفقت و رحمت ہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ مبتدی کیلئے بھی وعید محض اظہار شفقت و رحمت ہیں کیونکہ بات یہ ہے کہ انسان کو فطرۃ حق تعالیٰ سے محبت ہے اور مبتدی کو جو احکام میں منازعت ہوتی ہے یہ خلاف محبت نہیں بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ محبت کی وجہ سے اس کو حق تعالیٰ پر ناز ہے۔ یہ یوں کہتا ہے کہ جب مجھے محبت ہے تو مجھ کو آرام دینا چاہئے میرے اوپر یہ تکالیف اور قیود کیوں ہیں اور بزبان حال یوں کہتا ہے

؎ ہم نے الفت کی نگاہیں دیکھیں جانیں کیا چشم غضبناک کو ہم

یہ آجکل کے واعظوں کی زیادتی ہے کہ مسلمانوں کو محبت حق سے خالی سمجھتے ہیں اور وعظ میں مسلمانوں کو ملامت کرتے ہیں کہ تم کو نہ خدا سے محبت ہے اور نہ خدا کی عظمت ہے حکام کے سمن آنے کی طلبی پر تو تم فوراً بلا چون و چرا کے عدالت میں حاضر ہوتے ہو خواہ گرمی ہو یا سردی یا برسات کوئی چیز تمکو مانع نہیں ہوتی اور خدا کے احکام میں سو بہانے اور حیلے نکالتے ہو سو یہ دلیل غلط ہے کیونکہ رعایا کو حکام سے محبت نہیں ان کے احکام شاقہ سے رعایا کو تعجب نہیں ہوتا لوگ جانتے ہیں کہ حاکم غیر ہے اس سے ہمکو کیا تعلق اور وہ ہماری راحت و کلفت کا کیوں لحاظ کرے اسلئے ان کے احکام میں منازعت و کشاکشی نہیں ہوتی اور حق تعالیٰ سے انسان کو محبت ہے اور خاص تعلق ہے انکی طرف سے جو حکم اور قید آتی ہے اسمیں بوجہ ناز کے مچلتا ہے کہ ایسے رحیم و کریم نے ہمارے اوپر مصیبت

۵

کیوں ان واعظوں نے اس فرق کو نہیں سمجھا اس لئے خواہ مخواہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت خالی بتلا کر ان کے دلوں کو مجروح کرتے ہیں گویا بس ایک یہی واعظ صاحب تو حق تعالیٰ کے چاہنے والے ہیں حضرت حافظ شیرازیؒ نے ایسے واعظوں کی خوب خبر لی ہے فرماتے ہیں ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

اس میں بعض واعظوں کے دل میں یہ تاویل آچکی ہے کہ حافظ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ خلوت میں جا کر یہ لوگ ذکر و شغل کرتے ہیں جی ہاں بس خوش ہو لو ذرا اس سے آگے بھی پڑھ لو

؎ مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

واعظین گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں کہ وہ خود بھی خلاف ورزی احکام کی کسقدر کرتے ہیں پھر بھی اپنے بیان کے موافق محبت سے خالی ہیں اور اگر وہ خالی نہیں تو عوام بھی خالی نہیں بلکہ سب کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس لئے اس مقام پر فرماتے ہیں وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا کہ یہ میرا راستہ ہے سیدھا جسمیں اس راستہ کو اپنی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ سننے والوں کو حظ آئے کہ یہ محبوب کا راستہ ہے اس عنوان سے سب کو اس کی طرف حرکت ہوگی خواہ اس اضافت کا یہ مطلب ہو کہ یہ راستہ میرا ایجاد کیا ہوا میرا بتلایا ہوا ہے یا یہ مطلب ہو کہ اس پر چلکر تم مجھ تک یعنی میری رضا تک پہونچ سکتے ہو خواہ کچھ ہی مطلب ہو مگر بہرحال میں محبت کا یہی اثر ہے کہ جب عاشق کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں کام کرنے سے محبوب مجھ سے راضی ہو جائیگا تو اس کو اس کام میں سب مشقتیں آسان ہو جاتی ہیں بلکہ اس سے بڑھکر اگر محبوب کی تجویز رضا کا بھی علم نہ ہو مگر اس کا علم ہو جاوے کہ وہ میری مشقتوں کو دیکھ رہا ہے تب بھی یہی اثر ہوتا ہے چنانچہ ایک عاشق رسوائی عشق کی وجہ سے پٹ رہا تھا اور ذرا اُف نہ کرتا ننانوے کوڑوں کے بعد جو ایک کوڑا اور لگا تو آہ کی کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ ننانوے کوڑوں پر آہ کی آخر میں ایک کوڑے پر آہ کی کہا ننانوے کوڑوں تک تو محبوب میرے سامنے تھا میری حالت کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی محبت میں مجھ پر مصیبت آئی ہے تو اس وقت تک مجھے مصیبت کا احساس ہی نہیں ہوا بلکہ میں یوں کہہ رہا تھا۔

؎ بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا تو اس وقت مجھے کلفت کا احساس ہوا۔ جب اطلاع محبوب کے علم میں تھا یہ اثر ہے تو رضا و تجویز محبوب کے علم میں تو کیا کچھ اثر ہوگا۔ اسی بنا پر جب یہاں بندوں کو یہ بتلایا گیا کہ یہ میرا راستہ ہے یعنی میری رضا کا راستہ ہے یا میرا تجویز کیا ہوا راستہ ہے یہ سنکر اس کی محبت کو حرکت ہوئی اور اب اس راستہ میں ان کو کوئی مشقت محسوس نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ یہ کلفت محبوب کے راستہ میں ہے۔ اور محبوب کے راستہ میں تو جان بھی جاتی رہے تو کچھ زیادہ نہیں۔ تو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عنوان سے طریق کی گرانی کو کیسا پھولوں کا ہلکا کر دیا یہی وہ بات ہے جس کو میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے کہ اول تو دین کو فی نفسہ آسان کیا پھر نفس کی کشاکشی سے جو اس میں عارضی گرانی اور مشقت آجاتی ہے۔ اس کو اس طرح دور کیا کہ اس آیت میں تمام دین کا خلاصہ ایسے عجیب عنوان سے بیان فرمایا ہے جس سے ساری مشقت دور ہو گئی۔ کہ اس کو اپنا راستہ فرمایا۔ اپنی طرف اس کی نسبت فرمائی۔ اس کا لطف عشاق سے پوچھو کہ محبوب کے نام لگنے کی کیسی محبت ہوتی ہے۔ اور یہیں سے ایک حکایت کی حقیقت معلوم ہوگی جو مولوی مظہر صاحب رامپوری نے جو میرے ساتھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کی خدمت میں موجز میں شریک تھے (میں نے موجز کو موجز ہی پڑھا ہے ورنہ مطول ہو جاتی) رامپور ریاست کا قصہ بیان کیا کہ ایک شخص صاحب فتق ایک صاحب ارشاد کے پاس گیا۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو۔ کہا میں شیطان ہوں۔ فرمایا اگر شیطان ہو تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ جواب سنکر اس کو مردودیت کا یقین ہو گیا کہ جب ایک شیخ صاحب ارشاد نے بھی مجھ پر لاحول پڑھ دی تو میرے مردود ہونے میں کچھ شبہ نہیں تو اس نے اپنے خادم سے کہا کہ اب اس زندگی سے موت بہتر ہے اس لئے میں خودکشی کروں گا۔ اگر کچھ کسر رہے تو تم پوری کر دینا۔ چنانچہ اس نے خودکشی کی اور جان نکلنے کے بعد مرید نے الجھی ہوئی کھال کو الگ کر دیا۔ اسی حالت میں وہ گرفتار کیا گیا۔ اس نے کہا تم مجھے کیا گرفتار کرتے ہو میں تو خود زندگی سے بیزار ہوں

جب میرا بیر نہ رہا تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گا۔ تم شوق سے مجھے پھانسی دیدو۔ اس بیان سے حاکم کو اس کے قاتل ہونے میں شبہ پیدا ہوا تو اس نے واقعہ دریافت کیا۔ اس نے سب واقعہ بتلادیا۔ یہ خبران صاحب ارشاد شیخ کو بھی پہنچی۔ انہوں نے بھی تصدیق کی۔ کہاں وہ قبض میں مبتلا تھا اور میرے پاس آیا تھا کچھ تعجب نہیں کہ اس نے خودکشی کرلی ہو۔

یہ حکایت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنی تو فرمایا کہ ہم تو ان صاحب ارشاد کو شیخ سمجھتے تھے مگر معلوم ہوا کہ وہ کچھ بھی نہیں۔ ان کو چاہیئے تھا کہ جب اس نے کہا تھا کہ میں شیطان ہوں تو جواب میں یوں کہتے کہ پھر کیا حرج ہے۔ شیطان بھی تو اسی کا ہے نسبت اب بھی قطع نہیں ہوئی۔ اس سے تسلی ہو جاتی۔ شاید تم یہ کہو کہ ان الفاظ سے کیا ہوتا تو تم اس کو کیا جانو۔ ؟

جس پر قبض طاری ہو چکا وہ اس کے اثر کو سمجھتا ہے۔ صاحبو الفاظ میں بڑا اثر ہے اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ مولوی غوث علی صاحب پانی پتی سے کسی نے شیخ اکبر و فرید عطار و مولانا رومی کے متعلق دریافت کیا کہ وحدۃ الوجود میں گفتگو کرنے والے یہی تین حضرات بڑے ہیں۔ ان میں کیا فرق ہے۔ فرمایا تینوں ایک ہی بات کہتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ تین مسافر کسی گاؤں میں ایک کنوئیں پر پہونچے۔ ایک عورت پانی بھر رہی تھی اس سے پانی مانگا مگر ایک نے تو یوں کہا کہ اماں مجھے پانی پلادے یہ تو مولانا رومی ہیں۔ دوسرے نے یوں کہا کہ میرے باوا کی جورو مجھے پانی دیدے۔ یہ شیخ اکبر ہیں۔ تیسرے نے یوں کہا کہ میرے باوا سے یوں تو کرانے والی مجھے پانی دیدے یہ شیخ فرید ہیں اب غور کرلیجئے کہ ان الفاظ کے اثر میں فرق ہے یا نہیں۔ اگر کوئی ماں کو اماں کہے تو وہ خوش ہوگی اور اگر باوا کی جورو یا باوا سے یوں توں کرانے والی کہے تو اس کا منہ نوچنے کو تیار ہو جائے گی۔ حالانکہ معنی سب کے متحد ہیں۔ مجھ پر خود ایک حالت گذری ہے جس میں الفاظ کے اثر کا مجھے پورا مشاہدہ ہوا ہے ایک بار مجھے سخت مرض ہوا اور ایک حکیم صاحب کے پاس قارورہ بھیجا انہوں نے قارورہ دیکھکر یہ کہا کہ اس شخص میں تو حرارت عزیزیہ نام کو بھی باقی نہیں۔ یہ زندہ کیسے ہے۔ قارورہ لیجانے والے نے یہ عقل مندی کی کہ حکیم کا مقولہ مجھ سے آکر بیان کردیا جس کا مجھ پر بہت زیادہ

اثر ہوا میں نے ان کو دھمکایا کہ یہ بات کیا میرے سامنے کہنے کی تھی۔ تم نے بڑی حماقت کی جاؤ اس کا تدارک کرو۔ انہوں نے تدارک پوچھا میں نے کہا کہ مکان سے باہر جاؤ اور کچھ دیر میں آکر مجھ سے یوں کہو کہ میں پھر حکیم صاحب کے پاس گیا تھا۔ انہوں نے مکرر دیکھ کر یہ کہا کہ پہلے جو بات میں نے کہی تھی وہ غلط تھی۔ حالت اچھی ہے کچھ خطرے کی بات نہیں وہ کہنے لگے کہ جب آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کی سکھلائی ہوئی بات کہوں گا تو اس کا کیا اثر ہوگا۔ میں نے کہا تم خواص اشیاء کو کیا جانو جس طرح میں کہتا ہوں تم اسی طرح کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ ان لفظوں کے سننے سے میری پہلی سی حالت نہ رہی بلکہ ایک گونہ قوت طبیعت میں پیدا ہوئی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ علاج سے قوت بڑھتی گئی اور حق تعالیٰ نے پوری شفا عطا فرما دی تو الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اثر رکھا ہے۔ گو ہماری سمجھ میں نہ آئے۔ اطباء سے پوچھو کہ خفقان میں کہربا کی تعلیق کیوں مفید ہے؟ وہ اس کی وجہ بجز تجربہ کے کچھ نہیں بتلا سکتے۔ اسی طرح اہل طریق کو کلمات والفاظ کے اثر کا تجربہ ہو چکا ہے۔ مگر ان کے تجربہ کو اہل ظاہر نہیں جانتے شاید کسی مولوی کو یہ شبہ ہو کہ ایسے الفاظ سے تسلی کرنا تو جائز نہ تھا کہ شیطان بھی تو اسی کا ہے نسبت پھر بھی باقی ہے۔ کیونکہ اس سے کفار بھی اپنے کو صاحب نسبت سمجھنے لگیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ فوری علاج سنکھیا سے بھی کیا جاتا ہے پھر بعد میں سنکھیا کی سنبھال کر لیتے ہیں، اس کو بھی اطباء جانتے ہیں۔ اور اہل اللہ کا تجربہ ہے کہ بعض دفعہ اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے تم اس میں اضافت تشریفیہ کیوں لیتے ہو اور خواہ مخواہ اس کو خلاف شرع پر کیوں حمل کرتے ہو معنی لغوی پر کیوں محمول نہیں کرتے۔ آخر شیطان بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ (یعنی ان کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اُن کا بندہ ہے ۱۲) بتلائیے اس میں کیا خرابی ہے اس قصہ سے معلوم ہو گیا ہوگا نسبت اور اضافت کا اثر اہل محبت پر کس قدر ہوتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ یہ میرا اسمٰعیل ہے اس سے محبت کو ہیجان ہو گیا۔ اور اب مولانا کا ارتفاع آسان ہو گیا۔ اب یہ حال ہو جاتا ہے۔ کہ ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو ۔۔۔ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اور اب عاشق زبان حال سے اور بعض دفعہ زبان قال سے یوں کہنے لگتا ہے۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من — دل فدائے یار دل رنجان من۔

اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا۔ کو سن کر ایک دفعہ تو کافر کو بھی اس کی طرف حرکت ہو گی اور وہ اس راستہ پر چلنا چاہے گا۔ کیونکہ خدا سے محبت کافر کو بھی ہے چنانچہ میں دیکھتا ہوں اور آپ نے بھی دیکھا ہو گا کہ بعض سنیاسی ذکر و شغل کرتے ہیں اور للہ اللہ کو ترک کر دیتے ہیں اس کا منشاء وہی محبت ہے گو وہ غلط راستہ پر چل رہے ہیں اور یہاں سے ایک بات اور بتلاتا ہوں وہ یہ کہ کفار کو ذکر الٰہی سے گو آخرت میں کچھ نفع نہ ہو اور یہ ذکر وہاں ان کے لئے نجات کا سبب نہ ہو مگر دنیا میں ان کو بھی کچھ مل جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ کہ وہ کسی اچھے کام کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے بلکہ اگر ذاکر طالب آخرت ہے تو اس کو آخرت میں بھی اجر عطا فرماتے ہیں اور دنیا میں بھی اور طالب دنیا ہے تو اس کو دنیا میں کیفیات نفسانیہ ذوق و شوق وغیرہ عطا ہو جاتا ہے۔ یہ اس کا اجر ہے۔ اسی لئے محقق حضرات نے فرمایا ہے کہ کیفیات نفسانیہ کے درپے نہ ہو۔ کیونکہ وہ تو چٹنی ہے اور چٹنی مطلوب نہیں بلکہ مطلوب غذا ہے۔ اب اگر کوئی چٹنی ہی سے پیٹ بھر لے تو اس کا معدہ خراب ہو جائے گا۔ بس چٹنی کا کام یہ ہے کہ غذا کے ساتھ تھوڑی سی کھالی جائے تاکہ غذا اچھی طرح کھائی جائے۔ میں نے اس کے متعلق ایک فیصلہ کیا ہے۔ جو مختصر ہے گو یہ لفظ دعوے کا ہے مگر میرا مقصود دعویٰ نہیں بلکہ یہ ایسا ہے جیسے کہ ہم یوں کہتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا۔ اور دعویٰ تو جب ہو کہ یہ فیصلہ میں نے اپنے آپ کیا ہو۔ نہیں نہیں بلکہ یہ ان حضرات کا طفیل ہے جن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں اور طوطا اگر کچھ پڑھنے لگے تو یہ اس کا کمال نہیں بلکہ پڑھانے والے کا کمال ہے تو وہ فیصلہ اس کے بارہ میں یہ ہے کہ یہ کیفیات محمود تو ہیں مگر مقصود نہیں اور غیر مقصود بالذات کو مقصود بالذات بنا لینا عصیان باطنی اور بدعت باطنیہ ہے۔ اس لئے ان کے درپے نہ ہو۔ ان کی تمنا نہ کرو ہاں دعا کا مضائقہ نہیں کیونکہ دعا میں خاصیت یہ ہے

کہ دعا کے قبول نہ ہونے سے شکایت وقلق پیدا نہیں ہوتا اور تمنا کے پورا نہ ہونے سے شکایت وقلق ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے امور اختیاریہ وغیر اختیاریہ کے متعلق یہی فیصلہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۞ میرا ذوق یہ ہے کہ اس آیت میں مطلوب کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ ایک موہوب جس کو ما فضل اللّٰہ بہ، اور واسئلوا اللّٰہ من فضلہ میں فضل سے تعبیر کیا گیا ہے دوسرے مکسوب جس کو للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن میں اکتساب کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ اب حاصل یہ ہوا کہ موہوب کی تمنا کرنا نہ چاہیئے بلکہ مکسوب کا اہتمام و فکر کرنا چاہیئے۔ مدار نجات اعمال مکسوبہ ہیں اب رہا تمنائے موہوب سے جو ممانعت ہے اس میں نہی تحریم کے لئے ہے یا کراہت تحریم کے لئے یا کراہت تنزیہ کے لئے اس سے مجھے بحث نہیں عشاق سے پوچھو کہ جب محبوب کسی کام سے منع کر دے تو کیا عاشق محبوب سے یہ سوال کر سکتا ہے کہ حضور یہ بات آپ کو کس درجہ میں ناپسند ہے کس قدر ناگوار ہے۔ اگر کوئی ایسا سوال کرے گا تو محبوب اس کو نکال باہر کرے گا کہ تو عاشق نہیں۔ اس کے بعد حق تعالیٰ ہمارے جذبات کی رعایت فرماتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ موہوب کے لئے انسان کا دل للچائے گا ضرور۔ اس لئے دعا کی اجازت دیتے ہیں۔ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ، کہ دعا کر سکتے ہو آگے بعض اوقات عدم قبول دعا سے پریشان نہ ہونے کی تعلیم ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۞ کہ اگر دعا قبول ہونے میں دیر ہو اور قبول کے آثار معلوم نہ ہوں تو گھبراؤ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات کو اچھی طرح جانتے ہیں یعنی وہ ہر چیز کی مصلحت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں پس اس بات کو بھی وہی خوب جانتے ہیں کہ یہ نعمت موہوبہ تمہارے لئے مناسب ہے یا نہیں اور مناسب ہے تو کس وقت اور کس حالت میں مناسب ہے۔ یہ تو کیفیات کے متعلق فیصلہ کا ذکر تھا۔ اور اس سے پہلے میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ کیفیات کفار کو بھی حاصل ہو جاتی ہیں تو جو چیز کافر کو بھی حاصل ہو سکے اس کے درپے نہ ہونا چاہئے اور نہ ان کیفیات کے حصول

پر اکتفا کرنا چاہیئے کیونکہ نجات کا مدار اعمال مکسوبہ ہے۔ ان کیفیات سے قرب و نجات میں کچھ زیادہ ترقی نہیں ہوتی (ہاں یہ ضرور ہے کہ عادۃً عمل مجرد عن الکیفیۃ سے عمل مع الکیفیۃ میں خود شان اکتساب کی زیادہ ہوتی ہے اسلئے وہ اکمل ہونے کے سبب افضل ہوگا۔ ۱۲) غرض خدا کا راستہ سنکر کفار کو بھی حرکت ہوتی ہے اور وہ بھی ایک دفعہ کو بے اختیار اس راستہ پر چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ سے سب کو محبت ہے جس کی وجہ سے جس چیز کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہو جائے اس سے بھی محبت ہوتی ہے آگے ارشاد ہے کہ بس لذت نسبت ہی پر کفایت نہ کرنا بلکہ آگے بڑھو اور کام کرو۔ فَاتَّبِعُوْهُ کہ اس راستہ کا اتباع کرو اسپر چلو۔ کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو کافر سے نہیں ہو سکتی۔ کیفیات تو کفار کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں مگر صراط خداوندی کا اتباع کافر سے بحالت کفر نہیں ہو سکتا یہ تو تمہید تھی اب میں مقصود کو عرض کرتا ہوں جو مختصر ہی ہے اور مقصود تو ہمیشہ مختصر ہی ہوتا ہے جیسے روٹی مختصر ہے اور تمہید اس کی بہت لمبی ہے یہ تو حسیات میں ہے اور طریق باطن میں بھی مقصود مختصر اور تمہید مطول ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا گنگوہی کا ارشاد ہے کہ سلوک کا جو حاصل پندرہ سال کے بعد معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہوتا تو اس کے لئے ہم اتنا وقت صرف نہ کرتے میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ حاصل پندرہ برس کی محنت سے پہلے معلوم ہی کیوں ہوتا (اور یہ بھی حضرت قدس سرہ کا کمال تھا کہ ان کو پندرہ برس میں خلاصہ معلوم ہو گیا بہت سوں کو تو تیس اور چالیس سال کے بعد جا کر کہیں مقصود کا پتہ لگتا ہے) پس یہ مختصر ایسا ہے جیسے ایک بڑے دفتر حساب کا خلاصہ میزان کل ایک سطر میں لکھا ہوتا ہے کہ کل میزان دس ہزار پانسو دس ہے مثلاً یہ لفظ تو ایک سطر سے کم میں بھی آ جائیگا تو کیا آپ میزان کو بدون تمام دفتر جمع کئے معلوم کر سکتے تھے ہرگز نہیں غرض حق تعالیٰ نے یہاں تو صراط کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی اضافت فرمائی ہے۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ اور ایک مقام پر انبیاء و علماء سب کی طرف اسکی اضافت ہوئی ہے وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اور ایک مقام پر خود سالک کی طرف اضافت کی گئی ہے۔ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝

سورۂ مزمل پ ۲۹ سورۂ دہر میں بھی ہے۔ یہ دوسری طرف درج اختیار ہے

گویا اضافت صریح نہیں مگر سالک کو اس طریق کے ساتھ تلبس ہونے پر یہ آیت ضرور دال ہے کیونکہ لفظ سَبِیل اسمیں اتَّخَذَ کا مفعول بہ ہے اور فاعل سالک ہے اور متخِذ و متخَذ میں تلبس ضرور ہوتا ہے اور اور اضافت سے میری یہی مراد ہے۔ اضافت نحویہ مراد نہیں۔ اب اُن اضافات متعددہ کے اسباب سُنیئے حق تعالیٰ کی طرف تو اس طریق کی اضافت اسلئے ہے کہ وہ واضع طریق ہیں اور منتہائے طریق ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسلئے ہے کہ آپ داعی اور مبلغ ہیں۔ اور یہی وجہ نسبت الی العلماء کی ہے۔ اور سالک کی طرف اضافت کا منشا یہ ہے کہ وہ طالب سبیل ہے اور فقہاء نے اصول میں بیان فرمایا ہے۔ کہ جہاں ایک چیز دو کی طرف منسوب ہو وہاں ان دونوں چیزوں میں غایت تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ اُصولیین نے حرمت مصاہرت کے مسئلہ میں اسکی تقریر کی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ ولد منسوب ہے واطی اور موطوٗ کی طرف اس لئے کہ ان دونوں میں تعلق قوی ہوگیا پس دونوں کے اُصول و فروع ایک دوسرے پر حرام ہو جائیں گے تو ایسے ہی یہاں سمجھیئے۔ کہ سبیل حق کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی یہ غایت تعلق مع الرسول کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حق تعالیٰ کو بہت تعلق ہے۔ اور منشاء اضافت الی الرسول کا یہ ہے کہ آپ دَاعِیْ اِلٰی طَرِیْقِ اللّٰہ ہیں جس کی طرف اُدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ میں اشارہ ہے اور یہی شان علماء میں بھی موجود ہے۔ مگر بواسطہ رسول کے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں شان بلاواسطہ ہے پس واسطہ اور بلاواسطہ کا فرق ہے مگر نفس نسبت مشترک ہے تو قاعدہ مذکورۂ بالا کے موافق یہ اس کی دلیل ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علماء سے بہت تعلق ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کو بھی بواسطۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علماء سے بہت تعلق ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جب یہ نسبت مشترک ہے۔ اور سالک کی طرف بھی اسکی اضافت ہے تو جو اس راستہ پر چلنا شروع کرتا ہے اس سے بھی اللہ تعالیٰ کو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاص تعلق ہو جاتا ہے جب یہ سمجھ گئے تو اب سنو! کہ مجھے یہاں سے ایک مسئلہ مستنبط کرنا ہے جس کا حاصل یہ شعر ہے ؎

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب ؁ بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ ؁ چارہ نبود در مقامش از چراغ

یعنی اس وقت مجھے علماء کی شان بیان کرنا اور اُن کا درجہ بتلانا ہے جو اس اضافت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جو شخص اللہ تعالیٰ تک پہونچنا چاہے اور خدا تعالیٰ کو راضی کرنا چاہے اُسکے لئے بجز اتباع علماء کے کوئی صورت نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے گو حضور کی وفات بھی حیات ہی ہے مگر حیات صوریہ کے مقابلہ میں اُس کو وفات کہنا ضرور صحیح ہے ہاں اللہ تعالیٰ حَیٌّ لَا یَمُوت ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ سے بجز انبیاء کے بلا واسطہ کوئی مستفید نہیں ہو سکتا۔ اور ہم تو صحابہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بلا واسطہ مستفید نہیں ہو سکتے تو اب بجز اتباع علماء کے ہمارے لئے دین پر چلنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔ مگر حالت یہ ہے کہ بہت لوگوں کو اتباع علماء سے آجکل عار ہے بلکہ بعض کو تو اتباع ائمہ سے بھی عار ہے آجکل بعض لوگوں کو مشکوٰۃ و بخاری کا ترجمہ پڑھ کر اجتہاد کا دعویٰ ہے مگر اس اجتہاد کی حالت یہ ہے کہ ایک عامل بالحدیث تنہا نماز پڑھتے تو سکون سے پڑھتے۔ اور امامت کرتے تو خوب ہل ہل کر نماز پڑھتے کسی نے اُن کو ٹوکا کہ تم امامت کے وقت اس قدر کیوں ہلتے ہو تو کہا حدیث میں اس کا حکم آیا ہے اور مشکوٰۃ کا ترجمہ نکال کر لائے جسمیں مَنْ اَمَّ مِنْکُمْ فَلْیُخَفِّفْ کا ترجمہ لکھا تھا کہ جو شخص امام بنے وہ ہلکی نماز پڑھے مجتہد صاحب نے ہلکی کو ہل کے پڑھا اور نماز میں ہلنے لگے۔ صاحبو! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آجکل دعویٰ اجتہاد وہی کرتا ہے جس کو علم سے مس بھی نہیں۔ ورنہ صاحب علم کبھی دعویٰ اجتہاد نہیں کر سکتا کیونکہ جب کمالِ علم حاصل ہوتا ہے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ ہم جاہل ہیں چنانچہ مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ عمر بھر پڑھنے پڑھانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہم جہل مرکب سے جہلِ بسیط میں آ گئے۔ بھلا ایسا شخص دعویٰ اجتہاد کیوں کر کر سکتا ہے۔ بس مدعی وہ لوگ ہیں جن کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اُنکو اجتہاد کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔ ایک صاحب نے ریل میں مجھ سے سوال کیا تھا کہ اجتہاد کسے کہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ تم اسکی حقیقت اصطلاحی الفاظ میں تو کیا سمجھو گے میں ایک مثال سے اُس پر تنبیہ کئے دیتا ہوں، بتلاؤ اگر دو شخص سفر میں ہوں اور صبح کی نماز کا وقت آئے اور پانی موجود نہ ہو اس لئے دونوں کو تیمم کرنا پڑے مگر ایک نے تو وضو کا تیمم کیا۔ دوسرے نے بوجہ رات کو احتلام ہو جانے کے غسل کا تیمم کیا تو ان دونوں میں سے امام کون بنے اور کس کی امامت

۱۴

افضل ہے۔ کہا کہ اس شخص کی جس نے وضو کا تیمم کیا ہے کیونکہ طہارت تو دونوں کو برابر حاصل
ہے اور حدث ایک کا اصغر ہے اور دوسرے کا اکبر اسلئے وضو کے تیمم والے کی طہارت اقوی ہے
میں نے کہا یہ تو تمہارا اجتہاد ہے۔ اب سنو فقہاء نے تیمم غسل والے کو امامت کے لئے افضل فرمایا
ہے وہ یہ بات سُن کر بڑے حیران ہوئے اور وجہ پوچھنے لگے کہ فقہاء نے یہ بات کہاں سے
فرمائی میں نے کہا کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب پانی موجود نہ ہو تو تیمم طہارت کاملہ ہے۔ حدث
اکبر کے لئے بھی اور حدث اصغر کے لئے بھی جب تیمم طہارت کاملہ ہے۔ تو جس نے غسل کا
تیمم کیا ہے وہ افضل ہے کیونکہ نائب اکمل کا اکمل ہے اسلئے غسل والے کا تیمم اکمل ہے۔
اس دلیل کو سُنکر اُن کی آنکھیں کھل گئیں اور کہنے لگے واقعی اجتہاد کرنا انہی حضرات کا
کام تھا۔ صاحبو! تم جب چاہو امتحان کر لو کہ حدیث سے بیش احکام تم مستنبط کرو اور وجہ استنباط
پیش نظر رکھو۔ پھر ان احکام کے متعلق فقہاء کا کلام اور اُن کا استدلال معلوم کرو تو واللہ خود
قسم کھا کر کہو گے کہ فقہاء حدیث اور قرآن کو خوب سمجھتے ہیں۔ اہل حدیث کو فقہاء پر یہ اعتراض
ہے کہ یہ احادیث کے خلاف مسائل بیان کرتے ہیں، میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ عمل ۱۵
بالحدیث کے معنی اگر عمل بکل الحدیث ہے تو اس معنی کر تو تم بھی عامل بالحدیث نہیں کیونکہ بہت
سی احادیث کو جو حنفیہ کے موافق ہیں تم چھوڑتے ہو۔ اور اگر اس کے معنی عمل ببعض الحدیث ہیں
تو اسی معنی کر ہم بھی عامل بالحدیث ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ تمہارے دلائل بخاری و مسلم میں ہیں۔
اور ہمارے دلائل مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق میں ہیں تو وہ بخاری مسلم کے بھی استاد
اور اُستاد الاستاد ہیں گو شاگرد زیادہ مشہور ہو جائے پھر اسکی کیا وجہ کہ تم ائمہ فقہا کو حدیث کا
مخالف کہتے اور ان پر طعن کرتے ہو اور در اصل ہم کو غیر مقلدوں سے اسی کی زیادہ شکایت ہے۔
کہ وہ ہمارے ائمہ کو برا کہتے ہیں، اگر وہ ائمہ کو برا نہ کہیں تو تقلید یا ترک تقلید سے ہم کو زیادہ
بحث نہیں، یہ تو ہر شخص کا خدا کے ساتھ اجتہادی معاملہ خواہ تقلید سے خدا کو راضی کرے

عہ اسی طرح عطاء بن ابی رباح سے سوال کیا گیا کہ عورتیں اگر باہم جماعت کریں تو امامت کے لئے
اُن میں کون افضل ہے فرمایا کہ جو حاملہ ہو۔ لکون طہرہا اکمل من طہر غیر الحائل لبراءتہا من الحیض و دامت
حاملا۔ یہ جواب غیر مجتہد کبھی نہیں دیسکتا ۱۲ منہ

یا ترک تقلید سے ہمارا اجتہادی خیال یہ ہے کہ ہم بدون تقلید کے دین پر عمل نہیں کرسکتے۔ اگر کسی کا اجتہادی خیال یہ ہے کہ ترک تقلید سے بھی دین مکمل ہوسکتا اور خدا راضی ہوسکتا ہے تو اس کو اختیار ہے ہم اسکے ساتھ نہ الجھیں گے مگر اس کی کیا وجہ کہ وہ مقلدوں سے الجھتے ہیں اور اس سے بڑھکر یہ کہ ہمارے ائمہ کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ ہم ان کے ائمہ کو برا نہیں کہتے بلکہ ہم تمام محدثین کو بھی اپنا امام سمجھتے اور ان کی عظمت کرتے ہیں۔ اور کسی کی تحقیر کو جائز نہیں سمجھتے۔ ایک دفعہ میں قنوج گیا تو غیر مقلدوں نے میری دعوت کی حنفیوں نے تو مجھے منع کیا اور کہا کہ ان لوگوں کا کیا اعتبار کہیں سنکھیا نہ دیدیں۔ مگر میں نے دعوت قبول کی۔ اور کھانے کے بعد یا قبل ان سے کہا کہ میں آپ کا بالقوہ یا بالفعل نمک خوار ہوگیا ہوں، اسلئے میرے ذمہ آپ کی خیر خواہی لازم ہوگئی۔ اس خیر خواہی کی بناپر میں آپ کو دو نصیحت کرتا ہوں ایک یہ کہ بدگمانی نہ کرو۔ دوسرے یہ کہ بدزبانی نہ کرو۔ غیر مقلدوں میں یہ دو مرض زیادہ غالب ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ائمہ کو حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک تاویل و قیاس کے معنی مخالفت حدیث ہیں۔ گو وہ مستند الی الدلیل ہی ہو۔ ایک عامی نے ایک غیر مقلد عالم کو اسی بناپر سخت الزام دیا اُن سے پوچھا کہ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ کے کیا معنی ہیں کہا کہ معنی کیا ہوتے۔ تاویل ہی کی کیا ضرورت ہے بس جو نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے عامی نے کہا کہ حنفی لوگ امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتے اور حدیث میں ہے کہ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْكِتَابِ تو یہ لوگ آپ کے اصول پر کہ اس میں کچھ تاویل نہیں تارک صلوۃ ہوئے اور تارک صلوۃ کافر ہے تو کیا حنفی سب کافر ہیں جناب وہ عالم دم بخود ہوگئے اور ایسے خاموش ہوئے کہ کچھ جواب نہ بن پڑا۔ کیونکہ وہ محض اس بات پر انکی تکفیر نہیں کرتے بس نہ حنفیوں کو کافر کہہ سکے اور نہ حدیث میں تاویل کرسکے کیونکہ تاویل اور قیاس کرنا ان کے نزدیک شرک و کفر میں داخل ہے مگر عامی نے ان کو الزام دیکر بتلادیا کہ بدون تاویل و قیاس کے چارہ نہیں اور یہ الزام دینے والا ایک عامی لونڈا تھا۔ غرض مشکوۃ و بخاری کا ترجمہ دیکھکر اجتہاد کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ اپنے متبوع

میاں مٹھو بننا اور بات ہے مگر وہ کسی محقق عالم کے سامنے اپنے اجتہادات بیان کریں تو حقیقت معلوم ہو جائے وہ ان کے سب اجتہادیات کی قلعی کھولکر رکھدے گا۔ اور ان سے اقرار کرائے گا کہ تم اجتہاد کے ہرگز اہل نہیں اسی لئے کہا گیا ہے ۔

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را　　عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

عارف فرماتے ہیں ۔

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد　　بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

اجتہاد ایک خاص آن ہے جو امر ذوقی ہے محض کتابوں کے یاد کر لینے کا نام اجتہاد نہیں۔

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند　　نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست　　نہ ہر کہ سر بتراشید قلندری داند

البتہ دو علموں میں اب بھی اجتہاد باقی ہے۔ ایک طب باطنی میں ایک ظاہری میں جو شخص ان میں مجتہد نہ ہو اس کو علاج کرنا جائز نہیں۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ آجکل عوام کو اتباع علماء سے عار ہے حتی کہ بعض کو ائمہ کے اتباع سے بھی عار ہے۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ خدا کا راستہ بدون اتباع علماء و اتباع ائمہ کے نہیں مل سکتا عوام اگر خدا تک پہنچنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے طریقہ یہی ہے کہ علماء سے احکام پوچھ پوچھ کر ان کا اتباع کریں۔ اُن کو علماء سے دلائل و حکم دریافت کرنے کا حق نہیں صرف احکام دریافت کرنے کا حق ہے اور علماء کو بھی چاہئے کہ عوام کے سامنے دلائل و حکم بیان نہ کیا کریں۔ میرا یہی طرز ہے۔ چنانچہ علی گڈھ میں ایک پروفیسر نے جو عربی ادب کے بڑے ماہر تھے مجھ سے ایک حدیث کا متن پڑھ کر جسمیں آیا ہے کہ زنا کی کثرت سے طاعون پھیلتا ہے، سوال کیا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے کہا حدیث کا مدلول سمجھ میں نہیں آیا یا جنایت و عقوبت میں وجہ ربط سمجھ میں نہیں آئی۔ کہا ربط سمجھ میں نہیں آیا میں نے کہا کہ ربط کے سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اسپر کوئی دین کا کام اٹکا ہوا نہیں ہے۔ آپ بدون علم ربط ہی کے حدیث پر ایمان رکھئے۔ کہا اس میں ایک نفع ہے۔ میں نے کہا وہ

کیا۔ کہا زیادتِ اطمینان۔ میں نے کہا خود اطمینان کے مطلوب ہونے کی کیا دلیل؟ کیا دلیل اس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔ میں نے کہا یہ کیا ضرور ہے کہ جو چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نافع تھی وہ آپ کو بھی نافع ہو۔ بس اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ علماء کو عوام کے ساتھ یہی طرز اختیار کرنا چاہیئے کہ دلائل و حکم و اسرار ان کے سامنے بیان نہ کریں۔ اس سے ان کا دماغ خراب ہوتا ہے۔ پھر وہ کوئی حکم بدون علت و حکمت معلوم کئے بغیر قبول نہ کریں گے اور بعض احکام کی علل و حکم دقیق ہوتی ہیں عوام بیان کے بعد بھی ان کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہاں عوام یا تو عمل ترک کریں گے یا علماء علت و حکمت کے سمجھانے میں اپنا دماغ اور وقت ضائع کریں گے اس سے بہتر یہی ہے کہ عوام کے سامنے صرف احکام بیان کئے جائیں۔ یہ تو علماء کا کام ہے اور عوام کا فرض یہ ہے کہ علماء کا اتباع کریں خود اجتہاد نہ کریں، ان سے احکام دریافت کریں علل و حکم دریافت نہ کریں علماء کو ایک بات کی اور نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ جس کے سر پر بڑے موجود ہوں اس کو اپنی شہرت کی کوشش نہ کرنا چاہیئے بلکہ جہاں تک ہو اپنے کو گم کردے۔ گمنامی میں رہو۔ کیونکہ بڑا بننا سخت خطرہ کی بات ہے۔ اور شہرت سے دنیوی مصائب کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

خویش را رنجور ساز زار زار	تا ترا بیروں کنند از اشتہار
اشتہار خلق بند محکم است	بند ایں از بند آہن کے کم است
چشمہا و خشمہا و رشکہا	بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

یعنی اشتہاری آدمی مجرم ہوتا ہے (یہ لطیفہ ہے) یہ تو آج کل قانون بھی ہے۔ بس سلامتی اسی میں ہے کہ چھوٹے بنکر رہو اس میں دین کی بھی سلامتی اور دنیا کی بھی اور جس کے سر پر کوئی بڑا نہ ہو اس کے لئے میں دوسرا طریقہ بتلاتا ہوں اور اس کے مستحسن ہونے پر قسم کھا سکتا ہوں وہ یہ کہ اپنے چھوٹوں سے مشورہ کیا کرے۔ انشاء اللہ غلطیوں سے محفوظ رہیگا۔ اس کے بعد میں ایک نئی بات کہتا ہوں جو اکثر لوگوں کے ذہن میں نہیں ہے کہ مرید کو شیخ کی رائے سے مخالفت کا حق نہیں اگرچہ دوسری شق بھی مباح ہو کیونکہ مرید کا

۱۸

تعلق شیخ سے استاد شاگرد جیسا نہیں ہے بلکہ اس طریق میں مرید شیخ کا معاملہ ایسا ہے جیسے مریض اور طبیب کا معاملہ ہے کہ مریض کو فتوی طبیب کی مخالفت جائز نہیں ایسے ہی یہاں مرید مریض ہے اور شیخ طبیب ہے اس لئے مرید کو شیخ کی مخالفت جائز نہیں۔ ہاں دوسرا شیخ اس شیخ کے اجتہاد سے مزاحمت کرسکتا ہے جیسے ایک طبیب دوسرے طبیب سے مزاحمت کرسکتا ہے مگر مرید تو تربیت میں طبیب نہیں اور جب تک طبیب نہیں اس وقت تک مریض ہے۔ پس اس کے ذمہ اتباع قول طبیب لازم ہے ہاں یہ شرط ہے کہ اس کا قول خلاف شریعت نہ ہو۔ اگر مرید کے نزدیک شیخ کا قول خلاف شرع ہو تو مخالفت جائز بلکہ لازم ہے مگر ادب کے ساتھ اگر واقع میں خلاف شریعت نہ ہو مگر یہ تو اپنے علم کا مکلف ہے (۱) جیسے حضرت سید صاحب بریلوی کو شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تصور شیخ تعلیم فرمایا تو سید صاحب نے اس سے عذر کیا کہ مجھے اس سے معاف فرمایا جائے۔ شاہ صاحب نے فرمایا ؎

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

سید صاحب نے عرض کیا کہ مے خواری تو ایک گناہ ہے۔ آپ کے حکم سے میں اس کا ارتکاب کرلوں گا پھر توبہ کرلونگا۔ مگر تصور شیخ تو میرے نزدیک شرک ہے۔ اس کی کسی حال میں اجازت نہیں حضرت شاہ صاحب نے یہ جواب سن کر سید صاحب کو سینہ سے لگالیا کہ شاباش جزاک اللہ۔ تم پر مذاق توحید و اتباع سنت غالب ہے۔ اب ہم تم کو دوسرے راستہ سے لے چلیں گے۔ تصور شیخ وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں۔ غرض نبوت تو ختم ہوچکی ہے مگر سبیل حق منقطع نہیں ہوا۔ اس کو علماء سے معلوم کرو اور یہ رحمت ہے کہ نبوت ختم ہوگئی۔ ورنہ انکار نبوت سے کفر لازم آجاتا اور بہت سے مسلمان نبی کے انکار سے کافر ہوجاتے۔ اب کفر سے تو بچ گئے۔ کیونکہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں پس حضور کے بعد کسی امتی کے انکار سے کفر لازم نہ آئے گا ہاں گناہ لازم آئے گا۔ اگر علماء و مجتہدین سے مخالفت و منازعت کی گئی۔ صاحبو! مجتہدین کا وجود بھی ہمارے حق میں رحمت ہے کہ ان حضرات نے محنت کرکے احکام دین کو مدون کیا اور ہم کو پکی پکائی مرد دی مل

ہی۔ مگر بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم تو خود ہی پکائیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بہت اچھا پکا کر دیکھ لو۔ پھر دونوں کا موازنہ کر لو خود فرق واضح ہو جائے گا۔ پس اجتہاد نہ کرو۔ بلکہ اہل اجتہاد کا اتباع کرو۔ مجتہدین فی الاحکام الظاہرہ کا بھی اور مجتہدین فی الاحکام الباطنہ کا بھی تو یہ سبیل حق قیامت تک بواسطہ علماء کے باقی رہے گا جو اتباع علماء ہی سے آپ کو مل سکتا ہے۔ بدون اس کے راستہ نہیں مل سکتا۔ مقصود تو ختم ہو گیا۔ اب ایک بات باقی رہی کہ اس سبیل کی اضافت سالک کی طرف جو کی گئی ہے یہ باعتبار غایت ہونے کے ہے۔ کیونکہ یہ اس کا مقصود ہے۔ سالک نہ اس کا موجد ہے نہ مبلغ و داعی ہے۔ نہ داعی کا وارث ہے۔ خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ کو علماء سے خاص تعلق ہے۔ پس علماء کو چاہیئے کہ وہ بھی حق تعالیٰ سے خاص تعلق پیدا کریں تاکہ فیض میں برکت ہو محض تعلق علم کافی نہیں بلکہ تعلق عملی و حالی کی ضرورت ہے اور عوام کو علماء سے خاص تعلق پیدا کرنا چاہیئے یعنی تعلق اتباع کہ ان کو خدا تعالیٰ سے بواسطہ علماء ہی کے تعلق ہو سکتا ہے۔ اب میں ختم کرتا ہوں۔ کیونکہ وقت زیادہ نہیں ہے ۲۰ جن حضرات کی فرمائش سے یہ بیان ہوا ہے وہ اسی ریل سے جانے والے ہیں اور اب ریل کا وقت قریب آگیا ہے۔ بس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط۔

اشرف علی

۵ رجب ۱۳۲۹ھ

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً

رَوَاهُ الْبُخَارِي

سلسلہ

التبلیغ

کا

وعظ مسمّٰی بہ

الغالب للطالب

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد المنان عفی عنہ

مکتبہ تھانوی، دفتر الابقاء

متصل مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ۱

انکو خاص خصوصیت تھی ہر وقت حضور ہی کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور کوئی کام زراعت تجارت وغیرہ کا نکرتے تھے بلکہ متوکلانہ حضور کے دروازہ پر پڑے رہتے تھے اور احادیث نبویہ کو ہر وقت سُنتے اور یاد کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ صحابہ میں سب سے زیادہ حافظ حدیث ہیں انکی برابر کسی نے احادیث کی روایت نہیں کی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس وقت اپنی چادر میرے سامنے پھیلائے اور جب میں اسمیں کچھ دم کردوں تو چادر کو اپنے سینے سے لگالے تو کوئی بات کبھی نہ بھولیگا حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی چادر پھیلادی اور حضورؐ نے اسمیں کچھ پڑھ کر دم کردیا تو انھوں نے اسکو اپنے سینے سے لگالیا۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ اسکے بعد سے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات کبھی نہ بھولا۔ یہ چند جملے حضرت ابوہریرہؓ کی تعریف میں اسلئے کہدیئے تاکہ انکی روایت کی وقعت وعظمت ہو۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاملہ کی ہم کو اطلاع دی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے ساتھ کیا ہے اور اسمیں اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد بھی مذکور ہے۔ ترجمہ حدیث کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو مقدر کیا۔ قَضٰی کے معنی لغت میں فیصلہ کرنیکے ہیں مگر فیصلہ کی دو قسمیں ہیں ایک عملی۔ ایک تجویزی۔ اگر عملی فیصلہ مراد ہو تو اس کا ترجمہ یوں ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کردیا۔ یعنی انواع کو کیونکہ افراد تو سب اُس وقت پیدا نہوئے تھے۔ اور اگر تجویزی فیصلہ مراد ہے تو ترجمہ یوں کیا جائے گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کا خلق مقدر کیا کیونکہ تقدیر تجویز ہی تو ہے۔ غرض یا تو خلق تجویزی ہوا تھا یا عملی اجمالی ہوا تھا۔ اور یہ وہ وقت تھا کہ ابھی تک مخلوق سے اعمال صادر نہوئے تھے اور اعمال دو قسمیں ہیں۔ ایک موجب رحمت ایک موجب غضب تو اسوقت کسی قسم کے اعمال مخلوق سے صادر نہوئے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ ایک معاملہ ایسا فرمایا کہ اپنے پاس عرش پر ایک کتاب میں یہ مضمون لکھ کر رکھ لیا اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ کہ میری رحمت غضب پر غالب ہے۔ تو یہ مضمون بڑا عظیم ہے جو عرش پر لکھ کر رکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ سے خاص قرب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو عرش سے خاص تعلق ہے عرش پر جو چیز ہے اُسکو اللہ تعالیٰ سے خاص قرب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو عرش سے خاص تعلق ہے اسی تعلق کو اِستوٰی سے تعبیر فرمایا ہے جسکے یہ معنی نہیں کہ جس طرح ہم تم بیٹھتے ہیں اسی

طرح معاذ اللہ وہ بھی بیٹھے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس سے منزہ ہونے پر دلائل عقلیہ ونقلیہ قائم ہیں۔ دلیل نقلی تو لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ہے اور دلائل عقلیہ سے علماء واقف ہیں۔ اور حضرات صوفیہ نے اس مسئلہ کو بہت سہولت سے حل کردیا ہے۔ واقعی یہ حضرات سچے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے جس طرح حضرات انبیاء سہل عنوان سے مشکل مسائل کو تعبیر کرتے ہیں ایسے ہی صوفیہ کی عادت ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو سہل عنوان سے حل کردیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مکان کو متمکن سے کچھ مناسبت وقرب مقدار تو ہونا چاہیئے۔ اوّل تو عادۃً مکان مکین سے زیادہ ہوتا ہے اگر زیادہ بھی نہ ہو تو مساوات تو ہے اور کم از کم کسی قدر مناسبت ونسبت تو ہونا چاہیئے۔ اور عرش کو حق تعالیٰ سے کچھ بھی نسبت نہیں اگر حالت موجودہ سے کروڑوں گنے بھی بڑا ہو جب بھی اسکو حق تعالیٰ سے کچھ مناسبت نہ ہوگی۔ کیونکہ عرش محدود ہے اور ذات حق غیر محدود ہے۔ اور محدود کو غیر محدود سے کیا مناسبت کچھ بھی نہیں پھر وہ اس کے لئے مکان کیسے ہوسکتا ہے البتہ حق تعالیٰ سے عرش کو خاص تعلق ہے اور حق تعالیٰ کو اس سے تعلق ہے مگر تحیز کا تعلق نہیں ہے بس وہ صدر مقام ہے۔ نزول احکام وتجلیات کا اللہ تعالیٰ کی تجلیات سب سے زیادہ عرش پر ہیں (یعنی امکنہ میں ورنہ عرش سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر تجلی حق ہے ۱۲) تو وہاں جو چیز لکھ کر رکھی جائے گی۔ وہ بڑی عظمت کی ہوگی۔ پس عقیدۃً بھی اس کا حق عظمت ادا کرنا چاہیئے اور عملاً بھی وہ مضمون یہ ہے اِنَّ رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ اس مقام پر ایک بات اور بھی سمجھنا چاہیئے وہ یہ کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت وغضب کو اپنے رحم وغضب پر قیاس نہ کرے یہ سخت غلطی ہے۔ کیونکہ جس طرح کسی کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی کنہ معلوم نہیں اسی طرح صفات کی کنہ بھی معلوم نہیں۔ اسی لئے حضرات علماء نے اس مقام پر بڑی تحقیق سے کام لیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ صفات واسماء الٰہیہ توقیفی ہیں جنمیں قیاس جائز نہیں علماء نے اسقدر ادب کیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو طبیب کہنا جائز نہیں ہاں شافی کہنا جائز ہے یہاں رائے وعقل سے کام لینا جائز نہیں کیونکہ ؎

دور بیناں بارگاہ الست ❊ غیر ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

حالانکہ بظاہر طبیب میں کچھ خرابی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ طب کہتے ہیں تدبیر شفاء کو اور اللہ تعالیٰ

کیلئے تدبیر ثابت ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مگر چونکہ نصوص میں اللہ تعالیٰ پر طبیب کا اطلاق وارد نہیں اسلئے علماء نے اسکی اجازت نہیں دی کیونکہ ممکن ہے کہ طب میں کوئی بات ایسی ہو جو کہ عظمت کے منافی ہو اسکی ایسی مثال ہے جیسے[عہ] وائسرائے میں اگرچہ کانسٹبل کے اختیارات بھی ہیں کیونکہ کانسٹبل کو جو اختیارات حاصل ہیں وہ اُسی کے دیئے ہوئے ہیں مگر وائسرائے کو کانسٹبل کہنا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی وائسرائے کو کانسٹبل کہنے لگے تو مجرم قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح یہاں سمجھو پس جو حالت ہمارے رحم کی ہے کہ ہمارا دل کڑھتا ہے اسپر حق تعالیٰ کے رحم کو قیاس نہ کرو کہ معاذ اللہ ان کا بھی دل کڑھتا ہوگا۔ یہ اعتقاد باطل و حرام ہے اسی طرح اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ میں حق تعالیٰ کے استواء کو اپنے استواء پر قیاس نہ کرو ایک محقق کا ارشاد ہے کہ اِسْتَوٰی کے معنی استقرار ہیں مگر ہر شے کا استقرار جدا ہے جیسے بات کا دل میں جمنا اور ہے اور مکین کا مکان میں جمنا اور ہے پس اِسْتَوٰی کی حقیقت کا ادراک مستوی کی حقیقت معلوم ہونے پر موقوف ہے اور کنہ باری معلوم نہیں تو حقیقت استوا کی گفتگو عبث ہے واقعی اس اُمت کے علماء ورثۃ الانبیاء ہیں۔ مگر ایسے جیسے یہ حضرات محققین تھے نہ ہم جیسے علماء۔ اسی طرح غضب کی حقیقت ہمارے اندر جوش کا پیدا ہونا اور بے قابو ہو جانا ہے جسمیں بعض اوقات مُنہ سے کف بھی نکلتا ہے اسپر حق تعالیٰ کے غضب کو قیاس نہ کرنا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی شئے غالب نہیں بَلْ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ اللہ تعالیٰ قاہر ہیں۔ مقہور نہیں غالب ہیں مغلوب نہیں۔ اُن کا غضب و رحم اختیاری ہے یعنی یہ صفات و رحم صفات میں و قدیمہ ہیں۔ اختیاری نہیں اور قدیم میں تغیر محال ہے ورنہ امکان خلوص عن الصفات لازم آئے گا اور یہ محال ہے مگر ان صفات کا نفاذ اختیاری ہے کوئی صفت قدیمہ بدون ارادہ حق کے نافذ نہیں ہو سکتی تو جب قدیم بھی غالب نہیں اُسپر حادث کیسے غالب ہوگا۔ رہا یہ کہ پھر حق تعالیٰ کے غضب و رحمت کے کیا معنی ہیں سو علماء نے رحمت کی تفسیر ارادۃ الثواب اور غضب کی ارادۃ العقاب کی ہے اور میرے نزدیک یہ بھی محض تفہیم کے لئے ایک عنوان ہے یہ بھی حقیقت نہیں میرے نزدیک صفات تو کیا افعال الٰہیہ کی بھی کنہ کسی کو معلوم نہیں اسی لئے

عہ سبحان اللہ عجیب مثال ہے جس نے دقیق مضمون کو کتنا سہل کر دیا۔ فللّٰہ درہ ما اصدقہ قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (۱۲ ظ)

حضرات انبیاء علیہم السلام نے کیفیت افعال سے تو سوال کیا ہے۔ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِی الْمَوْتٰی وَاَنّٰی یُحْیِیْ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ مگر حقیقت افعال سے کہیں سوال وارد نہیں حضرات انبیاء علیہم السلام بڑے مؤدب تھے کہ جس بات کے سمجھنے کی توقع نہیں ہوتی اسکو پوچھتے بھی نہ تھے۔ اسی لئے سوال عن کیفیۃ الافعال کے بعد دوبارہ سوال حقیقت سے نہیں کیا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی اُمت کو یہی طریقہ سلامتی کا تعلیم کیا ہے جو حضرات انبیاء علیہ السلام کا طریقہ ہے کہ جو اُمور فہم میں نہ آسکیں۔ اُن میں غور و خوض نہ کیا جائے۔ یہ بڑا ادب ہے اور واللہ اسی میں سلامتی ہے اور سکون و اطمینانِ قلب بھی اسی میں ہے چنانچہ حضورؐ نے مسئلہ قدر میں غور کرنے سے منع فرمادیا کیونکہ اس کا تعلق افعال و صفات باری تعالیٰ سے ہے جن کی کنہ کا علم تو محال ہے اور اگر وجہ معلوم ہو بھی گئی تو ایک وجہ کے لئے پھر دوسری وجہ ہوگی۔ پھر اس سلسلہ وجوہ سے وہ حالت ہوگئی کہ

شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیر ہا

مگر آجکل بعض لوگ ایسے بددماغ ہیں کہ اس ادب کی قدر نہیں کرتے بلکہ متشابہات اور مسئلہ قدر میں گفتگو کرتے ہیں مگر اُن سے کوئی قسم دیکر پوچھے کہ کیا تم کو گفتگو اور غور و خوض سے سکون و اطمینان حاصل ہوا۔ ہرگز نہیں۔ واللہ ایک جاہل مسلمان کو مسئلہ قدر میں جتنا اطمینان ہے ان گفتگو کرنے والوں کو اس کا دسواں حصہ بھی مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرات صحابہؓ کا ادب دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر ضحک فرماتے ہیں جو زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف لائے جاتے ہیں (یعنی جہاد میں بعض کافر زنجیروں میں قید ہو کر آتے ہیں پھر اہل اسلام کی صحبت سے مسلمان ہوجاتے ہیں) تو گویا یہ لوگ زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف لائے گئے ۱۲) اسپر صحابہؓ نے یہ سوال نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ضحک فرماتے ہیں بلکہ یہ حدیث سنتے ہی خوش ہوئے اور کہا یا رسول اللہ جب اللہ تعالیٰ ضحک بھی فرماتے ہیں تو ایسے خدا سے تو ہم کو بڑی اُمیدیں ہیں۔ واقعی خدا ہمارا ایسا۔ اور رسول ایسے مہربان جنھوں نے ہم کو یہ باتیں بے تکلف بتلادی ہیں ورنہ دوسرا مصلح تو اسی سوچ میں رہتا کہ اس بات کو بیان کروں یا نہ کروں کہیں مصلحت کے خلاف تو نہیں کبھی لوگ خدا تعالیٰ کی ایسی رحمت و مہربانی کو سنکر

دلیر ہو جائیں۔ جیسے حضرت غوث اعظمؒ نے چالیس سال تک رحمت الٰہیہ کا بیان فرمایا پھر خیال ہوا کہ شاید لوگ دلیر ہو گئے ہوں گے تو ایک دن غضب الٰہی کا بیان فرمایا وہ ایسا غضب کا بیان تھا کہ مجلس میں سے چند جنازے اٹھے۔ کئی آدمی خوف سے مر گئے تو آپ پر بذریعہ الہام کے عتاب ہوا کہ تم نے ہمارے بندوں کا دل توڑ دیا کیا ہماری رحمت اتنی ہی ذرا سی تھی کہ تمہارے چالیس سال کے بیان میں ختم ہو گئی میں کہتا ہوں اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خیال ہوتا جو حضرت غوث اعظم کو ہوا تو ہم کو حق تعالیٰ کی رحمت و لطف و ضحک کی خبر کیونکر ہوتی مگر حضورؐ کو اُنکے بیان میں ذرا پس و پیش نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ ایسے اور رسول ہمارے ایسے بس یہ شعر پڑھنے کو ہی جی چاہتا ہے

؎ یارب تو کریمی و رسولِ تو کریم ٭ صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

اور سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

نماند بعصیاں کسے در گرو ٭ کہ دارد چنیں سید پیشرو

غرض اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال میں قیاس سے کام نہ لو اللہ تعالیٰ صاحب رحمت بھی ہیں صاحب غضب بھی ہیں وہ ضحک بھی فرماتے ہیں صاحب ید و وجہ بھی ہیں صاحب قدم و ساق بھی ہیں مگر اپنے ید و وجہ و قدم و ساق پر قیاس نکرو۔ اور ہاں اللہ تعالیٰ صاحب فخذ نہیں ہیں کیونکہ نصوص میں اس کا ذکر نہیں اور قیاس جائز نہیں یہ اسلئے میں نے کہدیا کہ شاید کوئی عقل کا پورا قیاس سے یوں کہنے لگے کہ جب وجہ و ید و قدم و ساق ہے تو اُنکے درمیان کی چیزیں فخذ وغیرہ بھی ہونگی۔ اس کو یہ جواب دیا جائے گا ؎

تو نہ دیدی ہے گہے سلیماں را ٭ چہ شناسی زبانِ مرغاں را

عـہ قال الذہبی فی المیزان فی ترجمۃ ابان بن ابی عیاش یروی ان مالکا (ہو ابن دینار) لقی ابانا فقال الی کم تحدث الناس بالرخص فقال یا ابا یحیی انی لارجوان تری من عفو اللہ ما تخرق لہ کساءک ہذا من الفرح وروی انہ ابانا رؤی فی المنام فقال اوقفنی اللہ بین یدیہ فقال ما حملک علی ان تکثر للناس من ابواب الرجاء فقال یارب اردت ان احببک الی خلقک فقال قد غفرت لک آہ (ص ج ۱) وفی الجامع الصغیر عن ابی امامۃ مرفوعا حببوا اللہ الی خلقہ یحببکم اللہ۔ وعزاہ الی الطبرانی فی الکبیر والی الضیاء المقدسی واحادیث الضیاء صحاح علی قاعدۃ السیوطی کما فی کنز العمال ولکن الحدیث ضعف العزیزی فقال اسنادہ ضعیف آہ (ص ۲۰۰ ج ۲) ظفر احمد عفا اللہ عنہ قلت ثم قال سیدی حکیم الامۃ فی بعض مواعظہ لا اقول انی جعلتکم متقین کالجنید والشبلی ولکن اقول سوف اجعلکم للہ عاشقین ان اعتمدتم فی ولکم اقول

جیسے ایک بزرگ نے فرمایا تھا اُس شخص کے جواب میں جس نے دریافت کیا کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا باتیں کی ہیں فرمایا ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں ✤ بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

لوگ اولیاء اللہ کو خدا کا رازدار سمجھتے ہیں کہ اُن سے ایسے سوالات کرتے ہیں چنانچہ ایک شخص نے کسی مجذوب سے پوچھا کہ یہ بادشاہت کب تک رہے گی۔ مجذوب نے دھمکا کر جواب دیا کیا میں خدا کا رشتہ دار یا سرشتہ دار ہوں جو ان باتوں کی مجھے خبر ہو۔ مجھے غیب کی کیا خبر۔

حالانکہ مجاذیب اکثر امور تکوینیہ کو ظاہر کر دیا کرتے ہیں مگر بعض مجذوب مؤدب بھی ہوتے ہیں جیسے حافظ غلام مرتضیٰ صاحب کی تعریف میں نے حضرت حاجی صاحب سے سنی ہے سالکین کی زبان سے مجذوبوں کی تعریف کم سُنی جاتی ہے مگر حافظ غلام مرتضیٰ صاحب کی تعریف ہمارے حضرت نے بہت کی ہے اور یہ حافظ صاحب صرف ایک کمبل میں رہتے تھے مگر کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک بار جلال آباد تشریف لے گئے وہاں کے پٹھانوں نے کہا حضور نے قدم رنجہ فرمایا تو اُنکو ادب سکھلایا کہ بزرگوں سے یُوں نہیں کہا کرتے کہ قدم رنجہ فرمایا کیا ہم کسی کے نوکر ہیں جو قدم رنجہ فرماتے بلکہ یُوں کہا کرتے ہیں کہ حضور نے کرم فرمایا۔ تو وہ مجذوب بھی مؤدب تھے جنھوں نے یہ فرمایا کیا میں خدا کا رشتہ دار یا سرشتہ دار ہوں اس لئے یہ سوال اُنکو ناگوار ہوا کیونکہ اس میں عجب سا استفسار تھا۔ یہ ایک ضروری مضمون تھا سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ کے متعلق کہ حق تعالیٰ کی صفات کو اپنی صفات پر قیاس نہ کرنا چاہیے اب میں مقصود کی طرف عود کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب میں جو عرش پر ہے قبل ہمارے وجود کے اور قبل وجود ان افعال کے جو موجب رحمت و غضب ہیں اپنے پاس یہ لکھ لیا ہے کہ میری رحمت غضب سے بڑھی ہوئی ہے یعنی میری رحمت غضب پر غالب ہے بس بلا تکلف یہ حالت ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ما نبودیم و تقاضا ما نبود ✤ لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

یعنی حق تعالیٰ کا لطف اُس وقت ہمارے شامل حال تھا جب کہ نہ ہمارا وجود تھا نہ ہماری طرف سے کچھ تقاضا تھا۔

اور یہاں ایک بات اہل علم کے سمجھنے کی یہ ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ پر بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ صفات قدیمہ میں سبقت و غلبہ کیسے ہو سکتا ہے **جواب** یہ ہے کہ یہاں صفات قدیمہ میں سبقت و غلبہ مراد نہیں بلکہ ان کے تعلق میں سبقت و غلبہ مراد ہے اور تعلق حادث ہے حاصل یہ ہوا کہ اگر کسی شخص میں اسباب غضب و اسباب رحمت دونوں مجتمع ہوں تو اس پر رحم ہی ہو جاتا ہے اب اشکال کچھ نہیں۔ یہ تو حدیث کے متعلق لفظی تحقیق تھی۔ اب میں اس سے ایک مسئلہ مستنبط کرنا چاہتا ہوں جس کی طرف ابھی تک ذہن نہ گیا ہوگا۔ اور اس کی ضرورت عوام کو نہیں کیونکہ جس غلطی کا ازالہ اس وقت کیا جائے گا وہ عوام کو پیش نہیں آتی وہ ان امراض سے بری ہیں جیسے وہ بدہضمی کے مرض سے بھی بری ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک دیہاتی کو کسی حکیم نے دیکھا کہ اس نے روٹی کھا کر اوپر سے چھاچھ کا بدھنا بھرا ہوا پی لیا حکیم صاحب نے کہا کہ کھانے کے بعد چھاچھ پینا مضر ہے۔ اسکو درمیان میں پینا چاہیئے تو اس نے اپنے بیٹے کو آواز دی کہ ارے فلانے چار ٹکڑ (موٹی روٹیاں) اور لے آ اسے چھاچھ کو بیچ میں کرلوں۔ یہ حکیم کہہ رہا ہے کہ اسے بیچ میں کرلے چنانچہ وہ چار ٹکڑ منگوالیا اور چودھری صاحب وہ بھی کھا گئے پھر حکیم سے کہا کہ حکیم جی اب تو نقصان نہ ہوگا۔ حکیم نے کہا کہ بھائی تو قواعد طب سے مستثنیٰ ہے تجھے کسی طرح مضر نہیں۔ تو جیسے عوام بہت سے ظاہری امراض و خطرات سے بری ہیں۔ ایسے ہی بہت سے باطنی امراض و خطرات سے بھی بری ہیں۔ ہاں کبھی خواص سے مل کر انہیں بھی یہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ پھر دیہاتی ہونا ہی بہتر ہے نہیں ہرگز نہیں کیونکہ دیہاتی گو بعض امراض سے محفوظ ہیں مگر بہت سے لطفوں سے محروم ہیں شہر والوں کو لطف بہت حاصل ہیں۔ اسی طرح خواص کو لطف بہت ہے کہ انکو عوام سے زیادہ اللہ اور رسولؐ کی معرفت ہے اور معرفت وہ چیز ہے کہ جنت بھی اسی کی ایک فرع ہے چنانچہ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کو بچپن میں مر جانا اور خطرات سے محفوظ ہونا پسند ہے یا بالغ ہو کر خطرہ میں پڑنا پسند ہے فرمایا کہ مجھے[1] بالغ ہو کر خطرہ میں پڑنا زیادہ پسند ہے بچپن کی موت پسند نہیں کیونکہ بلوغ کے بعد معرفت حق عزوجل زیادہ ہوتی ہے۔ جو بچپن میں نہیں ہوتی۔

---

[1] اخرج ابونعیم فی الحلیۃ بلفظ عن علی قال ما یسرنی لو مت طفلا و ادخلت الجنۃ و لم اکبر فاعرف ربی عزوجل اھ کنز العمال

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسی معرفت پر خوش ہو کر فرماتے ہیں ؎

شکر للہ کہ نمردیم و رسیدیم بدوست ... آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

میں نے حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے فرماتے تھے کہ بھائی جنت کا مزہ برحق کوثر کا مزہ برحق۔ مگر نماز میں جو مزہ ہے وہ کسی چیز میں نہیں جب ہم سجدہ میں جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے پیار کر لیا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جب ہم جنت میں جائینگے اور حوریں آئیں گی تو ہم اُن سے کہدیں گے کہ بی اگر قرآن سُناؤ تو بیٹھو ورنہ لمبی ہو۔ تو حضرت معرفت ایسی لذیذ شئے ہے کہ عارفین کے نزدیک جنت اور حوروں میں بھی وہ مزہ نہیں جو اسمیں ہے اور اس سے نعمائے دُنیا کا کہ انمیں معرفت بھی ہے نعمائے جنت سے افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ جنت میں یہ معرفت ایسی ہوگی کہ وہاں کی نعمت سے زیادہ لذیذ ہوگی تو خود جنت کی بعض نعمتیں بعض سے افضل ہوئیں باقی ہم جیسوں سے کوئی پوچھے تو ہم تو یوں کہیں گے۔ کہ روٹیوں میں زیادہ مزہ ہے نماز میں کیا مزہ؟ اور فقہائے نے ہم جیسے ضعفائے کے لئے وسعت بھی بیدی ہے کہ اگر کھانا سامنے ہو اور نماز ہونے لگے تو روٹی پہلے کھالو نماز بعد میں پڑھ لینا تاکہ نماز فراغت سے پڑھی جائے ورنہ ساری نماز میں روٹی ہی کا خیال رہے گا۔ کیونکہ تمھارے نزدیک روٹی میں مزہ زیادہ ہے اور اسی لئے شریعت نے تعجیل افطار کا حکم دیا ہے کہ نماز مغرب سے پہلے افطار کرلینا چاہیئے۔ اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاۤءِ الرَّحْمٰنِ ط کہ روزہ دار کو دُو[۲] خوشیاں ہیں۔ ایک افطار کے وقت ہوتی ہے دوسری اللہ تعالیٰ سے۔ ملاقات کے وقت ہوگی۔۔۔۔ ہم لوگوں کو تو افطار کے وقت خوشی اسی کی ہوتی ہے کہ کھانے کو ملا مُنہ کا تالا کھُل گیا مگر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو جو مسرت تھی وہ اس بات پر تھی کہ منزل پوری ہوگئی خدا کا حکم ادا ہوگیا ؎ شکر للہ کہ نمردیم و رسیدیم بدوست ٭ آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما ٭ بہر حال خواص کے مراتب زیادہ ہیں گو انکو خطرات بھی بہت ہیں۔ ایک بار مجھ پر ایک سخت حالت تھی۔ اس وقت میں تمنا کرتا تھا کہ کاش میں قرآن کا ترجمہ نہ سمجھتا کیونکہ وہ حالت ترجمہ سمجھنے ہی کی وجہ سے پیش آئی تھی۔ بعد میں ہوش آیا کہ یہ تمنا ناشکری ہے۔ بلکہ ہم لوگوں کو خطرات سے بچنے کی ہمت کرنا چاہیئے۔ اور ان لذتوں سے خوش

ہونا چاہیئے۔ خواص کو خطرہ بیشک بہت ہے۔ مگر اسی کی وجہ سے تو اُن کے مراتب زیادہ ہیں۔ ملائکہ سے نوع بشر اسی لئے افضل ہے کہ ملائکہ کو خطرہ نہیں۔ اور انسان کو خطرہ ہے حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور اُنکی ذریت کو پیدا کیا تو ملائکہ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ یَا رَبِّ خَلَقْتَهُمْ يَأْكُلُوْنَ وَيَشْرَبُوْنَ وَيَنْكِحُوْنَ وَيَرْكَبُوْنَ فَاجْعَلْ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةَ کہ اے اللہ! انسان کو دُنیا دیجئے اور ہم کو آخرت دیدیجئے۔ ارشاد ہوا کہ لَا اَجْعَلُ مَنْ خَلَقْتُهٗ بِيَدَيَّ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ كَمَنْ قُلْتُ لَهٗ كُنْ فَكَانَ کہ ایسا نہیں ہوسکتا کیا میں ایسی مخلوق کو جسے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اُسکی برابر کردوں جس کو کُن کہہ کر پیدا کردیا تو یہ فضیلت انسان کی اُن خطرات ہی کی وجہ سے تو ہے جو ملائکہ کو درپیش نہیں۔ بعض لوگ ذکر میں لذت اور مزہ کے طالب ہیں۔ ارے بس رہنے دو یہ مزہ نہ آنا بھی رحمت ہے کیونکہ مزہ کے بعد ثواب کم ہو جاتا ہے دیکھو ملائکہ کو عبادت میں لذت حاصل ہے اور انسان عام طور پر طاعات میں لذت سے خالی ہیں مگر ثواب زیادہ انسان ہی کو ہے بس تمہارا تو یہ مذاق ہونا چاہیئے ؎

ناخوشِ تو خوش بود برجانِ من ٭ دل فدائے یارِ دل رنجانِ من

پھر بعض دفعہ لذت سے انبساط بڑھ جاتا اور ادلال ہو جاتا ہے جو کبھی گستاخی کی حد سے قریب ہو جاتا ہے ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک دُعا کی اُس کا جواب الہام سے عطا ہوا اُسکے جواب میں آپ نے ایک کلمہ ایسا فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ یا مولانا گنگوہیؒ اُسکو سُنکر کانپ گئے اور فرمایا کہ یہ اُنہی کا مرتبہ ہے جو ایسی بات کہہ گئے کوئی دوسرا کہتا تو کان پکڑ کر باہر نکال دیا جاتا۔ بہرحال خواص کو خطرات سے نہ گھبرانا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ دارو دیکر مرض دیتے ہیں خواص کو جس طرح خطرات بہت ہیں اسی طرح اُن میں تحمل کی طاقت بھی زیادہ ہے اگر عوام میں یہ امراض و خطرات ہوتے جو خواص کو درپیش ہوتے ہیں تو وہ اُن کا تحمل بھی نہ کر سکتے جیسا کہ بچوں کو خطرات بہت پیش آتے ہیں مگر اُنکی تائید بھی بالغوں سے زیادہ ہوتی ہے بچے بہت گرتے پڑتے ہیں بعض دفعہ بہت اُونچے سے گر جاتے ہیں مگر اُنکے زیادہ چوٹ نہیں آتی

؎ کذا فی المشکوٰۃ عن البیہقی ۱۲

بڑا آدمی تو مرہی جائے میاں جی ظالموں کی طرف سے بچوں پر بہت زیادتی ہوتی ہے - اگر میاں جی کو اتنا پیٹا جائے تو وہ بستر ہی سے نہ اٹھ سکے مگر بچے اگلے ہی دن آجاتے ہیں - بچوں کی حفاظت پر ایک یہ حکایت یاد آئی کہ ایک عورت ریل میں سفر کر رہی تھی - اور اُسکے ایام وضع قریب تھے وہ ضرورت سے ریل کے پاخانہ میں گئی اسی وقت اسکے درد شروع ہوا اور بچہ نکل کر پاخانہ کی موری میں سے نیچے گر پڑا ماں تو یہ دیکھ کر تڑپ گئی اور سخت بے چین ہو کر باہر آئی اور ریل کی روکنے کی زنجیر کھینچ لیا ریل رُکی اور گارڈ وغیرہ کو یہ قصہ معلوم ہوا تو فوراً ڈرائیور انجن کو ہٹا کر پیچھے لوٹا دُور جا کر بچہ نظر پڑا کہ دونوں پٹریوں کے بیچ میں پڑا ہوا ہاتھ پیر چلا رہا اور انگوٹھہ چوس رہا ہے اور اسکے بدن میں کسی جگہ بھی چوٹ نہ آئی تھی ڈرائیور نے دوڑ کر اُسکو اٹھایا اور خوش خوش واپس ہوا اور ماں کو لا کر دیدیا وہ تو گویا مر کر زندہ ہوگئی - پھر ریل روانہ ہوگئی - تو جیسے بچوں کی خطرات میں امداد و تائید ہوتی ہے اسی طرح خواص کی تائید ہوتی ہے اسلئے انکو نہ گھبرانا چاہیئے -

اب میں اس مضمون کو بیان کرتا ہوں جو اس حدیث سے مستنبط کرنا مقصود ہے گو وہ مضمون دقیق ہے مگر زیادہ دقیق نہیں ہاں عوام و مستورات کے سامنے بیان کرنے کا نہیں تھا اسی لئے مجھے تردد تھا کہ اسکو عورتوں کے مجمع میں بیان کروں یا نکروں مگر بعض دفعہ دقیق مضامین بیان کرکے جو مستورات سے پوچھا گیا کہ تم نے کیا خاک سمجھا ہوگا تو اُنھوں نے کہا کہ ہم تو سمجھ گئے مجھے اسپر حیرت ہوئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے اسلئے ہمت کرتا ہوں میرا ارادہ اس مضمون کے بیان کرنے کا پہلے ہوا تھا مگر یہ خیال تھا کہ مجمع خواص میں بیان کروں گا - جب مستورات کی طرف سے درخواست بیان کی ہوئی تو دوسری آیت کے بیان کا ارادہ ہوا یعنی یَآ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ مگر پھر رائے بدل گئی - لیکن اس آیت کا ترجمہ تو کردوں تاکہ کچھ اس آیت کا بیان بھی ہوجائے - ترجمہ اس کا یہ ہے کہ مسلمان کو مرتے وقت ملائکہ اس طرح بشارت دینگے کہ اے نفس مطمئنہ تو اپنے پروردگار کی طرف واپس چل اس حال میں کہ تو اللہ تعالیٰ سے راضی ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہیں پس تو میرے خاص بندوں (کی جماعت) میں داخل ہوجا اور میری جنت میں پہونچ جا - یہ تو ترجمہ ہوا - اب ایک نکتہ بھی بیان کردوں وہ یہ کہ آیت میں - اُدْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ کو اُدْخُلِیْ جَنَّتِیْ پر مقدم کیا گیا ہے -

اسکی کیا وجہ ہے۔ سو اسکی توجیہ حضرت امام شافعیؒ کے قول سے سمجھ میں آئی وہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ سُنا ہے کہ جنت میں دوستوں کی زیارت و ملاقات ہوگی اس وقت سے مجھے جنت کا اشتیاق ہوگیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دوستوں کی ملاقات میں جنت سے بھی زیادہ لذت ہے مگر شطرنج باز گنجفہ باز دوست نہیں، بلکہ امام شافعیؒ جیسے دوست جو شافی ہوں۔ یا شافع ہوں اور یا، وعین دونوں جمع ہو جائیں تو نُورٌ علیٰ نُور ہے اور اگر ایسے دوست نہوں بلکہ محض دنیوی دوستی ہو تو وہ آخرت میں مبدل بعداوت ہو جائے گی۔ اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ وہاں وہی دوستی باقی رہے گی جس کا منشا دین اور تقویٰ ہو۔ بہر حال دوستوں کی ملاقات میں ایسی لذت ہے کہ اسکے بغیر جنت بھی خاک ہے۔

مولانا فرماتے ہیں ؎

با تو دوزخ جنت است اے جانفزا ✽ بے تو جنت دوزخ ست اے دلربا

ہر کجا یوسف رُخے باشد چو ماہ ✽ جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ

ہر کجا دلبر بود خرم نشیں ✽ فوق گردوں ست نے قعر زمیں

ایک صحابی کو یہ خیال ہوا کہ اگر جنت میں ہم نیچے کے درجہ میں ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُوپر کے درجوں میں اور ہماسے آپ کی زیارت نہوئی تو جنت کو لیکر کیا کرینگے انھوں نے حضورؐ سے سوال کیا اسپر یہ آیت نازل ہوئی وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا کہ جو لوگ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ رہینگے۔ جنپر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ (جنت میں) ہونگے اور یہ لوگ اچھے رفیق (اور اچھے دوست) ہیں۔ ساتھ ہونیکے یہ معنی نہیں کہ سب کے سب اُنکے درجہ میں رہینگے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کے قریب رہینگے اور اُن سے زیارت و ملاقات کیا کرینگے کبھی ہم حضورؐ کی زیارت و ملاقات کو جایا کرینگے کبھی حضورؐ بھی انشاء اللہ ہمارے پاس تشریف لایا کرینگے۔

اسوقت ہم خوش ہو کر یہ کہیں گے ؎

امروز شاہ شاہان مہمان شدست ما را ✽ جبرئیل با ملائک دربان شدست ما را

آگے ناز کو قطع کرتے ہیں کہ اپنے عمل پر ناز نہ کرنا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
محض فضل ہوگا اسکے بعد فضل ہوگا۔ اسکے بعد فضل پر تکیہ کو توڑا وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا کہ فضل پر
تکیہ کرکے بیٹھ نہ جاتا اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ فضل کس پر ہوگا کس پر نہیں جس کو دوسرے
مقام پر صراحت کے ساتھ بتلا دیا گیا ہے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ
کی رحمت وفضل نیکوکار بندوں سے قریب ہے تو مستورات کی درخواست کے بعد اول اس مضمون
کے بیان کا ارادہ تھا۔ جس کا ذکر بھی اجمالاً کچھ ہوگیا پھر دوسرے مضمون کا قصد ہوا مگر اس کا منتظر تھا
کہ مجمع اس کا سمجھنے والا قدردان ہو تو بیان کروں پھر اتفاق سے ایسا مجمع بھی ہوگیا عہ مگر مجھے تردد تھا
کہ مستورات کے سامنے اسکو بیان کروں یا نہیں مگر ایک تو مستورات کے اس قول سے کہ ہم تو
دقیق مضامین بھی سمجھ لیتے ہیں کچھ ہمت ہوئی پھر خدا پر توکل اور بھروسہ کرکے بیان کا قصد
کرہی لیا۔ اور اس مرض کے متعلق بیان کرنا تجویز کرلیا جو کہ اکثر خواص میں ہے اور یہ جو میں نے
شروع میں کہا تھا کہ عوام کو بھی خواص سے مل کر یہ امراض لگ جاتے ہیں اسپر ایک علمی تحقیق یاد آگئی
میں پہلے اسکو بھی بیان کردینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ امراض جسمانی میں تو تعدیہ نہیں ہوتا۔ جس کے
ڈاکٹر قائل ہیں گو شرعی حد میں رہ کر کوئی اس کا بھی قائل ہو تو گنجائش ہے مثلاً کوئی یہ عقیدہ
رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مرض لگ جاتا ہے۔ اگر حکم الٰہی نہ ہو تو نہیں لگ سکتا اسمیں زیادہ
محذور نہیں مگر بعض تو اسکے قائل ہیں کہ بدون مشیت حق کے مرض لگ جاتا ہے یہ لوگ دہریہ
ہیں یورپ کے ڈاکٹروں کا یہی عقیدہ ہے اور انہی کے اثر سے بعض مسلمانوں میں یہ عقیدہ آیا ہے مگر
چونکہ وہ مسلمان ہیں اور مسلمان بھی ایسے جنکے نام پر سر ہے جیسے سر کنڈے کا سر۔ اور اگر شر کہو تو
اور بھی اچھا کہ سر سے زیادہ شرف ہوجائے گا تین نقطے تو بڑھ جائینگے۔ اسلئے یہ لوگ اسلام کے
نام کا لحاظ کرکے یوں کہتے ہیں کہ مرض لگنا تو ہے خدا ہی کے حکم سے مگر اللہ تعالیٰ نے جن امراض کو
متعدی کیا ہے انمیں تعدیہ ضرور ہوگا کیونکہ خدا نے یہ قاعدہ مقرر کردیا ہے کہ فلاں مرض ضرور
ہی لگے گا۔ اور قانون فطرت بدل نہیں سکتا اسلئے مشیت بھی ضرور ہوگی اور تعدیہ بھی ضرور ہوگا۔
اور ان لوگوں نے استدلال کیا ہے اس آیت سے۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ

عہ کیونکہ اہل خانقاہ کا مجمع بھی حاضر تھا ۱۲

تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحْوِیلًا ؕ مگر یہ استدلال غلط ہے کیونکہ اسکے معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عادت یا قانون کو کوئی دوسرا نہیں بدل سکتا نہ یہ کہ وہ خود بھی نہ بدل سکیں پس یہ کہنا غلط ہے کہ مشیت بھی ضرور ہوگی اور تعدیہ بھی ضرور ہوگا۔ پس تعدیہ میں تین قول ہوئے ایک یہ کہ بدون مشیت حق کے مرض لگتا ہے۔ یہ تو کفر و زندقہ ہے دوسرے یہ کہ مشیت حق سے لگتا ہے مگر مشیت تو ضرور ہوتی ہے یہ قول غلط و باطل ہے گو کفر نہیں تیسرے یہ کہ مشیت سے لگتا ہے اور مشیت ضرور نہیں اگر مشیت ہوگی تو مرض نہیں لگے گا۔ اسمیں زیادہ محذور نہیں اگر کوئی اس کا قائل ہو جائے تو گنجائش ہے مگر احادیث صحیحہ سے ظاہراً ترجیح اسی کو ہے کہ تعدیہ کوئی شئے نہیں اور ایک کا مرض دوسرے کو نہیں لگتا۔ لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ حدیث مشہور ہے۔ اسی طرح حدیث اعرابی میں فَمَنْ اَعْدَی الْاَوَّلَ ہے صاف عدوی کی نفی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے غرض امراض جسمانی میں تو صحیح قول یہ ہے کہ تعدیہ نہیں ہے مگر امراض باطنیہ میں تعدیہ ضرور ہوتا ہے صوفیہ نے اسکو مسارقہ سے تعبیر کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہر جلیس اپنے جلیس کے اخلاق وغیرہ کا اثر اس طرح قبول کرتا ہے کہ نہ اسکو خبر ہوتی ہے نہ دوسرے کو صحبت بد کا بھی اثر ہوتا ہے اور صحبت نیک کا بھی اسی لئے صوفیہ کو صحبت کا اہتمام سب سے زیادہ ہے چنانچہ صحبت بد کے بارہ میں اُن کا ارشاد ہے ؎

تا توانی دُور شو از یارِ بد ❊ یارِ بد بدتر بود از مارِ بد

اور صحبت نیک کے بارہ میں فرماتے ہیں ؎

یک زمانے صحبتے با اولیاء ❊ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

صحبت صالح کا اثر تو یہ ہے کہ مسارقت کے بعد مشارفت ہوتی ہے کہ دونوں انوار سے منور ہو جاتے ہیں۔ اور صحبت بد کے اثر کا کچھ نام صوفیہ نے نہیں لکھا مگر میں کہتا ہوں کہ وہاں مسارقت کے بعد مبارقت ہوتی ہے کہ دونوں طرف سے بجلی سی چمکتی ہے اور سوختن و افروختن کا سلسلہ شروع ہوتا ہے کہ دونوں کا دین جل کر خاک سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ایک عارف صحبت صالح کی تاکید میں فرماتے ہیں ؎

جہد کن و با دم دانا نشیں ❊ با صدق و صفا

یا با صنم لطیف رعنا بنشیں،	با شرم وحیا
زیں ہر دو گرت یکے میسر نشود،	از طالع خویش
اوقات مکن ضائع وتنہا بنشین	در یاد خدا

مطلب یہ ہے کہ یا تو کسی عارف کے پاس صدق وخلوص سے رہو اگر یہ نہ ہو سکے تو اپنی بیوی کے پاس رہو مگر آجکل نوجوانوں کو بیوی سے تو جاڑہ چڑھتا ہے اگر ماں باپ کی لائی ہوئی دولہن ہے تو وہاں تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ صاحب بچوں کی بلا سر دہر لی گئی کیا کریں دولہا کو پسند نہیں (گو شرافت تو یہ ہے کہ ماں باپ کی لائی ہوئی قدر اپنی لائی ہوئی سے زیادہ کی جائے تاکہ ماں باپ کو شرمندگی نہو) مگر زیادہ شکایت تو ان لوگوں کی ہے جو خود اپنی طلب و رغبت سے نکاح کرتے ہیں اور پھر بھی بیوی کے حقوق ضائع کرتے ہیں اُنکی قدر نہیں کرتے رات دن دوست احباب کی صحبت میں رہتے ہیں۔ اُن سے دل لگی مذاق اور فحش مذاق کیا جاتا ہے اور بیوی سے جسکے ساتھ ایسی باتیں کرنا جائز بھی ہے اور ثواب بھی ہے سیدھے مُنہ بات بھی نہیں ہوتی وہاں منہ کو گوند لگ جاتا ہے اور کہنے کو یہ دعوی ہے کہ ہم کو شرم آتی ہے ارے تم کو مردوں میں فحش مذاق کرتے ہوئے غیرت نہ آئی۔ ڈوب مرو اسکے بعد فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو شیخ میسر ہو نہ دلبر رعنا یعنی بیوی بھی میسر نہو خواہ اسواسطے کہ نکاح کا سامان نہیں یا اسواسطے کہ بیوی مر گئی ہے تو اسکو چاہیئے کہ یادِ خدا میں تنہا بیٹھے اور صحبت بد میں ہرگز نہ بیٹھے ورنہ دین کی خیر نہیں تو صوفیہ کے کلام سے معلوم ہوا کہ اخلاق باطنہ میں تعدیہ ہوتا ہے اسی لئے میں نے کہا تھا کہ آج جس مرض پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں عوام اُس سے بری ہیں ہاں خواص سے مل کر کبھی اُنہیں بھی یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے اسلئے سب کے سامنے اسکے بیان کر دینے کا مضائقہ نہیں۔ اور وہ مرض ایسا ہے جو ابھی پندرہ بیس دن ہوئے سمجھ میں آیا ہے اسکی عمر بہت تھوڑی ہے اور جیسے اسکی سمجھ میں آنے سے مسرت ہوئی کہ ایک نیا علم حاصل ہوا ویسے ہی اُسکا غم بھی ہوا کہ ابتک اتنے روز تک ہم جہل میں مبتلا رہے اور اسکے سمجھ میں آنیکے بعد میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں نے اپنی اصلاح کر لی ہے مگر اتنا ضرور ہوا کہ میں اپنی حالت کو نظر ثانی کا محتاج سمجھنے لگا۔ اور اُمید ہے کہ انشاء اللہ دس پندرہ روز میں نظر ثانی ہو جائے گی۔ اور میں اپنے احباب کو بھی اسی کی وصیت کرتا ہوں کہ آپ بھی اسکو

سنکر اپنی حالت پر نظر ثانی کیجئے۔ وہ مضمون یہ ہے کہ ہر شخص جس کو طریق کی طلب ہے یہ چاہتا ہے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تبع ہو جاؤں۔ پھر اتباع کے دو درجے ہیں۔ ایک یہ کہ فتوئ علماء پر عمل کرتا رہے جس کو وہ جائز کہیں اسکو کرے اور جس کو ناجائز و حرام کہیں اس سے بچے۔ یہ بھی ایک درجہ اتباع کا ہے کہ مباحات شرعیہ پر عمل کرے گو حضور نے ان مباحات کو نہ کیا ہو اور یہ بھی نجات کے لئے کافی ہے میں غلو نہیں چاہتا گو یہ مضمون میری نظر میں بہت اہم ہے۔ جس کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں اور ایسا اہم ہے کہ میں اسکی بنا پر اپنی حالت کو نظر ثانی کا محتاج سمجھتا ہوں، مگر میں حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہتا کہ مباحات پر عمل کرنے کو ناکافی کہدوں، ہرگز نہیں بلکہ میں صاف کہتا ہوں کہ مباحات پر عمل کرنا بھی اتباع میں داخل اور نجات کے لئے کافی ہے۔

دوسرا درجہ اتباع کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات و افعال کا اتباع کیا جائے یہ کامل اتباع ہے اور اس کے لئے ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات و افعال و طریق عمل کے معلوم کرنے کی۔ پھر اسمیں بھی تین درجے ہیں۔ ایک عبادات میں اتباع دوسرے معاملات میں اتباع۔ ان میں تو جہاں تک ہو سکے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا اتباع کرے اور حضور کے طریق عمل کی تلاش کرے کیونکہ ان کا تعلق اللہ تعالےٰ سے ہے اور مخلوق سے ہے اور ایک یہ کہ ماکولات و مشروبات میں اتباع کیا جائے کہ جو حضور نے کھایا وہی کھائے۔ جو حضور نے پیا وہی پئے جو آپ نے پہنا وہی پہنے۔ اسمیں جس قدر سہولت سے ہو سکے اتباع کیا جائے۔ مبالغہ نہ کیا جائے کیونکہ اسمیں مبالغہ کرنا بعض اوقات ہم جیسے ضعفا کے تحمل سے خارج ہو جاتا ہے اور یہ اقویاء کا کام ہے جیسے حضرت خواجہ بہاء الدین کی یہی تحقیق ہے۔ جس کا قصہ یہ ہے کہ آپ کی مجلس میں حدیث پڑھی گئی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھاتے تھے بلکہ آٹے کو پیس کر پھونک سے بھوسا اڑا دیا جاتا تھا جو اڑ گیا وہ اڑ گیا باقی کو گوندھ کر پکا لیا جاتا تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آج سے ہمارے واسطے بھی اسی طرح آٹا گوندھا جائے اور چھلنی میں نہ چھانا جائے شام کو جو روٹی اس طرح کھائی گئی سب کے پیٹ میں درد ہو گیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہم نے بڑی گستاخی

کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مساوات کا قصد کیا اور اپنے کو اس سنت پر عمل کرنے کا اہل سمجھا ہم اس کے اہل نہ تھے اسلئے تکلیف ہوئی آئندہ سے ہمارے واسطے چھنا ہوا آٹا ہی بدستور پکایا جاوے سبحان اللہ! کیسا ادب تھا کوئی بے ادب ہوتا تو سنت پر اعتراض کرتا کہ اچھا سنت پر عمل کیا تھا عمل بالسنت سے یہ ضرر رہوا مگر حضرت شیخ نے ہم جیسوں کی تعلیم فرمادی کہ ہم اس سنت کے اہل نہ تھے۔ کیونکہ ہمارے قویٰ ضعیف ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قویٰ ہم سے زیادہ قوی تھے۔ اس لئے یہ طریقہ حضور ہی کے واسطے مناسب تھا۔ غرض ماکولات و مشروبات و ملبوسات میں اگر ہوسکے تو جتنا بھی ہوسکے اتباع کرے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدو رغبت سے کھایا ہے اسی طرح آپ کو دست کا گوشت مرغوب تھا۔ ٹھنڈا اور میٹھا پانی مرغوب تھا وغیرہ وغیرہ لیکن اسمیں اپنی ہمت سے آگے غلو نہ کیا جائے۔ زیادہ اہتمام اور کاوش کی ضرورت اُن اُمور میں ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ یا مخلوق سے یعنی عبادات و معاملات۔ اور ماکول و مشروب کا تعلق تو اپنی ذات سے ہے۔ اسمیں بہت کاوش کی ضرورت نہیں۔ ہاں سہولت سے جتنا ہو جائے یہ بھی دولت عظیمہ ہے۔ مگر آج کل برعکس معاملہ ہے کہ ماکول و مشروب و ملبوس میں تو اتباع نبوی کاوش کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور عبادات اور معاملات میں اتباع کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ تو اب میں اس مرض کے متعلق کہتا ہوں کہ ہم لوگ جو حضور کا اتباع کرتے ہیں۔ تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگ اتباع کرتے ہیں اپنی طبیعت کا اور بوجہ علم کے اُس کے دلائل احادیث سے تلاش کر لیتے ہیں یہ نہیں کہ اپنی طبیعت سے خالی الذہن ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز کو اصل بنائیں پھر اس کا اتباع کریں۔ میں دوسروں کو کیا کہوں خود اپنے کو کہتا ہوں کہ مثلاً میرے اندر تیزی ہے تو میں عمل کو کرتا ہوں۔ اپنی طبعی حدت پر مگر اسکی تائید میں حدیثیں تلاش کر لی ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غصہ کرنا ثابت ہے مثلاً حدیث لقطہ میں آپ نے سائل کے اس قول پر کہ لقطہ اہل کو کیا کیا جائے غصہ ظاہر فرمایا۔ اسی طرح دیوار قبلہ پر نخامہ (رینٹ) دیکھ کر آپ کو غصہ آگیا۔ نیز صحابہؓ نے مسئلہ قدر میں کلام کیا تو حضورؐ کو سخت ناگوار ہوا اور آپ بہت غصے ہوئے۔

میں ابھی آپ کو اپنے سے بدگمان نہیں کرتا کیونکہ بلا وجہ اپنے کو متہم کرنا بھی بُرا ہے میں نے محض

مثال دی ہے کہ ممکن ہے میری یہ تیزی اتباع سنت کی بنا پر نہ ہو بلکہ اتباع طبیعت پر مبنی ہو۔ اور سنت کو محض آڑ بنالیا ہو۔ اور ممکن ہے کہ اتباع سنت ہی کی وجہ سے ہو کیا عجب ہے کہ نظر ثانی میں یہ حالت سنت کے موافق ہی نکلے۔ مگر جس کو اتباع سنت کا قصد و اہتمام ہے اُس کو احتمال ضرور ہونا چاہیئے کہ میری حالت حقیقت میں اتباع سنت کے موافق ہے یا سنت کو محض آڑ بنایا گیا ہے۔ کیونکہ آج کل زیادہ تر اتباع سنت اسی طرح ہو رہا ہے کہ اتباع تو کرتے ہیں۔ اپنی طبیعت کے تقاضے کا طبیعت کو بدلنا اور اس پر مشقت ڈالنا بالکل نہیں چاہتے اور اس کی تائید میں علم و حفظ کی مدد سے بہت سی احادیث چھانٹ لی ہیں۔ مثلاً کسی کو عمدہ غذا کا شوق ہے۔ اس نے یہ حدیث چھانٹ لی کہ حضورؐ نے عمدہ کھانا بھی کھایا ہے۔ چنانچہ ایک فارسی نے آپ کی دعوت کی تھی اور عمدہ گوشت پکایا تھا۔ کسی کو عمدہ لباس کا شوق ہے اُس نے وہ حدیث یاد کر لی۔ کہ حضورؐ کی خدمت میں کسی بادشاہ نے ایک جبہ ہدیہ کیا تھا۔ جس کی آستین وغیرہ میں ریشم کی گوٹ تھی اور آپ نے وہ جبہ زیب تن فرمایا تھا کسی کو رؤساء کی خوشامد کی عادت ہے۔ اُس نے تالیف قلوب کے واقعات یاد کر لئے۔ کسی میں بخل ہے اُس نے یہ حدیث یاد کر لی کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ کچھ مال تقسیم فرمایا۔ اور ایک شخص کو نہ دیا۔ جس پر حضرت سعد بن ابی وقاص نے عرض کیا یا رسول اللہ اِنِّی اَرَاہُ مُؤمِنًا فقال اَوْ مُسْلِمًا۔ اسی طرح ایک شخص لنگی پہنتا ہے وہ لنگی کی حدیث یاد کئے ہوئے ہے۔ دوسرا پاجامہ پہنتا ہے وہ احادیث ازار میں تاویل کرتا ہے اب یہ سب احادیث کتابوں میں موجود ہیں اور اس میں شک نہیں کہ حضورؐ سے یہ سب افعال صادر ہوئے ہیں مگر اُن کے یاد کر لینے کا نام اتباع سنت نہیں۔ دیکھو ایک باغ میں پھل بہت قسم کے ہیں۔ ایک درخت انار کا بھی ہے ایک درخت امرود کا بھی ہے۔ ایک دو ناشپاتی کے بھی ہیں۔ مگر یہ بتلاؤ کہ اس کو کس چیز کا باغ کہا جائے گا باغ کہا جائے گا۔ یقیناً جس پھل کا غلبہ ہوگا اور جو پھل زیادہ ہوگا اسی کا باغ کہلائے گا۔ اگر آم زیادہ ہیں تو اس کو آم کا باغ کہیں گے ایک امرود کے درخت سے اس کو امرود کا باغ کوئی نہ کہے گا۔ اسی طرح یہاں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات بہت سے ہیں۔ ہر قسم کے واقعات آپ کی احادیث میں مل جائیں گے۔ مگر اس سے آپ کا طرز ثابت نہیں ہو سکتا۔ آپ کی طرز و عادت وہ ہے جو غالب و مستمر ہو پس غالب حالت اور دائمی عادت کو دیکھو اور اس کا اتباع

کرو یہ اتباع حقیقی ہوگا اتفاقی واقعات کے اتباع کا نام اتباع سنت نہیں پھر علماء کو تو علم سے اس کا پتہ چلے گا کہ غالب حالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تھی اور عوام کو چاہیئے کہ کتب واقعات و سیرت کا مطالعہ کرکے دیکھیں کہ غالب واقعات کس قسم کے ہیں؟ جو غالب عادت ہو اُس کو اصل قرار دو اور دوسرے کو عارض پر محمول کرو۔

مگر یہاں ایک بات اہل علم کے سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ بعض دفعہ صورۃً عمل قلیل ہوتا ہے۔ لیکن معنیً کثیر و غالب ہوتا ہے جیسے تراویح میں عمل تو تین رات ہوا ہے اور خشیتہ افتراض کی وجہ سے ترک زیادہ ہوا لیکن یہ ترک عارض سے تھا۔ اور عمل اصل پس اُسی کو راجح کہیں گے اور تراویح کو سُنّت کہیں گے اور یہاں سے غیر مقلدوں کا جواب ہوگیا جو کہ تراویح کی آٹھ رکعت پڑھتے ہیں۔ اور بیس کو یہ دعویٰ کرکے بدعت کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس نہیں پڑھیں سو اوّل تو یہی متکلم فیہ ہے کہ بیس کا ثبوت نہیں لیکن بعد تسلیم کے ہم کہتے ہیں کہ جس طرح حضور نے بیس رکعت نہیں پڑھیں اسی طرح آپ نے تراویح تین دن سے زائد نہیں پڑھیں پس تم بھی عمر بھر میں تین دن سے زائد نہ پڑھو کیونکہ حدیث میں زائد کا ثبوت نہیں اسلئے یہ بدعت ہے۔ پس جس دلیل سے تم استمرار عمل کا بدعت نہ ہونا ثابت کروگے اور وہ عمل ہے صحابہ کا اسی دلیل سے ہم بیس رکعت کا بھی بدعت نہ ہونا ثابت کردیں گے خلاصہ یہ کہ عادۃ غالبہ معلوم کرنے کا مدار صرف کثرت عمل پر نہیں ہے بلکہ کبھی عادت کا غالب ہونا کثرتِ وقوعِ عمل سے معلوم ہوتا ہے اور کبھی غلبہ مقصودیت سے معلوم ہوتا ہے اور اُس کے لئے تراویح کی نظیر کافی ہے کیونکہ یہاں وقوع کے اعتبار سے تو عملِ قلیل ہے مگر مقصودیت کے اعتبار سے غالب ہے پس یہاں عمل کی قلّت و کثرت پر مدار نہ ہوگا۔ اسی طرح رفع یدین و عدم رفع میں فقہاء نے کثرت عمل و قلّت عمل کو نہیں دیکھا۔ بلکہ مقصودیت پر نظر کی ہے۔ بعض نے رفع کو مقصود سمجھا کیونکہ نماز فعل وجودی ہے اور رفع بھی وجودی ہے تو دونوں میں تناسب ہے، اور بعض نے عدم رفع کو مقصود سمجھا کیونکہ نماز کا مبنی سکون پر ہے حدیث مسلم میں ہے اسکنوا فی الصّلوٰۃ۔ اور تکرار رفع سکون کے منافی ہے اور کہیں کثرت و مقصودیت دونوں جمع ہو جاتے ہیں جیسے منبر سے نیچے نماز پڑھنا کہ صلوٰۃ تحت المنبر عملاً بھی کثیر ہے صلوٰۃ فوق المنبر کا وقوع قلیل ہے اور مقصودیت بھی تحت المنبر میں ہے اور زیادہ تر ایسا ہی ہے کہ جو عمل وقوع میں کثیر ہوتا ہے

مقصودیت بھی اسمیں غالب ہے مگر بعض دفعہ اس کا خلاف بھی ہوتا ہے۔ اسلئے حضورؐ کے طرزِ عمل سے آپ کی عادت و سنّت کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں بلکہ محقق کا کام ہے یہ بات قابلِ تحقیق و تدقیق ہے کہ مقصودیت کہاں ہے کہاں نہیں۔ اسلئے کسی بزرگ کے عمل کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کثیر کے خلاف اور عمل قلیل کے موافق دیکھ کر ان پر اعتراض نکرنا چاہیئے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ ممکن ہے ان کے نزدیک عمل قلیل ہی میں مقصودیت ہو مثلاً شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ میں تیزی غالب تھی۔ اور یہ بات حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت غالبہ کے بظاہر خلاف ہے تو اپنے کو تو تم متہم سمجھو اگر تمھارے اندر ایسا ہو مگر بزرگوں پر اعتراض نکرو۔ بلکہ یہ تاویل کرو کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیزی مقتضی کی وجہ سے تھی۔ یعنی معتوب کی بیہودگی کی وجہ سے اور اُس وقت بوجہ سلامت طبائع کے اس مقتضی کا وجود کم تھا۔ اسلئے تیزی کا وقوع بھی آپ سے کم ہوا (اگر حضورؐ کے زمانہ میں بھی مقتضی کا وُجود زیادہ ہوتا تو آپ کی تیزی کا وُقوع بھی زیادہ ہوتا جیسا کہ مُوسیٰ علیہ السلام میں ہوا ۱۲) اور اب مقتضی زیادہ ہے۔ اسلئے شاہ صاحبؒ میں اُس کا ظہُور زیادہ ہُوا غرض اس طریق میں چین و اطمینان اور بے فکری جائز نہیں چنانچہ اتباعِ سنت کی حقیقت عادت غالبہ کا اتباع بتلایا گیا تھا۔ اب عادتِ غالبہ کی تحقیق میں خدشہ پیدا ہوگیا کہ اس کا مدار بھی محض کثرتِ عمل پر نہیں رہا۔ اب قدم قدم پر غور و فکر کی ضرورت ہے کہ کہاں عمل غالب ہے مع مقصودیت کے اور کہاں مقصودیت غالب ہے بدون عمل کے پھر چین اور بے فکری کہاں اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

گہہ چنیں بنماید و گہہ ضد ایں ٭ جز کہ حیرانی نباشد کار دیں

اور فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش ٭ تا دمِ آخر دمے فارغ مباش
تا دمِ آخر دمے آخر بود ٭ کہ عنایت با تو صاحب سر بود

بس یہاں تو اسکی ضرورت ہے کہ عمر بھر بے چین رہو اور فکر میں لگے رہو اپنی حالت کو اچھا نہ سمجھو بلکہ متہم سمجھو حضرت حاجی صاحب کا اُكْتُمْ سُوْءُ الظَّنِّ ۔ کی تفسیر میں ارشاد ہے کہ ہوشیار وہ ہے جو کہ اپنے نفس سے بدگمان رہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ارشاد ہے

رہیں کو تمام عمر کام کرے ساری عمر میں یہ بات حاصل ہو جائے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا۔ مبارک ہے وہ شخص جو عمر بھر اسی دھیڑبن میں لگا ہے کہ میری حالت اچھی ہے یا بُری۔ صاحبو! طلب ہی مطلوب ہے۔ تمہارا یہی کام ہے۔ پس تم عمر بھر طلب ہی میں رہو یہ بات میں نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے سُنی ہے کہ طلب مطلوب ہے وصول مطلوب نہیں کیونکہ وہ تمہارے قبضہ میں نہیں پس تم کو کسی وقت اپنے کو فارغ نہ سمجھو جس نے اپنے کو فارغ و کامل سمجھ لیا اور اپنی حالت پر مطمئن اور بے فکر ہو گیا وہ برباد ہو گیا الغرض۔ سُن لو خوب غور سے سُن لو اطمینان تو اللہ نے چاہا۔ جنت ہی میں ہو گا یہاں اطمینان کہاں؟ ہمیشہ اپنے کو متہم سمجھو کبھی اپنی حالت پر اطمینان نہ کرو۔ اور ہر وقت طلب میں لگے رہو پھر کیا ہو گا ؎

ہر کجا دردے دوا آنجا رود ہر کجا رنجے شفا آنجا رود
ہر کجا پستی ست آب آنجا رود ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

اپنے اندر طلب کی پیاس پیدا کرو ابر رحمت کی بارش ہونے لگے گی۔ اپنے کو عاجز و فانی سمجھو حق تعالیٰ تم کو قوت و ہمت عطا فرمائیں گے ؎

سالہا تو سنگ بودی دلخراش آزموں را یک زمانے خاک باش

خاک ہونے سے کیا ہو گا ؎

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ
فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

شکستگی اور بندگی و بیچارگی اختیار کرو اپنے اعمال و احوال پر ناز نہ کرو ؎

پیش یوسف نازش و خوبی مکن جز نیاز و آہ یعقوبی مکن
ناز را روئے بباید ہمچو ورد چوں نداری گرد بدخوئی مگرد
عیب باشد چشم نابینا و باز زشت باشد روئے نازیبا و ناز
چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش ہمچو او با گریہ و آشوب باش

مگر یہ جو میں نے کہا ہے کہ اپنے کو متہم سمجھو کبھی اپنے حال پر اطمینان نہ کرو اس کی مرحلہ ناشکری سے

ملی ہوئی ہے اسلئے اسکی ساتھ یہ بھی سمجھے کہ اس وقت جو کچھ بھی میری حالت ہے جیسی کچھ بھی ہے
یہ سب خدا کا فضل ہے بلا بودے گرا ینہم نبودے اب بحمد اللہ تواضع وشکر دونوں جمع ہو گئے
اور ناشکری کی سرحد سے بچے ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں کہ اس طریق میں بحر تلخ دبحر شیریں ساتھ
ساتھ ہیں مگر محقق اُس برزخ سے واقف ہوتا ہے۔ جو دونوں کو کبھی ملنے نہیں دیتا ہے

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں ✽ درمیان شان برزخ لا یبغیان

پھر بتلائیے یہاں بے فکری اور اطمینان کہاں۔ یہاں تو بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے
چنانچہ میں جس مصری بی کی فرمائش پر اس وقت بیان کر رہا ہوں انھوں نے ایک رات ہمارے
یہاں بھی کرم فرمایا تھا جب رات کے دو بجے تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور ادعیہ ماثورہ آواز کے ساتھ
پڑھنے لگیں میری آنکھ کھل گئی اور مجکو شرم آئی کہ ایک اللہ کی بندی تو ذکر اللہ میں مشغول ہے۔
اور میں پڑا سو رہا ہوں مگر اُٹھنے کی ہمت نہوئی کیونکہ بہت سویرا تھا میرے نفس نے کہا ابھی سو رہو۔
اور یہ تاویل کی کہ نَوْمُ العَالِمِ عِبَادَۃٌ کہ عالم کا سونا عبادت ہے مگر اُن کی برکت نے مجھے حرکت پر
مجبور کیا۔ اور دل نے کہا ہے

خواب را بگذار امشب اے پسر ✽ یک شبے در کوئے بیخوا باں گذر

ان بے خوابوں کی کیا حالت ہے؟ انکی یہ حالت ہے ہے

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے ✽ کہ یارے برخورد از وصل یارے

اور یہ حالت ہے ہے

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے ✽ بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

اور یہ حالت ہے کہ ہے

دل آرامے کہ داری دل دروبند ✽ دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اور وہ اُس وقت یوں کہتے ہیں ہے

ہمہ شہر پر ز خوباں منم وخیال ماہے ✽ چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے

نواب شیفتہ نے اس وقت کا فوٹو خوب کھینچا ہے فرماتے ہے

چہ خوش ست با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن ✽ در خانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

اے اللہ اے اللہ (بکی الشیخ و دلول وصاح واضطراب پھر کسی قدر توقف وسکوت کے بعد فرمایا) پھر میں کھڑا ہوگیا اور کچھ کام کرلیا پھر سوگیا مگر جب بھی آنکھ کھلی اُن کو کام میں مشغول پایا اور وہ آواز آتی رہی اس وقت مجھے خیال ہوا کہ صبح کو انکو متنبہ کروں گا کہ رات کے وقت جہر بالذکر مناسب نہیں کیونکہ اس میں نائم کی تشویش ہے اور فقہاء نے اس سے منع فرمایا ہے مگر اس خیال کے ساتھ ہی جواب ذہن میں آیا اور غالبًا وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار تفقد احوال صحابہؓ کے لئے رات کو اُٹھے پھر حضرت ابوبکر کو دیکھا کہ آہستہ آہستہ نماز پڑھ رہے ہیں حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ زور زور سے بلند آواز سے قرآن مجید پڑھ رہے ہیں صبح ہوئی اور حضورؐ نے سبب فرمایا کہ تم ایسا کیوں کر رہے تھے اور تم ایسا کیوں کر رہے تھے سب نے کچھ وجوہ بیان فرمائے پھر حضورؐ نے فیصلہ فرمایا کہ اے ابوبکرؓ تم کسی قدر اپنی آواز کو اونچا کردو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو ذرا پست کردو۔ نیز جماعت اشعریین کی حضورؐ نے تعریف فرمائی کہ مجھے اُن کے منازل کا علم اُنکی آواز سے ہو جاتا ہے جب کہ وہ رات کو قرآن پڑھتے ہیں اور آیت وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ آپ رات کو اپنے اصحاب کا تفقد فرماتے ہیں اور اس وقت آپ صحابہؓ کی آواز سے اُنکے عمل کو معلوم فرماتے تھے۔ اب بتلائیے میں اس اُدھیڑ بن کو کیا کروں کہ پہلے ایک خیال آیا اور ساتھ ہی اس کا جواب بھی ذہن میں آگیا تو میں خاموش ہوگیا مگر چونکہ اس حدیث میں اور فقہاء کے فتوی میں بظاہر تعارض ہوا اسلئے پھر فکر میں لگ گیا۔ چنانچہ پھر اس تعارض کو اس طرح رفع کیا کہ سونے والے دو قسم کے ہیں ایک وہ جو تہجد کیلئے جاگنا چاہیں۔ دوسرے وہ جو جاگنا نہ چاہیں۔ جو جاگنا چاہیں اُن کے پاس ذکر بالجہر کی اجازت ہے چنانچہ ہم نے خانقاہ میں رات کو دو بجے کے بعد ذکر بالجہر کی اجازت دے رکھی ہے کیونکہ وہاں سب جاگنا چاہتے ہیں اور جو جاگنا نہ چاہے اُس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ خانقاہ میں تمہاری رعایت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ سونے والوں کی جگہ نہیں اور جو لوگ سونا چاہیں اُنکے پاس بیٹھ کر ذکر جہر ممنوع ہے تاکہ اُنکی نیند میں خلل نہ آئے۔ اب اسی مسئلہ میں دیکھئے کہ فقہاء کا فتویٰ تو یہ تھا کہ سونے والوں کے پاس ذکر جہر مکروہ ہے مگر احادیث میں ایسے واقعات ملے جن سے رات کے وقت ذکر جہر کا نائمین کے پاس ثبوت ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کا قول حضورؐ کے جواب میں یہ تھا۔ كُنْتُ اُطْرِدُ الشَّيْطَانَ وَاُوْقِظُ الْوَسْنَانَ ۝ کہ میں بلند آواز اسلئے کرتا تھا

کہ شیطان کو بھگاتا اور سونے والوں کو جگاتا تھا۔ ایسے موقعہ میں غایۃ مقصودیت سے فیصلہ کیا جائیگا اور دلائل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قصہ میں نائمین کے پاس رفع صوت بالذکر عارض کی وجہ سے تھی کہ وہاں سب لوگ رات کو جاگنا چاہتے تھے سب تہجد کے عادی تھے اور اصل مقصود عدم رفع ہے پس اب اُن بڑی بی کے عمل کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ جہاں مہمان ہوا کریں گھر والوں سے پوچھ لیا کریں۔ اور عدم رفع صوت عند النائم کی مقصودیت کی دلیل میں حضرت عائشہؓ کی حدیث مجھے یاد آئی کہ باوجودیکہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عاشق تھیں کہ حضور کے کسی فعل سے انکو ایذا نہ ہوسکتی تھی۔ مگر حضور ان کے سوتے ہوئے اُن کے پاس ہر کام آہستہ سے کرتے تھے حالانکہ وہ ایسی عاشق تھیں کہ فرماتی ہیں ؎

لَوَاحِي زُلَيْخَا لَوْ رَأَيْنَ جَبِيْنَهُ ۔ لَآثَرْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوْبَ عَلَى الْاَيْدِ

کسی شاعر نے حضرت زلیخا کے قول ہذا الذی لمتننی فیہ کا ترجمہ خوب کیا ہے ؎

اینست کہ خوں خوردہ و دلبردہ بسے را ✦ بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

زلیخا نے زنانِ مصر سے اُنکی ملامت کے جواب میں یہی کہا تھا کہ لو دیکھ لو میرا محبوب یہ ہے جسے دیکھ کر تم نے مبہوت ہو کر بجائے نارنگی کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ عورتیں اگر حضورؐ کو دیکھ لیتیں تو اپنے دل و جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن میں فرق یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کے حسن کا رعب اول وہلہ میں زیادہ ہوتا تھا کہ تحمل نہ ہوسکتا تھا پھر رفتہ رفتہ تحمل ہو جاتا تھا جیسا کہ حضرت زلیخا کو تحمل ہو گیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کا اول وہلہ میں تحمل ہو جاتا تھا۔ مگر جوں جوں غور کیا جاتا دل قابو سے نکلا جاتا اور تحمل دشوار ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پر مرد بھی عاشق تھے۔ اور بچے بھی عاشق تھے۔ اور حضرات صحابہؓ نے کیسی کیسی جانبازی اور جاں نثاری سے آپ کے عشق میں جان دی ہے غرض حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے انتہا عاشق تھیں۔ پھر ایسے عاشق کو آپ کی آواز یا آہٹ سے تکلیف کہاں ہوسکتی تھی۔ اور ہوتی بھی تو وہ یوں کہتیں ؎

ناخوش تو خوش بود بر جانِ من ✦ دل فدائے یار دل رنجانِ من

مگر حدیث میں ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل بقیع کے واسطے دعا کا حکم ہوا۔
تو آپ آدھی رات کے قریب اٹھے اور آہستہ سے جوتا پہنا اور آہستہ سے کواڑ کھولے اور
آہستہ سے چلے غرض ہر کام آہستہ سے کیا۔ اگر حضرت عائشہؓ کی آنکھ نہ کھل جائے کہ آنکھ کھلنے
سے خود بھی اذیت ہوتی ہے اور تنہائی سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ آپ کی روانگی کے بعد
حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھلی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا تو پریشان ہوگئیں ؎

با سایہ ترا نمی پسندم ✤ عشق است و ہزار بدگمانی

یہ وسوسہ ہوا کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ پھر عاشق کو
یہ کہاں گوارا کہ محبوب رقیب کے پاس جائے وہ تو رقیب کے لئے محبوب کے ہاتھ سے تکلیف کو
بھی گوارا نہیں کرتا۔ ایسی تکلیف بھی اپنے ہی لئے چاہتا ہے اور یوں کہتا ہے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت تو ایسی تھی کہ جانور تک آپ کے عاشق تھے حدیث میں ہے کہ جس وقت
حضور نے حج وداع کیا ہے تو اپنی طرف سے سو اونٹوں کی قربانی کی جنمیں تریسٹھ اونٹ خود
اپنے دست مبارک سے نحر فرمائے۔ حدیث میں ہے کُلُّهُنَّ یَزْدَلِفْنَ اِلَیْهِ کہ سب کے سب
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برچھے کی طرف بڑھتے اور گردن آگے کرتے تھے کہ پہلے مجکو نحر کیجئے۔ اس وقت یہ شعر
صادق آرہا تھا ؎

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف ✤ بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور مفلس نہ تھے کہیں مفلس بھی سو اونٹ کی قربانی
کرسکتا ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ تھے اور بڑے بادشاہ تھے کیونکہ بادشاہوں سے بھی
ایسا کم سنا گیا ہے کہ کسی نے سو اونٹ کی قربانی کی ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فقر تھا وہ اختیاری تھا۔
کیونکہ آپ مال جمع نہ کرتے تھے غرض آپ تارک الدنیا تھے متروک الدنیا نہ تھے بہر حال
حضرت عائشہؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئیں دیکھا کہ آپ بقیع میں مردوں کیلئے دعا
کررہے ہیں اب چاہئیے تھا کہ حضرت عائشہؓ فوراً لوٹ آئیں۔ مگر شاید خیال ہوا ہو کہ شاید آپ دعا
سے فارغ ہو کر زندوں کے پاس جائیں اسلئے ٹھہر گئیں جب آپ دعا سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو

حضرت عائشہؓ بھی واپس ہوئیں مگر بقیع کو جاتے ہوئے تو یہ پیچھے تھیں اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے ہوگئیں حضور کو شبہ ہوا یہ آگے آگے کون ہے۔ آپ تیزی کے ساتھ چلے حضرت عائشہؓ بھی دوڑیں چونکہ اسوقت یہ ہلکی پھلکی تھیں اسلئے دوڑ کر آپ سے پہلے گھر پر پہنچ گئیں مگر دوڑنے کی وجہ سے سانس پھول گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو تشریف لائے اور انکی سانس پھولی ہوئی دیکھی فرمایا۔ یَا عَائِشَۃُ مَالَکِ حَشْیَا رَابِیَۃً کہ اے عائشہؓ تمہاری سانس کیوں پھولی ہوتی ہے کہا کچھ نہیں فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بقیع سے لوٹتے ہوئے میرے آگے آگے تم ہی تھیں انھوں نے اقرار کیا فرمایا۔ اَخَشِیْتِ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْکِ وَرَسُوْلُہٗ کیا تم کو یہ اندیشہ ہوا کہ اللہ اور رسول تمہاری حق تلفی کریں گے ہرگز نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں اس قدر احتیاط کی۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ کی اذیت کا کوئی احتمال نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ حکم مقصود وہی ہے جو فقہاء نے فرمایا ہے اور جن واقعات میں جہر بالقراءۃ صحابہ سے رات کے وقت ثابت ہے وہ عارض پر محمول ہے کہ وہاں سب لوگ رات کو اٹھنے والے تھے۔ مگر اب یہاں یہ سوال ہوگا کہ کیا حضرت عائشہؓ رات کو اٹھنا نہ چاہتی تھیں۔ اگر وہ بھی نہ چاہتی تھیں تو پھر دوسری عورتوں کا کیا ٹھکانا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اٹھنا چاہتی تھیں مگر اخیر شب کو اور اس واقعہ میں حضور سویرے اٹھے تھے اسلئے ان کو جگانا نہیں چاہا بخاری میں حضرت عائشہؓ کا قول مذکور ہے فَاِذَا اَوْتَرَ اَیْقَظَنِیْ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے جگا دیتے[1] یا یہ کہ حضور نے ان سے زیادہ محنت لینا گوارا نہ کی ہو انکو تھوڑی ہی سی محنت میں کامیاب کر دیا ہو جیسے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے محنت کم لی تھی ایکبار یہ سب حضرات خانقاہ تھانہ بھون میں مجتمع تھے مولانا رشید احمد صاحبؒ وغیرہ تو دو بجے اٹھے مولانا محمد یعقوب صاحب نے بھی دو بجے اٹھنے کا قصد کیا حاجی صاحب نے منع فرمایا کہ ابھی نہیں ابھی رات بہت ہے سو رہو جب ایک گھنٹہ رات رہ گئی اس وقت جگا دیا کہ اب اٹھو کیونکہ مولانا بہت نازک مزاج تھے اگر زیادہ محنت کرتے تو دماغ پر تعب ہوتا اسی طرح اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا ہو تو کیا عجیب ہے کہ حضرت عائشہؓ سے محنت کم لی ہو محقق وہی ہے جو ہر شخص سے اسکے مناسب کام لے یہ نہیں کہ سب کو چوبیس ہزار ہی اسم ذات بتلایا کرے ہمارے

حاجی صاحب نے بعض لوگوں سے صرف اتنا کام لیا کہ تم خانقاہ والوں کی کچھ خدمت کردیا کرو۔ اور کسی کو ایک ہزار دو ہزار اسم ذات بتلایا اور کمال یہ ہے کہ ہر شخص کامیاب تھا۔ تھوڑی محنت کرنے والا بھی زیادہ محنت کرنے والا بھی تھوڑی محنت کرنے والے کو منزل پر اس طرح پہونچا دیتے تھے کہ اُسے خبر بھی نہ ہوتی تھی اسی کو فرماتے ہیں ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند ٭ کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

محقق کی یہی شان ہے خواہ نقشبندی ہو یا چشتی ہو بس اتباع سنت کی حقیقت یہ نہیں کہ اپنی طبیعت کے تقاضے پر عمل کیا جائے اور اسکی تائید میں ایک دو حدیث ڈھونڈ لی جائے بلکہ اتباع سنت یہ ہے کہ حضورؐ کی عادت غالبہ کا اتباع کیا جائے اور اس کیلئے مطالعہ سیرت نبویہ کی بھی ضرورت ہوگی سیرت نبویہ میں میرا رسالہ نشر الطیب مفصل ہے اگر اتنی فرصت نہ ہو تو حیاۃ المسلمین عہ کا وہ مضمون جو عنقریب نمبر ہشتم میں شائع ہونے والا ہے وہی مطالعہ کرلیا جانے۔ اور ایک دن نہیں بلکہ روزانہ مطالعہ کیا جائے یہ کچھ زیادہ طویل نہیں صرف دو ورقہ ہے اور یہ مضمون بھی مثل اسکے دوسرے نمبروں کے مفت تقسیم کروں گا اور چونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا خلاصہ ہے اس لئے جوش محبت میں یہ اعلان بھی کردیا ہے کہ ختم ماہ ربیع الاول تک جس کی فرمائش آئے گی۔ اُس سے محصول ڈاک بھی نہ لیا جائے گا۔ اور یہ سخاوت میں اسلئے کر رہا ہوں کہ مجھے اطمینان ہے کہ زور خواستیں آویں ہی گی نہیں مسلمان کچھ ایسے بیفکرے ہیں کہ ہر شخص اپنے کو بنا بنایا کامل سمجھتا ہے اصلاح حال کی فکر ہی نہیں حیاۃ المسلمین کا مضمون اگر لیں گے بھی تو اُسکو قرآن مجید میں یا وظیفہ کی کتاب میں رکھ دینگے کہ بس گھر میں برکت رہے گی یا اگر پڑھیں گے بھی تو عمل کے لئے نہیں بلکہ محض برکت کے لئے جیسے شجرہ پڑھا کرتے ہیں ہمارے حاجی صاحب کا شجرہ تو عمدہ ہے مگر اکثر شجرے تو محض فضول ہیں جنمیں بے تکے اشعار ہیں وہ تو بقول علی حزیں کے محض تذکرۃ الاولیاء ہی ہے۔ اور صاحبو! آپ کو ثمرے کے ہوتے ہوئے۔ شجرہ کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں اگر ثمرہ ایسا ہوتا جس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا تو شجرہ کی بھی ضرورت ہوسکتی تھی مگر یہ ثمرہ تو ایسا ہے ؎

خود قوی تر می شود خمر کہن ٭ خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

عہ حیوٰۃ المسلمین طبع ہو کر شائع ہو گئی اب اسکو دار الطلبہ تھانہ بھون کتب خانہ اشرفیہ سے لیکر مطالعہ کر لیں ٭٭٭

اور اسمیں وہ قوت ہے کہ ؎

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم ✤ ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

اس ثمرہ میں فساد کا اندیشہ ہی نہیں اسمیں تو اصلاح ہی اصلاح ہے۔ بہر حال حضورؐ کی سیرت کا مطالعہ کرو جس کو میں نے مختصراً اس ماہ کے حیاۃ المسلمین کے نمبر میں جمع کر دیا ہے۔ میں نے اُسکے اوّل میں یہ شعر لکھا ہے ؎

فتوح فی فتوح فی فتوح ✤ و روح فوق روح فوق روح

اور اخیر میں یہ لکھدیا ہے کہ اس مضمون کو روزانہ بلا ناغہ پڑھتے رہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اس دو ورق کو آپ روزانہ پڑھتے رہیں، تو ضرور نفع ہوگا۔ ضرور نفع ہوگا۔ ضرور نفع ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ کا بیان تو ہوگیا اب یہ سوال ہوگا کہ حدیث سے اُسکو کیا مناسبت و ربط ہے جو شروع میں تلاوت کی گئی ہے سو میں اُسکو بھی بتلاؤں گا۔ گو زیادہ ربط نہو مگر واعظ میں تو اس سے بھی بڑھ کر بے ربطی گوارا کر لی جاتی ہے۔ جیسے ایک واعظ نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ کی تفسیر میں شہادت نامہ بیان کیا تھا کہ یہ سورت اس رسول پر نازل ہوئی ہے کہ جن کے نواسے میدانِ کربلا میں شہید ہوئے تھے بس اسی ربط سے آپ نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ کے تحت میں شہادت کا قصہ بیان کر دیا۔ سو میرے بیان میں ایسا مہمل ربط تو انشاء اللہ تعالیٰ نہو گا۔ اس سے تو میں آپ کو مطمئن کرتا ہوں ہاں ضعف ربط شاید ہو۔ میرے نزدیک تو ضعف بھی نہیں مگر سامعین کو میں اجازت دیتا ہوں کہ وہ اس ربط کو اگر ضعیف سمجھیں تو مضائقہ نہیں۔ ربط یہ ہے کہ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ میری رحمت غضب پر غالب ہے اسکے بعد یہ سمجھئے کہ گو غضب بھی اللہ تعالےٰ کی صفات میں سے ہے مگر چونکہ اس کا وقوع کم ہوتا ہے اسلئے اسماء الٰہیہ میں کوئی نام ایسا نہیں جو صفت غضب پر دال ہو ہاں اللہ تعالیٰ کا نام رحمٰن ہے۔ رحیم ہے۔ ودود ہے منتقم ہے مگر غضبان یا غضوب خدا کا نام نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعتبار صفت غالبہ کا ہے اور موصوف کو ہمیشہ صفت غالبہ ہی کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے۔ صفت غیر غالبہ کے ساتھ چنانچہ ایک حدیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے جسمیں نزع رُوح کا بیان ہے کہ ملائکہ جب مسلمان کی رُوح قبض کرنے آتے ہیں تو اسکو بشارت دیتے يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ

ارْجِعِيْ اِلٰى رَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانٍ کہ اے نفس مطمئنہ راحت ونعمت اور اپنے رب کے پاس چل جو غصہ والا نہیں ہے اسکے بعد نزع روح کافر کا بیان ہے مگر وہاں یہ نہیں ہے کہ اخرجی الی رب غضبان غیر رحمٰن بلکہ صرف عذاب کا ذکر ہے۔ پس یوں کہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اصل صفت تو رحمت ہی ہے۔ اور اصلی کے یہ معنی ہیں کہ جس کا ظہور مقتضی کے ساتھ بھی ہو اور بلا مقتضی کے بھی ہو یہ خاص اصطلاح ہے جو میں نے تفہیم کے لئے اختیار کی ہے۔ ورنہ صفات قدیمہ سب اصلی ہیں مگر حدیث سے رحمت وغضب میں فرق ثابت ہے اسلئے میں اس فرق کو اس عنوان سے جدید اصطلاح کے ساتھ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اصلی صفت تو وہ ہے جو بلا مقتضی بھی ظاہر ہو اور غیر اصلی وہ ہے جو بلا مقتضی ظاہر نہ ہو پس سبقت رحمت کے معنی یہ ہیں کہ رحمت کا ظہور تو مقتضی سے بھی ہوتا ہے اور بدون مقتضی کے بھی اور غضب کا ظہور ہمیشہ مقتضی ہی سے ہوتا ہے بدون مقتضی کے نہیں ہوتا۔ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اتم صفات باری ہیں اسلئے حضورؐ کی بھی یہی شان ہے کہ آپ میں رحمت کا غلبہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فرمایا ہے اور سخت کلامی وسنگدلی سے آپ کی برات کی ہے۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ الآیہ[1] یہ حضورؐ کی اصلی صفت ہے اور غضب وحدت آپ کی اصلی صفت نہیں بلکہ کسی عارض ومقتضی کی وجہ سے اس کا ظہور ہوا ہے اب بتلایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع آپ کی صفات اصلیہ کا اتباع ہے یا صفات عارضیہ کا یقیناً ہر شخص یہی سمجھے گا کہ حضورؐ کا اتباع یہی ہے کہ صفات اصلیہ میں آپ کا اتباع کیا جائے ورنہ حضورؐ سے بعض دفعہ نماز فجر بھی قضا ہوئی ہے تو کیا تم بھی اس عارض کا اتباع کرکے ہر روز نماز فجر قضا کیا کروگے ہرگز نہیں۔ یہ مثال عجیب ذہن میں آئی کہ جس نے راستہ کو واضح کر دیا۔ پھر دوسری صفات میں بھی یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ان کا ظہور عارض کی وجہ سے ہوا ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع یہ ہے کہ جو افعال وصفات آپ کے اصلی ہیں وہ تمہارے اندر بھی اصلی ہوں کہ زیادہ غلبہ وظہور انہی کا ہو۔ اور جو صفات اور افعال حضورؐ کے لئے عارضی ہیں وہ تمہارے اندر بھی عارضی ہوں، اور یہ اتباع نہیں کہ تم حضورؐ کے عارضی افعال وصفات کو جن کا ظہور کسی مقتضی کی وجہ سے نادراً حضورؐ سے ہوا تھا اپنے

[1] پس خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ (پارہ ۴ سورہ آل عمران)

لئے وصلی صفات بنا لو خوب سمجھ لو کہ اس سے زیادہ توضیح میں نہیں کرسکتا۔ ہاں شاہ فضل الرحمٰن صاحب جیسے بزرگوں کی طرف سے ہم یہ تاویل کرسکتے ہیں کہ جس عارض مقتضی کی وجہ سے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کیا ہے مولانا کے نزدیک وہ مقتضی آجکل زیادہ ہے۔ اسلئے مولانا سے ظہور غضب زیادہ ہو رہا ہے گو ایسے بزرگوں کو بھی مریدوں کی اس تاویل سے بے فکر نہ ہو جانا چاہئیے بلکہ اپنی حالت پر نظر ثانی و نظر ثالث کرتے رہنا چاہئیے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش ٭ تادم آخر دمے فارغ مباش

بحمداللہ اس حدیث سے جس مسئلہ کا استنباط ہوا تھا اس کا ربط بھی حدیث کے ساتھ واضح ہوگیا۔ اب میں ختم کرتا ہوں اور جو مضمون اس حدیث کا مدلول مقصود ہے اُس کا ذکر واعظ کا غیر مقصود ہو کر پہلے ہوچکا ہے۔ پس یہ بھی ایک لطیفہ ہوگیا کہ غیر مقصود کا ذکر مقصود ہو کر ہوگیا اور مقصود کا غیر مقصود ہو کر اخیر میں تنبیہ کرتا ہوں کہ جو مضمون حدیث کا اصل مقصود ہے۔ اُس سے دلیر نہوں بلکہ شرافت کا مقتضی یہ ہے کہ ایسے رحیم وکریم آقا کی اور زیادہ اطاعت کی جائے اور جو مضمون حدیث سے اشارۃً مستنبط کیا گیا ہے اسکو سمجھیں اور اُسکے موافق عمل کی کوشش کریں اب دُعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق عمل اور فہم سلیم عطا فرمائیں ؛

وَصَلَّى اللهُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا
اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ
رواہ البخاری

سلسلہ
التبلیغ
کا
وعظ مسمی بہ
الحج

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
محمد عبد المنان عفی عنہ

مکتبہ تھانوی، دفتر "الابقاء"
متصل مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ

الحج

این	کہاں ہوا	جامع مسجد تھانہ بھون
متی	کب ہوا	شوال سنہ ۱۳۳۱ ہجری
کم	کتنی دیر ہوا	۳ گھنٹہ
کیف	کس طرح ہوا	منبر پر بیٹھکر
لِمَ	کیوں ہوا	حج کا زمانہ قریب تھا اسلئے اسکے ادا کی تاکید کرتے ہوئے فضائل حج کیطرف رغبت دلائی
ماذا	کیا مضمون تھا	حج سے ساری گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور حج واجب علی الفور ہے اسلئے اسمیں دیر نہ کی جائے
من ای شان	کس قسم کے لوگ زیادہ تھے	ہر طبقہ کو عموماً
من ضبط	کس نے ضبط کیا	شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
المستمعون	سامعین کی تخمینی تعداد	۵۰ تقریباً
الاشتات	متفرقات	یہ وعظ اپنے مضمون میں واحد ہے عجیب علوم کا ذخیرہ ہے ۱۲-

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ **اما بعد** فقد روی مسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ والھجرۃ تھدم ما کان قبلھا وان الحج یھدم ما کان قبلہ

ہر چند کہ آج طبیعت نہایت کسلمند ہے پھر مجمع بہی کم ہے اس لئے طبیعت بیان کرنے کو نہیں چاہتی مگر چونکہ آجکل ایام حج ہیں اس لئے اس خیال سے بیان کرتا ہوں کہ شاید اس مجمع میں کوئی ایسا شخص ہو جس پر حج فرض ہو تو وہ اس بیان کو سن کر حج کا قصد کر کے گناہ سے بچ جائے اسی ضرورت سے میں نے ایک حدیث پڑہی ہے جسمیں حج کی یہ فضیلت مذکور ہے کہ اس سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور یہ حدیث کئی اجزاء پر مشتمل ہے مگر اس وقت مقصود اعظم ایک جزو ہے بقیہ اجزاء کو اس لئے پڑھ دیا گیا کہ اُن کو مقصود اعظم کے سمجھنے میں دخل ہے اسی لئے اُن کو بہی مختصراً بیان کیا جائیگا گو مقصوداً نہو ترجمہ سے اجزاء ثلثہ کا علم ہو جائیگا فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اسلام پہلے گناہوں کو گرا دیتا ہے یعنی کسی شخص نے کفر کی حالت میں ایک زمانہ گذارا ہوا اور اُس نے کبھی خدا کا نام نہ لیا ہو اور لیا ہو تو بے ادبی سے لیا ہو تو اسلام کے بعد سب گناہ معاف ہو جائیں گے کیا رحمت ہے حق تعالیٰ کی کہ اب اگر یہ باغی باوجود سنگین بغاوت کے اسلام لے آئے یعنی زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہدے اور دل سے تصدیق کر دے جس میں دو سکنڈ خرچ ہوتے ہیں اور کچھ دشواری بہی نہیں بلکہ نہایت آسان کام ہے اتنے آسان کام کے کر لینے سے سالہا سال کی بغاوت اور سنگین سے سنگین جرائم ایک دم سے معاف ہو جاتے ہیں کام اسقدر آسان ہے جسمیں دو ہی جزو ہیں ایک جوارح سے متعلق ہے ایک قلب کے قلب کا کام تو بہت ہی سہل ہے اور دوسرا کام زبان کا ہے جو دوسرے جوارح کے اعمال کی نسبت سے بہت سہل ہے کیونکہ مشاہدہ سے یہ بات معلوم ہے کہ اگر ہاتھ پیر سے کوئی کام کیا جائے تو تھوڑی دیر میں ہاتھ پیر تھک جاتے ہیں چنانچہ بوجھ اُٹھانے سے ہاتھ کو کلفت کا احساس ہوتا ہے چلنے سے پاؤں کو کلفت کا احساس ہوتا ہے مگر یہ کبھی نہ سُنا ہوگا کہ زبان سے بولنے میں زبان میں درد ہوا ہو یہ اور بات ہے کہ زیادہ بک بک کرنے سے دماغ تھک جائے مگر زبان نہیں تھکتی یہی وجہ ہے کہ زبان سے گناہ

بہت ہوتے ہیں کیونکہ اور جتنے اعضاء ہیں وہ گناہ کرتے کرتے ایک حد پر تھک
جاتے ہیں مثلاً زنا بدکاری کب تک کرے گا آخر ایک دن عاجز ہو جائیگا مگر زبان
کیا ممکن ہے کہ کبھی تھکے؟ تو زبان کا کام سب سے زیادہ سہل ہے اور یہ سہولت
اللہ تعالیٰ نے تو اسلئے رکھی تھی تاکہ نیک کام زبان سے بکثرت ہوتے مگر جن لوگوں کی
عقل الٹی ہوتی ہے اُنکا ہر کام الٹا ہوتا ہے ؎ ہر چہ گیرد علتی علت شود۔ ہم نے
اِس نعمت کی یہ قدر کی زبان سے گناہ بکثرت شروع کر دیئے؟ اللہ تعالیٰ نے
ایک مقام پر انسان کی یہ شکایت بیان فرمائی ہے کہ وہ نعمت کی بیقدری کرتا اور
اُس سے الٹا کام لیتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جو نمرود نے کج بحثی
کی تھی اللہ تعالیٰ اُسکو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَاجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ
رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ کہ تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا (مراد نمرود ہے کما قال المفسرون)
جسنے ابراہیم علیہ السلام سے خدا تعالیٰ کے بارے میں حجت لگائی (کہ خدا ہے یا نہیں)
محض اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو سلطنت دیدی تھی یہ تو ترجمہ ہوا۔ یہاں یہ سوال
پیدا ہوتا ہے کہ سلطنت کا دیا جانا کفر کا باعث کیسے ہو گیا تو میری سمجھ میں یہ آتا ہے
کہ مقصود یہ ہے کہ ملک تو اُسکو اسلئے دیا گیا تھا تاکہ شکر گذار ہو کر خدا پر ایمان لاتا
مگر اُس نے اُلٹا کیا گویا اُسکو سلطنت ناشکری کرنیکو دی گئی تھی ایسے ہی ہم لوگوں
نے نعمت زبان سے الٹا کام لیا ہے کہ اُس سے بکثرت گناہ کرتے ہیں ہم نے اُسکی
غایت مقصود کو عکس کر دیا جیسا ایک شخص نے اصلاح الرسوم کو دیکھکر کہا تھا
کہ اس کتاب سے ہم کو بڑا فائدہ ہوا پہلے ہم کو تقریبات کے موقعہ پر بڑی دقت
ہوتی تھی کیونکہ معلوم نہ تھا کہ کیا کیا رسمیں ہوا کرتی ہیں اور ہمکو کیا کرنا چاہئیے لوگوں سے
پوچھنے کی ضرورت ہوا کرتی تھی اب آسان نسخہ مل گیا کہ اس کتاب کو دیکھکر سب رسمیں
کر لیا کرینگے تو اس نے بھی مصنف کی خلاف مقصود کتاب سے کام لیا کیونکہ مقصود
تو کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ اس سے رسوم کی اصلاح و ابطال مقصود ہے
غرض اللہ تعالیٰ نے زبان کے کام کو اسلئے آسان کیا تھا کہ اس سے عبادت ذکر و تلاوت

قرآن بکثرت ہو سکے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں فانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المتقین
و تنذر بہ قوما لدا کہ ہم نے قرآن کو آپ کی زبان میں اسلئے آسان کیا تاکہ آپ اُس
سے اہل تقوی کو بشارت دیں اور جھگڑنے والوں کو ڈرائیں یعنی قرآن کے یُسر کی ایک
وجہ یہی ہے کہ وہ عمل زبان سے متعلق ہے اور غایت و مقصود یُسر کا یہ ہے تاکہ آپ
تبلیغ کر سکیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایک سہل کام پر رکھا ہے کہ دل سے تصدیق
ہو اسکے بعد زبان ہلا لو کہ وہ بھی آسان کام ہے اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ بعض لوگ جو
سلام کے جواب میں سر ہلاتے ہیں اور زبان سے وعلیکم السلام نہیں کہتے ہیں وہ بدمذاق
ہیں کہ اتنا سی زبان نہیں ہلاتے وہ بڑا سا سر ہلا دیتے ہیں ممکن ہے کوئی معقولی اُسکی یہ
توجیہ کرے کہ فعل بسیط فعل مرکب سے آسان ہوتا ہے اور سر کا ہلانا اضافہ فعل بسیط ہے
اور زبان کا چلانا فعل مرکب ہے کیونکہ الفاظ کو مخارج سے خاص ہیئت و ترکیب کے
ساتھ ادا کرنا پڑتا ہے سو جواب اُس کا یہ ہے کہ اس لحاظ سے اگرچہ سر ہلانا سہل ہے
مگر جس غرض سے سلام کرتے ہیں اُس غرض و غایت کے لحاظ سے زبان ہی کا فعل آسان
ہے کیونکہ سر ہلانے سے وہ غرض حاصل نہیں ہوتی سلام سے مقصود دعا ہے اور وہ بدون
کلام و تکلم کے حاصل نہیں ہوتی تو جو لوگ سلام و جواب سلام میں سر ہلاتے ہیں اُن کو
غایات و مقاصد سے دلچسپی نہیں اور یہی بد مذاقی کی علامت ہے بہر حال چونکہ فعل
لسان و فعل قلب بہت سہل ہے اسلئے حق تعالےٰ نے اسلام کا مدار احکام دنیا میں تو
صرف زبان کے اقرار پر رکھا اور احکام آخرت میں تصدیق قلب ہی ضروری ہے
اور جو افعال اُسکے علاوہ ہیں نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ وہ مکمل اسلام ہیں اجزاء
اسلام نہیں ہیں یعنی تارک صلوٰۃ کافر نہیں اور یہ نکتہ اہل سنت نے سمجھا ہے کہ
جب اسلام اتنی سہل چیز ہے جو زبان ہلانے سے متعلق ہے تو اُس کے اجزاء یہ امور
شاقہ نہیں ہو سکتے پس مومن تارک صلوٰۃ اگرچہ معذب ہوگا مگر پٹ چھٹ
کر کسی وقت جنت میں ضرور پہونچ جاتے گا پس خدا تعالےٰ کی یہ بہت
بڑی رحمت ہے کہ اسلام کو پھول ہلکا کر دیا حالانکہ یہ اتنی قیمتی شے ہے

کہ کوئی چیز اُسکی برابر قیمتی نہیں کیونکہ عذاب دائمی سے نجات کامدار اسی پر ہے اور جنت کی دائمی راحت کا استحقاق اسی سے ہوتا ہے اگر یہ سب سے زیادہ دشوار ہوتا تو بجا تھا مگر قربان جایئے رحمت حق کے کہ سب سے زیادہ ضروری چیز کو سب سے زیادہ آسان کر دیا مگر صاحبو! اس رحمت کے اندر خدا کا ایک بڑا قہر بھی ظاہر ہو رہا ہے وہ یہ کہ اتنا آسان کام کافر کو بہت ہی مشکل ہے کتنا تو سہل کام مگر کافر سے نہیں ہو سکتا اُس کو گردن دیدینا جان کا برباد کرنا آسان ہے مگر اسلام لے آنا آسان نہیں آپ سمجھے کہ یہ حجاب کس چیز کا ہے ؟ یہ حجاب قہر الہٰی کا ہے اسیوجہ سے اہل اللہ خدا کے قہر سے ہر وقت لرزاں ترساں رہتے ہیں اسی لئے کام کرنے والوں کو چاہیئے کہ اپنے اعمال کو اپنا کمال نہ سمجھیں بلکہ خدا تعالیٰ کا احسان سمجھکر شکر کریں کہ انہوں نے ہم سے کام لے لیا ورنہ ہماری کیا طاقت تھی ۔

ع منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی   منت شناس ازو کہ بخدمت بداشت

کام کرنے والوں کو دین کا کام کرنے سے دو مرض پیدا ہو جاتے ہیں ایک کبر دوسرا تواضع مفرط کبر تو یہ ہے کہ وظیفہ پڑھ کر اپنے اُوپر نگاہ کرنے لگے نماز پڑھ کر بے نمازیوں کو حقیر سمجھنے لگے تو اسے نمازی تو بے نمازی کو حقیر نہ سمجھ ؟ کیونکہ ع

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد را   درسنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش   ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

یعنی اپنے اُوپر نگاہ نکرو کیونکہ تکبر کیوجہ سے بڑے بڑے عابدوں کے قدم توڑ دیئے گئے کہ منزل مقصود پر نہ پہونچ سکے رستہ ہی سے واپس کر دیئے گئے شیطان اور بلعم باعور وغیرہ کی حالت اُسکی نظیر ہے اور نا امید بھی نہ ہو کیونکہ بعض دفعہ شرابخوار ایک آہ سے بہت دور پہونچ گئے ہیں میرے ایک دوست نے ایک شخص کی حکایت بیان کی جو مارہرہ کا رہنے والا تھا اور تمام بازیوں کا جامع اور ساری بدمعاشیوں کا مجموعہ تھا جتنے بُرے کام تھے سب اُس کے اندر موجود تھے مگر ایک مرتبہ دفعتہً اُس کی زبان سے یہ نکلا کہ ہائے میرا کیا انجام ہوگا ؟ اُس کے بعد زبان تو بند ہوگئی

اور آنکھوں سے دریا کا دہانہ کھل گیا ؎

یارب چہ چشمۂ ایست محبت کہ من ازاں — یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

غرض روتے روتے اُس کا بُرا حال ہوا نہ کھانے کا، نہ پینے کا تین روز تک برابر روتا رہا اور تین دن کے بعد مرگیا معلوم ہوتا ہے کہ خوف الٰہی نے اُس کے جگر کے ٹکڑے کر دیئے اور دل پھاڑ دیا تھا اسلئے واقعی وہ شہید اکبر ہوا محبت کا تیر بھی عجیب ہے کہ جب کسی کے لگتا ہے تو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کہاں سے آیا کدھر سے آیا مگر دل و جگر سے پار ہو جاتا ہے ؎

دروں سینۂ من زخم بے نشاں زدہ — بحیرتم کہ عجب تیرِ بے کماں زدہ

اس شخص کی حکایت پر مجھے ایک اور قصہ یاد آگیا جو میرے ایک اور دوست نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص سفر حج میں تھا مگر حالت یہ تھی کہ ہاتھ میں دف تھا اور گاتا بجاتا رہا تھا کسی نے کہا کہ میاں حج کے راستہ میں ناچنا گانا کیسا؟ اُس نے کہا تم کیا جانو واقعی کوئی کسی کی حالت کو کیا جانے ؎

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں ست — بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں ست

ہر شخص کا خدا تعالیٰ سے ایک تعلق ہے جس کو دوسرے نہیں جانتے غرض جس وقت یہ شخص مکہ میں پہونچا اور اسکے رفقاء معلم کی ساتھ خانہ کعبہ کے طواف کو چلے تو دروازہ مسجد حرام پر پہونچکر مطوف نے کہا ھذابیت اللّٰہ یہ بیت اللہ ہے اسکی نظر جو دوسرے کعبہ پر اور غلاف کعبہ پر پڑی ہے اسپر وجد طاری ہو گیا اور کہنے لگا ؎

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر — کہ مبادا بار دیگر نرسی بدیں تمنا

یہ شعر پڑھا اور جان بحق تسلیم ہو گیا واقعی اس سے بڑھکر جان دینے کا وقت اور کونسا ہوگا جب یہ حالت ہے تو تم کس بات پر کسی کو حقیر سمجھتے ہو ہاں یہ جائز ہے کہ بُرا کام کرنے والے پر غصہ کرو اس سے بغض کرو مگر اپنے سے کم تر نہ جانو اور اگر کبھی تمکو کسی کی سزا و تادیب کیواسطے مقرر کیا جائے تو خبردار اپنے کو اُس سے اچھا ہرگز نہ سمجھنا ممکن ہے کہ وہ خطا وار شاہزادہ کی مثل ہو اور تم نوکر جلاد کے درجہ

میں ہو جس کے متعلق سزا کا کام اور اس کے اختیارات ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خطاوار شاہزادہ کو بادشاہ جلاد کے ہاتھوں سزا دلوائے تو جلاد اُس سے افضل نہیں ہوسکتا شاہزادہ سزا کے بعد بھی شاہزادہ ہی ہے اور جلاد نوکر ہی کے درجہ میں ہے پس کسی کو اپنے کو افضل نہ سمجھو جب اُسکے عیب پر نظر پڑی اپنے عیب کو دیکھو۔ اسی کو جامی فرماتے ہیں ؎

جامی چہ لاف می زنی از پاکدامنی ۔۔۔ بر خرقۂ تو ایں ہمہ داغ شراب چیست

عارف فرماتے ہیں ؎ نقد صوفی نہ ہمہ صافی بےغش باشد ۔ ای بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

تقدس کا دعوی ہرگز جائز نہیں اپنے خرقہ کو اور اپنی عارفانہ باتوں کو ایسا سمجھو ؎

ایں خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولے ۔۔۔ زیں دفتر بےمعنی غرق مئے ناب اولے

تکبر سے بچنا لازم ہے کسی کو حقیر و ذلیل نہ سمجھو شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدنا غوث اعظم جیلانی قدس سرہٗ کے حال میں ایک کتاب لکھی ہے اسمیں ایک حکایت بڑی عبرت کی لکھی ہے کہ حضرت غوث اعظمؒ کے ایک خادم بیان کرتے ہیں کہ ایک رات کو حضرت تہجد سے فارغ ہو کر خانقاہ سے باہر ایک طرف کو چلے میں بھی پیچھے پیچھے اس طرح ساتھ ہو لیا کہ حضرت شیخ کو میری اطلاع نہو اور کسی خدمت کی ضرورت ہو تو جلدی سامنے حاضر ہو سکوں یہانتک کہ شہر پناہ بغداد کے دروازہ پر پہونچے جو مقفل تھا قفل خود بخود کھل گیا اور جب میں بھی باہر ہو گیا تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا یہانتک کہ تھوڑی سی دیر میں ہم ایک شہر میں پہنچ گئے جو بغداد کے قریب کبھی نہیں دیکھا گیا اس شہر میں تھوڑی دور چل کر ایک مکان میں پہونچے وہاں ایک مجمع تھا حضرت غوث اعظم کو دیکھکر سب حضرات کھڑے ہو گئے ایک سمت سے آواز کراہنے کی آرہی تھی جو تھوڑی دیر میں منقطع ہو گئی پھر کچھ پانی گرنے کی آواز آتی رہی پھر ایک چھوٹی سی جماعت ایک جنازہ کو لیکر باہر نکلی اور حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اس کے بعد وہ آدمی اُس جنازہ کو لیکر چلے گئے اور حاضرین میں سے ایک بزرگ نے حضرت غوث اعظم سے سوال کیا کہ ان کی جگہ کس کو مقرر کیا جائے آپنے گردن جھکائی اور کچھ دفعہ کے بعد فرمایا کہ قسطنطنیہ کے کنیسہ میں اس وقت ایک نصرانی صلیب پرستی کر رہا ہے

اُس کو مقرر کیا جاوے تھوڑی ہی دیر میں ایک عیسائی حاضر ہوا جس کے گلے میں زنار پڑا ہوا تھا حضرت شیخ نے حکم دیا کہ زنار توڑ دو اور اس کو غسل دیدو غسل کے بعد فرمایا کہو اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ اُس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا اُس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ اُن کی جگہ اُس کو مقرر کردیا جائے یہ خادم بڑا حیران ہوا پھر صبح سے پہلے دونوں خادم و مخدوم اسی طرح بغداد میں پھر خانقاہ میں پہونچ گئے صبح کی نماز کے بعد جب حضرت شیخ معمولات سے فارغ ہوکر حجرہ سے باہر تشریف لائے تو خادم نے رات کے واقعہ کا تذکرہ کیا کہ مجھے اس واقعہ کی حقیقت نہ معلوم ہونے سے بڑی حیرت ہے حضرت شیخ نے فرمایا کیا تم میرے ساتھ تھے کہا جی ہاں ہو فرمایا وہ مقام جہاں ہم گئے تھے شہر موصل ہے یہاں سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے واسطے زمین کو سمیٹ دیا تھا اور وہ جماعت ابدال کی تھی اور جس کا وہ جنازہ تھا وہ بھی ابدال میں سے تھا اُن کی جگہ دوسرے کو مقرر کرنے کی ضرورت تھی اس لئے میں وہاں گیا تھا پھر جو کچھ ہوا وہ تو تمہارے سامنے ہوا غرض خدا تعالیٰ کا دربار عجیب ہے وہ بعض دفعہ ایسے شخص کو قبول فرما لیتے ہیں جس کی نسبت گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ مقبول بارگاہ ہوگا وہ دربار بڑا غنا کا دربار ہے جسکی شان یہ ہے

ہر کہ آید گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو ۔۔۔ دار و گیر و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

مگر غنا کے معنی یہ نہیں کہ وہاں اندھیر ہے انتظام نہیں ہے جس کا یہ عقیدہ ہو وہ توبہ کرے کیونکہ یہ عقیدہ کفر ہے اور جس کا عقیدہ یہ نہیں وہ بھی ایسے الفاظ سے احتراز کرے جن سے اس معنی کا ایہام ہوتا ہے جیسے بعض لوگ کسی شخص کی جوان موت پہ کہدیا کرتے ہیں کہ میاں اللہ خدا کی ذات بڑی بے پرواہ ہے اس موقعہ پر اس کلمہ سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ خدا کو کسی پر رحم نہیں نہ مصالح و حکم کی رعایت ہے نہ کسی بات کا انتظام ؟ صاحبو خدا تعالیٰ سے زیادہ انتظام کرنے والا کون ہوگا جس کی شان قدرت یہ ہے اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ اور اُسکی شان یہ ہے وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ اور یہ شان ہے

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَہَدٰی نظام عالم کی پختگی اور اُس کی مضبوط رفتار
احکم الحاکمین کے نظام کامل پر خود شاہد ہے یہ تو جملہ معترضہ تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ کام
کرنے والوں میں دو مرض پیدا ہو جاتے ہیں ایک تکبر جس کا ابتک بیان ہوا دوسرے
تواضع مفرط یعنی بعض اِس حدتک تواضع کرتے ہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کی بیقدری
کرنے لگتے ہیں کہ ہمارے اعمال کیا ہیں کچھ بھی نہیں تواضع بہت عمدہ شے ہے کیونکہ
عبدیت کے آثار سے ہے اور عبدیت مطلوب ہے بلکہ تمام مطالب میں اعلیٰ مقام
عبدیت ہی ہے مگر بعض دفعہ تواضع اِس طرح کی جاتی ہے کہ اُس سے اپنے اعمال
کی بیقدری اور تحقیر ہوتی ہے اور تحقیر اعمال کے ساتھ درپردہ خدا تعالیٰ کی شکایت
بھی ہوتی ہے مثلاً بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگرچہ ہم نماز پڑہتے ہیں مگر اُس میں خشوع تو ہے
ہی نہیں ذکر کرتے ہیں مگر انوار بالکل نہیں ہیں گویا خدا کی شکایت کر رہے ہیں کہ دوسروں
کو تو انوار دیئے ہمکو نہیں دیئے سو یاد رکھو کہ جہاں خدا تعالےٰ نے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ
کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ فرمایا ہے وہاں اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ بھی فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ
کی نعمت کو بیان کرو اور اُسکی نعمت کی قدر و عظمت کرو اِس مقام پر بہت سے ناواقف
شریعت کی تعلیم سے گھبرا اُٹھتے ہیں کہ تواضع کرو تو عمل کی تحقیر ہوتی ہے اور عمل کی قدر کرو
تو حکم یہ ہے کہ دعویٰ نکرو اور اسی حالت میں کسی بیباک نے کہہ دیا ہے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ... باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

مگر یہ لوگ محقق نہیں بخدا ساری شریعت اگر نظر تحقیق سے دیکھی جائے اُسکی مصداق ہے۔

؎ ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ... کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

صاحبو! تمام شریعت اِس کا مصداق ہے یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے
ساتھ آسانی کرنا چاہتے ہیں دشواری نہیں چاہتے اور ایک مقام پر خود ہمکو یہ دعا تعلیم
فرمائی گئی ہے رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا
مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ (ترجمہ) اور اے پروردگار ہمارے اُوپر ایسا بوجھ نہ لادیئے جیسا
ہم سے پہلے لوگوں پر لادا گیا ہے اور اے ہمارے پروردگار ہم پر ایسا بوجھ نہ لادیئے جس کی

(برداشت کی) ہمکو طاقت نہیں اور حدیث میں ہے کہ یہ سب دعائیں قبول ہو چکی ہیں
پس شریعت میں تحمل سے زیادہ کوئی حکم نہیں اور جو شخص کسی حکم شریعت کو تحمل سے باہر
کہتا ہے وہ نصوص قرآنیہ کی تکذیب کرتا ہے شریعت تمامتر سہل ہے ہاں کسی کی آنکھیں
چوندھی ہوں کہ حسن شریعت اسکو نظر نہ آتا ہو تو کوئی کیا کرے حدیث میں ہے جئتکم
بالحنیفیۃ السمحۃ البیضاء لیلھا ونھارھا سواء میں تمہارے پاس ایسی آسان
اور روشن شریعت لایا ہوں جس کا رات دن برابر ہے (یعنی اوامر و نواہی سب آسان
ہونے میں یکساں ہیں اور سب حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز ہیں) اسی لئے میں تو اکثر
یہ کہا کرتا ہوں ؎ نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ٭ چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
اور مولانا فرماتے ہیں ؎

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست ٭ سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

اب اُس اشکال کا حل سنئے وہ یہ ہے کہ تم یوں کہو اے اللہ آپکا شکر ہے کہ آپنے ہم کو نماز کی
توفیق دی ورنہ ہماری کیا مجال تھی جو آپ کی بندگی کر لیتے ؎

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ٭ ولا تصدقنا ولا صلینا

اب شکر و تواضع دونوں جمع ہو گئے دعوی بھی قطع ہو گیا اور اعمال کی بیقدری بھی
نہوئی اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں ٭ درمیان شان برزخ لا یبغیان

اسی لئے کامل ... ہے جو اپنے اعمال صالحہ کو ظاہر کرے اخفاء کا اہتمام نہ کرے تاکہ اما بنعمۃ
ربک فحدث پر عمل ہو جائے ہاں متوسط کو اظہار مضر ہوتا ہے مگر وہ اس لئے کہ اُسکی
نظر میں اغیار ہیں اور کامل کی نظر سے اغیار مفقود ہو چکے ہیں وہ نہ کسی کے واسطے
کوئی عمل کرتا ہے نہ کسی کی وجہ سے کسی عمل کو ترک کرتا ہے اُس کی نظر صرف ایک
ذات پر ہے باقی سب مخلوق اُسکی نظر سے غائب ہیں اُس کے نزدیک آدمی میں اور
مسجد کی دیوار اور بوریئے میں کچھ فرق نہیں پھر وہ کس سے چھپ کر عمل کیوں کرے کسی نے
مسجد کی دیوار سے بھی اخفاء کا اہتمام کیا ہے دوسرے عارف کو ہر چند مظہر حق از ہر جا نب

نظر آتی ہے اور اخفا ہوتا ہے غیر سے اس لئے اُس کو کسی سے اخفار کا اہتمام نہیں اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں ؎

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست　　یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

توئی سے ذات مراد ہے اور خوئی تو سے صفات اور بوئے تو سے افعال مراد ہیں مطلب یہ ہو کہ عالم میں بعض دفعہ تو عارف کو ذات حق کا مشاہدہ بلا واسطہ بلاکیف ہوتا ہی مثلاً اوقات خلوت و عبادت میں کبھی بواسطہ ہوتا ہے کیونکہ جتنی مخلوقات ہیں اُن میں صفات حق کا ظہور ہو رہا ہے اور تصرفات حق جلوہ نما ہیں پس عارف ہر چیز پر نظر ڈالتے ہوئے یہ دیکھتا ہی کہ اسمیں خداتعالی کی کس صفت کا ظہور ہوا ہی صفت جمال کا یا صفت جلال کا اور حق تعالی نے اُسکی ساتھ کیا برتاؤ کیا ہی اور کس طرح تصرف فرما رہے ہیں تو اب کوئی چیز اُسکے لئے حجاب حق نہیں بلکہ آئینہ جمال و جلال حق ہی اسی لئے ایک عارف نے کسی شاعر کا جو یہ قول سنا ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا　　نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

تو فوراً اُسکی یوں اصلاح کی ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا　　تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بو ہے

مولانا اسی مضمون کو ایک مثال سے واضح کر کے بیان فرماتے ہیں ؎

ما ہمہ شیران ولے شیر علم　　حملہ شان از باد باشد دمبدم

حملہ شان ونا پیداست باد　　انچہ ناپیداست ہرگز گم مباد

یعنی ظاہر میں ہم ہی شیر معلوم ہوتے ہیں مگر ہم ایسے شیر ہیں جیسے جھنڈے پر شیر کی تصویر ہوتی ہے کہ جس وقت ہوا سے جھنڈا ہلتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ شیر حملہ کر رہا ہے لیکن شیر کا حملہ تو نظر آتا ہے ہوا نظر نہیں آتی اسی طرح یہاں سمجھو کہ ظاہر میں تم کام کرتے ہوئے نظر آتے ہو مگر حقیقت میں کوئی دوسری قوت ہے جو تمکو نچا رہی اور تم سے کام لے رہی ہو لیکن تم تو نظر آتے ہو اور وہ کام لینے والا نظر نہیں آتا مگر دل میں اُسکا یقین ضرور ہے اور اسی کی بابت دعا فرماتے ہیں انچہ ناپیداست ہرگز گم مباد۔ یعنی از دل ما۔ کہ جو کام لینے والا نظر نہیں آتا خدا کرے اُسکی یاد ہمارے دل سے کم نہو یہ تفسیر حضرت حاجی صاحب

قدس اللہ سرہ کے پاس پہونچکر معلوم ہوئی ورنہ یہ شعر حل ہی نہونا تھا۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ ؎

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے | یک دہان پنہان ست در لبہائے وے
یک دہاں نالاں شدہ سوئے شما | ہائے ہوئے در فگندہ در سما

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

من چو کلکم درمیان اصبعین | نیستم در صف طاعت بین بین

کہ ہماری ایسی مثال ہے جیسے انگلیوں کے درمیان قلم ہوتا ہے کہ بظاہر کتابت قلم سے ظاہر ہورہی ہے مگر حقیقت میں کام لینے والا دوسرا ہے اگر وہ کام نہ لے تو قلم کی کیا مجال ہے کہ ایک حرف بھی لکھ سکے چونکہ یہ حقائق عارف پر منکشف ہیں اس لئے غیر پر اُسکی نظر نہیں رہتی پھر وہ کس سے اپنے عمل کو چھپائے ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اخفاء عمل عمدہ حالت ہے مگر کمال یہ ہے کہ اظہار ہو مگر دعویٰ نہو اور اس سے بڑھکر کمال یہ ہے کہ اگر دعویٰ بھی ہو مگر اپنے اُوپر نظر نہ ہو شاید بعض لوگ اسکو نہ سمجھے ہونگے اسلئے میں اُس کی تفصیل کرتا ہوں کہ دعویٰ اور تکبر ہی وہ ممنوع ہے جس میں اپنے اوپر نظر ہو اگر اپنے اُوپر نظر نہو بلکہ خدا تعالیٰ پر نظر ہو تو بعض مقامات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت دعویٰ اور صورت تکبر کو جائز فرمایا ہے حدیث میں ہے کہ دو مقام میں تکبر جائز ہے ایک صف قتال میں دوسرے صدقہ دیتے ہوئے تو ظاہر میں یہ تکبر معلوم ہوتا ہے مگر اصل میں وہ شخص اسوقت منصور کے مثل ہے کہ انہوں نے انا الحق کہا تھا مگر وہ اُس وقت شجرہ طور کے مثل تھے شجرہ طور سے بھی انی انا اللہ رب العلمین نکل رہا تھا مگر کیا وہ درخت اپنے کو خدا کہہ رہا تھا ہرگز نہیں بلکہ کہنے والے حق تعالیٰ تھے شجرہ محض واسطہ اور آلہ تھا اسی طرح منصور کی زبان سے جو انا الحق نکلا اُسوقت وہ خود نہ کہہ رہے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کی زبان سے تجلی کلامی فرمارہے تھے آخر اس میں تعجب کیا ہے؟ جب شجرہ کی زبان سے اللہ تعالیٰ انکا ... فرما سکتے ہیں تو منصور کی زبان سے کیوں نہیں فرما سکتے اسی طرح ایک بزرگ کے پاس ایک شخص اپنے لڑکے کو لایا جو اندھا پیدا ہوا تھا اور ... اس کے لئے

۱۴

دعا کر دیجئے انہوں نے فرمایا کہ کیا میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں جو اندھوں کو سوانکھا کر دوں
وہ شخص مایوس ہو کر چلا گیا تو دفعتاً ان بزرگ کی زبان سے نکلا باز آرید ما کنیم ما کنیم ما کنیم
کہ اسکو واپس لاؤ ہم اسکو اچھا کر دیں گے ہم کر دیں گے چنانچہ خدام نے یہ سنکر اس شخص
کو واپس بلایا آپ نے دعا کی اور بچہ کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ بینا ہو گیا اس کے
بعد کسی خادم نے پوچھا کہ اول تو آپ نے اس شخص کی درخواست کو اس سختی کیساتھ
رد کیا تھا کہ میں عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہوں اور اسکے بعد اس دعوے کیساتھ فرمایا ما کنیم
ما کنیم انہوں نے جواب دیا کہ یہ لفظ میں نے نہیں کہا بلکہ جب میں نے یہ جواب دیا کہ
میں عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہوں تو مجھے الہام کے ذریعہ سے عتاب ہوا کہ کیا عیسیٰ علیہ
السلام اندھوں کو اچھا کرتے تھے جو تم نے یہ جواب دیا بلکہ ہم اچھا کرتے تھے اور ہم اب بھی موجود
ہیں پھر تم نے یہ جواب کیوں دیا اس الہام میں حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا تھا ما کنیم
ما کنیم وہی بیساختہ میری زبان پر جاری ہو گیا تو اس واقعہ میں یہ بزرگ بھی مثل شجرۂ طور کے
تھے اور ان کا حال بھی مثل منصور کے تھا اسلئے صورت دعوےٰ بعض صورتوں میں جائز ہے
جو حدیث میں مذکور ہیں اور حقیقی دعوےٰ حرام ہے پس اظہار عمل مطلقاً نقص نہیں اور نہ اخفا
عمل مطلقاً کمال ہے بلکہ نقص جب ہے کہ اپنے اوپر نظر ہو اور کمال جب ہے کہ اپنے
اوپر نظر نہ ہو بلکہ صرف خالق جل وعلا پر نظر ہو پس گو اخفائے عمل متوسط کے لئے محمود
ہے مگر کمال نہیں مگر متوسط کیلئے بھی فرض نماز کو تنہائی میں ادا کرنا جائز نہیں کیونکہ
فرض سے قرب زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ قرب میں اخفا نہیں ہوا کرتا چنانچہ جو شخص
بادشاہ کا زیادہ مقرب ہوتا ہے بادشاہ برسر دربار اُسکے درجہ اور منصب کو ظاہر کرتا
ہے اور جسکو کم قرب ہوتا ہے اُسکے قرب کو برسر دربار ظاہر نہیں کیا جاتا غرض فرض نماز
چونکہ خاص قرب کا وقت ہے اسلئے اُس کا اخفا جائز نہیں بلکہ اشاعت فرض ہے
اور جو لوگ اسواسطے اپنے اعمال صالحہ کا اخفا کرتے ہیں تا کہ لوگ ملامت نہ کریں اور
یوں نہ کہیں کہ یہ بزرگ بننا چاہتا ہے یا ریاکاری کرتا ہے اُنکو اس خیال سے بھی اخفا
نہ کرنا چاہئیے بلکہ اپنے کام میں لگیں اور ملامت سے نہ ڈریں کیونکہ عاشق کو ملامت محبت سے

۱۴

مانع نہیں ہوا کرتی بلکہ ملامت سے تو عشق کی گرم بازاری ہے ؎

خورشادہ سوائی کوے ملامت نسازد عشق را گنج سلامت

متنبی کہتا ہے ؎

عذل العواذل حول قلبی التائہ وھوی الاحبۃ منہ فی سوداۂ

بلکہ محبت تو بعض دفعہ چھپانے سے بھی نہیں چھپتی ؎

می تواں داشت نہاں عشق ز مردم لیکن زردئی رنگ رخ و خشکی لب راچہ علاج

یہ تو عشق مجازی کی حالت ہے اور عشق حقیقی کے متعلق مولانا فرماتے ہیں ؎

نور حق ظاہر بود اندر دلی نیک بیں باشی اگر صاحب دلی

تو جب اعمال صالحہ کو تکلف کی ساتھ چھپانیکی بھی اجازت نہیں الا لعذر خاص تو اُن کی بیقدری اور تحقیر کی کب اجازت ہوسکتی ہے رہا یہ کہ نماز میں خشوع نہیں اور ذکر وغیرہ میں انوار نہیں اسلیئے ہم اُنکو کالعدم اور حقیر سمجھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ خشوع نہوا انوار نہوں جب بھی تم اعمال کی بیقدری نکرو کیونکہ بلا بودے اگر اینہم نہ بودے اگر یہ بھی نہوتے تو کیا ہوتا یہ تھوڑی نعمت ہے کہ تم نماز تو پڑھتے ہو گو ناقص ہی سہی اللہ کا نام لیتے ہو گو اعلیٰ درجہ میں نہ سہی ہاں تکمیل میں سعی کرتے رہنا لازم ہے مولانا جامی سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ریا سے ذکر کرتا ہے فرمایا وہ تم سے پھر بھی اچھا ہے کہ خدا کا نام تو لیتا ہے تم تو ریا سے بھی خدا کا نام نہیں لیتے قیامت میں اُس کا ذکر ریائی ٹمٹاتا ہوا چراغ بنکر پلصراط سے اُسکو پار کردیگا مگر تمہارے پاس تو ٹمٹاتا ہوا چراغ بھی نہیں یہ ہیں محقق لوگ جو اعمال صالحہ کی اتنی قدر کرتے ہیں غرض کام کرنے والے سے پھر بہت اچھا ہے کہ کچھ کرتا تو ہے اور جو بالکل نہیں کرتا وہ تو بالکل محروم ہے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے ایک مجمع صلحاء کے بارے میں جو ایک دینی کام کے لئے اٹھے تھے مگر ناکام رہے طعن کے طور پر کہا کہ ان لوگوں نے ناحق اس میدان میں قدم ڈالا بھلا کیا حاصل ہوا تو مولانا نے اُس کے جواب میں سودا کا یہ قطعہ پڑھدیا ؎

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن بازی اگر چہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپکو کہتا ہے عشق باز　　　اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

پس اپنے نیک اعمال کی تحقیر و بیقدری بھی نہ کرو اور نہ اپنے آپ کو بزرگ اور بڑا سمجھو بلکہ اپنی ایسی مثال سمجھو جیسے بادشاہ کسی چمار کو قیمتی موتی دیدے ظاہر ہے کہ اس صورت میں چمار اپنے کو چمار ہی سمجھے گا اور موتی کو موتی سمجھے گا یہ نہیں کہ موتی کے آجانے سے وہ اپنے کو سید یا پٹھان سمجھنے لگے یا موتی کو اپنے ہاتھ میں آنے سے کانچ سمجھنے لگے اگر ایسا کریگا تو عذاب شاہی میں گرفتار ہوگا ہاں یہ ضرور ہے کہ موتی ملنے کے بعد اُسکو پہلے سے زیادہ بادشاہ کا خوف ہوگا کہ مجھکو بڑی شے ملی ہے خدا خیر کرے اور مجھے اُس کی حفاظت کی توفیق دے ایسا نہ ہو کہ مجھ سے اُسکی حفاظت و قدر دانی میں کوتاہی ہوجائے اور بادشاہ ناراض ہو اسی طرح جسکو نماز کی توفیق ہوگئی ہے وہ نماز کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ وہ تو بڑا قیمتی جوہر ہے مگر اپنے کو چمار ہی سمجھے اور نماز کی حفاظت و قدر میں پوری کوشش کرے کیونکہ قانون الٰہی یہ ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ اگر میری نعمت کی قدر کروگے تو اور زیادہ دونگا اور بیقدری کروگے تو دسن لو کہ میرا عذاب بہت سخت ہے اگر نعمت میں ترقی چاہو تو اُسکی قدر کرو کیونکہ ناشکری سے نعمت سلب ہوجاتی ہے اور نعمت کا شکر یہ بھی ہے کہ اُسکو ظاہر کرو مگر دعویٰ و تکبر نہ کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو اس طرح جمع فرمایا ہے انا سید ولد آدم ولا فخر میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور فخر سے نہیں کہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہتا ہوں حضرات انبیاء اور اولیاء کاملین کی زبان سے جو ایسی باتیں نکلتی ہیں درحقیقت اسوقت وہ خود نہیں کہتے بلکہ اللہ تعالیٰ اُن سے کہلواتے ہیں اور اسوقت اُن کے دل میں تکبر کا شائبہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ اسوقت وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفیر ہوتے ہیں اور سفیر اداء سفارت کیوقت جو کہتا ہے اپنے مالک کی طرف سے کہتا ہے جیسے آپنے دیکھا ہوگا کہ ایک اردلی حاکم کیسامنے بڑے بڑے رؤسا اور نوابوں کو نام لیکر پکارتا ہے کہ فلاں شخص حاضر ہے اور یقیناً وہ جانتا ہے کہ اس رئیس اور نواب کیسامنے میری کچھ بھی ہستی نہیں مگر حاکم کے حکم سے اجلاس کیوقت وہ سب کا نام لیکر پکارتا ہے پس ایسی تو امنع

ف لئن شکرتم الخ اگر تم شکر کروگے تو تمکو زیادہ دونگا اور اگر تم ناشکری کروگے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ پارہ ۱۳ ابراہیم

۱۷

اختیار کرو جسمیں اعمال کی بیقدری نہو اور تکبر سے ہمیشہ بچو کیونکہ جو کچھ اعمال تم کر رہے ہو خود نہیں کر رہے ہو بلکہ اللہ تعالیٰ تم سے کام لے رہے ہیں اُنہوں نے تمہارے واسطے اُسکو آسان کر دیا ہے اگر وہ آسان نکرتے تو تمہاری کیا مجال تھی دیکھو! اسلام کسقدر آسان ہے مگر اُسی کیلئے آسان ہے جس پر خدا نے اُسکو آسان کر دیا ورنہ کفار اسلام کیوں نہیں لے آتے معلوم ہوا کہ جسکو وہ توفیق ندیں اُسکو آسان کام بھی دشوار ہے یہی حال نماز کا ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں وَاِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ٭ کہ نماز بیشک گراں ہے مگر خاشعین پر گراں نہیں اسکے بعد فرماتے ہیں کہ خاشعین کون ہیں؟ وہ وہ لوگ ہیں جو لقاء اللہ کا یقین رکھتے ہیں واقعی یہ عجیب کلام ہے کہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ نماز کی گرانی کا سبب زیادہ تر یہ ہے کہ نفس آزادی کا عادی ہے اور نماز میں پابندی ہے اور ظاہری پابندی نفس پر اتنی گراں نہیں جتنی باطنی پابندی گراں ہے کہ نماز میں سب طرح کے خیالات سے خالی ہو کر صرف نماز کی یا خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے کیونکہ نفس تو میدان خیالات میں چکر لگانے کا عادی ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ نفس کو سکون کا عادی بنایا جائے کیونکہ العلاج بالضد اور حرکت کی ضد سکون ہی ہے پھر سکون کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ نفس کو تمام خیالات سے خالی کیا جائے ایک یہ کہ کسی ایک خیال میں لگا دیا جائے جس سے دوسرے خیالات خود دفع ہو جاوینگے ظاہر ہے کہ پہلی صورت دشوار ہے جو نفس رات دن خیالات میں چکر لگانیکا عادی ہے وہ تمام خیالات سے دفعۃً خالی کیونکر ہو سکتا ہے اسلئے سہل تدبیر یہی ہے کہ اُسکو کسی ایک خیال میں مستغرق کر دیا جائے خاصکر ایسے خیال میں جو ہادم لذات و ہادم جملہ خیالات ہو حق تعالیٰ نے خشوع کا یہی طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ خاشعین وہ ہیں جو لقاء اللہ کا یقین رکھتے ہیں یعنی مراقبۂ آخرت میں مشغول ہیں اور مراقبہ آخرت کا جمنا بھی دفعۃً سہل نہیں کیونکہ آخرت مشاہد نہیں اور غیر مشاہد کا خیال دیر سے دل میں جمتا ہے اسلئے اُس کا طریقہ یہ بتلایا کہ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا مراقبہ کیا جائے یعنی موت کا اور موت کے واقعات رات دن مشاہدہ سے

گذرتے رہتے ہیں پس اول موت کا مراقبہ کیا جائے اور اُسکو راسخ کر لیا جائے یہ ایسا مراقبہ ہے جو دنیا سے دل سرد کر دیگا اور تمام خیالات کو ختم کر دیگا پھر لقاء اللہ کا مراقبہ کیا جائے کہ مرنے کے بعد ہم خدا کے سامنے کھڑے ہونگے وہاں حساب کتاب اعمال کا ہوگا جو شخص اس مراقبہ کا عادی ہو جائیگا اُسکو سکون قلب حاصل ہو جائیگا کیونکہ جس دل میں خدا کی یاد جم جاتی ہے پھر سب خیالات اُسکے اندر سے نکل جاتے ہیں ۹

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت — مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

راقم جامع عرض کرتا ہے کہ اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ تکمیل نماز کیلئے مراقبہ موت و مراقبہ لقاء اللہ کا عادی ہونا چاہیئے اور میرا ذوق یہ کہتا ہے کہ آیت میں یہ مراد ہے کہ عین نماز کے اندر ہی اس مراقبہ میں قلب کو مشغول کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ نمازی نماز کی ہیئت میں غور کرے کہ میں جو تمام دنیا سے رخ پھیر کر ہاتھ باندھکر اس طرح کھڑا ہوں کہ نہ کسی سے بات کر سکتا ہوں نہ کسی کی طرف دیکھ سکتا ہوں نہ کھا پی سکتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں اور اُن سے عرض معروض کر رہا ہوں پھر قیام کی حالت میں یہ سوچے کہ خدا تعالیٰ کے مجھ پر کسقدر احسانات و انعامات ہیں جنکا شکر یہ میرے ذمہ واجب ہے اور سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے یہ سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکریہ ادا کر رہا اور اُسکی ربوبیت کا اقرار اور اپنی عبدیت کا اعتراف کر رہا ہوں اور اسی عبدیت پر قائم رہنے اور اہل عبدیت کے طریقہ پر چلنے کی دعا کر رہا ہوں اور جو لوگ طریق عبدیت سے بہک گئے اور لعنت و غضب کے مستحق ہو گئے ہیں اُن کے طریقہ سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہوں اور جو قانون الٰہی تکمیل طریق عبدیت کیلئے نازل ہوا ہے اُس پر ہمیشہ چلنے کا عہد کر رہا ہوں فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کا یہی مطلب ہے پھر جب رکوع میں جائے تو یہ سوچے کہ میری پیدائش اسی مٹی اور زمین سے ہے جو میرے پاؤں تلے ہے زمین کی خاک سے جیتا جاگتا سمیع و بصیر انسان پیدا ہو جانا محض خالق جل و علا کی قدرت ہے اور جسکی پیدائش زمین کی خاک اور اُسکی نباتات وغیرہ سے ہو اُسکو عبدیت اور بندگی کیلئے سوا کچھ زیبا نہیں بڑائی اور بزرگی صرف خالق جل و علا کو زیبا ہے جو تمام عیوب سے

بہری ہے اسی لئے نماز میں بار بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے کہ اسے خدا ہم نے آپ کی عظمت
کیسامنے اپنے خیالی عزت کو قربان کردیا پھر سجدہ میں جاتے ہوئے یہ سوچے کہ مجھے ایکدن
زمین کے اندر پیوند ہونا ہے اور اسوقت خدا کے سوا میرا ساتھ دینے والا کوئی نہوگا دنیا
سے میرا نام ہی مٹ جائیگا اور نشان بھی اسکے بعد دوسرے سجدہ میں یہ تصور کرے کہ
گویا میں مرچکا اور خدا سے ملگیا ہوں اب خدا کے سوا کوئی میری ساتھ نہیں پھر جلسہ تشہد
میں یہ سوچے کہ مرنے کے بعد پھر ایک زندگی ہوگی جہاں اسلام اور اعمال واقوال و
احوال صالحہ ہی کام آئیں گے جو اللہ کے واسطے کئے گئے ہوں اور سیدنا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیا وحضرات ملائکہ اور تمام نیک بندوں کی عزت ظاہر ہوگی کہ وہ
گنہگاروں کی شفاعت کریں گے لہذا اُن پر سلام بھیجکر اُن سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے پھر چونکہ
امت محمدیہ کو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق ہو اسلئے
اخیر رکعت میں آپ پر خصوصیت کے ساتھ درود شریف پڑھنا چاہیئے جب یہ تصور
جم جائے تو اسکے بعد جلسہ میں یوں تصور کرے کہ گویا مرنے کے بعد یہ میدان قیامت میں
حاضر ہوا ہے اور تمام اعمال وافعال واقوال جو دنیا میں کئے ہیں اُسکے سامنے ہیں جنمیں سے
وہی کام آسہے ہیں جو اللہ کے واسطے کئے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیا
وصلحا وملائکہ کی جماعت کیسامنے ہے جو دربار الٰہی میں حاضر ہیں اور میں ان سب پر درود وتحیت
وسلام بھیج رہا ہوں اور آخیر میں اپنے لئے کامیابی ونجات وفلاح کی دعا کررہا ہوں اور
اسی واسطے آیت میں لفظ یظنون اختیار کیا گیا ہے حالانکہ لقاء اللہ کا تو اعتقاد جازم فرض
ہے محض ظن کافی نہیں مگر چونکہ مقصود یہ ہے کہ نماز میں لقاء اللہ ورجوع الی اللہ کا استحضار کیا
جائے اور یہ استحضار درجہ وقوع میں لازم نہیں بلکہ اسکا ظن اور تصور ہی نماز میں کافی ہے کہ گویا
میں اسی وقت خدا کے سامنے حاضر ہوں اور مرگیا ہوں یا مرنیوالا ہوں اور گویا میں عبودیت
عالم آخرت میں حاضر ہوں اس واسطے لفظ ظن اختیار کیا گیا اس طرح نماز پڑھنے سے خشوع

ف اس تکلف کی حاجت نہیں لفظ ظن لغۃً عام ہے ہر خیال یقینی اور ظنی اور وہمی اور واقعی او غیر واقعی کو
کما لایخفی علی من تتبع موادہ فی القرآن ۱۲۔

حاصل ہو جائے گا اور تمام خیالات وساوس قلب سے نکل جائیں گے واللہ تعالیٰ اعلم
۱۲ جامع ، صاحبو! قرآن عجیب کیمیا ہے جس میں سارا کام مفت ہی ہے مگر ذرا سی نگہداشت
ہمارے ذمہ ہے اور جتنے طریقے سلوک کے ہیں جو دوسری مذاہب میں معمول بہا ہیں اُنکی
مثال اُس کیمیا کے مشابہ ہے جس میں لاکھوں روپے خرچ کئے جائیں اور مال میں کا بھی حاصل
نہو اور شریعت مقدسہ کی کیمیا ایسی ہے جسمیں نفع ہی نفع ہے نقصان کچھ نہیں شریعت
مقدسہ نے بڑے سے بڑے کام کو بھی ایسا آسان کر دیا ہے کہ پھول سے زیادہ ہلکا ہو گیا
ہے مگر توفیق نہو تو وہ بھی سخت مشکل ہے غور تو کیجئے کہ اسلام میں کیا دشواری ہے رحمت
ہی رحمت اور سہولت ہی سہولت ہے مگر توفیق رفیق نہو تو بہت مشکل ہے ایک تو یہ جزو ہے
اجزاء ثلثہ مذکورہ فی الحدیث میں سے جس کا بیان کرنا مقصود نہ تھا مگر چونکہ جزو مقصود
الحج یہدم ماکان قبلہ کیلئے معین تھا جیسا عنقریب اسکا بیان ہونا ہے اسلئے اسکا مفصل
بیان کر دیا گیا۔ دوسرا جزو یہ ہے الہجرۃ تہدم ماکان قبلہا کہ ہجرت بھی پہلے گناہ
گرا دیتی ہے ہجرت کے معنی ہجرت دارخوف سے دارامن کی طرف کیونکہ دارالکفر دو قسم
کے ہیں ایک دارالخوف جسمیں شعائر اسلام ظاہر کرنے پر مسلمانوں کو قدرت نہو بلکہ اس
اظہار میں جان و مال کا خطرہ ہو دوسرا دارالامن جہاں سلطنت تو کافر کی ہے مگر مسلمانوں
کو مذہبی آزادی حاصل ہے کہ وہ شعائر اسلام کو بیخوف وخطر ظاہر کر سکتے ہیں اور ہجرت
اُس دارالکفر سے فرض ہے جو دارالخوف بھی ہو اور دارالکفر دارالامن ہو وہاں سے ہجرت
فرض نہیں تو جاہلوں کا یہ شبہ دور ہو گیا کہ اگر ہندوستان دارالکفر ہے تو یہاں سے
ہجرت کیوں نہیں کیجاتی اس شبہ کا جواب ہمارے اُستاد محقق و مدقق مولانا محمد یعقوب
صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب دیا تھا کہ مکہ معظمہ سے جبکہ وہ دارالحرب تھا پہلی ہجرت
صحابہ نے حبشہ کی طرف کی ہے جہاں اُسوقت تک اسلام موجود نہ تھا پس حبشہ بھی اس
وقت دارالحرب تھا اور وہاں جانیوالوں کو مہاجر کہا گیا اور صحابہ وہاں ہجرت کر کے اسی
واسطے گئے کہ وہ دارالامن تھا اور اُنکی یہ ہجرت معتبر ہوئی اور اُنکو ہجرت کا ثواب بھی ملا
پھر ان صحابہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان کا لقب ذوالہجرتین ہوا پس معلوم ہوا کہ دارالامن

گو دارالایمان نہو بلکہ دارالکفر ہی ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض نہیں بلکہ وہ تو خود ہجرت گاہ بن سکتا ہے ہاں اسمیں شک نہیں کہ دارالایمان کی طرف ہجرت کرنا افضل ہی مگر ادائے فرض کیلئے دارالامن کی طرف ہجرت ہی کافی ہے جو شخص دار خوف سے دارالامن کی طرف ہی ہجرت نکرے وہ تارک فرض ہے اور اسی کیلئے سخت وعید ہے اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا اُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَۃً وَّلَا یَھْتَدُوْنَ سَبِیْلًا فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْھُمْ وَکَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۔

(ترجمہ) جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر (ترک ہجرت سے) ظلم کرنیوالے تھے اُن سے ملائکہ نے کہا کہ تم کس کام میں تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس سرزمین میں محض مغلوب اور کمزور تھے فرشتوں نے کہا کیا خدا کی زمین فراخ نتھی کہ تم اُس کے کسی حصہ میں ہجرت کر جاتے (اس کا اُن کے پاس کچھ جواب نتھا) ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُری جائے بازگشت ہی ہاں مگر وہ مرد اور وہ عورتیں اور بچے جو واقعی مغلوب و کمزور تھے جو نہ کوئی تدبیر (ہجرت کی) کر سکتے تھے اور نہ اُنکو کوئی راہ ملتی تھی اُنکو امید ہے کہ خدا تعالیٰ معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ تو معاف کرنیوالے مغفرت کرنیوالے ہی ہیں (وہ عذاب کیلئے بہانہ نہیں ڈھونڈتے بلکہ اُسی کو عذاب کرتے ہیں جو بلا وجہ گناہ کا مرتکب ہو ۱۲) جو لوگ محض ترجمہ دیکھکر محقق بننے کا دعویٰ کرتے ہیں اُنکو عسی اللہ ان یعفو عنھم میں امید کے لفظ سے یہ شبہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے اس مضمون کو شک کیساتھ کیوں بیان فرمایا اُنکو تو اپنے فعل کا یقین ہی پھر یقینی بات کو یقین کے لفظ سے بیان کرنا چاہئے تھا اس کا جواب یہ ہی کہ تم نے محض ترجمہ دیکھا ہی قرآن کو سمجھا نہیں ہے اسواسطے یہ شبہ ہوا تم کو چاہئے کہ پہلے یہ بھی دیکھ لو کہ یہاں متکلم کون ہے اور مخاطب کون ہیں سو ظاہر ہے کہ متکلم حق تعالیٰ شانہ احکم الحاکمین ہیں پس خدا تعالیٰ کے کلام کو شاہانہ محاورات پر منطبق کر کے دیکھو نہ عامیانہ محاورات پر منطبق

نہ کرو اور شاہانہ محاورات میں وعدہ جازمہ کیلئے بھی امید ہی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے
اسی سے ڈپٹی صاحب دہلوی کے ترجمہ کی غلطی معلوم ہوگئی جنہوں نے دہلی کے بازاری
زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا ہے چنانچہ ایک جگہ ٹانگ ٹوئیاں مارنا استعمال کیا ہے
ایک جگہ کبڈی کھیلنا لکھا ہے اور سب جانتے ہیں کہ یہ الفاظ شاہی زبان میں استعمال
نہیں ہوتے مترجم قرآن کو لازم ہے کہ ترجمہ میں شاہانہ طرز و انداز کو ہاتھ سے نہ دے
جو قرآن کا خاص طرز ہے عربی داں طبقہ خوب جانتا ہے کہ قرآن کی زبان کیسی پر شوکت
اور کس قدر باسطوت ہے دوسرے یہ دیکھو کہ مخاطب کلام کے کون ہیں سو ظاہر
ہے کہ مخاطب بندے ہیں اور بندہ کا فرض یہ ہے کہ اخیر دم تک امید وبیم ہی میں رہے
کسی وقت جلال شاہی سے بےخوف نہو اسی لئے حکام مقدمات میں اخیر تک فریقین
کو امید وبیم ہی میں رکھتے ہیں فیصلہ کے دن ظاہر ہوتا ہے کہ کون کامیاب ہے
اور کون ناکام ایسے ہی یہاں بھی فیصلہ کے دن سے پہلے یعنی قیامت سے پہلے
بندوں کو امید وبیم ہی میں رکھا گیا ہے اتنا فرق ہے کہ حکام تو اپنی غرض کیواسطے
ایسا کرتے ہیں اور حق تعالے نے بندوں کے فائدہ کیلئے ایسا کیا ہے کیونکہ بندہ
کو اگر کسی وقت اطمینان ہوجائے کہ میں جنتی ہوں تو وہ جرائم سے نڈر ہوجائے گا
اور اگر یہ معلوم ہوجائے کہ میں جہنمی ہوں تو وہ ناامید ہوکر بھلائی سے بالکل دور جا پڑیگا
اور اسمیں علاوہ اسکے نقصان کے نظام عالم کے درہم برہم ہوجانیکا بھی اندیشہ ہے کیونکہ
کثرت جرائم سے نظام کا درہم برہم ہونا ظاہر ہے غرض ہجرت کی یہ فضیلت ہے کہ اس
سے گذشتہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور یہ ہجرت متمم اسلام ہے کیونکہ بغیر اسکے اسلامی
کام نہیں ہو سکتے اور ظاہر ہے کہ اعمال اسلامیہ ہی سے اسلام کامل ہوتا ہے اور ہجرت
گو ظاہر میں دشوار ہے کیونکہ وطن اور خاندان کا چھوڑنا آسان نہیں مگر واقع میں سہل تر
کیونکہ یہ تو معلوم ہوچکا کہ ہجرت اسی وقت فرض ہے جب مسلمان اپنے مذہب اور شعائر
مذہب کو برپا نہ کر سکے اور جو شخص مذہب پر عمل کرنے سے روکے وہ باپ بھی ہو تو باپ ہے
کیونکہ انسان کو مذہب سب سے زیادہ عزیز اور پیارا ہوتا ہے اسی لئے اہل مذہب ہمیشہ

اپنے مذہب کی حفاظت وحمایت کیلئے جانوں کی قربانیاں کرتے رہے ہیں تیسرا جزو
الحج یہدم ما کان قبلہ ہے اور اسی کا بیان مقصود ہے اب میں حسب وعدہ یہ بتلانا چاہتا
ہوں کہ جزئین اولین جزو ثالث کیلئے کس طرح معین ہیں تو بات یہ ہے کہ اس لفظ
سے کہ حج پہلے گناہوں کو گرا دیتا اور مٹا دیتا ہے حج کی فضیلت معلوم ہوئی فرضیت
معلوم نہیں ہوئی اور مقصود فرضیت کا بیان اصالۃً ہے اور فضیلت کا تبعاً اس لئے
جزئین اولین کو میں نے بیان کر دیا کیونکہ وہ دونوں اثبات فرضیت میں اس طرح
معین ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کو دو چیزوں کے ساتھ مقرون فرمایا
ہے اور وہ دونوں فرض ہیں اس سے بعض اصولیین کی رائے پر تو یہ معلوم ہوا کہ حج
بھی فرض ہے کیونکہ بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم امور متناسبہ ہی کو جمع فرماتے ہیں البتہ
اگر کوئی مستقل دلیل عدم اشتراک کی ہو تو اسوقت یہ ظاہر حجت نہ ہوگا اور جن
اصولیین نے اس اقتران فی الذکر کو حجت نہیں سمجھا وہ بھی اس اہمیت ہونے سے
انکار نہیں کر سکتے تو اگر وان علی الافتراض نہ ہو تاہم اسمیں معین ضرور ہے اور افتراض
دلیل مستقل سے ثابت ہے دوسرے یہ کہ یہاں جو فضیلت حج کی مذکور ہے وہ بہت
ہی بڑی فضیلت ہے جو ظاہراً فرض کے لائق ہے یعنی پہلے گناہوں کو مٹا دینا گرا دینا
چنانچہ حج سے پہلے جن امور کیلئے یہ فضیلت بیان کیگئی ہے وہ دونوں بھی فرض ہیں پس
حج کا بھی فرض ہونا اقرب ہے اور یہ دلیل مستقل نہیں ہے بلکہ دوسرے ادلۂ فرضیت
کیلئے مؤید ہے اور فرضیت دوسرے دلائل سے ثابت ہے غرض یہ بات معلوم
ہے کہ حج فرض ہے اس اقتران سے ظاہراً اور دوسرے دلائل سے نصاً میں اسپر
آپ کو اسوقت متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی کے ذمہ حج فرض ہو تو وہ سستی نکرے
کیونکہ اور عبادات اگر وقت پر ادا نہوں تو فوراً ہی انکی قضا ہو سکتی ہے بخلاف حج
کے کہ یہ اگر وقت پر ادا نہوا تو پھر سال بھر کے بعد اسکا وقت آئیگا اور سال بھر بڑی
مدت ہے کیا خبر سال بھر تک زندگی ہے یا نہیں پس وقت کو غنیمت سمجھو اس لئے حدیث میں ہے
اغتنم خمسا قبل خمس فراغك قبل شغلك وحياتك قبل موتك الحديث

۲۴

فراغت کیوقت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو ؎
خوشا وقتے و خرم روزگارے کہ یارے برخورد از وصل یارے

صاحبو! فراغت کیوقت کو غنیمت سمجھو اس طرح ٹالنے سے کبھی کام نہ ہوگا یہ خیالات چھوڑ دو کہ یہ کام ہو جائے تو توجہ کرو جائیں تمکو کیا خبر ہے کہ آئندہ سال دوسرا کام نہ نکل آئیگا دنیا کے دہندے کبھی ختم نہیں ہوسکتے متنبی کہتا ہے ؎ لا تنتھی ارب الا الی ارب -

ایک عارف فرماتے ہیں ؎
ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم باز چوں فردا شود امروز افردا کنم

یہانتک کہ اسی طرح ایکدن موت کا وقت قریب آجائیگا اور اسوقت کہنے لگیگا رب لو لا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق و اکن من الصلحین ہ کہ اے پروردگار مجھ تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دیدی ؟ کہ میں صدقہ خیرات کرلیتا اور نیک بندوں میں داخل ہوجاتا حق تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جاء اجلہا واللہ خبیر بما تعملون ہ کہ جب وقت آجاتا ہے پھر حق تعالیٰ کسی کو مہلت نہیں دیتے اور اللہ تعالیٰ تمہاری کرتوتوں سے پوری طرح خبردار ہیں کہ اگر تم کو مہلت دی جاتی تو تم اس مہلت کو بھی یوں ہی برباد کرتے جیسے ساری عمر کو برباد کیا تھا۔ صاحبو! دنیا کے جھگڑے تو یوں ہی چلتے رہیں گے ان سے فراغت تو مرنیکے ساتھ ہی ہوگی ع کار دنیا کسے تمام نکرد ؏ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت اگر کام کرنا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ان جھگڑوں کو بیچ ہی میں چھوڑو اور کام میں لگ جاؤ حضرات اہل اللہ ایسا ہی کرتے ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں جب جاذبۂ حق پیدا ہوا تو سلطنت کو بیچ ہی میں چھوڑ کر الگ ہوگئے نہ کسی کو اپنا قائم مقام کیا نہ کچھ انتظام کیا کہ وزراء وغیرہ خود انتظام کرلیں گے اسی کے مناسب ایک بڑی بی کا قصہ سُنا ہے کہ غدر سے پہلے جب کراچی کا سفر حاجیوں کو بہلی میں کرنا پڑتا تھا کیونکہ ریل اُس وقت تک جاری نہ ہوئی تھی تو پچاس سو بہلیاں ساتھ مل کر چلتی تھیں تاکہ ڈاکوؤں سے امن رہے تو ایک دفعہ اسی طرح حاجیوں کی بہلیاں جا رہی تھیں کہ ایک بڑی بی نے جو جنگل میں بکریاں چرا رہی تھی بہلیوں کو دیکھکر پوچھا کہ میاں یہ کسکی

۲۴

یا رات ہے لوگوں نے کہا بارات نہیں ہے بلکہ حاجی لوگ اللہ کے گھر جا رہے ہیں یہ سُن کر بڑھیا کے دل میں جاذبہ حق پیدا ہوا اور اُس نے کہا پھر ہم بھی اللہ کے گھر کی زیارت کریں گے یہ کہکر بہلیوں کے ساتھ ہوگئی اور بکریوں کو وہاں ہی میدان میں چھوڑا اُنکو گھر تک بھی نہ پہونچایا واقعی سچ ہے ؎

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند   از ہمہ کار جہاں بیکار ماند

اور ؎

آنکس کہ ترا شناخت جانرا چہ کند   فرزند و عیال و خانمانرا چہ کند

پھر بڑھیا کی ہمت تو دیکھئے کہ لاٹھی کے سہارے پیدل قافلہ کے ساتھ ہوگئی واقعی اپنے وقت کی رابعہ تھی اور رابعہ نہ تھی تو خامسہ تو ضرور تھی بات یہ ہے کہ اہل اللہ کی ہمت بہت بلند ہوتی ہی ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ اسّی برس کی عمر ہوگئی تھی اور یوں تو ابتدا ہی سے حضرت نحیف الجثہ تھے مگر بڑھاپے میں اور بھی ضعف زیادہ ہوگیا تھا لیکن نماز کو جب کھڑے ہوتے تھے تو ذرا ضعف نہ معلوم ہوتا تھا بڑی لمبی لمبی رکعتیں پڑھتے تھے گویا بزبان حال یوں فرماتے تھے ؎

ہر چند پیر خستہ دلبس ناتواں شدم   ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

یہی حالت اس بڑھیا کی تھی کہ باوجود بڑھاپے کی ہمت ایسی تھی کہ جوانوں کو بھی مات کر دیا اور عشاق کی ہمت بلند ہونیکا راز یہ ہے کہ ان کو اپنی سی کوشش کر لینا مقصود ہوتا ہے کامیابی ہو یا نہ ہو اُن کا مذاق یہ ہے ؎

دست از طلب نہ دارم تا کام من برآید   یا تن رسد بجاناں یا جان زتن برآید

اسلئے وہ ہر مشکل سے مشکل کام کیلئے تیار ہو جاتے ہیں اور وہ انکی نظر میں مشکل نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمارا کام تو طلب ہے اور اپنی ہمت کیموافق عمل شروع کر دینا آگے پورا ہونا نہ ہونا یہ ہمارے قبضہ میں نہیں یہ دوسرے کے قبضہ میں ہے اس سے ہمکو کیا سروکار ملنے کا اور نہ ملنے کا مختار آپ ہے ؎   پر تجھکو چاہیئے کہ تگ و دو لگی رہے

جب بڑھیا قافلہ کے ساتھ ہوگئی تو لوگوں نے اسکو بہت سمجھایا کہ بیت اللہ بہت دور ہے

ایک دو منزل نہیں کہ تم پیدل وہاں پہونچ جاؤ مگر اُس کا یہ حال تھا کہ جوں جوں نصیحت کرتے اُس کا شوق دونا ہوتا تھا ؎

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے　　میں اُسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

لوگوں نے کہا کہ ہمارے بھروسہ پر نہ چلنا ہم بہلی میں سوار نکریں گے ہمارے پاس گنجایش نہیں اُس نے ڈانٹ کر جواب دیا کہ میں تمہاری بہلیوں کے بھروسہ پہ نہیں چلتی ہوں اپنے خدا کے بھروسہ پر چلتی ہوں چنانچہ ایک بڑی مسافت پیادہ طے کی سبکو حیرت ہوگئی پھر لوگوں نے ترس کھا کر بڑھیا سے کہا کہ اچھا بہلی میں سوار ہو جاؤ اُس نے کہا ہرگز نہیں میں سوار نہونگی اور میں تو تمہارے ساتھ بھی نہ ہوتی الگ بنی جاتی مگر عورت ذات ہوں میرا الگ تنہا سفر کرنا مناسب نہیں دوسرے مجھے رستہ بھی معلوم نہیں بس تمہاری رفاقت صرف اسلئے گوارا کی ہے اور کچھ مقصود نہیں مگر لوگوں نے خوشامد شروع کی منتیں کیں تب سوار ہوگئیں جب کراچی پہونچے تو جہاز کے مالک نے کہا کہ میں الگ الگ ہر شخص سے کرایہ نہیں کرتا بلکہ پورے جہاز کا کرایہ کرتا ہوں کیونکہ حجاج کم ہیں اگر پورے جہاز کا کرایہ ادا کرو تو میں چل سکتا ہوں ورنہ نہیں اب تمہیں اختیار ہے جسکو چاہو خود سوار کرو مجھے ہر شخص سے الگ الگ کچھ واسطہ نہیں لوگ سمجھ گئے کہ یہ بڑی بی کی پہلی کرامت ہے پھر خیال ہوا کہ جہاز میں تو اُسکے لئے یہ سامان ہو گیا آگے جدہ سے کیا انتظام ہوگا جب جہاز میں سوار ہوئے تو بچوں میں بیماری پھیل گئی اور بڑی بی سے پھر دم کرنا شروع کیا جس پر دم کر دیا فوراً اچھا ہو گیا اب تو اُسکی طرف بہت رجوعات ہوئیں اور خوب نذرانے ملے کہ بہت روپے اسکے پاس جمع ہو گئے اور آرام سے جدہ پہونچ کر مکہ معظمہ پہونچیں حج سے فراغت ہوئی تو حجاج نے مدینہ کا قصد کیا بڑی بی بھی قافلہ کی ہمراہ پیدل چل پڑی ایک منزل تو پیادہ طے کی اگلے دن کوچ سے پہلے ایک رئیس عورت کی بہن کا انتقال ہو گیا جسکی جگہ اونٹ پہ سوار ہو سکنے کیلئے ایک عورت کی اُسکو تلاش ہوئی کیونکہ اونٹ یا شغدف میں دو آدمی سے کم سوار نہیں ہو سکتے میزان برابر کرنے کیلئے دو آدمی ضروری حکیم صاحب کے نوکر عورت کی تلاش میں تھے کہ بڑی بی کے سوا کوئی عورت نہ ملی وہ

وہ ان کے پاس آئے کہ بیگم صاحبہ آپ کو یاد کرتی ہیں۔ بڑی بی نے بے رخی سے جواب دیا کہ جاؤ میں نہیں آتی کون بیگم میں نہیں جانتی مگر زیادہ اصرار سے ان کے پاس آئیں بیگم نے کہا کہ میں آپ کو بمنزلہ ماں کے سمجھوں گی آپ میری سرپرستی قبول فرمائیں اور میرے ساتھ اونٹ پر سوار ہو جائیں میں ہر طرح آپ کے تمام مصارف کا تحمل کرونگی اور علاوہ مصارف کے اپنی اس مرنیوالی بہن کا تمام ترکہ بھی آپ کو دونگی کیونکہ اسکی وارث میں ہی ہوں اور کوئی نہیں غرض بڑی خوشامدوں کے بعد بڑی بی راضی ہوئیں اور راحت و آرام کے ساتھ شندف میں سوار ہو کر مدینہ پہونچیں پھر اسی بیگم کیساتھ جدہ پہونچیں اور اسی کے خرچ سے جہاز میں سوار ہو کر کراچی پہونچیں اور اسکی بہن کا ترکہ لیکر جسمیں نقد و زیور و کپڑا بہت کچھ تھا اپنے وطن واپس آگئیں حافظ محمد یوسف صاحب جو اس قصہ کے ناقل ہیں فرماتے تھے کہ ہمارا جہاز بعد میں کراچی پہونچا بڑی بی ہم سے بھی پہلے پہونچ گئیں جب کراچی پر اتر کر ہم بہلیوں کے راستہ سے چلے تو بڑی بی کے گاؤں میں پہونچکر ہم نے دریافت کیا کہ یہاں کی ایک بڑھیا حج کو اس طرح ہماری ہمراہ ہو گئی تھی وہ آگئی یا نہیں تو اس کے بیٹے ملے اور کہا وہ تو بالکل خیریت سے ہیں اور بہت دن پہلے اپنے گھر پہونچ گئی ہیں اور بہت سامان ساتھ لائی ہیں انہوں نے پوچھا کہ ہم یوں انکے پیچھے کیا حال ہوا کہا ہم نے شام تک اُن کا انتظار کیا جب دیر ہو گئی تو جنگل میں جا کر دیکھا سب بکریاں صحیح سالم ہیں مگر بڑی بی نہیں ہیں ان کو ہر طرف بہت تلاش کیا جب ناامیدی ہو گئی تو بکریاں لیکر گھر کو آگئے اور یہ سمجھ لیا کہ اُن کو بھیڑیا یا شیر کھا گیا ہے مدت کے بعد صحیح سالم آگئیں اور بکریوں میں خوب توالد تناسل ہوا تو دیکھئے یہ ایک عورت تھی جس نے کسی بات کی فکر نہ کی جب حج کا ارادہ کر لیا سب کام بیچ ہی میں چھوڑ دیا۔ تو جو مرد عورت سے بھی کم ہو وہ کیا مرد ہے پس سب مشاغل بیچ میں چھوڑ دو اور کام کا ارادہ کر لو ورنہ کیا اطمینان ہے کہ آئندہ سال تمکو موقعہ ملے یا نہ ملے حدیث میں ہے من اراد الحج فلیعجل جو حج کا قصد کرے اُسکو جلدی کرنا چاہیئے اور ہمارے ائمہ تصریح کرتے ہیں کہ حج میں تاخیر کرنے سے ایک دو سال

تک تو گناہ صغیرہ کا گناہ ہوتا ہے اور اس کے بعد اصرار میں داخل ہو کر گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے
مگر جب حج کرلیگا تو یہ تاخیر کا گناہ بھی معاف ہو جائیگا کیونکہ اُسکو گناہ اسی لئے تھا کہ فوت
کا خطرہ تھا اور یہ خطرہ بے حج کو ڈال رہا تھا اور جب خطرۂ فوت مرتفع ہو گیا اب گناہ
بھی مرتفع ہو گیا یہ سب درمختار و ردالمختار میں مذکور ہے یہ ہے حضرات ائمہ کا اجتہاد جسمیں
کیسے دقائق کی رعایت ہے جو لوگ آجکل اپنے آپ کو مجتہد سمجھتے ہیں وہ ایسے اجتہاد کی
نظیر لائیں اور جب وہ ایسا اجتہاد اپنے اندر نہیں پاتے تو اُن کے عمل بالحدیث کا حاصل
یہ ہوا کہ وہ کامل مجتہد کی تقلید چھوڑ کر ناقص مجتہد کی تقلید کرتے ہیں یعنی اپنے فہم کا
اتباع کرتے ہیں جسکو ائمہ کی فہم سے کچھ بھی نسبت نہیں کانپور میں ایک طالب علم نے امام
کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھی تو میں نے اُس سے سوال کیا کہ تم نے امام کے پیچھے قراءت
کیوں کی کہا مولوی عبدالحی صاحب نے لکھا ہے میں نے کہا سبحان اللہ! کیا مولوی عبدالحی
صاحب امام ابو حنیفہ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں کہ امام کی تقلید چھوڑ کر اُنکی تقلید کرنے
لگے یہی حال ان مدعیان عمل بالحدیث کا ہے کہ ائمہ اربعہ کو چھوڑ کر علامہ شوکانی
وغیرہ کی تقلید کرتے ہیں ایک سفر میں ایک غیر مقلد میرے ساتھ ہوئے مگر تھے
منصف اُن کو شک تھا کہ ائمہ کی تقلید واجب کیوں ہے جب کہ ہم بھی عربی
پڑھکر قرآن و حدیث کو سمجھ سکتے ہیں میں نے کہا کہ آپ کو اجتہاد فی القرآن والحدیث
جائز نہیں کیونکہ آپ کو اجتہاد کا درجہ حاصل نہیں اور میں اجتہاد کی حقیقت آپ کے
سامنے ایک مثال میں بیان کرتا ہوں تبلائیے اگر دو شخص سفر میں ہوں جو علم میں
فقہ میں عمر میں نسب و تقویٰ میں برابر ہوں اور انمیں سے ایک کو غسل کی حاجت ہو گئی
اور دوسرے کا وضو ٹوٹ گیا اور جنگل میں پانی نہیں ہے دونوں نے تیمم کیا ایک نے
غسل کا تیمم کیا دوسرے نے وضو کا تو انمیں امامت کیلئے افضل کون ہے کہا تیمم وضو والا
افضل ہے کیونکہ اُس کا حدث اصغر ہے تو اُسکی نجاست حکمیہ اخف ہے اور دوسرے
کی اشد اور طہارت دونوں کو یکساں حاصل ہوئی اسلئے تیمم وضو والا اطہر ہے میں نے کہا کہ
فقہا نے تیمم غسل والے کو امامت کیلئے افضل فرمایا ہے کیونکہ غسل وضو سے افضل ہے

اور افضل کا خلیفہ غیر افضل کے خلیفہ سے افضل ہے اب ان دونوں اجتہادوں میں موازنہ کرلو اس جواب کو سنکر وہ مان گئے کہ واقعی ہم لوگ اجتہاد نہیں کرسکتے یہ فقہاء ہی کا کام تھا انہی کی تقلید واجب ہے صاحبو اجتہاد کیواسطے اُسکی ضرورت نہیں کہ وہ دوسروں سے زیادہ احادیث کا حافظ ہو بلکہ اجتہاد کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص حسین ہو مگر ظاہر میں اُس کا حُسن دوسروں کے حُسن سے زیادہ نہ ہو لیکن اس میں ایک آن ہے جو دوسروں میں نہیں ہے اسلئے وہ سب حسینوں سے بڑھا ہوا ہے اور اُسکے سامنے سب حسین گرد ہو گئے ہیں اسی کو عارف فرماتے ہیں ؎

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد　　　بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

حضرات فقہاء واقعی امت کیلئے رحمت ہیں اُنہوں نے جیسا دین کو سمجھا ہے کسی فرقہ نے نہیں سمجھا اسی طرح حضرات صوفیہ کرام اپنے فن کے امام ہیں احکام متعلقہ قلب کو صوفیہ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھا بہرحال جو شخص حج میں تاخیر کرتا ہے وہ گناہ صغیرہ کا ابتداً، اور کبیرہ کا اصرار کے بعد مرتکب ہوتا ہے اور اگر اسی حالت میں مرگیا تو اُس کے واسطے حدیث میں بڑی سخت وعید ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہوگیا ہو پھر وہ حج نہ کرے اور اسی حال میں مرجائے تو کچھ بعید نہیں کہ وہ نصرانی مرے یا یہودی بلکہ بعضے جو لوگ حج کرچکے ہیں وہ تو بیفکر رہیں ہاں جن پر حج فرض ہوا اور ابھی تک نہ کیا وہ جلدی کریں اور زندگی پر اطمینان نہ کریں کیونکہ بعض لوگ پار سال رمضان میں زندہ تھے اور اس سال نہ تھے میرے گھر میں کی ایک لڑکی شاگرد ہے وہ رمضان کے ختم پر کہنے لگی کہ دیکھئے اگلا رمضان کس کو نصیب ہو کسکو نہ ہو میرے گھر میں سے کہنے لگیں کہ تو تو ابھی بچی ہے ان شاء اللہ اگلا رمضان پالے گی ہاں ہم جیسوں کو البتہ خطرہ ہے اُس نے جواب دیا کہ میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ اس سال میری بہن سائقنوں میں سے کئی مر چکی ہیں جو پار سال رمضان میں زندہ تھیں اور اس سال نہ تھیں اور آپ کی بہن سائقنیں سب زندہ سلامت ہیں ایک بھی کم نہیں ہوئی اس لئے آجکل جوانوں کو زیادہ خطرہ ہے طاعون ہیضہ اور بخار دق میں جوان ہی زیادہ مرتے ہیں اب میں

اس حدیث کے متعلق چند باتیں بیان کر کے ختم کرتا ہوں کیونکہ مقصود تو پورا ہو چکا اب صرف تتمہ باقی ہے اس حدیث کے متعلق ایک مسئلہ تو بیان کرنا ہے کہ یھدم ما کان قبلہ میں لفظ ما بظاہر عام ہے مگر یہ اپنے عموم پر باقی نہیں اس سے حقوق العباد مستثنیٰ ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو میرے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے حضور نے فرمایا ہاں سب معاف ہو جائیں گے اسکے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یا رسول اللہ الا الدین مگر دین یعنی حق العباد معاف نہ ہوگا حضور نے سائل کو واپس بلایا اور فرمایا الا الدین فان جبرئیل قال لی آنفا مگر دین معاف نہ ہوگا حضرت جبریل نے مجھ سے ابھی فرمایا ہے ذلت واخرج الحاکم فی مستدرکہ عن عبد اللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعاً قال یغفر للشہید کل ذنب الا الدین وصححہ ہو والذہبی صج ۱۱۹) پس جب شہادت سے بھی دین معاف نہیں ہوتا حالانکہ شہادت کا درجہ بہت بڑا ہے تو حج سے بھی دین معاف نہ ہوگا اور اس حدیث سے ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر مسئلہ بیان کرنے میں کچھ کوتاہی ہو جاوے تو اسکی تلافی اور تدارک بعد میں کر دینا چاہئے اور اگر کوئی ہمکو کوتاہی پر متنبہ کرے تو فوراً اپنی کوتاہی کا اقرار کر لینا چاہیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب آپ سے کوئی سوال کرتا اور آپ کو جواب معلوم نہ ہوتا صاف فرما دیتے کہ جبریل علیہ السلام سے پوچھکر بتلاؤنگا اسی طرح حضرات صحابہ سے جب کوئی کافر سوال کرتا اور اُن کو جواب معلوم نہ ہوتا صاف فرما دیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھکر بتلائینگے مگر آجکل یہ مرض عام ہے کہ کسی سوال کے جواب میں لا ادری نہ کہیں گے اور کبھی اپنی غلطی یا کوتاہی کا اقرار نہ کریں گے اسی واسطے آجکل مناظرہ جائز نہیں کیونکہ مناظرہ وہ جائز ہے جو اظہار حق کیواسطے ہو اور جب فریقین نے یہ ٹھان لی ہے کہ ہر مسئلہ میں بولے جاویںگے خواہ اسکی تحقیق ہو یا نہو اور اپنی غلطی و عجز کا کبھی اعتراف نہ کریں گے تو اس صورت میں اظہار حق کہاں اذا فات الشرط فات المشروط۔ ہندوستان کے اکثر مدرسین میں بھی یہ بڑا مرض ہے کہ اپنی غلطی کا کبھی اعتراف نہ کریں گے اگر کسی مقام کی

غلط تقریر زبان سے نکل گئی اور طالب علم نے کہدیا کہ اس مقام کی یہ تقریر نہیں بلکہ صحیح
تقریر یہ ہے تو کبھی طالب علم کی بات کو نہ مانیں گے برابر رد کئے جائیں گے یہانتک کہ
ایسی جھک جھک میں سبق کا وقت ختم ہوجاتا ہے انکو اس حدیث سے سبق لینا چاہئے کیا
ان کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے بھی بڑھ گیا حضورؐ تو ایک جواب دیکر
حضرت جبریلؑ کے مطلع کرنے سے علی الاعلان اپنے جواب کا ناتمام ہونا ظاہر فرمارہیں اور
تم کبھی اپنی کوتاہی کو ظاہر نہیں کرتے ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ
کی یہ حالت تھی کہ اگر درس میں کسی ادنیٰ طالب علم نے بھی حضرت کی تقریر پر اعتراض
کردیا اور اسکا اعتراض معقول ہوا تو فوراً اپنی غلطی کا اعتراف فرمالیتے اور کبھی کبھی یا بینوں کہ
رہتے کہ ہاں واقعی مجھ سے غلطی ہوئی تم نے صحیح سمجھا یہانتک کہ طالب علم شرمندہ ہوجاتا اور
اس سے ایسی عظمت مولانا کی طلبہ کے دلمیں پیدا ہوتی تھی کہ تاویل کرنیوالے مدرسین کو اسکا
دسواں حصہ بھی نصیب نہیں ہوسکتی البتہ مدرسین عرب کا مذاق وہی ہے جو حضرت استاد کا مذاق
تھا وہ کبھی اعتراف خطا سے نہیں شرماتے بہرحال الحج یھدم ما کان قبلہ سے ایک تو دیون
(یعنی حقوق العباد وحقوق اللہ از قسم صلوۃ فائتہ وصوم فوت شدہ وزکوۃ واجبہ سابقہ ونحوہا)
مستثنیٰ ہیں دوسرے کبائر مستثنیٰ ہیں حج سے کبائر معافؔ نہیں ہوتے صرف صغائر
معاف ہوتے ہیں کیونکہ قرآن میں ہے الحسنات یذھبن السیئات کہ نیک کام برے
کاموں کو مٹادیتے ہیں اور قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیئات سے مراد

ع قلت ولکن الجمہور علی خلافہ فقد قال الحافظ فی الفتح فی شرح حدیث ابی ہریرۃ مرفوعا من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق
رجع کیوم ولدتہ امہ ای بغیر ذنب ظاہرہ غفران الصغائر والکبائر والتبعات وہو من اقوی الشواہد لحدیث العباس
بن مرداس السلمی المصرح بذلک اھ (ج ۳ ص ۳۰۲) قلت وحدیث العباس بن مرداس ہو ما اخرجہ ابن ماجہ فی دعائہ
صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ عشیۃ عرفۃ فاستجیب لہ الا فی التبعات فیما بینہم فلما اصبح بالمزدلفۃ اعاد الدعاء فاجیب الی
ما سأل وسیاق ذکرہ وقال فی غنیۃ الناسک نقلا عن رد المحتار والمنحۃ ان قولہ الحج یہدم ما کان قبلہ من الصغائر و
کذا الکبائر دون الحقوق کالدین والمغصوب وقضاء الصلوۃ ونحوہا ثم ما یتعلق بہا من الکبائر کالمطل وتاخیر الغصب
وتاخیر الصلوۃ فتسقط واما نفس الحقوق فلا قائل بسقوطہا عند القدرۃ علیہا بعد الحج فاذا مطل (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

صغائر ہیں چنانچہ ارشاد ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم یہاں سئیات کو کبائر کے مقابلہ میں لانا اُس کی دلیل ہے کہ مراد صغائر ہیں پس معلوم ہوا کہ اعمال حسنہ سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں کبائر معاف نہیں ہوتے جب تک کوئی دلیل نہ ہو اور ہجرت سے بھی صغائر ہی معاف ہوتے ہیں کبائر معاف نہیں ہوتے البتہ اسلام سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں صغائر بھی کبائر بھی مگر حقوق معاف نہیں ہوتے کیونکہ ذنوب اور ہیں حقوق اور ہیں اسلام و اعمال صالحہ سے ذنوب معاف ہو جاتے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) او اخر القضاء ای قضاء الصلوات لبعدہ اثم ایضاً واما من مات قبل القدرۃ علی ادائہا فیجاز ان یقال بسقوط نفس الحقوق ایضاً اذا کان من نیتہ ادارہا اما حق اللہ تعالیٰ فظاہر واما حق العبد ولیس فی ترکتہ ما یفی بہ فاللہ یرضی خصمہ عنہ وہذا محل حدیث ابن ماجہ بالنسبۃ الی الحقوق وہو وان ضعف فلہ شواہد تصححہ لکن المسئلۃ ظنیۃ فلا یجوز القطع بتکفیر الحج لحقوقہ فضلا من حقوق العباد کما فی التوبۃ واما اثم المطل وتاخیر الصلوٰۃ فیما قبل الحج وکذا سائر الکبائر ونحو الغاتہ للہ تعالیٰ فیکفرہا الحج کالتوبۃ الی ان قال فقد ظہر مما قررنا ان الحج کالتوبۃ فی تکفیر الکبائر سواء تعلقت بحقوق اللہ تعالیٰ او بحقوق العبد فیکفر الحج الذنب ویبقی حق اللہ تعالیٰ وحق العبد فی ذمتہ ان کان دینا یترتب علیہ حق احدہما والا فلا یبقی علیہ شیء اھ ملتقطا ۱۲ فدل علی ان الحج کالتوبۃ فی تکفیر الذنوب کلہا دون الحقوق واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ جامع قلت ان اشرف علی لا دلیل فی حدیث العباس بن مرداس علی تکفیر الحج للتبعات لانہ لیس فیہ ان دعاءہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لتکفیر الحج للذنوب لان معنی الحدیث ان اللہ تعالیٰ کان لم یخبرہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نجاۃ اہل التبعات فدعا فاجاب اللہ تعالیٰ فی نجاتہم بعد العقوبۃ او قبلہا ۱۲ اشرف۔

سے قلت لا دلیل فیہ علی نفی تکفیر الکبائر فان اذہاب السیئات لا یستلزم عدم اذہاب الکبائر الا اذا قام الدلیل علی الحصر ولا دلیل علیہ فغایتہ ما فیہ ان الآیۃ ساکتۃ عن اذہاب الکبائر فاذا ثبت بالحدیث اذہاب بعض الحسنات الکبائر ایضاً کالقتل فی سبیل اللہ والحج ونحوہما فلا مانع من القول بہ واللہ اعلم ۱۲ ظ قلت قد علمت عدم الدلیل علی التکفیر بتکفیر الصغائر ولا یثبت حکم بدون الدلیل فیبقی الاقتصار علی الصغائر ۱۲ اشرف۔

عہ قلت ولکن جمعہ صلی اللہ علیہ وسلم الثلاثۃ ہادمۃ لما قبلہا یدل علی کونہا جمیعا ہادمۃ للصغائر والکبائر من الذنوب معاً واما الحقوق فلا ولکن لما کان الکافر غیر مخاطب بالشرائع لم یتعلق بذمتہ من حقوق اللہ تعالیٰ من الصلوٰۃ والصوم شیء فلا یبقی علیہ بعد الاسلام الا حقوق العباد من الدین ونحوہ ۱۲ ظ قلت جمعہ صلی اللہ علیہ وسلم الثلاثۃ ہادمۃ لا یدل علی کون شان الہدم متماثلا فی جمیعہا لان الاقتران فی الذکر لا یدل علی الاقتران فی الحکم ۱۲ اشرف

۳۲

ہیں (علی التفصیل التی مرذکرہا (۱۲) حقوق معاف نہیں ہوتے آج مجھے شامی کی ایک تقریر دیکھکر اپنی تیس سالہ تحقیق کی تائید ملی وہ یہ کہ میں کہاکرتا تھا کہ اعمال صالحہ سے یا توبہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں حقوق معاف نہیں ہوتے مثلاً کسی نے آج گناہوں سے توبہ کی تو اسکے گناہ تو معاف ہوگئے مگر اُس نے جتنی نمازیں قضا کی ہیں، روزے کھائے ہیں یا کسی کا قرض لیکر مار لیا ہے یہ حقوق اللہ و حقوق العباد اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوئے ان کا ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے بس آج سے اُنکی ادا میں لگ جائے جس قدر اس سے ہوسکے ادا کرے اور سب کے ادا کا عزم رکھے اگر کچھ باقی رہ گئے اور مرگیا تو اللہ تعالےٰ سے امید ہے کہ اُسکو بری الذمہ کردیں گے مگر توبہ کے بعد حقوق ماضیہ سے بیفکر ہونا جائز نہیں تو علامہ شامی کے کلام میں اس کی تصریح ملگئی کہ ذنوب اور چیز ہیں حقوق اور ہیں اور توبہ سے ذنوب معاف ہوتے ہیں نہ حقوق اھ اور حج سے یا ہجرت سے صرف صغائر معاف ہوتی ہیں نہ کبائر اور صغائر کا معاف ہوجانا کیا تھوڑی بات ہے آپ کو معلوم نہیں کہ صغائر کیسے ہوتے ہیں۔ صغائر کی ایسی مثال ہے جیسے آگ کے شرارے پھیلے ہوئے ہوں اور کبائر کی ایسی مثال ہے جیسے بڑا شعلہ ہو تو اندیشہ ناک دونوں ہیں کیونکہ بعض دفعہ ذرا سی چنگاری سے شہر کا شہر جل جاتا ہے کوئی شخص بھی اپنے چھپر میں چھوٹی چنگاری لگانے پر راضی نہ ہوگا اور یہ نہ کہے گا کہ یہ تو ذرا سی چنگاری ہے اس لئے صغائر کی معافی کو تھوڑا نہ سمجھو یہ بھی بڑی دولت ہے اب میں ایک سوال کا جواب دیکر بیان کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیوقت عرفہ کی شام کو امت کیلئے دعا فرمائی کہ اے اللہ میری امت کی مغفرت فرما دیجئے پھر فرمایا کہ دعا قبول ہوگئی مگر مظالم (یعنی حقوق العباد) کے بارہ میں قبول نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ظالم سے مظلوم کا حق ضرور دلوں گا میں نے عرض کیا اے پروردگار آپ مظلوم کو اُس کے حق کے عوض جنت کی نعمتیں دیکر بھی خوش کرسکتے اور ظالم کی مغفرت فرما سکتے ہیں مگر یہ قبول نہ ہوا پھر یوم مزدلفہ کی صبح کو آپ نے تبسم فرمایا صحابہ نے تبسم کا سبب دریافت کیا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آج مظالم کے بارہ میں بھی میری دعا قبول فرمائی اور

۳۳

میری امت کو بخشدیا تو شیطان سر پر خاک ڈالتا ہوا ہائے واویلا کرتا ہوا بھاگا اُس کی حالت دیکھکر مجھے ہنسی آگئی یہاں سے شیطان کا کشف بھی معلوم ہوا کہ اُس کا کشف ایسا قوی ہے کہ اُسکو فوراً اُس وحی کا علم ہوگیا خیر یہ تو مسئلہ استطرادی تھا اصل مقصود سوال کا جواب دینا ہے وہ سوال یہ ہے کہ اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حج سے صغائر کبائر اور حقوق وغیرہ سب معاف ہو جاتے ہیں اور یہ تمہاری تقریر سابق کے خلاف ہے اور اُس کا جواب بعض علماء نے تو یہ دیا ہے کہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے جسکی سند میں دو راوی ضعیف ہیں اسلئے یہ حدیث حجیت کے قابل نہیں مگر الحمد للہ کم ترک الاول للآخر مجھے ایسا جواب معلوم ہوا ہے جس کے بعد اس حدیث کے رد کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ اس حدیث سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ حج سے حقوق العباد

مہ قلت وفی الترغیب للمنذری رواہ البیہقی من حدیث ابن کنانۃ بن عباس بن مرداس السلمی عن ابیہ عن جدہ عباس ثم قال ہذا الحدیث لہ شواہد کثیرۃ وقد ذکرناہا فی کتاب البعث فان صح بشواہدہ ففیہ الحجۃ وان لم یصح فقد قال اللہ تعالیٰ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء وظلم بعضہم بعضا دون الشرک انتہی وروی عبد اللہ بن المبارک عن الزبیر بن عدی عن انس بن مالک وہذا سند صحیح قال وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعرفات وقد کادت الشمس ان تؤوب فقال یا بلال انصت لی الناس فقام بلال فقال انصتوا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانصت الناس فقال معاشر الناس اتانی جبرئیل آنفا فاقرأنی من ربی السلام وقال ان اللہ عزوجل غفر لاہل عرفات واہل المشعر وضمن عنہم التبعات فقام عمر بن الخطاب فقال یا رسول اللہ ہذا لنا خاصۃ قال ہذا لکم ولمن اتی بعدکم الی یوم القیمۃ وقد اخرج المنذری فی الترغیب عن عبادۃ بن الصامت وانس بن مالک بروایۃ الطبرانی وابی یعلی ما یدل علی ان دعاءہ صلی اللہ علیہ وسلم عشیۃ عرفۃ وغداۃ مزدلفۃ کان لاہل عرفات واہل المشعر فاستجیب لہ فی الاول فیما سوی التبعات ثم استجیب لہ فی التبعات ایضاً کما دل علیہ اثر انس بن مالک بروایۃ ابن المبارک واخرج عن طلحۃ بن عبید اللہ مرسلاً بروایۃ مالک والبیہقی نحوہ فہذا ما اطلعت علیہ من شواہد حدیث عباس بن مرداس السلمی وفی حاشیۃ ابن ماجۃ اوردہ ای حدیث عباس ہذا ابن الجوزی فی الموضوعات واعلہ بکنانۃ ورد علیہ الحافظ ابن حجر فی جزء سماہ قوت الحجاج فی عموم المغفرۃ للحاج قال فیہ حکم ابن الجوزی علی ہذا الحدیث بانہ موضوع مردود فان الذی ذکرہ لا ینہض دلیلا علی کونہ موضوعا وقد اختلف قول ابن حبان فی کنانۃ فذکرہ فی الثقات ذکرہ فی الضعفاء وذکر ابن مندہ قیل ان لہ رؤیۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وولدہ عبد اللہ فیہ کلام ابن حبان ایضاً وغایتہ ان یکون ضعیفا ویعتضد بکثرۃ طرقہ وہو بمجردہ یدخل فی حد الحسن علی رأی الترمذی ولا سیما بالنظر فی مجموع طرقہ وقد اخرج ابو داود (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

۴۴

وغیرہ معاف ہو جاتے ہیں اس حدیث میں توضیح کا بیان ہی نہیں بلکہ صرف اتنی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کیلئے دعا فرمائی تھی خواہ حاجی ہوں یا نہ ہوں اب حدیث کا مطلب سنئے بات یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب باتیں اور تمام علوم ایک دفعہ ہی معلوم نہیں ہوئے بلکہ آہستہ آہستہ معلوم ہوئے ہیں اور جب تک آپکو کسی امر کی پوری حقیقت معلوم نہ ہوتی آپکو بے چینی اور حیرت رہتی اسی کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ووجدك ضالا فهدى اے وجدك حائرا طالبا للزيادة في العلم فعلمك مالم تكن تعلم، کہ خدا نے آپکو طلب حقائق میں حیران و بے چین پایا تو آپکو پوری طرح حقائق پر مطلع فرمایا اور یہ حیرت اب بھی اہل الہام کو حاصل ہے چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

ے در تردد ہر کہ او آشفتہ است ۔۔۔ حق بگوشش او معما گفتہ است

کہ جو عارف کسی تردد میں پریشان ہے سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے اُسکے کان میں کوئی معما کہدیا ہے جس کے حل کیلئے وہ بے چین ہے ایک جگہ فرماتے ہیں ے

گہ چنیں بنماید و گہ ضد ایں ۔۔۔ جز کہ حیرانی نہ باشد کار دیں

آگے حیرت محمودہ و حیرت مذمومہ کا فرق بتلاتے ہیں کہ تم ان کی حیرت کو غیر عارف کی حیرت پر قیاس نہ کرنا ے

نے چنیں حیراں کہ پشتش سوئے اوست ۔۔۔ بل چنیں حیران کہ رویش روئے دوست

کہ غیر عارف تو اس لئے پریشان و حیران ہے کہ اُسکی پشت محبوب کی طرف ہے اور عارف کی حیرت اسلئے ہے کہ اس کا منہ محبوب کی طرف ہے جسکو مبالغۃً روئے دوست فرمادیا پس یہ تو مشاہدہ جمال کے بعد اُسکو حسن کیوجہ سے حیران ہے اور وہ فقدان مشاہدہ کیوجہ سے حیران ہے دونوں کی حیرت میں زمین و آسمان کا فرق ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب

(بقیہ صفحہ گذشتہ) في سننه طرفا منه وسكت عليه فهو صالح عنده واخرجه الحافظ الضياء في الاحاديث المختارة مما ليس في الصحيحين

ے قلت وقد ذكرت في الحاشية ان ذكر الحج وكون المغفرة مخصوصة باهل عرفات واهل المشعر وارد في شواهد هذا الحديث ۱۲ قلت بعض الشواهد منه وفيه فلا حجة فيه ثم لا دليل فيها على العموم فيمكن ان يكون المراد بالتبعات غير المظالم كالاغتياب ونحوه ۱۲ اشرف

سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ کافر اسلام لے آئے تو اسلام سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ اسلام کے بعد اس سے گناہ ہوں تو وہ بھی توبہ کرنے سے سب معاف ہو جائیں گے یا بدون توبہ کے ہی معاف ہو سکتے ہیں اور اسی وقت کی یہ آیت ہے ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا الآیہ اس لئے بعض صحابہ اس کے قائل ہو گئے کہ قاتل عمد کے واسطے توبہ نہیں یعنی اس کو اس جرم کی سزا ضرور بھگتنا ہوگی اور یہ حیرت اب ہی معتزلہ وخوارج کو باقی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے بعد گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتا بلکہ گناہ کبیرہ سے وہ ایمان کو زائل شدہ سمجھتے ہیں خواہ دخول فی الکفر ہو یا نہ ہو غرض ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہ تھا کہ ذرہ برابر ایمان ہی سب گناہوں کی مغفرت کیلئے کافی ہو سکتا ہے اس لئے آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ میری امت کی مغفرت فرما دیجئے مطلب یہ تھا کہ اگر وہ توبہ کریں تو بدون سزا کے ان کو بخشدیا جائے اور توبہ نہ کریں تو گناہ کی سزا کے بعد بخشدیا جائے یعنی کسی وقت انکو جنت میں ضرور پہنچا دیا جائے چنانچہ عرفہ کی شام کو یہ دعا قبول ہوئی مگر مظالم وحقوق العباد کے متعلق قبول نہ ہوئی جس کا مطلب یہ تھا کہ توبہ کے بعد بھی حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے مزدلفہ کی صبح کو ان کے متعلق بھی دعا قبول ہو گئی کہ جو شخص توبہ کر کے مر جائے اور اس کو توبہ کے بعد ادائے حقوق کا موقعہ نہ ملے تو توبہ سے اس کے لئے حقوق العباد بھی معاف ہو جائیں گے یعنی اللہ تعالی مظلوم کو خوش کر کے ظالم کی مغفرت فرما دیں گے اور جس کو توبہ کے بعد ادا حقوق کا موقعہ ملے اس سے گناہ تو معاف ہو گئے مگر حقوق ساقط نہیں ہوئے اگر اس نے ادا حقوق میں کوتاہی کی تو یہ توبہ کے بعد دوسرا گناہ ہوا اگر مرنے سے پہلے اس سے بھی توبہ کر لی تو یہ گناہ بھی معاف ہو جائیگا اور حق تعالی مظلوم کو خوش کر دیں گے اور اگر توبہ نہ کی تو اس گناہ کی سزا بھگت کر مغفرت ہو جائیگی یہ تو توبہ کے بعد حکم ہے اور توبہ نہ کرنے کی حالت میں یہ حکم ہے کہ حق تعالی کو اختیار ہے خواہ اسکو سزا دیکر بخشیں یا بدون سزا ہی کے بخشدیں اور مظلوم کو جنت کی نعمتوں سے خوش کر دیں بہر حال مغفرت سب کی ہو جائے گی اور کسی وقت سب

۴۳۶

مسلمان جنت میں پہونچ جائیں گے یہ حاصل ہے اس حدیث کا جسکو حج سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اس میں امت محمدیہ کی مغفرت کا قاعدہ مذکور ہے۔

غرض حج کی فضیلت تو معلوم ہو گئی کہ اس سے گناہ سابق معاف ہو جاتے ہیں خواہ سب یا بعض مگر حج کے بعد کے گناہ تو معاف نہیں ہوتے اسلئے حاجی کو آئندہ کی احتیاط بہت ضروری ہے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ احتیاط اس لئے ضروری ہے کہ حاجی کی حالت ایک خاص وجہ سے زیادہ خطرناک ہے وہ وجہ یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حجر اسود کسوٹی ہے اس کے چھونے سے انسان کی اصلی حالت ظاہر ہو جاتی ہے اگر واقعی فطرۃً صالح ہے تو حج کے بعد اعمال صالحہ کا اسپر غلبہ ہوگا اور اگر فطرۃً طالح ہے محض تصنع سے نیک بنا ہوا ہے تو حج کے بعد اسپر اعمال سیئہ کا غلبہ ہوگا یہ وجہ ہے خطرہ کی اور اس خطرہ کا علاج یہ ہے کہ حاجی زمانہ حج میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اصلاح حال کی خوب دعا کرے اور دل سے اعمال صالحہ کے شوق کی دعا کرے اور حج کے بعد اعمال صالحہ کا خوب اہتمام کرے اور خیر آئندہ کا کام تو حج سے آکر ہوگا اسوقت تو اُس کام کا اہتمام کرنا چاہئے جو اسوقت کے متعلق ہے اور آئندہ کی اصلاح کی وہ بنا بھی ہے پس جس پر حج فرض ہو وہ فوراً جلدی حج کو جاوے ٹال مٹول نہ کرے اسوقت الحمد للہ قصبہ سے ایک غریب شخص حج کو جارہا ہے یعنی حافظ عبداللہ صاحب نعلبند کا بیٹا اللہ تعالیٰ نالداروں کو بھی توفیق عطا فرمائیں یہ بیچارہ میرے پاس آیا تو میں نے اُسکو ایک خط دیدیا جو میرے ایک دوست کے نام تھا تاکہ وہ اُسکو سفر حج کا تمام حال بتلادیں اور رفیق سفر بھی میں نے اُسکو بتلا دیا ہے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سفر حج کے متعلق ہر شخص سے باتیں نہ پوچھا کرو کیونکہ آجکل اخباروں میں واہی تباہی روائتیں راستہ کے خطرناک ہونے یا نہ ہونے کے متعلق شائع ہوتی رہتی ہیں ان خبروں پر اعتماد نہ کرنا چاہئے بلکہ کسی ایک شخص پر اعتماد کر کے جو قابل اعتماد ہو اُسکے مشورہ پر عمل کرنا چاہئے اور جن لوگوں پر حج فرض نہیں وہ توکل کے دعوے پر ارادہ نہ کریں بلکہ اُن کو ہندوستان ہی میں رہ کر خدا کو راضی کریں اور اپنے کو کسی محقق کے سپرد کریں جسوقت وہ حج کی اجازت دے اُسوقت حج کا ارادہ کریں ایسے ہی

۳۷

لوگوں کے متعلق حضرت مسعود بکؒ کا قول ہے ؎

اے قوم بحج رفتہ کجا ئید کجا ئید　　معشوق درینجاست بیا ئید بیا ئید

اس مضمون کے مخاطب تو ناقص ہیں اور کاملین کے بارہ میں مولانا فرماتے ہیں ؎

حج زیارت کردن خانہ بود　　حج رب البیت مردانہ بود

پس جس پر حج فرض ہو اُسکو اُسکی کوشش کرنا چاہئے کہ حج مردانہ نصیب ہو جس کا طریق یہ ہے
کہ کسی محقق سے تعلق پیدا کر کے حج کو جائیں انشاء اللہ اگر درجہ اعلیٰ میں کامل حج نہ ہو گا
تو ایک درجہ میں کامل ضرور ہو جائے گا تیسرے وہ لوگ ہیں جن پر حج فرض نہیں
مگر خدا تعالےٰ نے اُن کو وسعت قلب و قوت توکل عطا فرمائی ہے اُنکو بدون
زاد وراہ کے بھی حج کی اجازت ہے چنانچہ ایک صاحب حال عازم نے شاہ
فضل الرحمٰن صاحب سے سفر حج کی اجازت مانگی تو شاہ صاحب نے فرمایا تمکو
شرائط حج بھی معلوم ہیں کہا ہاں حضور معلوم ہیں فرمایا بتلاؤ کیا معلوم ہے کہا ؎

شرط اول قدم آن ست کہ مجنون باشی　　رہ رو منزل لیلےٰ کہ خطر ہاست بجان

اس جواب سے شاہ صاحب پر وجد کی سی حالت طاری ہوئی اور ایک چیخ ماری پھر
چونکہ صاحب مقام تھے اسلئے سنبھلے اور فرمایا کہ یہ سب فضول ہے زاد وراہ ساتھ ہونا
چاہئے جس کا شریعت میں حکم ہے مگر وہ مولوی صاحب بدون زاد وراہ ہی کے چل پڑے
اور چونکہ توکل صحیح تھا اسلئے کسی جگہ پریشان نہیں ہوئے پھر ان کی ایک کرامت یہ ظاہر
ہوئی جس کی وجہ سے ایک حاجی نے چشم دید روایت کی کہ جب بیت اللہ میں داخل
ہونے لگے تو شیبی (خادم کعبہ) سب سے فیس لیکر اندر جانیکی اجازت دیتا تھا مولوی صاحب
سے بھی فیس لی اور انہوں نے دیدی مگر ان سے رقم لیتے ہی اُسپر پریشانی کا اثر ظاہر ہوا اور حجاج
کے نکلنے کیوقت وہ ایک ایک کا منہ تکتا تھا جب یہ باہر آنے لگے تو اُس نے اُنکی رقم واپس
کر دی تو ایسے لوگ بدون زاد وراہ کے جائیں تو مضائقہ نہیں باقی ہر اک کا یہ منہ نہیں حضرت مولانا
گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حج کو جانے لگے تو کوئی حج میں ساتھ چلنے کو کہتا تو آپ پہلے یہ پوچھتے کہ
زاد وراہ بھی ہے بعض لوگ کہتے تھے کہ حضرت توکل پر چل رہے ہیں مولانا فرماتے جی ہاں جس وقت

۳۸

ہم ریل یا جہاز کا ٹکٹ لینے جائیں گے تم توکل کا پوٹلہ بابو کے آگے رکھدینا کہ اس میں
سے ٹکٹ کے دام نکال لو۔ جاؤ یہ فضول خیالات ہیں۔
بات یہ ہے کہ لوگوں نے بعض بزرگوں کے واقعات اور قصے سُن لئے ہیں اُن کی ریس
کرنے کو ان کا جی چاہتا ہے مگر اُنہوں نے یہ نہیں سُنا ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد ؛ چوں نداری گرد بدخوئی مگرد
زشت باشد چشم نابینا و باز ؛ عیب باشد روئے نا زیبا و ناز

چنانچہ غالباً روض الصالحین میں ایک حکایت لکھی ہے اُس کو بیان کرکے ختم کردونگا
کہ مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے حج کے راستہ میں ایک نوجوان لڑکے
کو دیکھا جو بدون زاد راہ کے جا رہا تھا میں نے کہا کہ تم بدون زاد راہ کے اتنا لمبا
سفر کرتے ہو؟ کہا ؎

وفدت علی الکریم بغیر زاد ؛ من الحسنات والقلب السلیم
فان الزاد اقبح کل شئی ؛ اذا کان الوفود علی الکریم

۳۹

کہ ہاں میں یونہی خالی ہاتھ جا رہا ہوں کیونکہ کریم کے گھر پر توشہ باندھکر لیجانا نازیبا ہے
اس جواب سے میں سمجھا کہ نوجوان عارف ہے معمولی آدمی نہیں اُس کے بعد احرام کا وقت
آیا تو سب نے احرام باندھکر لبیک کہا مگر اس لڑکے کا چہرہ مارے خوف کے زرد ہوگیا
اور اس کے منہ سے لبیک نہ نکلا میں نے کہا صاحبزادے تلبیہ کیوں نہیں کہتے؟ کہا ڈرتا
ہوں کہ میں تو لبیک کہوں اور وہاں سے جواب آئے لا لبیک ولا سعدیک و حجک مردود علیک
غرض تمام اعمال حج میں اسکی ایک نئی شان ظاہر ہوتی تھی کہ منیٰ میں جب حجاج
پہونچے اور سب لوگ قربانی کرنے لگے تو نوجوان نے حسرت کے ساتھ آسمان کی
طرف نگاہ اٹھائی اور عرض کیا خداوندا آپ کے سب بندے آپکی جناب میں نذریں پیش
کر رہے ہیں مگر میرے پاس کچھ نہیں جو پیش کروں ہاں یہ جان حقیر ہے اگر قبول ہو تو
جان حاضر ہے یہ کہنا تھا کہ دفعۃً ایک چیخ ماری اور جان بحق ہوگیا کما قیل ؎

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر ؛ کہ مبادا بار دیگر نرسی بدیں تمنا

مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ اس نوجوان نے ہم سب کو میدان عشق میں پیچھے چھوڑ دیا اور عشاق کے دلپر خاص نشان لگا دیا اس کے بعد ہم نے اس کو غسل و کفن دیکر نماز پڑھکر دفن کر دیا جب مجھے غنودگی طاری ہوئی تو میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ اے مالک! اسی سال اس نوجوان کی برکت سے سب صاحبوں کا حج قبول کیا گیا اور اس کی قربانی کی برکت سے سب کی قربانیاں قبول ہو گئیں تو صاحبو! جو ایسا عاشق ہو اسکو بغیر زاد و راہ کے سفر حج کی اجازت ہو سکتی ہے ہر شخص کو دعویٰ توکل اور دعویٰ محبت کا حق نہیں کیونکہ آجکل تو بعض لوگوں کا توکل چند روز کے بعد تاکل بن جاتا ہے کہ توکل کو بھیک کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے دربار میں حاضری کی توفیق عطا فرمائیں اور جو لوگ حج کو جاتے ہیں انکو خیر و خوبی کیساتھ حج نصیب ہو اور مع الخیر اپنے گھر پہونچ جائیں آمین۔ والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

عقد انامل گنتی کا مسنون طریقہ

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا والا نامہ ۱/۰

اشرف علی ۱۰ جمادی الاول ۱۳۴۹ھ

تمام علمائے اسلام اور تمام مسلمانوں کی پسندیدہ

نہایت معتبر حج کی کتابیں

معلم الحجاج عکسی — حج وعمرہ و زیارت عکسی — آسان حج وعمرہ عکسی — حج و زیارت حبیبی

مصیبت کے بعد راحت — تمام مصیبتوں سے بچنے کی دعائیں — شرعی پردہ ثبات الستور

فضائل والاحکام للشہور والایام

قَالَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بَلغوا عنی وَلو اٰیۃ
رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

وعظ مسمی بہ

المراقبہ

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبدالمنان غفرلہٗ

مکتبہ تھانوی ۔ دفتر الابقاء
متصل مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوعظ المسمی

المراقبہ

اَیْنَ	کہاں ہوا	تھانہ بھون مکان حضرت مولانا دام مجدہم
متٰی	کب ہوا	دوشنبہ ۱۷ ذیقعدہ سنہ ۳۴ھ
کَمْ	کتنی دیر ہوا	۲ ½ گھنٹہ
کیف	کس ہیئت سے ہوا	جالسا علی السریر
لِمَ	کیوں ہوا	مستورات کی درخواست پر
ماذا	کیا مضمون تھا	اصلاح حال میں دو چیزوں کی بہت ضرورت ہے ایک ذکر دوسرے فکر
من ای شان	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	ذاکرین و سالکین کو خصوصاً
من ضبط	کس نے ضبط کیا	مسیح الامت حضرت مولانا ظہور احمد عفا اللہ عنہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
المستمعون	سامعین کی تخمینی تعداد	۶۰ تقریباً
الاشتات	متفرقات	یہ بیان عام نفع میں بےنظیر ہے قابل دید ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۰ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ

ـه بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں اہل عقل کے لئے دلائل ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی نہیں

ـه کیا ہم آپ کو بندہ سمجھتے ہیں بس ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے پر رفتہ

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ یہ آیت ہر چند کہ ایک خاص مضمون کے متعلق وارد ہے یعنی توحید کے مگر اسکے ضمن میں حق تعالیٰ نے چند باتوں پر تنبیہ فرمائی ہے اور اُنکی ترغیب دی ہے مجھے اُن کے متعلق اسوقت کچھ بیان کرنا ہے اور وہ دو عمل ہیں جو توحید کے ضمن میں یہاں مذکور ہوئے ہیں مجھے اُن میں سے ایک کو مقصوداً بیان کرنا ہے اور دوسرے کو تبعاً اور وجہ اُن کے بیان کرنیکی یہ ہے کہ ہماری دینی خرابی اور دنیوی خرابی جو کچھ ہو رہی ہے اس کے بہت سے اسباب ہیں منجملہ اُن کے ایک سبب اس آیت میں مذکور ہے اول تو میرے ذہن میں ان سے ایک ہی وجہ آئی تھی مگر آیت میں غور کرنے سے دوسری وجہ اور معلوم ہوئی تقریر اُسکی یہ ہے کہ یہاں دو عملوں کی ترغیب ہے ایک ذکر کی ایک فکر کی اور ان ہی دونوں میں کوتاہی کرنا ہماری دنیوی اور دینی خرابی کا سبب ہے ہر چند کہ اس آیت میں خاص فکر کا ذکر ہے جو کہ آسمان و زمین کی پیدائش اور بناوٹ میں کیا جائے کیونکہ یہ موقع اثبات توحید کا ہے اور مقصود مقام یہی ہے اور اثبات توحید میں تفکر فی السماء والارض کو خاص دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان مخلوقات میں غور کرو کہ یہ سب حادث ہیں اور حادث کے وجود کیلئے مرجح کی ضرورت ہے اگر مرجح بھی حادث ہوا تو اسکے لئے پھر مرجح کی ضرورت ہوگی اور سلسلہ غیر متناہی چلیگا اور تسلسل محال ہے پس ضرور ہے کہ انتہا واجب پر ہوگی اور اسی کو ہم اللہ کہتے ہیں۔ غرض فکر اس جگہ مقید ہے مگر مجموعہ آیات سے جو اس باب میں وارد ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ہر چیز میں فکر ہونا چاہئے رسالت میں بھی توحید میں بھی اسی طرح اور کوئی عمل بھی فکر سے خالی نہ ہونا چاہئے اب دیکھنا چاہئے کہ اس باب میں ہمارا کیا حال ہے سو ہماری حالت یہ ہے کہ ہم کو کسی کام میں فکر نہیں ہوتی اپنی ہر حالت کو یاد کر کے دیکھ لو کوئی وقت بھی ایسا ہوتا ہے جس میں ہم فکر کرتے ہوں یا کسی کام میں سوچ سے کام لیتے ہیں یقیناً آپ اپنے سب اوقات کو فکر سے خالی پائیں گے حالانکہ قرآن و حدیث میں تو توحید و رسالت تک میں بھی فکر کی تاکید ہے گو توحید و رسالت کے حاصل ہونے ہوئے ان میں فکر نہ کرنیکی شکایت نہ ہو کیونکہ اس فکر کا نتیجہ بحمد اللہ ہم سب کو

حاصل ہے کیونکہ بحمد اللہ سب مؤمن مسلمان ہیں یہ اور بات ہے کہ خلل اعمال کی وجہ سے ایمان کی نورانیت بعض میں کم ہو باقی نفس ایمان میں کمال و نقص نہیں ہے بحمد اللہ نفس ایمان سبکو حاصل ہے حتی کہ نفس ایمان فاسق کو بھی حاصل ہے بعض عارفین کا قول ہے کہ ضعیف ایمان کا نور بھی اگر ظاہر ہو جائے تو آسمان و زمین سبکو چھپا لے بہر حال یہ فکر اگر نہو تو کچھ شکایت نہیں کیونکہ اس فکر کا حاصل یہ ہوگا کہ شئے موجود کو قوی کیا جائیگا اور موجود کو قوی کرنا مفقود کے حاصل کرنے سے مؤخر ہے مقدم یہ ہے کہ مفقود کو حاصل کیا جائے میں اسی فکر کو بتلانا چاہتا ہوں جسکی ہر عمل میں ضرورت ہے اور وہ فکر یہ ہے کہ جزا و سزا میں فکر کیا جائے چنانچہ سورۂ رحمٰن میں اول سے آخر تک اسی کا بیان ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی نعمتیں اور عقوبتیں بیان فرما کر بار بار سوال کیا ہے فَبِاَیِّ اٰلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ جس کا حاصل یہی ہے کہ ان نعمتوں کو اور عقوبتوں کو سوچنا اور یاد کرنا چاہیئے مگر اس مقام پر کسی طالبعلم کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ نعمتوں کے ساتھ تو فَبِاَیِّ اٰلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ موقع پر ہے مگر عذاب کے ساتھ اس کے ذکر کا کیا موقع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب کے ذکر سے انسان کو تنبیہ ہوتی ہے اور وہ عذاب کو سوچکر نافرمانی سے بچتا ہے اس حیثیت سے اُسکا ذکر بھی نعمت ہے اگر ہمکو فکر کی عادت ہوتی تو یہ راز معلوم ہو جاتا اسکی ایسی مثال ہے جیسے حاکم منادی کراتا ہے کہ جو شخص سرکاری درخت کاٹے گا اسپر اسقدر جرمانہ ہوگا اور سزا دیجائیگی عاقل اس منادی کو بھی نعمت سمجھے گا کہ اس منادی کیوجہ سے ہم جیلخانہ سے بچ گئے اگر ہمکو خبر نہوتی تو قید بھگتنا پڑتی یا طبیب کسی مضر شے کی مضرت سے ہمکو اطلاع دے عاقل اسکی بھی قدر کرے گا اسی طرح یہاں سمجھو کہ عذاب گو فی نفسہ نعمت نہو مگر اس سے مطلع کر دینا ضرور نعمت ہے پس اب فَبِاَیِّ اٰلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کسی جگہ بیموقعہ نہیں ہے بہر حال سارا قرآن فکر کی تاکید سے بھرا ہوا ہے کہیں قیامت کے بارہ میں ارشاد ہے اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ ان کو قیامت کے امکان کو سمجھنے کیلئے ملکوت سمٰوات وارض میں نظر کرنا چاہیئے نظر و فکر ایک ہی ہے ایک جگہ ارشاد ہے لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ کہ اللہ تعالیٰ یہ احکام صاف صاف اسلئے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دنیا و آخرت میں فکر کرو یہاں تفکر فی الدنیا کی بھی تاکید ہے اس پر یہ اشکال

ظاہر میں ہوتا ہے کہ دنیا میں تفکر کی کیا ضرورت ہے بلکہ اس سے تو فکر کو ہٹانا چاہیئے اشکال سننے کے بعد اب دو تفسیریں سنو جن میں ایک دوسرے سے لطیف ہے ایک تفسیر تو یہ ہے کہ دنیا کے اندر جو فکر مذموم ہے وہ وہ ہے جو تحصیل دنیا کیلئے ہو اسکو مقصود بالذات سمجھکر اور اگر مقصود بالذات نہ سمجھے تو وہ فکر بھی جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ اور طلب کیلئے فکر لازم ہے مگر یہ فکر مقصوداً مطلوب نہیں بلکہ تبعاً ہے کیونکہ دنیا بقدر ضرورت کو دین کی تکمیل و تحصیل میں دخل ہے دوسری تفسیر اس سے لطیف ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں تفکر کرو موازنہ کیلئے کہ ان میں کون قابل اختیار کرنے کے ہے اور کون قابل ترک ہے اور دنیا میں جو فکر مذموم ہے وہ وہ ہے جو تحصیل کیلئے ہو اور جو فکر ترک دنیا کیلئے ہو وہ تو مطلوب ہے پہلی تفسیر کا حاصل یہ تھا کہ دنیا میں تبعاً تفکر کرو اور آخرت میں مقصوداً۔ اور دوسری تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ دونوں میں مقصوداً تفکر کرو موازنہ کیلئے اہل اللہ نے دنیا میں فکر کر کے ہی اسکی حقیقت کو سمجھا ہے اسی لئے انکو دنیا سے سخت نفرت ہے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر آخرت کا وجود نہ ہوتا یا تحصیل دنیا آخرت سے مانع نہ ہوتی تب بھی دنیا کی حقیقت ایسی ہے کہ اسکو معلوم کر کے عاقل ہرگز اسکی طرف رغبت نہ کرتا اور آخرت کے مقابلہ میں تو اس کا طلب کرنا محض حماقت اور جہالت ہے شاید اس پر اہل دنیا کو یہ سوال ہو کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ دنیا خود قابل ترک ہے ہ۔ ی سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی ہم تو دیکھتے ہیں کہ دنیا سے بہت راحت ملتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی ایسی مثال ہے جیسے سانپ کے کاٹے کو نیم کے پتے میٹھے معلوم ہوتے ہیں مگر تندرست آدمی کو کڑوے معلوم ہوتے ہیں بس آپ کو دنیا اسلئے اچھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی ایمانی حس درست نہیں اگر ایمانی حس درست ہوتی جس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں ؎

صحت ایں حس بجوئید از طبیب　　　صحت آں حس بجوئید از حبیب

کہ ایمان کی حس اگر درست کرنا چاہو تو اسکا طریقہ مقبولان الٰہی سے پوچھو بہر حال وہ حس جو مجاہدات کے ذریعہ سے خانقاہوں میں حاصل کیجاتی ہے درست ہو تو اس کہنے کی بھی ضرورت نہ ہو کہ آخرت ایسی چیز ہے کہ اسکے مقابلہ میں دنیا قابل ترک ہے بلکہ تم خود بخود دنیا سے دلبرداشتہ

ہو جائے۔ اسکی حالت کو اُن لوگوں سے پوچھیے جنکی عمر دراز ہو گئی ہے جنہوں نے دنیا کو
اچھی طرح آزمایا ہے اور اس کے سرد و گرم کا تجربہ حاصل کیا ہے چنانچہ ایسا ہی ایک
تجربہ کار شاعر کہتا ہے ؎

وَمَنْ یَحْمَدِ الدُّنْیَا لِعَیْشٍ یَسُرُّہٗ ۔۔۔ فَسَوْفَ لَعَمْرِیْ عَنْ قَرِیْبٍ یَلُوْمُہَا
اِذَا اَدْبَرَتْ کَانَتْ عَلَی الْمَرْءِ حَسْرَۃً ۔۔۔ وَاِنْ اَقْبَلَتْ کَانَتْ کَثِیْرًا ہُمُوْمُہَا

کہ جو شخص کسی خوش کن عیش کیوجہ سے دنیا کی تعریف کرتا ہے میری جان کی قسم وہ عنقریب
اسکی خود ہی بُرائی کریگا اسکی حالت یہ ہے کہ جب یہ چلی جاتی ہے تو آدمی کو حسرت و
درنج دیکر جاتی ہے اور جب آتی ہے تو بہت سے افکار ساتھ لاتی ہے اور یہ حسرت
انہی لوگوں کو ہوتی ہے جو اس میں پھنسے ہوئے ہیں ورنہ عاقل کو خصوصاً عارف کو حسرت
نہیں ہوتی کیونکہ کٹ کھنا کتا جائے تو خوشی کی بات ہے مگر جو لوگ دنیا کے عاشق ہیں
اُن کے یہاں چوری ہو جائے تو اُنکی بری حالت ہو جاتی ہے چنانچہ بعض لوگ تو حسرت
وغم میں مر گئے ہیں میں نے اسی قصبہ کی حکایت سُنی ہے کہ سکھو والی مسجد کے ایک پردیسی
مُلا کے پاس سو اشرفیاں جمع ہو گئیں تھیں وہ انکو روز شمار کیا کرتا تھا محلہ کے شہد و نکو پتہ
چل گیا اور موقع پاکر سب نکال لیگئے پھر حافظ جی کی دعوت کی اور خوب عمدہ کھانے کھلائے
جب حافظ جی کھانیکی تعریف کرتے تو وہ بار بار یوں کہتے کہ حافظ جی سب آپکی جو تیونکا صدقہ
ہے حافظ جی کو اپنی رقم کا کھٹکا ہوا جلدی سے حجرہ میں آئے اور اشرفیونکو تلاش کیا وہاں
تو میدان صاف تھا بس یہ حالت دیکھتے ہی فوراً جان نکل گئی کوئی بزرگ اسوقت تھے
اُنکو یہ واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ ان اشرفیونکو اسکے ساتھ ہی دفن کردیا جائے کوئی اُنکو اپنے
کام میں نہ لائے کیونکہ جس مال نے مسلمان کی جان لیلی وہ فرو رنامشروع طریق سے جمع
کیا گیا تھا یہ بھی سُنا ہے کہ کسی بیباک شخص نے ان اشرفیوں کو قبر میں سے نکالنا چاہا
ہاتھ لگانا تھا کہ ایک آگ لگ گئی جب تک زندہ رہا ہر وقت انگلی کو پانی میں رکھتا تھا
غرض بعضے تو اس کی حسرت میں مر گئے ہیں اور ایسے لوگ تو کثرت سے دیکھے جاتے ہیں جو

؎ ممکن ہے اس مُلا کا کوئی وارث نہ ہو ۱۲ ظ

جو اولاد کے مرنے پر بدحواس ہو جاتے ہیں اور زبان سے ایسے کلمات کہہ اٹھتے ہیں کہ خدا کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور اگر تہذیب سے کام بھی لیا تو اسوقت خدا سے ان کا دل ویسا راضی نہیں ہوتا جیسا پہلے تھا یہ حالت تو بہت ہی عام ہے افسوس خدا تعالیٰ نے تو اپنی ہی چیز لی تھی تمہاری چیز نہیں لی حالانکہ دنیا کے محبوبوں کو تو تم خود اپنی چیزیں دیتے ہو اور وہ اگر نہ لیں تو یوں کہتے ہو ؎

چو در چشم شاہد نیاید زرت — زر و خاک یکساں نماید برت

صاحبو! کیا یہ حالت افسوس کے قابل نہیں ہے اب عارفین کی حالت کو دیکھو کہ وہ دنیا کو قید خانہ سمجھتے ہیں جو یہاں سے جاتا ہے وہ عقلاً اسپر خوش ہوتے ہیں گو طبعاً رنج ان کو بھی ہوتا ہے حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس ایک شخص روتا ہوا آیا کہ حضرت میری بیوی مر رہی ہے دعا کیجئے وہ بچ جائے حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ ایک تو جیلخانہ سے رہائی پا رہی ہے اور یہ رو رہے ہیں کہ تو جیلخانہ سے کیوں نکلتا ہے تو بھی جیلخانہ سے نکلا چاہتا ہے وہ کہنے لگا حضرت میری روٹی کون پکائیگا فرمایا جی ہاں جب آپ ماں کے پیٹ سے نکلے تھے اسوقت بھی بیوی روٹی پکاتی ہوئی ساتھ آئی تھی میاں جس نے ماں کے پیٹ میں تم کو پالا وہ اب بھی پالیگا ان باتوں پر تو حضرت ظرافت کیساتھ باتیں کرتے تھے پھر اس نے کہا کہ حضرت فلاں شخص نے مجھ اپنی ساتھ مدینہ لیجانیکا وعدہ کیا تھا اب وہ انکار کرتا ہے دعا فرمایئے کہ وہ مجھے مدینہ لیجائے ظاہر میں یہ بات غصہ کی نہ تھی مگر حضرت کو اس پر غصہ آگیا اور تیزی کے ساتھ فرمایا کہ بس بس ہمارے سامنے یہ شرک کی باتیں نہ کرو کیا وہی شخص لیجائے گا تو تم مدینہ پہونچو گے ورنہ نہیں پہونچو گے مخلوق پر اتنی نظر توبہ کرو ہر چند کہ مخلوق پر نظر پہلی باتوں میں بھی تھی مگر وہاں مخلوق پر نظر تھی اس کے خادم ہونے کی حیثیت سے اور یہاں نظر تھی بڑا اور کارساز ہونے کی حیثیت سے اسلئے حضرت نے اسکو شرک بات فرمایا مقصود یہ تھا کہ حضرت نے دنیا سے جانیکو جیلخانہ سے نکلنا فرمایا طبعی رنج ہونا قابل شکایت نہیں مگر ایسا رنج کہ پیٹ پھاڑنے لگے یقیناً برا ہے تو یہ دنیا ذہاب کے وقت یہ غم دیتی ہے اور جب پاس ہوتی ہے اسوقت بھی تکدر کا سبب ہے کیونکہ سینکڑوں افکار اس کی ساتھ

ہوتے ہیں چنانچہ دنیا کا میزان الکل مال ہے کہ اس سے ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے اُسکی حالت
یہ ہے کہ جب مال نہ تھا تو جنگل میں سو رہنا آسان تھا اور اب مال آنے کے بعد گھر میں سونا
بھی مشکل ہے چین سے نیند نہیں آتی چنانچہ ایک گرو اور چیلے کی حکایت مشہور ہے کہ دونوں
رات کو سفر کر رہے تھے چیلے نے کہا مجھے تو ڈر لگتا ہے گرو نے تسلی کی اُس نے تھوڑی
دور چلکر پھر کہا کہ ڈر لگتا ہے گرو نے کہا معلوم ہوتا ہے تیرے پاس کچھ رقم ہے کہا ہاں ایک روپیہ
ہے کہا اسکو پھینکدے چیلے نے روپیہ پھینکدیا اس کے بعد کچھ دور چلکر گرو نے پوچھا کہ اب
تو ڈر نہیں لگتا کہا بالکل نہیں تو واقعی اِس مال کی وجہ سے بہت سے خطرات و افکار میں
انسان مبتلا ہو جاتا ہے اور جو مفلس ہو اُسے کیا خوف ۵

لنگلے زیر د نگلے یالا — نے غم وزد و نے غم کالا

ایسے شخص کو تو اگر کوئی قید خانہ میں بھی بھیجے تو گھر سے روٹی دینا پڑتی ہے مفلس کو جیلخانہ
سے بھی ڈر نہیں لگتا کہ پکی پکائی ملے گی اور مالداروں کی حالت یہ ہے کہ بنئے کی قوم
سب سے زیادہ مالدار ہے مگر سب سے زیادہ ڈرنے والی بھی یہی قوم ہے مال کو بڑی
بڑی تدبیروں سے رکھتے ہیں اور راتوں کو پہرہ دیتے ہیں مدینہ کے راستوں میں ایک راستہ
مسکینوں کا بھی ہے اُسمیں مسکین لوگ بڑی راحت سے رہتے ہیں کہ بدوہر منزل پر انکی
دعوت کرتے ہیں پھر مدینہ پہونچکر تو اُنکی قدر بہت ہی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم مسکینوں کے عاشق ہیں جن غریبوں کی یہاں قدر نہیں حضور کو انکی بہت ہی قدر
ہے اور جو لوگ مالدار ہیں اور شیطانی راستہ سے سلطان بنکر جاتے ہیں اُنکی یہ حالت ہے
کہ روپے کمر سے باندھتے اور نوٹ بازو پر باندھتے ہیں اور ہر وقت لوٹ مار سے ڈرتے رہتے
ہیں یہ تو مال کی حالت ہے اب دنیا کے اور شعبوں کو دیکھو جنمیں سے ایک نکاح ہے اسکی یہ
حالت ہے کہ جو لوگ زیادہ نکاح کرتے ہیں یا ایک ہی بیوی سے زیادہ مشغول رہتے ہیں اس عیش
کا انجام یہ ہے کہ کسی کی نگاہ کمزور رہ جاتی ہے کسی کے ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہو جاتا ہے کسی پر فالج
پڑ جاتا ہے پھر سب عیش منغص ہو جاتا ہے کھانے کو لو تو یہ بھی کدورت سے خالی نہیں کیونکہ
کھانے سے بعض دفعہ پھندا لگ جاتا ہے اور یہاں سے خدا کی ہستی معلوم ہوتی ہے کیونکہ

انسان کے حلق میں دو سوراخ ہیں ایک سانس کیلئے ایک طعام و شرب کیلئے اگر کھانا یا پانی سانس کے سوراخ میں پہونچ جائے تو پھندا لگ کر انسان ہلاک ہو جاتا ہے اب بتلاؤ کہ وہ کون ہے جو کھانے پانی کو سانس کے سوراخ میں جانے سے روکتا ہے اگر ہم خود روکتے ہیں تو بالکل غلط کیونکہ ہمکو تو ان دونوں سوراخوں کی خبر بھی نہیں کہ کونسا سانس کا ہے اور کونسا کھانے پینے کا یہ اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت ہے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ کا منظر بنا دیا ہے کہ کیا مجال کہ طعام منفذ نفس میں جاسکے بکثرت اس کا وقوع نہیں ہوتا ہاں کبھی اظہار عجز انسان ہی ہوتا ہے کہ سانس کے راستہ میں کھانا یا پانی پہونچ جاتا ہے اسوقت معلوم ہوتا ہے کہ کھانا بھی وبال جان ہے اگر خدا کی حفاظت نہ ہو صاحبو! حق تعالیٰ آپ کی حفاظت فرماتے ہیں اور اس کیلئے ملائکہ بھی مقرر ہیں اسی کو شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

اور اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مسخر ہونیکا یہی حاصل ہے کہ در کارند اسپر شاید یہ شبہ ہو کہ زمین و آسمان تو ہمارے مسخر و تابع نہیں ہوسکا جواب یہ ہے کہ سخر لکم میں لام صلہ کا نہیں بلکہ نفع کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے منافع و مصالح کیلئے زمین و آسمان کو اور سب چیزوں کو اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے تو یہ خدا کی حفاظت و تسخیر کا نتیجہ ہے کہ کھانے میں آپکو لذت آتی ہے ورنہ وبال جان ہو جائے پھر کھانے کے بعد اگر سدہ پڑ جائے تو روتے پھرتے ہیں اور علاج معالجہ میں رقمیں صرف کرتے ہیں تو یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی حفاظت ہے کہ کھانیکو منہضم کر کے بآسانی فضلہ کو خارج کر دیا جاتا ہے ورنہ کھانا ہی سم قاتل ہو جائے دنیا کا ایک شعبہ دوست احباب ہیں جن سے انسان کو بہت تعلق ہو جاتا ہے مگر حقیقت میں دوست دشمن سے زیادہ مضر ہوتا ہے دشمن محض مال یا جان لیتا ہے اور دوست بسا اوقات ایمان بھی لے لیتا ہے اور ایمان سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں۔ دوستوں کیوجہ سے انسان غیبت و شکایت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس سے ایمان کو نقصان پہونچتا ہے پھر اگر

ے اسی نے دو دریاؤں کو (صورۃً) ملایا کہ ظاہر میں باہم ملے ہوئے ہیں اور حقیقت میں ان دونوں کے درمیان ایک حجاب قدرتی ہے کہ دونوں اپنی جگہ سے بڑھ نہیں سکتے

ے کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں ۱۲ منہ

دوستوں کے خلاف مذاق کام کیا اور وہ دشمن ہو گئے تو وہ دشمنوں سے زیادہ ضرر پہونچاتے ہیں۔ اولاد کی یہ حالت ہے کہ جب تک باپ کے دستِ نگر ہیں محتاج ہیں سو وقت تک باپ کو ان سے محبت ہے انکو باپ سے ہے اور جب نکاح ہو گیا ملازم ہو گئے اب دیکھو باپ ماں کو ان سے کتنا تعلق ہے اور انکو باپ ماں سے کتنا تعلق ہے بعض دفعہ باہم ایک دوسرے کی صورت سے نفرت کرنے لگتے ہیں پس والدین کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ہمکو اولاد سے محبت ہے بلکہ باپ کو اپنی ذات سے محبت ہے ورنہ اولاد کے نقصان پر تو رونا نفع پر کیوں روتا ہے مثلاً معصوم بچہ کا مر جانا خود بچہ کیلئے تو نافع ہے کیونکہ بالغ ہو کر نہ معلوم جنتی ہوتا یا دوزخی اور اب تو بلاشبہ جنتی ہے مگر والدین روتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ باپ ماں کو اپنی راحت سے محبت ہے اسی طرح بعض لوگ اپنے معتقدوں کی کثرت سے خوش ہیں مگر حقیقت میں کوئی کسی کا معتقد نہیں بلکہ ہر ایک اپنا معتقد ہے اگر تم اُن کے خلاف مذاق کام کرو تب دیکھو وہ کیسے معتقد رہتے ہیں۔ ایک واعظ کی ڈاڑھی لمبی تھی وہ وعظ کہہ رہے تھے اور ایک دیہاتی رو رہا تھا واعظ صاحب خوش تھے کہ میرے وعظ کا اثر ہوا مگر اب یہ چاہا کہ لوگوں کے سامنے بھی اُس سے اسکا اقرار کرا دیں اسلئے اُس دیہاتی سے پوچھا کہ تو کس بات پر رو رہا تھا کہا مولوی صاحب تمہاری ڈاڑھی جب ہلتی تھی تو مجھے اپنا بکرا یاد آتا تھا جو مر گیا ہے کیونکہ اُسکی ڈاڑھی بھی اسی طرح ہلتی تھی سو حقیقت میں سب اپنے بکرے کے معتقد ہیں تم خواہ مخواہ اُن کے ہاتھ اپنی بکری مت کرو یاد رکھو تمہارا دوست خدا کے سوا کوئی نہیں اللہ تعالیٰ کو آپ سے کوئی نفع نہیں پھر بھی وہ آپ کو چاہتے ہیں بلکہ تم تو اُنکو کیا نفع دیتے وہ خود اپنے گھر سے تم کو بہت کچھ دیتے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ اولاد اور دوستوں سے بالکل محبت نہ ہونی چاہئے کیونکہ اگر محبت نہ ہوگی تو حقوق ادا نہ ہوں گے اسلئے یہ محبت سنت کے خلاف نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسنین سے بہت محبت تھی حتیٰ کہ ایک بار یہ صاحبزادے لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں ایسے وقت آ گئے کہ حضور منبر پر خطبہ فرما رہے تھے اُن کے قدموں کو ڈگمگاتا ہوا دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے خطبہ کے درمیان میں اتر پڑے اور ان کو آغوش میں لے لیا اور خطبہ شروع کیا۔

گو حقیقت میں یہ رحمت و شفقت ہے جسکی صورت محبت کی سی ہے ورنہ حقیقی محبت آپ کو مخلوق سے ہرگز نہ تھی اسی لئے حدیث میں ہے لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلٰكِنْ أَحْمَدُ اللّٰهِ صَاحِبُكُمْ خَلِيلًا گو صورۃ ازواج و اولاد کے اس تعلق کو محبت کہدیا گیا ورنہ حقیقت میں آپکو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے محبت تھی اور جسکو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو اُسکو بڑی بےفکری ہے کیونکہ اسکا محبوب ایسا ہے جو نہ کبھی بیمار ہو سکتا ہے نہ ہلاک ہو سکتا ہے رہی ناراضی کی تکلیف جو حق تعالیٰ اپنے بندہ سے کبھی روٹھتے ہی نہیں بلکہ بندہ خود روٹھتا ہے کہ نافرمانی کرنے لگتا ہے سو یہ تمہارے اختیار میں ہے کہ تم خود مت روٹھو اور اگر کبھی روٹھ جاؤ تو توبہ کر لو توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو امور غیر اختیاری ہیں اُن سے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہی نہیں اور اختیاری امور میں بھی اُن خطاؤں پر ناراض ہوتے ہیں جن میں خطا کا قصد کیا گیا ہو اور اگر اجتہادی غلطی ہو تو اس پر تو ثواب ملتا ہے غرض دنیا کی محبت میں کچھ حلاوت نہیں اُسکی حقیقت میں غور کرو تو یہ خود قابل نفرت ہے دیکھئے صحت دنیا میں بڑی نعمت ہے مگر جسکی صحت اچھی ہو اور خدا اُسکو بڑی عمر دیدے کہ سو سوا سو برس کا ہو جائے تو اب اُسکی حالت دیکھو کہ بڑھاپے میں موت کی تمنا کرنے لگتا ہے ہماری نانی کی بڑی عمر ہوئی تھی مگر وہ ہمیشہ موت کی تمنا کرتی تھیں پس خدا کی حالت کو بوڑھوں سے اور عمر رسیدہ لوگوں سے پوچھو یہ معنی ہیں لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کے اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ طالبان دنیا کو اپنے مطلوب کی بھی خبر نہیں اس کا ایک تو یہی مطلب ہے کہ دنیا دار کو دنیا کی حقیقت معلوم نہیں اس کے انجام سے وہ بےخبر ہیں دوسرے دنیا دار اس معنی کر بھی دنیا کو نہیں جانتے کہ وہ محض ساز و سامان کو دنیا سمجھتے ہیں حالانکہ دنیا کی روح راحت ہے اور وہ ان لوگوں کو حاصل نہیں کیونکہ یہ لوگ تکلیفات میں مقید ہیں ان کی زندگی تصنع اور تکلف کی وجہ سے بےتکلف ہے ان کو راحت نصیب نہیں چنانچہ عورتیں آپس میں ملتی ہیں تو ان کا ملنا محض نفاق اور بناوٹ سے ہوتا ہے ملنے سے جو مقصود ہے یعنی راحت وہ ان کو حاصل نہیں اسی طرح رسوم شادی میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں مگر دل اندر سے رنجیدہ ہوتا ہے کہ بہت رقم لگ گئی قرض بہت ہو گیا کہاں سے اتریگا بس زندگی تو اہل اللہ کی ہے یا بچوں کی کہ ان میں تکلف نہیں ہوتا اور

یاد رکھو راحت ہمیشہ بے تکلفی سے ہوتی ہے اہل دنیا بات کرتے ہیں تو حضور کہتے ہیں یا
جناب کہتے ہیں جو جناب سے مشتق ہے اور غریبوں میں ایسی سادگی ہے کہ ایک گاؤں والا میرے
پاس آیا میں نے کہا کھانا کھالے کہنے لگا کہ میں تو گھر کھا چکا وہ بھی تیرا ہی ہے مجھے اس کی
سادگی سے بہت ہی مسرت ہوئی کہ لوگوں کے القاب وآداب سے بھی وہ مسرت نہ ہوتی حضرت
مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ دنیا داروں کے پاس بیٹھکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
جیسے پنجرہ میں مقید ہو جاتے ہیں میں خود اپنی حالت بیان کرتا ہوں کہ میں دعوت میں ایک
پر تکلف صاحب کیساتھ شریک ہو گیا وہ چھوٹے چھوٹے لقمے لیتے تھے اور بڑے تکلف
سے کھاتے تھے انکی ساتھ مجھے بھی آہستہ کھانا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا پیٹ نہ بھرا کیونکہ
اس طرح کھانے سے سیری نہیں ہوتی اسی طرح ایک داعی کھانا کھلاتے ہوئے میرے اوپر مسلط
ہو گئے کہ ہر چیز میرے سامنے رکھتے جاتے تھے کہ یہ کھاؤ اور وہ کھاؤ اس سے بھی میرا کھانا منغص
ہو گیا اب میں نے شرط کر لی ہے کہ جب دعوت کرو تو بتلا دو کہ میرے ساتھ کھانے میں کون کون
شریک ہو گا بعض دفعہ میں یہ شرط کر لیتا ہوں کہ تنہا کھاؤں گا خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ۱۲
اُس نے ہمکو ملانوں میں داخل کر دیا ہے اس لئے ان پابندیوں کی فکر نہیں ہے خدا تعالیٰ والد
کی قبر کو ٹھنڈا کرے کہ وہ مجھے ملانوں میں داخل کر گئے ہیں اگرچہ پورا ملا تو نہ ہوا مگر سینگ کٹا کر
بچھڑوں میں تو داخل ہو گئے آجکل کی تہذیب کا یہ حال ہے جو سراسر تعذیب ہے کہ میرے
پاس کانپور میں ایک داروغہ آئے جبکہ میں مسجد کے اندر حدیث کا درس دیتا تھا وہ آدھ گھنٹہ
تک لب فرش کھڑے رہے کیونکہ وہ کوٹ پتلون میں جکڑے ہوئے تھے فرش پر بیٹھنے سے
مجبور تھے آخر کار واپس ہو گئے پھر ایک صاحب سے شکایت کی میں آدھ گھنٹہ تک کھڑا رہا
مجھ سے ایک بات نہ کی نہ میرے پاس آئے میں تو بوٹ جوتوں کی وجہ سے کہ ان کا کھولنا
باندھنا وقت طلب ہے مجبور تھا انہوں نے جواب دیا کہ تم بوٹ جوتوں میں قید تھے وہ
حدیث و قرآن میں قید تھے اب خود انصاف کر لو کہ کس کا عذر قوی ہے افسوس یہ لوگ اسقدر
تو مقید ہیں اسپر دعویٰ یہ ہے کہ ہم آزاد ہیں کیا آزاد ایسے ہی ہوتے ہیں جو سر سے پیر تک
فیشن میں جکڑے ہوئے ہیں بس انکی آزادی کی حقیقت یہ ہے کہ دین سے اور خدا سے

آزاد بس آزاد حقیقت میں اہل اللہ ہیں کہ جہاں چاہیں بیٹھ جائیں خواہ تخت ہو یا کرسی یا فرش ہو یا زمین اور ہر لباس میں رہ سکتے ہیں خواہ قیمتی ہو یا گھٹیا صاف ہو یا میلا پھٹا ہوا ہو یا سالم کسی سے اُن کو عار نہیں ؎

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں ما نمی خواہیم ننگ و نام را

البتہ اُن کو ایک قید ضرور ہے وہ یہ کہ محبوب کی آغوش میں بیٹھے ہوئے ہیں اس سے الگ نہیں ہو سکتے یعنی اُسکی رضا کے تابع ہیں مخالفت نہیں کر سکتے مگر یہ قید ایسی لذیذ ہے ؎

اسیرت نخواہد رہائی ز بند شکارت نجوید خلاص از کمند

اس قید ہی اُنکو راحت ہے اس سے نکلنا اُنکے واسطے موت ہے عارف رومی فرماتے ہیں ؎

از فراق تلخ می گوئی سخن ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

پس آزاد یہ لوگ ہیں ورنہ دنیا دار تو ایسے مقید ہیں کہ خدا کی پناہ بھلا اور تو اور میرٹھ کے ضلع میں بعض دیہات کے چمار عیسائی ہو گئے ہیں تو اُن کے فیشن کی یہ حالت ہے کہ دن بھر جوتے بناتے اور سیتے ہیں اور شام کو پھٹا پرانا کوٹ پتلون اور بوٹ پہنکر (جو نیلام میں سستا خرید لیا جاتا ہے ۱۲) تفریح کیواسطے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالکر سڑکوں پر نکلتے ہیں اور کھانا کھانے کی یہ صورت ہے کہ ایک تختہ کے اوپر کھانا رکھ لیا جسکے نیچے اینٹیں رکھ لی اور گھڑے اُلٹے کر کے اُن پر بیٹھ گئے اور ببول کے کانٹوں سے روٹی کھاتے ہیں دنیا داروں کی ریس میں چماروں کی بھی آزادی سلب ہو گئی کہ اب وہ بے تکلف جس طرح گاؤں والے رہا کرتے ہیں نہیں رہ سکتے مجھے انہی لوگوں میں کا ایک قصہ یاد آیا کہ ایک عیسائی چمار کوٹ پتلون پہنے ہوئے رات کو جا رہا تھا کہ راستہ میں بارش زور سے آ گئی سامنے نہر کی چوکی تھی جسمیں ایک مسلمان چوکیدار جس کا نام ظہور علی تھا سو رہا تھا یہ صاحب بہادر چوکی پر پہونچ اور جا کر آواز دی او جہورلی او جہورلی دواڑ کھول صاحب باہر کھڑے ہیں (یعنی کواڑ کھول دے صاحب باہر کھڑے بھیگ رہے ہیں) چوکیدار گھبرا کر اُٹھا کہ شاید نہر کا کوئی افسر آ گیا ہے اُس نے کواڑ کھولے اور اس سے پوچھا کہ صاحب کہاں ہیں کہا ہم ہیں نہیں (او ہم ہی ہیں) ظہور علی نے جوتا نکال کر دس پانچ رسید کئے کہ

بدمعاش صاحب بہادر بنا پھرتا ہے جا بجا راستہ سے غرض دنیا دار سراسر قید اور تکلیف میں ہیں انکو خاک راحت نہیں واقع میں عیش و راحت اہل اللہ کو ہے جس کا ایک گر ہے اور یہی گر اُن کی آزادی کا راز ہے وہ یہ کہ غم کی یہ حقیقت یہ ہے کہ امید کے خلاف کوئی بات ہو عورتیں اس کو ضرور سمجھیں کیونکہ ان کو امیدیں بہت ہوتی ہیں کہ بہاوج کے واسطے مجھے یوں کرنا چاہیئے تو وہ بھی میری ساتھ ایسا برتاؤ کریگی نند کے واسطے یوں کرنا چاہیئے ورنہ وہ یوں کہے گی غرض رشتہ داروں اور دوستوں اور نوکروں وغیرہ سے جو رنج پہونچتا ہے اُسکی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو ان سے امیدیں ہوتی ہیں اہل اللہ نے اس جڑ ہی کو اُڑا دیا ہے یعنی انکو کسی سے کچھ امید نہیں ہے مخلوق سے سب امیدوں کو قطع کر دیا ہے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار اسی مضمون کو بیان فرمایا کہ بھائی کسی سے توقع مت رکھو پھر خدام سے فرمایا کہ بتلاؤ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے مربی ہیں محسن ہیں حضرت کا ہم پر وہ احسان ہے جس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا فرمایا کہ میں تم کو دل سے کہتا ہوں کہ تم مجھ سے بھی کچھ توقع نہ رکھو بس خدا سے امید رکھو اور کسی سے مت رکھو تو ایسا شخص جس کی رگ رگ میں توحید بسی ہوئی ہو اُسکو کسی سے کیا رنج ہو سکتا ہے اسی کو سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

گر گزندت رسد ز خلق مرنج	کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج
از خدا داں خلاف دشمن و دوست	کہ دل ہر دو در تصرف اوست

مگر اس کا یہ اثر نہ لینا کہ تم خدا ہی سے روٹھ جاؤ کہ سب تکالیف وہی پہونچاتے ہیں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں درحقیقت وہ تمہاری ہی مصلحت ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے بچہ کی آنکھیں دکھتی ہیں تو ماں اُسکی آنکھوں میں جست وغیرہ بھرتی ہے بچہ اس سے بہت روتا ہے اور اسوقت ماں پر غصہ کرتا ہے مگر سمجھدار ہو کر ماں کو دعا دیگا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو آج میں بالکل اندھا ہوتا اسیطرح صبح کو ماں بچہ کا منہ دھوتی ہے آنکھوں سے ٹیڑھ اور ناک سے جو ہے نوچتی ہے بچہ اس پر بھی روتا ہے مگر کون نہیں جانتا کہ اسمیں سراسر بچہ کی ہی مصلحت ہے مجھے خوب یاد ہے کہ ایک دفعہ میرے سر میں بڑے بڑے بال تھے اُن میں میل بہت جم گیا تھا

۱۴

اور کئی ہفتہ سے سر نہ دھویا تھا تائی صاحبہ میرا سر دھونا چاہیں مگر میں بھاگ جاتا تھا جب بہت
دن ہوگئے تو تائی صاحبہ نے یہ ترکیب کی کہ میرے آنے سے پہلے پیالے میں کھلی بھگو دی اور جب
میں گھر میں آیا تو دفعتہً میرے سر میں کھلی لپیٹ دی اُسکے دھونیکے لئے مجبوری مجھے سر دھونا پڑا تو
اُسوقت اُن کا یہ فعل مجھے ناگوار ہوا مگر آج اُنکی محبت کی قدر کر رہا ہوں اسی طرح حق تعالےٰ
جو تمکو رنج و تکلیف دیتے ہیں حقیقت میں وہ تمہاری بھلائی کرتے ہیں یہاں بھی اور آخرت
میں بھی کیونکہ اگر یہاں بلائیں نہ آئیں تو ہمکو خدا کی طرف توجہ نہو قاعدہ یہی ہے کہ انسان کو مصیبت
میں خدا یاد آتا ہے اگر مصیبت نہ ہو تو انسان فرعون بے سامان ہو جائے اور اس حالت
میں اگر موت آگئی تو بجائے دنیا کے تم آخرت میں نار جہنم کے ذریعہ سے پاک کئے جاؤ گے میں
آپکو بشارت سُناتا ہوں کہ مسلمانوں کے حق میں عذاب جہنم تطہیر کیلئے ہے تعذیب کے لئے
نہیں ہے اور اسکو تم بھی جانتے ہو کہ گھر کا چراغ چکٹ جائے تو اُسکو آگ میں ڈالکر صاف کیا
جاتا ہے تو تم خدا کے گھر کے چراغ ہو مگر چکٹے ہوئے ہو اسلئے جہنم کی آگ سے تمہارا میل صاف
کیا جائیگا اور اگر دنیا ہی میں میل صاف ہوگیا تو پھر آخرت میں صفائی کی ضرورت نہ ہوگی پس
اللہ تعالیٰ دنیا میں مسلمان کو مصائب و تکالیف دیکر اُس کا میل صاف کرتے ہیں اب بتلاؤ یہ
تمہارے حق میں بھلائی ہے یا نہیں یہ تو آخرت کی بھلائی اور دنیا کی بھلائی یہ ہے کہ مصائب
و تکالیف سے انسان کے اخلاق درست ہو جاتے ہیں اور اخلاق کی درستی سے بہت راحت
ملتی ہے کیونکہ بدخلق سے سبکو وحشت ہوتی ہے لوگ اُسکو ذلیل سمجھتے ہیں نیز اسکے دل پر دنیا کی
حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ دنیا دل لگانیکی چیز نہیں ہے اور یہ بڑا علم ہے اگر
یہ علم حاصل نہ ہو تو آدمی ہمیشہ جہل میں مبتلا رہے اور جہل بڑا عیب ہے پس اللہ تعالیٰ کیطرف سے
جو تم پر امتحانات وارد ہوتے ہیں اُنکی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص مالیخولیا کی وجہ سے یہ
سمجھتا تھا کہ میرا بدن شیشے کا ہے اسلئے وہ ہر شخص سے دور بھاگتا تھا کہ میرے بدن کو ہاتھ نہ
لگانا ٹوٹ جائیگا لوگ اُسکو حکیم کے پاس لائے حکیم نے کہا کہ تیرا بدن شیشے کا ہے کہا ہاں تو
اُس نے بہت سی شیشے منگائے اور مریض کو کمبل اُوڑھا کر شیشوں کو توڑنا شروع کیا اور کہا
ہم نے تمہارے بدن کے شیشے توڑ دیئے وہ بہت رویا چلایا حکیم نے کہا گھبراؤ نہیں ان

15

شیشوں کے نیچے سے مضبوط کھال اور ہڈیاں نکلیں گی جو کسی کے ہاتھ لگانے سے شکستہ نہ ہونگی چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد کمبل اتار لیا اور کہا دیکھو اوپر کے شیشے ہم نے توڑ دیئے اور اب تمہارا مضبوط بدن اندر سے نکل آیا مریض کو یقین آگیا اور وہ سمجھ گیا کہ میں مضبوط تندرست ہوں اور سب مالیخولیا جاتا رہا اسی طرح اللہ تعالیٰ ان مصائب کے ذریعہ سے ہماری مالیخولیا کا علاج کرتے ہیں مگر ہمکو اس حکمت کی خبر نہیں اس واسطے روتے ہیں اور میں آپ سے کیا کہوں کہ اہل اللہ کو مصائب میں کیا نظر آتا ہے میں سچ کہتا ہوں کہ انکو ہر واقعہ کی حکمت کھلی آنکھوں نظر آتی ہے اسلئے وہ کسی کلفت سے پریشان نہیں ہوتے پس انکی راحت کا راز یہ ہے کہ مخلوق سے انکی امیدیں منقطع ہو چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہر فعل کو وہ حکمت و مصلحت پر مبنی سمجھتے ہیں نیز انکو اللہ تعالیٰ سے محبت بھی ہے اسلئے اگر حکمت و مصلحت بھی معلوم نہ ہو تو محبت کی وجہ سے وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من	دل فدائے یار دل رنجان من

اور کہتے ہیں ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو	دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

اب بتلاؤ راحت میں کون ہے صاحبو سچ یہ ہے کہ دنیا والوں کو کچھ راحت نہیں وہ کھانا کھاتے ہیں اور کھانا اُن کو کھاتا ہے کیونکہ جس شخص کے لئے پھانسی کا حکم دیدیا گیا ہو اُس کو ظاہری سامان عیش سے راحت کب مل سکتی ہے ؟ اسی طرح جس شخص پر جرائم تعزیرات الٰہیہ قائم ہیں اور وہ جانتا ہے کہ میں خدا کا مجرم ہوں اُس کو دنیا میں راحت کیونکر مل سکتی ہے اور اہل اللہ کی شان یہ ہے کہ اُن کے پاس کچھ نہیں ہے مگر خوش ہیں کیونکہ ایک چیز اُن کے پاس ایسی ہے کہ اُسکے ہوتے ہوئے اُن کو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے وہ کیا ہے ؟ وہ آغوش محبوب ہے رضائے محبوب ہے لذت طاعات ہے لذت مناجات ہے لذت قرب ہے جسکو عارف رومی فرماتے ہیں ؎

ہر کجا دلبر بود خرم نشیں	فوق گردون ست نے قعر زمیں
ہر کجا یوسف رخ باشد چو ماہ	جنت آن گرچہ باشد قعر چاہ

اور اسپر تعجب نہ کیجئے کہ ان لذتوں کی وجہ سے تکالیف کا برداشت کرنا کیونکر آسان ہو گیا جو شخص کسی پر عاشق ہوا ہو وہ اسکو سمجھ سکتا ہے ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ ایک لڑکے پر عاشق ہو گیا تھا اور وہ لڑکا طبیب تھا ایک دفعہ وہ شخص بیمار ہوا تو وہی لڑکا معالج بنا اب اُس مریض کی یہ حالت تھی کہ اپنے لئے طول مرض کی دعا مانگتا تھا کہ خدا کرے میں کبھی اچھا نہوں تا کہ یہ لڑکا ہمیشہ معالجہ کو آتا رہے تو دیکھئے اس مریض کیلئے مرض کی کلفت محبت کیوجہ سے آسان ہو گئی اب اگر اہل اللہ کا خدا کی محبت میں یہ حال ہو جائے کہ تمام مصائب اُنکو آسان ہو جائیں کہ قید خانہ سے تکلیف ہو نہ فاقہ سے کلفت ہو تو کیا تعجب ہے سب سے زیادہ ناگوار چیز موت ہے مگر وہ بھی اُن کیلئے آسان ہے کیونکہ موت کیوقت اُنکو بشارت ملتی ہے يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ[۱] دوسری آیت میں ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ[۲] نیز حدیث میں آتا ہے کہ ملائکہ یوں کہتے ہیں اَيَّتُهَا الرُّوْحُ الطَّيِّبَةُ اخْرُجِیْ اِلٰی رَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ اے پاکیزہ روح چل راحت و آرام کیطرف چل اپنے پروردگار کے پاس جو تجھ سے ناراض نہیں ہے اسکے بعد قبر کا مرحلہ ہے وہاں بھی ان کیواسطے بشارت ہے فرشتے کہتے ہیں نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ کہ دولہا کیطرح بیفکر سوتے رہو اسکے بعد حشر کا مرحلہ ہے وہاں اُنکی یہ شان ہے لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ کہ اُنکو اس ہولناک دن میں بھی کوئی خطرہ نہو گا وہاں بھی فرشتے انکا استقبال کرینگے اور بشارت سُنائینگے مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب نے اسی کا ترجمہ فرمایا ہے

عاشقاں را روز محشر با قیامت کار نیست　　عاشقاں را جز تماشای جمال یار نیست

پلصراط پر مولانا رومی نے کسی روایت سے اُنکی یہ حالت لکھی ہے کہ پلصراط سے گذر کر وہ ملائکہ سے پوچھیں گے کہ ہم نے تو یہ سنا تھا کہ پلصراط جہنم کے اوپر ہے مگر ہم کو راستہ میں جہنم

---

[۱] اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کے جوار رحمت کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش ہو اور وہ تجھ سے خوش ہو پھر ادھر چلکر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

[۲] جن لوگوں نے دل سے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اسپر قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔

نظر نہیں آیا فرشتے کہیں گے کہ تمکو راستہ میں آفات نظر آئے تھے؟ کہیں گے ہاں فرشتے کہیں گے کہ وہ جہنم ہی تھا مگر تمہاری قوت ایمان کی برکت سے وہ تمکو باغ کی صورت میں نظر آیا پھر بتلاؤ انکو کیا غم ہاں جن حضرات کی کچھ اتباع بھی ہیں انکو ایک غم ہوگا اپنے تابعین کا انبیاء علیہم السلام کو اپنا کچھ غم نہ ہوگا ہاں امت کا غم ہوگا حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا تُسَوِّدُوْا وَجْهِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ آہ اس کا ترجمہ کرتے بھی ہمت نہیں زبان کانپتی ہے مگر ضرورت کیوجہ سے کرتا ہوں حضور فرماتے ہیں کہ دیکھو قیامت میں میرا منہ کالا نکرنا یعنی مجھے شرمندہ نکرنا کہ تمہارے اعمال بد کیوجہ سے مجھے انبیاء کے مجمع میں شرمندگی ہو (شعر) فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَاَنْفُسِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَجْهُكَ وَاللّٰهِ اَضْوَءُ مِنَ الشَّمْسِ وَاَنْوَرُ مِنَ الْقَمَرِ وَلَئِنْ السَّوَادُ لَا بِوُجُوْهِنَا وَوَجْهُكَ بَرِيْءٌ مِنْهُ وَبِمَعْزِلٍ مِنْهُ اَللّٰهُمَّ فَبَيِّضْ وُجُوْهَنَا بِبَرَكَةِ وَجْهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحَابَتِهٖ وَسَلَّمَ دَائِمًا اَبَدًا عَدَدَ مَا يُحِبُّ وَكَمَا يَرْضٰى ۱۲ ظ) مقاصد حسنہ میں حدیث ہے کہ مؤمن جب پلصراط پر سے گذریگا تو دوزخ کہے گی جُزْ يَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَكَ قَدْ اَطْفَأَ نَارِيْ اے مسلمان جلدی سے گذر جا کہ تیرے نور نے تو میری آگ کو بھی بجھا دیا تو جب نور ایمان میں یہ خاصیت ہے کہ دوزخ کی آگ کو بھی بجھا دیتا ہے تو دنیا کے غموم وہموم واحزان کی تو حقیقت ہی کیا ہے مگر ضرورت اسکی ہے کہ ہم اپنے ایمان میں نور پیدا کریں اسی کی کمی کیوجہ سے ہماری دنیا وآخرت برباد ہو رہی ہے اگر یہ نور حاصل ہو جائے تو واللہ دنیا وآخرت کی راحتیں ہمارے ہی واسطے ہیں پھر ہمارے پاس غم ورنج کا نام ونشان بھی نہ رہے ہاں ایک غم رہیگا خدا کی لقاء ورضا کا سو یہ غم لذیذ ہے اگر یہ حاصل ہو جائے تو آپ ہفت اقلیم کی سلطنت پر لات ماردیں گے باقی دنیا کا کوئی غم پاس نہ آئیگا چنانچہ ایک بزرگ کے پاس ایک بادشاہ نے بڑا قیمتی موتی بھیجا بزرگ نے اسکو دیکھکر کہا الحمد للہ اور خادم سے فرمایا کہ اسکو احتیاط سے رکھدو کچھ عرصہ کے بعد خادم نے عرض کیا کہ موتی چوری ہوگیا بزرگ نے فرمایا الحمد للہ خادم نے دریافت کیا کہ

ہم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے باپ اور مائیں اور ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں خدا کی قسم آپ کا چہرہ سورج سے زیادہ روشن اور چاند سے زیادہ منور ہے اور سیاہی تو ہمارے ہی چہروں پر ہے اور آپ کا چہرہ تو اس سے پاک ہے اے خدا ان نبی کریم کی برکت سے ہمارے چہروں کو اسدن منور کیجیو جسدن کہ چہرے روشن ہوں درود ورحمت ہو اللہ کی آپ پر اور آپ کے آل واصحاب پر ہمیشہ ہمیشہ

دونوں حالتوں میں الحمدللہ کس لئے فرمایا اگر آئینگی خوشی تھی تو جانیکا رنج ہونا چاہیئے تو اسوقت الحمدللہ کا کیا موقعہ اور اگر جانیکی خوشی ہوئی تو آنے پر رنج ہونا چاہیئے تھا تو اسوقت الحمدللہ کیوں فرمایا بزرگ نے فرمایا کہ میں نے الحمدللہ نہ اُسکے آنے پہ کہا نہ جانے پر بلکہ اپنے دل کی حالت پر الحمدللہ کہا جو جب یہ گھوڑا آیا تھا تو میں نے اپنے دلکو دیکھا کہ کچھ خوشی ہوئی یا نہیں معلوم ہوا کچھ خوشی نہیں اسپر الحمدللہ کہا جب وہ چوری ہوگیا تو میں نے پھر اپنے دلکو دیکھا کہ کچھ رنج ہوا یا نہیں معلوم ہوا کچھ رنج نہیں ہوا تو اسپر میں نے الحمدللہ کہا کہ نہ آنیکی خوشی ہوئی نہ جانیکا رنج ہوا تو جس شخص کا یہ حال ہو اُسکے پاس رنج وغم کیوں آئیگا اسی طرح حضرت غوث اعظمؒ کے پاس کہیں سے ایک چینی آئینہ بڑا قیمتی ہدیہ میں آیا آپ نے خادم کے حوالہ فرمادیا کہ کنگھا کرنیکے وقت ہمارے سامنے رکھدیا کرو ایکدفعہ اتفاق سے وہ آئینہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا وہ ڈرا کہ دیکھئے آج شیخ کس قدر ناراض ہوں گے چنانچہ ڈرتے ڈرتے اُس نے عرض کیا ؎ از قضا آئینہ چینی شکست ٭ حضرت غوث اعظمؒ نے برجستہ فرمایا ؎ خوب شد اسباب خود بینی شکست ٭ نیز حدیث میں ہے حضرت انس صحابی رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی مگر آپ نے کسی بات پر یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں ہوا اور یوں کیوں نہیں ہوا حضرت انسؓ حضورؐ کی خدمت میں آئے ہیں تو انکی عمر دس سال کی تھی بالکل بچے تھے وہ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ حضورؐ مجھ کو کسی کام کا حکم دیتے کہ یہ کام کرو تو یہ زبان سے کہدیتے کہ میں تو نہ کرونگا مگر دل میں ارادہ ہوتا تھا کہ ضرور کرونگا آپؐ اسپر بھی بُرا نہ مانتے تھے بعض دفعہ کسی کام کو جاتے اور راستہ میں کھیلنے لگتے اور اتفاقاً حضورؐ کا گذر ہوتا تو آپ ان کے کان پکڑ کر فرماتے کہ تم تو کہتے تھے میں جاؤنگا یہ ہنسکر عرض کرتے یا رسول اللہؐ ابھی جاتا ہوں غرض کسی بات پر آپ غصہ نہ کرتے تھے اس کا راز وہی ہے کہ آپ کی نظر ہر وقت خدا پر تھی مخلوق پر نظر نہ تھی اس لئے آپ کو کسی کے فعل سے رنج نہ ہوتا تھا مگر یہ برتاؤ ذاتی خدمت کے متعلق تھا جنکا تعلق خاص آپکی ذات سے تھا امور شرعیہ کے بارے میں یہ برتاؤ نہ تھا کیونکہ احکام شرعیہ کی مخالفت پر تو آپکو اتنا غصہ آتا تھا کہ کوئی برداشت نہ کرسکتا تھا یہی شان اہل اللہ کی ہے غرض اللہ تعالیٰ آپ صاحبوں کے واسطے ایسی زندگی چاہتے ہیں کہ جس میں راحت ہی راحت ہو رنج کا نام نہ ہو اور

19

اُس کا طریقہ یہ ہے کہ نورِ ایمان کو کامل کیا جائے اور نورِ ایمان کے کامل کرنے کا طریقہ وہ
ہے جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی ذکر و فکر جس کو دوسرے مقام پر اس عنوان
سے ارشاد فرمایا ہے وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ کہ ہر شخص یہ دیکھتا رہے کہ کل کے
واسطے کیا سامان کیا ہے یعنی اپنے اعمال کا محاسبہ کرو کہ آج دن بھر میں کتنے کام کئے
ہیں کتنے نیک کام ہوئے کتنے گناہ ہوئے جو نیک کام ہوئے ہوں اُن پر خدا کا
شکر کرو اور جو گناہ ہوئے ہوں اُن سے توبہ و استغفار کرو اسی کام کے لئے ایک وقت
تو مقرر کرو اور ہر وقت کے لئے دستور العمل یہ ہے کہ جو بات کہو سوچ کر کہو جو کام کرو سوچ سمجھ کر
کرو بے سوچے کام کرنا اور باتیں بنانا دنیا و آخرت دونوں کو مضر ہے پس ہر کام سے
پہلے اُس کے انجام کو سوچ لو جس سے دوستی کرو اُسکی حالت دیکھ لو کہ دوستی کے قابل
ہے یا نہیں حدیث میں ہے اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ انسان اپنے
دوست کے دین پر ہوتا ہے یعنی دوست کی دینی حالت کا اثر اس کے دین پر ضرور
ہوتا ہے پس ہر شخص دیکھے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے یعنی اُس کی دینی حالت
کیسی ہے پس دوستی دیندار لوگوں سے کرو بد دینوں کو دوست نہ بناؤ اسی طرح
جس سے دشمنی کرو اس کو بھی دیکھ لو کہ دشمنی کے قابل ہے یا نہیں کفار و فساق
سے حدود کے اندر عداوت رکھو مسلمانوں سے اور صلحاء سے دشمنی نہ کرو کہ
اُس کا وبال سخت ہے اسی طرح ہر کام میں غور کرو جس کی تفصیل تو بہت طویل
ہے مگر میں آپ کو ایک گر بتلاتا ہوں کہ ہر کام میں یہ سوچ لو کہ اس کام سے ہم کو گناہ
تو نہ ہوگا اور ایک یہ سوچ لو کہ اس سے ہم پر کوئی ایسی بلا تو نازل نہ ہوگی جس کی برداشت
نہ ہو سکے اس کے بعد آپکی زندگی بہت پر لطف ہوگی ایسی ہی زندگی اللہ تعالیٰ آپ کے
واسطے چاہتے ہیں اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں صرف دو باتیں رہ گئیں ایک تو آیت
کا ترجمہ جس کی تلاوت کی گئی ہے دوسرے دستور العمل کا خلاصہ بتلانا۔ سو وہ دستور العمل
تو یہ ہے کہ ہر کام اور ہر بات سوچ کر کرو دوسرے اپنے اعمال کا حساب
کتاب کیا کرو اپنی نافرمانیوں کو سوچا اور اُن سے توبہ کرو اور عذاب کو یاد کرو اس سے

حیا اور خوف پیدا ہوگا پھر جو اعمال حسنہ ہوئے ہیں اُن کو سوچو اور خدا کا شکر بجا لاؤ
اور جنت کی نعمتوں کو یاد کرو اس سے محبت و شوق پیدا ہوگیا اور جس شخص میں حیاو
خوف اور محبت و شوق پیدا ہو جائے اُس سے کہیں نافرمانی ہو سکتی ہے ہرگز نہیں
بلکہ اس سے زیادہ فرمانبردار کوئی نہ ہوگا یہی مقصود تھا اور مجھے یہی بتلانا تھا کہ فکر ایسی
محمود چیز ہے کہ دین کی تکمیل اس کے بغیر نہیں ہوسکتی اور دین کی اصلاح و تکمیل
کا سہل و آسان طریقہ اس سے بہتر نہیں کہ فکر سے کام لیا جائے اسی کو اللہ تعالےٰ
نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور فکر کی ساتھ ذکر کو بھی بیان فرمایا ہے اب
میں آیت کا ترجمہ کرتا ہوں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین
کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں (توحید
کے اور دنیا کی حالت و حقیقت جانچنے کے) اہل عقل کے لئے جن کی حالت یہ
ہے (جو آگے آتی ہے اور ایسی حالت سے اُن کا عاقل ہونا معلوم ہوگا) کہ وہ لوگ (ہر
حال میں دل بھی اور زبان سے بھی) اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے
بھی اور آسمان و زمین کے پیدا ہونے میں (اپنی عقل سے) غور کرتے ہیں (کہ ان کا
وجود خود نہیں ہوگیا بلکہ کسی صانع حکیم نے ان کو بنایا ہے کیونکہ جس نظام کے ساتھ
زمین و آسمان کی رفتار ہے وہ بدون کسی چلانے والے کے نہیں ہوسکتی پھر اس کے
بنانیوالے نے اس نظام میں ہمکو ایک خاص عبرت آموز سبق دیا ہے کہ مخلوق میں
کوئی اُونچا ہے کوئی پست ہے کسی میں نور ہے کسی میں ظلمت ہے کسی میں نور زیادہ
ہے کسی میں کم ہے اسلئے تمکو اپنی حالت پر قناعت کرنا چاہئے اور دوسروں کی حالت
پر حسد نکرنا چاہئے کیونکہ اسمیں حکمتیں ہیں جیسا زمین و آسمان میں حکمتیں ہیں پھر دنیا
میں یکساں حالت نہیں رہا کرتی بلکہ کبھی دن ہے کبھی رات ہے کبھی روشنی ہے کبھی اندھیرا
ہے اور دونوں کی ضرورت ہے دونوں میں حکمت ہے اسلئے تم پر دو قسم کی حالتیں
آئیں گی بعض گوارا حالتیں ہونگی بعض ناگوار پس تم کو ان سے پریشان نہ ہونا چاہئے
بلکہ یہ سمجھو کہ جس طرح رات دن میں حکمتیں ہیں اسی طرح ان حالات میں بھی حکمتیں ہیں ان ہی

۲۱

باتوں کو سوچکر عقلاء کہتے ہیں کہ (اے ہمارے پروردگار آپ نے اس (مخلوق) کو بیکار نہیں پیدا کیا (بلکہ اس میں حکمتیں رکھی ہیں) ہم آپ کو (لا یعنی پیدا کرنے سے) پاک اور منزہ سمجھتے ہیں (اسی لئے ہم نے ان کی حکمتوں میں غور کیا اور توحید کے قائل ہوئے کہ جو کچھ ہوتا ہے آپ کے حکم سے ہوتا ہے) سو ہم کو (ایمان کی برکت سے) دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔

اس ترجمہ سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اللہ تعالے نے عقلاء کی ایک تو یہ حالت بیان فرمائی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالے کو یاد کرتے ہیں اس کے لئے میں اول ایک مقدمہ بیان کردوں پھر اس کی حقیقت سمجھ میں آجائے گی وہ یہ کہ جس کام کو انسان اپنا اصلی کام سمجھتا ہے زیادہ وقت اُسی میں صرف کیا کرتا ہے اور دوسرے کاموں کو اس کے تابع سمجھتا ہے چنانچہ جو شخص اپنے گھر کا حساب کر رہا ہو اُس سے اس حالت میں کوئی ملنے آوے تو گو وہ اُس سے ملیگا مگر دل اپنے حساب میں لگا رہتا ہے اسی طرح عورتیں اپنی حالت میں غور کرلیں کہ جب وہ سینے پرونے میں لگتی ہیں اسوقت کوئی ان سے بات کرے تو بات کا جواب دیدیں گی مگر دل سینے میں رہیگا کیونکہ اُسکو اپنا اصلی کام سمجھ رکھا ہے پس اللہ و رسول کا مقصود یہ ہے کہ تم اللہ کی یاد کو اپنا اصلی کام بنا لو اور سب کاموں کو تابع بناؤ اصلی کام نہ بناؤ حدیث میں لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْباً مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ کہ تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے یاد سے تر رہے اور قرآن میں ہے یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّقُعُوْداً وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ کہ اللہ کی یاد کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت کرنا چاہیئے مگر دل سے توجہ ہر وقت مشکل تھی اس لئے قربان جایئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے اُس کا آسان طریقہ بھی بتلا دیا کہ ہر وقت زبان کو اللہ کی یاد سے تر رکھو اگر زبان سے اللہ اللہ کرنا ہر وقت یاد نہ رہے تو تسبیح ہاتھ میں رکھو اور ریاء کا خوف نہ کرو کیونکہ ریاء وہ ہے جو قصد و ارادہ سے ہو وسوسۂ ریاء ریاء نہیں ہے بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وسوسۂ ریاء کو ریاء سمجھکر پریشان ہوتے ہیں پس خوب سمجھ لو کہ ریاء یہ ہے کہ آدمی دل سے یہ ارادہ کرے کہ میں یہ عمل مخلوق کے دکھلانے کو کر رہا ہوں

۲۲

پارہ ۴ رکوع ۱۱

یا اسواسطے کر رہا ہوں کہ لوگ مجھے بزرگ سمجھیں اور اگر دل سے یہ ارادہ نہ ہو محض وسوسہ آئے جسکی علامت یہ ہے کہ اس خیال سے جی بُرا ہو تو یہ ریا نہیں سو ان شبہات میں مت پڑو اور اور بیفکر ہو کر تسبیح ہاتھ میں رکھو اور کام کرو اور تسبیح کی اصل حدیث ہی سے ثابت ہے اس لئے اس پر بدعت ہونیکا شبہ نہ کرو پھر ذکر میں اختیار ہے خواہ درود پڑھو یا سبحان اللہ الحمدللہ یا اللہ اللہ کرو اور اچھا یہ ہے کہ یا اللہ یا اللہ کرو کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اللہ اللہ کہتے ہیں بعض علماء نے کلام کیا ہے گو وہ کلام قابل اعتبار نہیں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعلق کسی نے سوال کیا تھا کہ اللہ اللہ کرنے کا حدیث سے بھی ثبوت ہے یا نہیں فرمایا ہاں ثبوت حدیث میں ہے لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا یُقَالَ فِی الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ دوسرا کام اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ جو لوگ عقل والے ہیں وہ آسمان و زمین اور لیل و نہار کی حکمتوں میں غور کرتے ہیں یعنی وہ سوچ اور فکر سے کام لیتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو فاعل و متصرف نہیں سمجھتے بلکہ حق تعالیٰ ہی کو خالق و مالک و متصرف سمجھتے ہیں اور اُن کے ہر کام کو حکمت و مصلحت پر مبنی سمجھتے ہیں اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اُن کے دل میں خدا کی عظمت و جلالت پیدا ہوتی ہے اور خدا کے سوا سب سے نظر قطع ہو جاتی ہے پھر کسی سے امید و توقع باقی نہیں رہتی بلکہ صرف خدا کو راضی کرنے کا خیال رہ جاتا ہے اور اسکے لئے وہ موت کو سوچتے ہیں قبر کی حالت کو سوچتے ہیں جنت و دوزخ کو سوچتے ہیں کہ ایکدن خدا کے پاس جانا ہے موت کا وقت ضرور آئے گا پھر نہ معلوم کیا انجام ہو اس لئے وہ دوزخ سے ڈر کر اُس سے پناہ مانگتے ہیں اور اس خوف کی وجہ سے ہر کام کو سوچ کر کرتے ہیں کہ اس کا انجام دوزخ نہ ہو بس فکر اور ذکر یہ دو چیزیں خلاصہ وعظ ہیں اُن کو لازم پکڑو تو فکر سے دل کے اندر خدا کی یاد جم جائے گی پھر ہر وقت خدا کی یاد آسان ہو جائے گی اور خدا کی یاد وہ چیز ہے جس سے دل کو راحت و سکون اور چین ملتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اب میں اسی کا ترجمہ ایک بزرگ کے کلام سے کر کے بیان ختم کرتا ہوں مولانا فرماتے ہیں ؎

گر گریزی بر امید راحتے — ہم از انجا پیشت آید آفتے

۲۳

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست		جز بخلوتگاہ حق آرام نیست

یعنی آرام خلوت گاہ حق کے سوا کہیں نہیں خلوت گاہ حق سے مراد یہ ہے کہ دل میں خدا کی یاد بس جائے کہ ہر وقت اسی کا دھیان رہے دنیا کا کوئی کام ہوا تو مجبوری کو ضرورت کی وجہ سے کر لیا مگر دل اللہ کی یاد میں رہے اسکو کر کے دیکھو بڑی راحت کی چیز ہے عورتوں اور مردوں کو ہمکو چاہیئے کہ اپنا اصلی کام اللہ کی یاد کو بنالیں دنیا کے کام مجبوری کو کر لیں پھر اللہ اللہ میں لگ جائیں اب میں ختم کرتا ہوں اور کہہ رکھتا ہوں کہ اپنے ہر کام کو پہلے سوچ لیا کرو اور ایک وقت موت کے سوچنے حالات قبر کے سوچنے اور قیامت کے سوچنے کیلئے مقرر کرو اور باقی اوقات میں ذکر اللہ میں مشغول رہو اس فکر کا نام مراقبہ ہے اس سے آپکو مراقبہ کی فضیلت معلوم ہوئی ہوگی کہ یہ کتنی بڑی چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے جابجا امر بھی فرمایا ہے اور ترغیب بھی دی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے دنیا و آخرت کی راحت حاصل ہوتی ہے اب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمکو فہم سلیم اور توفیق عمل عطا فرمائیں آمین۔ اس بیان کا نام مضمون کے مناسب

المراقبہ تجویز کرتا ہوں وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اشرف علی

۹ رجب المرجب ۱۳۴۹ھ

۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ

شرائط الطاعۃ

این	متیٰ	کم	کیف	لِم	ماذا	من اتی بان	من ضبط	المستمعون	المتفرقات
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]				[illegible]	[illegible]		

خطبہ ماثورہ) اما بعد فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیس من البر الصیام فی السفر یہ ایک حدیث ہے جسکے سمجھنے کیلئے ایک قصہ کے بیان کرنے اور سننے کی ضرورت ہے تا اس قصہ کے سننے کے بعد اس حدیث کا صحیح مفہوم سمجھ میں آ جاویگا اس سے مجھے ایک مسئلہ کا استنباط کرنا مقصود ہے جو ایک قاعدہ کلیہ ہے اور جو دین میں نہایت ضروری ہے۔ وہ قصہ یہ ہے کہ ایک سفر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک بہت سا مجمع ہے لوگ کھڑے ہیں کسی چیز کو گھیرے ہوئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے سفر کی حالت میں روزہ رکھا تھا وہ بیہوش ہو گیا ہے تو مجتمع ہو رہے ہیں

اور اسکی حالت دیکھ رہے ہیں اسوقت حضور نے ارشاد فرمایا لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ
یعنی سفر کی ایسی حالت میں روزہ رکھنا کہ انسان مرنے کے قریب پہونچ جاوے اور ہلاکت کی
نوبت آجائے کوئی نیکی کا کام نہیں ہے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے اس ترجمہ سے اس حدیث
کا صحیح مفہوم سمجھ میں آگیا ہوگا اور اگر نہ آیا ہو تو اب سمجھ لیجئے تاکہ غلطی واقع نہ ہو کیونکہ بعض
نے اس حدیث سے یوں سمجھ لیا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا چاہئے ہی نہیں۔ حالانکہ یہ
غلط ہے اسواسطے کہ صحابہ نے حضور کے ساتھ اکثر سفر کئے ہیں اور وہ فرماتے ہیں مِنَّا
الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ ہم میں سے بعضے روزہ دار تھے اور بعضے غیر روزہ دار تھے وَلَا
یَعِیْبُ بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ لیکن کوئی ایک دوسرے پر ملامت یا عیب گیری نہ کرتا تھا۔
نہ روزہ دار افطار کرنے والوں کی عیب گیری کرتے تھے نہ افطار کرنے والے روزہ داروں
کی عیب گیری کرتے تھے اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں دونوں باتیں جائز ہیں روزہ
رکھنا بھی اور روزہ نہ رکھنا بھی مگر یہاں عوام ایک غلطی کرتے ہیں اُسپر تنبیہ کر دینا ضروری
ہے تاکہ بحث متعین ہو جاوے کہ کون سے سفر میں گفتگو ہے کیونکہ وہ گفتگو جو کہ علماء کی ہے
اُس کے متعلق تو میں آگے چلکر عرض کرونگا ایک غلطی ایسی ہے جس سے علماء تو محفوظ ہیں لیکن
اُسمیں عوام مبتلا ہیں وہ یہ کہ سفر کو بعض عوام مطلق سمجھتے ہیں یعنی کوئی سفر بھی ہو یہاں تک کہ
چار یا پنچ آٹھ دس کوس کے سفر میں بھی روزہ افطار کرنیکو جائز سمجھتے ہیں سو خوب سمجھ لیجئے
کہ وہ سفر جسمیں روزہ نہ رکھنا جائز ہے وہ سفر ہے جسکے اختیار کرنے سے احکام سفر متعلق
ہو جاتے ہیں احکام سفر متعلق ہو جانے میں نے اسلئے کہا کہ بعض احکام ایسے بھی ہیں جو عام ہیں
حالت سفر اور حالت حضر دونوں کو مثلاً ایک شخص نے دس کوس کا سفر کیا اور روزہ رکھا
کیونکہ اتنے کوس کے سفر میں اُس کو روزہ رکھنا واجب تھا پھر دوران سفر میں اُسکی بری
حالت ہوگئی تو اس حالت خاص میں اُسکو روزہ افطار کر دینا چاہئے لیکن یہ افطار عذر سفر
کی وجہ سے نہیں یہ تو ایک خاص حالت ہوگئی اس حالت کی وجہ سے اُسکو افطار جائز ہو گیا
حتی کہ اگر گھر پر بھی یہی حالت ہو جاتی تو وہاں بھی اُسکو افطار جائز ہو جاتا مثلاً پہلے بیمار تھا یا
ضعیف القوی تھا لیکن ہمت کر کے اُس نے روزہ رکھ لیا پھر اُس کی بری حالت ہو گئی یا

یعنی روزہ کی حالت میں بیمار پڑ گیا اور بُری حالت ہو گئی تو اسکو جائز ہے کہ روزہ افطار کر دے
تو اس حکم افطار میں تو سفر کی کوئی تخصیص نہیں غیر حالت سفر میں بھی یہ عذر پیش آجاتا تو وہاں
بھی یہی حکم متوجہ ہو جاتا لیکن اسوقت گفتگو اس میں ہے کہ وہ سفر کونسا ہے جسمیں محض سفر
کی وجہ سے افطار جائز ہے قطع نظر کسی خاص حالت کے سو خوب سمجھ لیجئے کہ وہ ہر سفر نہیں ہے
اسمیں عوام یہ غلطی کرتے ہیں کہ جہاں دس پانچ کوس چلے۔ اور روزہ کھا بیٹھے کہ بھائی ہم تو
سفر میں ہیں حالانکہ جسمیں سفر میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے خود نفس سفر کی وجہ سے بدوں کسی اور عارض
کی وجہ سے وہ سفر ہے جسکی حد تین منزل ہے جسکی مقدار علماء نے یہاں کے کوسوں کے حساب
سے ۳۶ کوس اور انگریزی میل کے حساب سے ۴۸ میل مقرر کر دی ہے لیکن انگریزی میل کا
حساب آسان ہے کیونکہ یہ ہر جگہ یکساں ہے بخلاف کوس کے کہ اس کا حساب مختلف
مقامات پر مختلف ہے۔ چنانچہ پورب میں بہت بڑا کوس ہوتا ہے یعنی وہاں دو میل کا کوس
ہوتا ہے لہذا میل کا حساب زیادہ آسان ہے کیونکہ وہ ذرا منضبط ہے۔ ہر چند تین منزل
شرعی مقدار تھی جسکی تحدید میلوں سے شرع نے نہیں کی لیکن علماء نے جیسا کہ حوض میں ایک تحدید مقرر کر لی ہے یعنی
۱۰ در ۱۰ کی مقدار انتظام اور سہولت کیلئے مقرر کر لی ہے اسی طرح یہ حد بھی سفر کی انتظام اور سہولت کیلئے مقرر کر لی ہے ورنہ
شریعت نے تو مدار احکام سفر کا تین منزل کو قرار دیا ہے مگر چونکہ عرفاً اوسط منزل بارہ کوس
کی ہوتی ہے اسلئے علماء نے سفر شرعی کی مقدار ۳۶ کوس مقرر کر دی ہے تاکہ عوام میں پریشانی
اور اختلاف نہ ہو ورنہ اگر عوام کی رائے پر چھوڑ دیتے تو وہ صرف پانچ پانچ کوس ہی کی منزل
کر کے پندرہ کوس ہی کے اندر احکام سفر کو جاری کر لیتا اور کہدیتے کہ ہم تو صاحب پانچ کوس سے
زیادہ نہیں چل سکتے تو تحدید کے اندر یہ ایک نفع ہوتا ہے انتظام کا بہرحال جو سفر ۳۶ کوس کا ہو یا
۴۸ میل کیلئے وہی سفر شرعی ہے اور اسی سفر کے اندر روزہ کا افطار بھی ہے اور اسی سفر
کے اندر نماز کا قصر بھی ہے لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نماز کا قصر کرنا تو واجب ہے اور روزہ
کا افطار کرنا واجب نہیں۔ ہاں روزہ کا افطار کرنا جائز ہے لیکن فی نفسہ واجب نہیں جب
تک کہ سخت ضرر کا اندیشہ نہ ہو۔ اور نماز کا قصر کرنا بہرحال واجب ہے تو یہ وہ
سفر ہے جو سفر شرعی کہلاتا ہے تو گفتگو اس سفر کے اندر ہے یعنی سفر شرعی میں افطار و قصر

جائز ہے اس سے کم میں جائز نہیں چاہے ریل کا سفر ہو چاہے پیدل
کا۔ اب یہاں بعض اہل تشکیک کی طرف سے یہ اشکال ہوگا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹے
سفر میں بھی بعض اوقات ہم تو جان کو آجاتے ہیں میں کہتا ہوں کہ وہ جو سفر شرعی ہے
اسمیں تو مشقت حقیقی مان لی گئی ہے خواہ بعض حالات میں وہ مشقت دراصل نہ ہو
اور اس سے کم کے سفر میں گو مشقت حقیقی ہوگی تب تو افطار کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں
غرض یہ کہ اگر تکلیف ہو تو مقدار شرعی سے کم کے سفر میں بھی افطار کی اجازت ہے کیونکہ
وہاں علت اجازت افطار کی تکلیف ہی ہے مگر پہلے سے تو یہ معلوم نہیں کہ تکلیف ہوگی کیونکہ
بعض اوقات اندازہ بالکل غلط ثابت ہوتا ہے مثلاً جس وقت سفر کیا تھا اس وقت سخت
گرمی تھی لیکن بعد کو ہوا چلنے لگی یا بارش ہوگئی اور ٹھنڈ ہوگئی تو اسکی بابت پہلے سے
فیصلہ کیا کہ ضرور تکلیف ہوگی۔ اے بھائی اگر ہوگی شرعاً اسکی رعایت کیجاویگی اور اسکی
اجازت ہو جاویگی پہلے ہی سے کیوں فکر میں پڑ گئے لیکن حضرت یہ یاد رہے کہ تھوڑی بہت
تکلیف کا کچھ اعتبار نہیں۔ یوں تھوڑی بہت تکلیف تو گھر بیٹھے بھی ہوتی ہے اور روزہ
ہی میں کیا نماز میں بھی ہوتی ہے کہ اٹھکر وضو کرو پھر نیت کیا باندھی گویا بالکل بندھ گئے
کہ اب نہ بول سکتے ہیں نہ چل سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ بھاگ سکتے ہیں اور صاحب دین ہی کے کاموں
میں کیا کھانے میں بھی تو تکلیف ہوتی ہے انصاف کیجئے کمائی میں کیسی کیسی مشقت اٹھانی پڑتی ہے
پھر ماں کبھی نہیں کہتے کہ اجی کہاں کا جھگڑا ہے چھوڑو بھی میاں بیٹھ بھی جاؤ توکل پر دیکھئے
بچپن ہی سے کیسی کیسی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں کہیں پڑھائی کی تکلیف کہیں فیس کی تکلیف
کہیں کتابوں کی تکلیف لہو ولعب چھوڑنے کی تکلیف آزادی کے برباد ہونے کی تکلیف
پھر اگر کہیں ہو ہوا گئے تو بعضے عہدوں میں کام اتنا ہوتا ہے کہ گھر پر لاکر راتوں کو جاگ کر
یا عین مقرر کر سکے کام کو پورا کرتے ہیں تب کہیں جاکر مشکل سے پورا ہوتا ہے پھر اگر ایسے ہی
نازک اور ایسے ہی مرزا بھی بنتے ہیں تو کمانا بھی چھوڑ دیں مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ ان تکلیفوں کی نسبت
کمانا کوئی بھی نہیں چھوڑتا تو دین کے واسطے بھی اگر تھوڑی بہت مشقت اٹھانی پڑے
تو ایسا کونسا بڑا مشکل کام ہو گیا تھوڑی بہت تکلیف تو تکلیف ہی نہیں اتنی تکلیف تو

ہر کام میں ہوتی ہے البتہ ایسی تکلیف جسکی برداشت نہو سکے یہ تکلیف ہے سو اگر ایسی تکلیف
ہونے لگے تو پھر شریعت سے خود ہی اجازت ہے کہ روزہ افطار کرلے لیکن گفتگو یہ ہے کہ
سفر شرعی میں تحقیقی تکلیف شرط نہیں بلکہ محض حکمی تکلیف ہے اور حکمی تکلیف کسے
کہتے ہیں۔ حکمی تکلیف اسے کہتے ہیں کہ جو حکم میں ہو تحقیقی تکلیف کے خواہ تکلیف حقیقی
متحقق ہو یا نہ ہو سبحان اللہ شریعت نے کیسی شفقت فرمائی ہے کہ سفر شرعی میں جو روزہ
افطار کرنے کی اجازت دی ہے تو افطار صوم کی اصل علت تو مشقت تھی لیکن قبل تحقیق
مشقت ہی کے شریعت نے احتمال پر کہ ممکن ہے مشقت ہو انتظام یہ کیا کہ جو چیز کہ سبب ہے
مشقت کا اسی کو قائم مقام مشقت کا بنا کر یہ فرض کر لیا کہ اسے مشقت ہوگی۔ اور یہ حکم کر دیا کہ ایسے
شخص کو افطار کر لینا جائز ہے خواہ مشقت کا وقوع ہو یا نہ ہو دیکھئے کتنی بڑی عنایت ہے
لیکن انتہا ہے رعایت کی تو اس تقریر سے بحث متعین ہو گیا یعنی بحث یہ ہے کہ مطلق سفر شرعی میں
قطع نظر مشقت کے روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں سو جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ سفر میں بھی روزہ رکھنا
جائز ہے البتہ شرذمہ قلیل یعنی بہت تھوڑے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ جس طرح بحالت سفر نماز میں قصر
واجب ہے ایسے ہی روزہ میں افطار واجب ہے اور انکی دلیل یہ حدیث ہے لیس من البر
الصیام فی السفر وہ کہتے ہیں کہ دیکھو جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں
کہ روزہ رکھنا سفر میں اچھا نہیں ہے دیکھو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ
رکھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ سفر میں
روزہ رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ وہ تو بہتر ہے وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اگر روزہ رکھو تو بہتر ہے۔ اوپر
یہ ذکر چلا آرہا ہے فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ یعنی مسافر
اور مریض کیلئے ارشاد ہے کہ روزہ افطار کر لینا جائز ہے وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ
طَعَامُ مِسْکِیْنٍ یہ شیخ فانی کا حکم ہے یعنی اس کے لئے روزہ کا فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا دو وقت
کا شکم سیر کر کے اور اگر کوئی زیادہ دیدے اپنی خوشی سے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ گو بعض یہ سمجھتے ہیں
کہ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ سے متعلق ہے۔ مگر اسکی کوئی دلیل نہیں ظاہراً
تو تینوں ہی کے متعلق ہے یعنی مسافر مریض اور شیخ فانی ان تینوں کیلئے روزہ رکھ لینا بہتر ہے

مگر دوسرے دلائل کی وجہ سے اس حکم میں قید یہ ہے کہ تحمل ہو یعنی اگر تحمل ہو تو روزہ رکھ لینا
اچھا ہے تو اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ سے مسافر کیلئے بھی روزہ رکھنا افضل ہوا اور اگر قرآن کو
اس بارہ میں نص نہ کہا جائے کیونکہ بعض کے نزدیک اسکا تعلق شیخ فانی کے ساتھ محتمل ہے
اور اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ مگر حدیثیں تو صریح ہیں چنانچہ صحابہ نے حضور کے
ہمراہ سفر میں روزہ رکھا اور حضور نے انکار نہیں فرمایا اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں
روزہ رکھنا جیسا جائز ہے ویسا ہی افضل بھی ہے۔ بہرحال سفر میں روزہ رکھنا ہی افضل ہوا
جمہور کی دلیل تو یہ ہے جو میں نے عرض کی البتہ اس حدیث کا جسکو میں نے ابھی پڑھا ہے جواب
ان کے ذمہ ہے سو وہ جواب میرے ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہوگا میں نے ترجمہ کیا تھا کہ ایسے
سفر میں جسمیں یہ حالت ہو جائے روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں ہے پس اَلْسَّفَرِ میں الف لام
عہد کا ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جو سفر ایسی حالت تک پہونچا دے یعنی قرائن قویہ سے پہلے
سے معلوم ہو کہ روزہ رکھنا ایسی حالت تک پہونچا دیگا تو ایسی حالت میں روزہ رکھنا اچھا
نہیں ہے میں نے اس مقام پر اسواسطے ذرا تطویل کر دی ہے کہ بظاہر اس حدیث سے یہ غلط فہمی
ہو سکتی ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا کسی حال مناسب ہی نہیں جیسے بعضے لوگ اس حدیث
سے یہی سمجھ گئے ہیں۔ اس حدیث کا پھر میں مکرر ترجمہ کرتا ہوں فرماتے ہیں جناب رسول مقبول
صلی اللہ علیہ وسلم کہ جس سفر میں روزہ رکھنا ایسی حالت تک پہونچا دے یعنی قریب ہلاکت
تک اسمیں روزہ رکھنا کوئی اچھا کام نہیں ہے بلکہ ایسی حالت میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے روزہ
رکھنے سے۔ اب مجھے اس سے ایک مسئلہ مستنبط کرنا ہے اکثر اوقات اور اکثر حالات میں یہ
دیکھا جاتا ہے خصوص زاہدوں اور عابدوں میں یہ مرض بہت کثرت سے ہے کہ غلو کرتے ہیں عبادت
میں۔ ہر جماعت کا مرض جدا ہے۔ عابدین کا مرض غلو فی العبادۃ ہے افراط اور تفریط دونوں
مذموم ہیں جیسے ترک عبادت بُرا ہے ایسے ہی عبادت میں غلو بھی بُرا ہے۔ عبادت میں غلو کیا
خوب سمجھ لیجئے عبادت میں غلو یہ ہے کہ ہر بات میں تشدد کیا جائے سو یہ تو تفریط ہے کہ ذرا
سی مشقت میں ہمت چھوڑ دی جائے جب عبادت مجاہدۂ نفس ہے تو تھوڑی تکلیف ہونا تو لازم
ہے جناب اب کے بھی روزوں میں تھوڑی سی تکلیف ہوئی تھی۔ واقعی چند تاریخیں سخت

جمہور کی دلیل میں احتمال پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ قابل استدلال نہیں رہی

تھیں مگر وہ سختی ایسی نہیں تھی کہ قابل برداشت نہ ہو آخر لوگوں نے اُن تاریخوں میں بھی
روزہ رکھا ہی پھر بھی نہ کچھ زیادہ ضعف ہوا نہ زیادہ مشقت و کلفت ہوئی بلکہ اس مشقت میں
بھی ایک لطف تھا اور سچ تو یہ ہے کہ روزہ خوروں کو ایک وقت بھی اتنا لطف نہیں آیا جتنا
روزہ داروں کو افطار کے وقت ہر روز آتا تھا گویا روزہ خوار دنیا کی خوشی سے محروم ہے
اسی واسطے جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً فرمایا ہے لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ
عِنْدَ الْاِفْطَارِ وَعِنْدَ لِقَاءِ رَبِّہٖ روزہ دار کو دو خوشی ہیں ایک خوشی تو وہاں آخرت
میں ہو ہی گی لیکن وہ خوشی تو جب ہوگی جب وہاں جائے گا اسکے علاوہ ایک اور خوشی
یہاں دنیا ہی میں افطار کے وقت روزہ دار کو حاصل ہو جاتی ہے بیچارے روزہ نہ رکھنے والے
اس سے بھی محروم ہیں۔ بلکہ نزدیک تو انھوں نے راحت اور لذت طلب کی تھی مگر راحت
اور لذت تو کیا ملتی بلکہ اگر تھوڑا سا ایمان ہو تو اور الٹی کلفت ہوتی ہے ایسا شخص جس وقت کھانا
کھائیگا ٹٹول لیں جیسے روزہ دار اگر ایمان ہو تو اور اگر کسی نے ایمان ہی کو رخصت دیدی ہوں
تو اسکا ذکر ہی کیا جس وقت کھانا بلا عذر شرعی کھائیگا ایسا معلوم ہوگا جیسے پاخانہ کھا رہا ہے
اسقدر ذلت اور شرمندگی ہوگی بلکہ بعذر شرعی بھی اسقدر تنگی ہوتی ہے کہ آنکھ نہیں اٹھتی ملے
ذلت کے بلکہ ایسا شخص کوشش کرتا ہے چھپانے کی تو جناب جب عذر کی یہ حالت
ہو تو جو بلا عذر کھاتا ہے اسکی ذلت اور شرمندگی کا تو کیا ٹھکانا ہے۔ وہاں کوئی بے حیا ہی کھا لے اگر
تو وہ اور بات ہے کیونکہ جب عادت معصیت کی ہو جاتی ہے تو پھر حیا بھی جاتی رہتی ہے۔
حیا کے جاتے رہنے پر ایک حکایت یاد آئی ایک مولوی صاحب میرے ملنے والے تھے وہ اب
مر گئے وہ اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ جب وہ مدرسہ دیوبند میں پڑھتے تھے بھیجے گئے تو ایک
صاحب کے یہاں اُنکا کھانا مقرر ہو گیا جب اوّل روز کھانا لینے اُن صاحب کے مکان پر پہنچے تو
بڑی شرم آئی باہر کوئی موجود نہ تھا مارے شرم کے آواز بھی نہیں دے سکے شرم کے غلبے میں اتنا
منہ سے نہ نکلا کہ کھانا بھیجدو۔ بس ایک کونے میں چپکے کھڑے ہو گئے۔ خاموش تھوڑی دیر
بعد گھر میں سے خود وہی صاحب مکان نکلے انھوں نے پہچانا نہیں پوچھا کیا کچھ کہنا ہے لیکن اُنکے منہ
سے یہ بھی نہ نکلا کہ میں وہی طالب علم ہوں جسکا کھانا آپنے مقرر کیا ہے مگر وہ قرائن سے خود

ف روزہ دار کی دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت دوسری رب سے ملاقات کے وقت

ہی ہو گئے کہا اچھا آپ وہ مولوی صاحب ہیں جنکا کھانا مقرر ہوا ہے تب انھوں نے
تصدیق کی انھوں نے بہت قدر کی بٹھلایا پھر پوچھا کہ آپ کھانا یہیں کھائیں گے یا لیجائینگے
انھوں نے دبی زبان سے کہا یہیں کھا لونگا یہاں تو ایک ہی کے سامنے رسوائی ہے
وہاں تک تو سینکڑوں آدمی گلی کوچہ میں ملیں گے اور دیکھیں گے کہ بھیک مانگ کر لایا ہے
خیر صاحب مکان نے چارپائی بچھادی اور کھانا لاکر عزت کیساتھ سامنے رکھدیا یہ سٹر پٹ
سکڑے جیسے تیسے کھا پی کر چلے آئے یہاں مدرسہ میں پہونچے تو اور طالب علموں نے
پوچھا کہ کھانا نہیں لائے انھوں نے کہدیا کہ میں تو وہیں کھا آیا انھوں نے کہا واہ صاحب
یہ کیا واہیات حرکت ہے دیکھو بھائی یہاں ہر طرح کے طالب علم ہیں کسی کا کیا مقدور
کسی کا نہیں سب مل جلکر کھا پی لیا کرینگے خبردار اب ایسا نہ کرنا۔ خیر صاحب [illegible]
اگلا وقت پھر آیا پھر کھانا لینے گئے تو صاحب مکان نے پھر پوچھا کہ یہیں کھاؤ گے یا
لیجاؤ گے انھوں نے کہا کہ لیجاؤنگا چنانچہ ان صاحب نے کھانا لا دیا لے کر چلے تو یوں کہتے
تھے کہ مارے شرم کے قدم نہیں اٹھتا تھا ایک ایک سو سو من کا ہو گیا کھانا ہاتھ میں لیکر چلتے
ہوئے بھی شرم آتی تھی کہ آنکھیں نہیں اٹھتی تھیں بہر حال سمجھو کہ کھانا دامن میں چھپائے بڑی
مصیبت سے مدرسہ تک پہونچا پھر اگلے دن کچھ کم شرم آئی پھر اور کم پھر اور کم ہوتے ہوتے
یہانتک نوبت پہونچی۔ تھے بڑے ظریف کہتے تھے اور اب تو اگر کہو بھنگیوں میں سے
مانگ لاؤں۔ خیر یہ حکایت تو ظرافت کی ہے اور ایک امر مباح کے متعلق ہے مطلب میرا یہ ہے
کہ جب آدمی گناہ کا خوگر ہو جاتا ہے تو پھر حیا شرم کچھ نہیں رہتی۔ چنانچہ بہت لوگوں کو
دیکھا ہوگا کھلم کھلا گناہ کرتے ہوئے میں ذرا صبح کے وقت جنگل چلا جاتا ہوں منزل پڑھتا
ہوا کیونکہ مجھسے بیٹھکر قرآن پڑھا نہیں جاتا۔ رمضان شریف کا زمانہ تھا ایک باغ میں پہنچا
تو دیکھتا کیا ہوں کہ ٹھنڈی تو ہوا چل رہی ہے اور کھیت والے الٰہی توبہ تربوز لیکر کاٹ کر
بیٹھے ہوئے صبح کے وقت کھا رہے ہیں بھلا اس وقت کونسی گرمی نے ستایا تھا الٰہی ان کو
مار والے کمبخت جب تکلیف ہوتی جبھی کھاتے صبح کے وقت کونسی آگ تمہارے اوپر برس رہی تھی
جو تربوز کھانے کی حاجت ہوئی اور کچھ بھی نہیں بالکل شرارت ہے نفس کی بیجد یہ ہو کہ

خدا کا خوف اور خدا کی عظمت دل میں نہیں اور غیر خدا کو تو کس نے دیکھا ہے خدا کا خوف تو بڑی
چیز ہے لوگوں کا بھی تو خوف نہیں جو لوگ نسب کے لحاظ سے عرفاً بالکل ادنیٰ درجہ کے ہیں وہ
بھی تو ایسے شرفاء کو جو روزہ نہیں رکھتے کہ علم کھلا کھاتے پیتے ہیں بالکل ہی ذلیل بلکہ جانور سے سمجھتے
ہیں یہ اپنے دل میں اپنے آپکو کتنا ہی شریف سمجھتے ہوں لیکن دوسرے لوگ
انہیں ذلیل جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل سمجھتے ہیں یہ حالت تو انکی میں نے
بیان کی جو روزہ نہیں رکھتے وہ خیر گنہگار ہیں ہی ان کے اس فعل کی قباحت اور انکی
اس حالت کا منکر ہونا تو ظاہر ہے باقی جس چیز کو میں اسوقت بیان کر رہا ہوں کہ بعض
لوگ عبادت میں غلو کرتے ہیں یہ اُن لوگوں کی غلطی ہے جو بڑے عابد اور زاہد
کہلاتے ہیں لیکن اب یہاں سمجھ لینا چاہئے کہ غلو کا معیار کیا ہے سو غلو کا معیار کسی کی رائے پر نہیں ہے ورنہ
پانچ کوس ہی پر بعضے سمجھتے کہ بڑی مشقت ہوگی۔ ذرا سی گرمی پڑی بڑی مشقت ہوگئی
اور ذرا سی سردی پڑی بڑی مشقت ہوگئی بس پھر وضو بھی معاف ہوگیا جماعت بھی معاف ہوگئی
حج بھی معاف ہوگیا۔ چنانچہ اب میں دیکھتا ہوں کہ چھوٹے چھوٹے عذروں کی بنا پر
لوگ حج کو موقوف کر دیتے ہیں ذرا سن لیا کہ راستہ میں گڑبڑ ہے بس حج کو مت
جاؤ ذرا سن لیا کہ کچھ بیماری ہے بس حج کو مت جاؤ ذرا سن لیا کہ عملداری ترکوں کی نہیں
رہی بس حج کو مت جاؤ آخر ترکوں کی عملداری میں اور حج میں جوڑ کیا۔ لوگوں نے
آجکل یہی ایک مسئلہ خواہ مخواہ تراش لیا۔ صاحبو امام المسلمین کا ہونا جمعہ کی نماز میں
تو ایک خاص تفصیل کے ساتھ شرط ہے بھی لیکن حج میں یہ شرط کہاں ہے کہ جب کوئی
امام المسلمین ہو تب حج ہو بلکہ جس عبادت کیلئے شرط بھی ہے اُسکی حقیقت کی ابھی تحقیق
ہو چکی ہے وہ تفصیل موعود کہ امام المسلمین کا ہونا جمعہ میں فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ ایک
خاص مصلحت سے ہے اگر وہ مصلحت بدون امام المسلمین کے حاصل ہو جاوے پھر شرط
نہیں چنانچہ ہدایہ میں اسکی حکمت کے متعلق صاف لکھا ہے لِئَلَّا يَقَعَ التَّنَازُعُ فِي التَّقَدُّمِ
وَالتَّقْدِيْمِ یعنی امام المسلمین کے شرط ہونے کی یہ وجہ ہے تاکہ جھگڑا نہ پڑے کہ آگے کون بڑھے
یا پیچھے بیٹھے میں کہیں امام ہونگا یا میں فلانے کے پیچھے نماز نہ پڑھونگا ایک شخص ہو جاوے

جو اس اختلاف کے وقت فیصلہ کر سکے۔ غرض علت یہ ہے اس شرط کی ورنہ نفسہ امام کا وجود مقصود نہیں اسی پر فقہاء نے تفریع کی ہے کہ اگر سب مسلمان ملکر ایک کو امام جمعہ مقرر کر لیں تو چونکہ امام المسلمین کی مصلحت حاصل ہو گئی باتفاق اہل شہر کے پس اب ضرورت نہیں رہی اس شرط کی حالانکہ حدیث شریف میں ہے مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ وَلَهُ اِمَامٌ عَادِلٌ اَوْ جَائِرٌ یعنی جو شخص جمعہ ترک کرے اس حال میں کہ اس کا کوئی بادشاہ ہو خواہ عادل ہو یا ظالم اسکے لئے یہ وعید ہے۔ تو دیکھئے حدیث اور نص کی رو سے جمعہ کیلئے امام المسلمین کا ہونا شرط تھا جب اسیری امام کے نہ ہونے سے جمعہ ساقط نہ ہوا تو حج کیلئے تو امام المسلمین کا ہونا کبھی شرط ہی نہیں ہاں بعض شرائط ایسے ہیں جمعہ کے بغیر انکے جمعہ جائز ہی نہیں ہوتا مثلاً مصر ہونا یہ شرط ایسی ہے کہ بغیر اسکے جمعہ پڑھنا جائز ہی نہیں یہ شرط صرف واجب ہونے کی نہیں بلکہ جواز کی بھی ہے حاصل یہ ہوا دوسرے لفظوں میں کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں مگر گاؤں والوں کو جمعہ کا بڑا شوق ہوتا ہے ایک گاؤں والے نے مجھ سے پوچھا کہ گاؤں میں جمعہ کیوں جائز نہیں۔ میں نے کہا بمبئی میں حج کیوں جائز نہیں اسنے کہا وہ تو موقع حج کا نہیں میں نے کہا وہ موقع جمعہ کا نہیں اسنے کہا کیوں نہیں میں نے کہا وہ کیوں نہیں۔ اس نے کہا شریعت کی دلیل سے۔ میں نے کہا یہی شریعت کی دلیل سے ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور تمہیں پہچان کیا شریعت کی شریعت نے جو حکم مقرر کر دیا تم کون دخل در معقولات دینے والے بس چپکے ہو گئے بہرحال بعض شرطیں وجوب کی ہیں اور یہ بعض شرطیں جواز کی ہیں ان میں مصر ہونا بھی ہے۔ اب لوگ شرط کی ان دونوں قسموں میں فرق نہیں کرتے اور افسوس یہ ہے کہ بعض اہل علم کی زبان سے بھی سنا وہ باوجود حنفی ہونے کے گاؤں میں اجازت جمعہ کی دیتے تھے جب انکے سامنے شرائط جمعہ پیش کئے گئے اور کہا گیا کہ ان شرائط میں سے ایک شرط مصر ہونا بھی ہے تو آپ کہتے ہیں کہ بینا ہونا بھی تو شرط ہے پھر باوجود اسکے سب کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی نابینا جمعہ کی نماز پڑھ لے تو اسکی نماز ہو جائے گی تو اگر اس شرط کا ہونا ضروری ہوتا تو نابینا کی نماز بھی نہ ہوتی حالانکہ سب کے نزدیک اسکا جمعہ ہو جاتا ہے تو جیسے وہاں شرطیں نہیں ہیں تب بھی جمعہ ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں

اگر مصر نہ بھی ہو تب بھی جمعہ ہو جائیگا یہ غلطی وہ ہے جسمیں بعض اہل علم بھی مبتلا ہیں اسواسطے
میں اسکا جواب دینا چاہتا ہوں اور جواب تو میری اوپر کی تقریر ہی سے ہو گیا ہوگا یہ نکلا
مصر ہونا شرط جواز ہے نہ کہ شرط وجوب تفصیل اس جواب کی یہ ہے کہ شرائط جمعہ کی دو قسم ہیں ایک شرائط
ہیں وجوب کی اور ایک ہیں جواز کی ان دونوں کے اثر میں بڑا فرق ہے شرائط وجوب کا اثر
تو یہ ہے کہ بغیر انکے خود اسکا وجوب نہیں ہوتا لیکن وجود ہو سکتا ہے اور شرائط جواز کا اثر یہ کہ
جب شرط کا وجود متحقق نہ ہوگا تو مشروط کا وجود شرعی بھی متحقق نہ ہوگا بس اس قسم کی شرائط کا
مقتضا یہ ہے کہ بدون انکے جمعہ کا جواز ہی نہیں ہوتا۔ تو مصر ہونا جو شرط ہے وہ جمعہ کی
شرائط جواز میں سے ہے اور ذی بصر ہونا یہ شرائط وجوب میں سے ہے تو اسکا قیاس اسپر جائز
نہیں۔ تو میرا مقصود یہ ہے کہ جمعہ جیسے کے لئے امام المسلمین ہونا شرط ہے جب اسکا نہ ہونا یعنی
امام کا نہ ہونا مخل نہ ہوا فرضیت جمعہ میں تو اسکے نہ ہونے سے حج کیسے ساقط ہو جائیگا آجکل
جانے لوگ کیا گڑبڑ کر رہے ہیں جو جی میں آیا کر لیا نہ کسی سے تحقیق کرنے کی ضرورت سمجھتے ہیں
کچہری میں اسکو بیان کر رہا تھا کہ لوگ عبادتوں کے ترک کیلئے بہانے ڈھونڈھا کرتے ہیں یعنی
ذرا سی تکلیف ہوئی حج ساقط کر دیا ذرا سی مشقت ہوئی نماز اڑا دی روزہ میں ذرا پیاس
زیادہ لگی تھی کیونکہ پیدل چلنا پڑا تھا اگلے دن روزہ ہی کھا بیٹھے جنکے یہاں حضرت مہمان تھے
انھوں نے ایک بار ایسا ہی کیا تھا وہ بھی وعظ میں موجود تھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کی یہی شان ہونی چاہیئے کہ کسی کی مروت مانع نہ ہو (کاتب) مگر اسی مریض کو اگر ڈاکٹر کہدے
کہ دیکھو دو دن تک پانی نہ پینا تو چاہے دو دن کیا تین دن تک برسر رکھے گا کہ بھائی پیاس کی
تکلیف ہو لاتے ہو جان کا رکھنا ضروری ہے نازک معاملہ ہے ڈاکٹر صاحب کی تجویز کے
خلاف نہ کرنا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ ایک طبیب کی تو اتنی قدر ڈاکٹر کی تجویز کی تو اتنی وقعت
اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کی اتنی بھی وقعت نہیں حالانکہ وہ بھی تمہارے ہی نفع کیلئے
اپنے نفع کیلئے نہیں بلکہ طبیب کا تو تمہارے برسر کرنے میں نفع بھی ہے یعنی دنیا میں نفع طبیب کے
ایک تو خیر قوت نہیں ہوتا لیکن ایک فوت ہو جاتا ہے طبیب کا ایک تو یہ نفع ہے کہ کچھ فیس
ملجاتی ہے مثلاً کسی ڈاکٹر کو بلایا اس نے ۱۶ روپیہ فیس کے رکھے اسلئے پھر انکی طرف جھکتے ہے

کوئی مرے چاہے جیئے۔ یہ تو وہ نفع ہے جو کسی حال میں فوت نہیں ہوتا۔ دوسری منفعت طبیب کی یہ ہوکہ اگر تم پرہیز کرو گے تو اچھے ہوجاؤ گے تو وہ طبیب نیکنام ہوگا اگر نیکنام ہوگا تو زیادہ لوگ رجوع ہونگے حسب زیادہ رجوع ہونگے تو فیس زیادہ آئیگی اور اگر کسی نے بد پرہیزی کی اچھا نہ ہوا تو وہ نیکنامی فوت ہوگئی جو سبب تھی زیادتی رجوعات اور زیادتی فیس کی تو اتنی غرض طبیب کی بھی ہے پرہیز کرانے میں اور یہاں تو حق تعالیٰ کی اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ بھی غرض نہیں۔ سراسر تمہاری ہی مصلحت ہے ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگان جودے کنم (دوبارہ ۱۲)

من نکردم پاک از تسبیح شان
پاک ہم ایشاں شوند و در فشاں (دوبارہ ۱۲۵)

؎ ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ
وز گراں جانی و چالاکی ہمہ

یعنی اگر کسی نے ہماری مدح میں سبحان اللہ کہدیا تو ہم تو اسکے اس کہنے سے کیا پاک ہوتے وہ خود ہی پاک ہوگیا اور ہماری تو یہ شان ہے کہ ہم ناپاکی سے تو پاک ہیں ہی بلکہ جس پاکی کو ہماری طرف نسبت کرتے ہیں ہم تو اس پاکی سے بھی پاک ہیں ہماری شان تو اس سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہے آگے مولانا نے اس مضمون کی کس غضب کی مثال دی ہے جس سے ثابت کردیا اس مضمون کو ورنہ بظاہر تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ پاکی سے پاک ہونے کے کیا معنی سو فرماتے ہیں ؎

شاہ را گوید کسے جولاہہ نیست
این نہ مدح ست او مگر آگاہ نیست

؎ بادشاہ کی شان میں یہ کہنا کہ آپ جولاہے نہیں ہیں یہ بجائے مدح کے ہجو کی طرح ہوئی بلکہ اس کی مثال عرض کرتا ہوں ایک شخص بہت بڑا حسین ہے اسکی ایک شخص تعریف کر رہا ہے تو کہا کہ سبحان اللہ آپکے حسن کے کیا کہنے ہیں آپکے چہرے پر چیچک کے گڑھے بڑے بڑے ہوئے نہیں ہیں یعنی آپ اتنے حسین ہیں کہ چیچک کی وجہ سے جو گہرے گہرے گڑھے چہرہ پر پڑ جاتے ہیں وہ آپکے چہرہ پر نہیں ہیں کیجئے صاحب یہ بھی بھلا کوئی حسن ہوا یہ کیا کچھ تعریف ہوئی

ہوئی افسوس اس شخص نے حُسن کی کچھ بھی قدر نہ کی۔ اسی طرح ہمارا یہ کہنا کہ اے اللہ آپ
پاک ہیں امکان سے آپ پاک ہیں حدوث سے آپ پاک ہیں حاجت سے آپ کے بیوی نہیں
آپکے بچے نہیں یہ سب اپنے فہم کے موافق ہم نے حق تعالیٰ کی تعریف کی یعنی جن چیزوں
کو ہم عیب سمجھتے ہیں ان سے حق تعالیٰ کے بری ہونیکا دعویٰ کیا لیکن حق تعالیٰ
کی شان کے مناسب جو بات ہے وہاں ہمارا تو کیا ذہن پہونچتا سید الحامدین صلے اللہ
علیہ وسلم بھی یہ عرض کر رہے ہیں کہ لَا اُحْصِی ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی
نَفْسِکَ اے اللہ میں آپکی ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا آپ ویسے ہی ہیں جیسے آپنے خود
اپنی تعریف کی۔ یعنی اگر کوئی آپکی تعریف کر سکتا ہے تو وہ خود آپ ہی ہیں کیونکہ تعریف
حقیقی کیلئے معرفت بالکنہ شرط ہے اور معرفت بالکنہ کسکو حاصل ہو سکتی ہے بجز خود
ذات حق کے تو ہم تو کیا چیز ہیں خود حضور اپنا عجز ظاہر فرما رہے ہیں یہی معنی ہیں فرمانے کے

ص من نگردم پاک از تسبیح شان — پاک ہم ایشاں شوند و درفشاں

تو ہماری ہی مصلحت ہے عبادت میں۔ تو غرض طبیب نے جو پرہیز بتایا ہے وہاں تو اسکی
بھی کچھ نہ کچھ مصلحت ہے اور یہاں عبادت میں سراسر ہماری ہی مصلحت ہے پھر بھی جو
ہم اس میں بہانے ڈھونڈتے ہیں تو خود اپنا ہی ضرر کرتے ہیں۔ حالانکہ قدر کرنا چاہئے
تھی اللہ اکبر خدا رسول نے ہمکو کیسے کیسے کام کی اور شفا کی چیزیں بتلائی ہیں مگر ہم ان
سے بچنے کیلئے بہانے ڈھونڈتے ہیں ذرا گرمی ہوگئی روزہ معاف۔ ذرا سردی ہوگئی وضو
معاف نماز معاف۔ میرے ملنے والے ایک مولوی صاحب تھے وہ ایک صاحب کے
بچوں کو انگریزی پڑھانے پر نوکر ہو گئے۔ وہ مولوی صاحب گو انگریزی پڑھے ہوئے
تھے مگر تھے دیندار۔ انگریزی پڑھانا خبر نہیں وہ تو معاش کی ضرورت سے پڑھاتے تھے
سو پڑھو بھائی انگریزی مگر دین سے تو بے پرواہی نہ کرو۔ کیا ضرور ہے کہ انگریزی پڑھ کر دین بالکل
تباہ ہی کر دو۔ وہ صاحب جنکے بچوں کو مولوی صاحب انگریزی پڑھاتے تھے عدالت کے سرشتہ دار
تھے مولوی صاحب نے انکے لڑکوں سے نماز پڑھوانا شروع کی جب وقت آتا کہہ دیتے کہ
ہمارے سامنے نماز پڑھو۔ سردی کا زمانہ تھا بچوں کو کہیں زکام ہو گیا انکی [illegible]

کوئی کہتی ہیں معلوم نہیں یہ بدبخت مولوی کہاں سے آگیا ہے خدا اسے ہودے خدا اسے اٹھا
لے جب سے یہ آیا ہے میرے بچوں کو نکما ہی بنانے لگا استاد کیا ہے ظالم ہے قصائی ہے
رحم بھی تو نہیں آتا اس عمر میں نماز پڑھواتا ہے کہتا ہے کہ نماز سکھلاتے ہیں۔ اچھی نماز
سکھلائی میرے بچے تو نکما ہوگیا۔ کھانسی ہوگئی۔ یہ دیکھئے کیسی بددینی کی باتیں ہیں
اور بعضی ایسی بھی ہیں اللہ کی بندیاں جو دین کی عاشق ہیں۔ ایک اور حکایت یاد آئی وہ
سی ایک نواب کی لڑکی کا قصہ ہے گو ہے ان بی بی کی خوبی لیکن اسکے ضمن میں ایک شخص کی
بیہودگی کا بھی قصہ ہے جو اس نے انکی طرف منسوب کیا۔ قصہ یہ ہوا۔ انہیں مولوی صاحب
کو یہ واقعہ پیش آیا اور یہ عجیب بات ہے کہ ان دونوں قصوں کا تعلق ایک ہی شخص سے
ہے۔ اس دوسری حکایت کے شروع کرنے کے بعد یاد آیا کہ یہ بھی انہیں کا واقعہ ہے۔ وہی مولوی
صاحب ایک زمانہ میں ان بی بی کے بچہ کو فارسی پڑھاتے تھے انہیں سے ایک بچہ تھا نہایت شریر رئیسوں
کے بچے یوں بھی ذرا آزاد ہوتے ہیں خصوص جہاں صحبت بھی اچھی نہ ہو وہاں اور بھی زیادہ آزاد
ہوجاتے ہیں وہ نوکروں کی صحبت میں رہتا تھا اور نوکر اکثر شریر ہوتے ہی ہیں خصوص
رئیسوں کے نوکر تو بہت ہی شریر ہوتے ہیں۔ اول تو وہ لڑکا خود ہی شریر پھر نوکروں کی صحبت
کریلہ اور نیم چڑھا۔ مولوی صاحب سے یوسف زلیخا پڑھتا تھا ایک دن سبق میں حضرت زلیخا
کا سراپا تھا کہ رخسار ایسے تھے آنکھیں ایسی تھیں ہاتھ پاؤں ایسے تھے۔ غرض پورا حلیہ بیان
بیان کیا ہی خیر مولانا جامی نے تو کی ہے اسمیں ذرا شاعری۔ نوکر نے کیا شرارت کی لاحول ولا قوۃ
الا باللہ اس لڑکے سے یہ کہا کہ تم اپنے مولوی صاحب سے پوچھنا کہ حضرت زلیخا کی چھاتیاں
کیسی تھیں وہ بیباک تھا ہی اس نے پوچھ لیا ان کے سر سے پاؤں تک آگ ہی تو لگ گئی
جلکر جواب دیا کہ ایسی تھیں جیسی تیری ماں کی۔ واقعی بڑا سخت جواب تھا۔ آخر اسکا بچہ تھا بہت
ناگوار ہوا کہ میری ماں کو گالی دی۔ زلیخا کو گالی دیتے ہوئے تو کچھ برا معلوم نہ ہوا اور یہ
وہی بات اپنی ماں کے بارہ میں سنکر ایسی ناگواری ہوئی سنکر اسکو بڑا غصہ آیا اور اسنے جاکر
اپنی ماں سے شکایت کی کہ آج مولوی صاحب نے ہمیں ایسا ایسا کہا ہے ایک ایسی بات تھی کہ
جسکو نواب کی لڑکی جو عفیفہ بھی شریف بھی ہو سنکر کیا آگ بگولا نہ ہوجاتی لیکن وہ نہایت

دیندار تھیں مجھے بھی اتفاق ہوا ہے اُن کے یہاں بیان کرنے کا انھوں نے ایکبار بیان کے
بعد میری دعوت بھی کی تھی لیکن میں نے منظور نہیں کی تھی میں نے کہلا بھیجا کہ میں کسی کے یہاں وعظ
کہکر اُسکے یہاں دعوت نہیں کھایا کرتا وہ بات چیت بھی کرلیتی تھیں اول تو عمر کی ڈھلی ہوئی
تھیں دوسرے امراء کے یہاں اس میں کچھ تنگی بھی نہیں سبکو یوں سمجھتے ہیں کہ ہماری لونڈیاں
ہیں۔ غرض کہ مولوی صاحب کو بلایا اور پوچھا کہ آپنے کوئی کلمہ بیہودہ میرے بارہ میں کہا ہے
مولوی صاحب نے بیدھڑک کہدیا کہ ہاں صاحب کہا ہے وہ بیچارے حضرت تھے کہنے لگے
معلوم ہوتا ہے آپ سے سارا قصہ نہیں کہا گیا آپ سے اصل سبب میری اس گستاخی کا ظاہر نہیں
کیا گیا ورنہ آپ کو اسقدر ناگوار نہ ہوتا وہ بولیں نہ کہئے۔ مولوی صاحب نے کہا سنئے حضرت
زلیخا پہلے جیسی بھی ہوں لیکن آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام سے اُنکا نکاح ہوگیا تھا اور
انبیاء سب مسلمانوں کے باپ ہیں اور انکی بیویاں مائیں ہیں۔ اسنے حضرت زلیخا کے بارہ
میں یہ بیہودہ سوال کیا اُسکا میں نے یہ جواب دیا۔ اسنے میری ماں کو کہا میں نے اُسکی ماں
کو کہا تو وہ بڑی خوش ہوئیں کہا آپنے بہت اچھا کیا اور اس نالائق کے منہ پر آپنے جوتا نہ
مارا پھر اُنھوں نے اس لڑکے سے کہا کہ دور ہوجا کمبخت نکل جا گھر سے بہت جلد میرے سامنے
سے تیرا منہ دیکھنے کے قابل نہیں اور مولوی صاحب سے کہا آپنے بہت ہی اچھا کیا تو غرض
یہ ہے ایک دیندار عورت کی حکایت جو مجھے اسوقت یاد آگئی اور ایک وہ بھی جو
گویا نماز اور وضو کو اتنا ناگوار سمجھتے ہیں کہ ذرا سے بہانہ میں [illegible] ساقط نماز بھی [illegible]
لوگ ہمنے دیکھے کہ اچھے خاصے نمازی لیکن ریل میں نماز ہی نہیں پڑھتے کہتے ہیں کہ صاحب ریل
میں وضو کا بھی ٹھیک نہیں صاحب قبلہ کا بھی ٹھیک نہیں۔ بھیڑ بھاڑ میں سجدہ کا بھی موقع
نہیں کھڑے ہونے کی بھی گنجائش نہیں کیا نماز پڑھیں اور کیسے نماز پڑھیں حالانکہ جو نماز پڑھنے والے ہیں
انہیں ریل ہی میں سارے سامان مہیا ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ [illegible] ریل میں کبھی بے
وضو یا بیٹھکر یا بے رخ نماز نہیں پڑھی۔ اور میں اکثر تیسرے درجہ میں سفر کرتا ہوں احباب بہت
ترغیب دیتے ہیں کہ انٹر میں سفر کیجئے اصرار کرتے ہیں کہ سکنڈ میں بیٹھو مگر غریبوں کو تو
غریبوں ہی کی طرح رہنا چاہئے اپنی حیثیت سے زیادہ نہیں بڑھنا چاہئے غرض اکثر تیسرے

درجہ ہی میں سفر کرنیکا اتفاق ہوتا ہے جسمیں اکثر مسافروں کی کثرت ہوتی ہے اور بہت بھیڑ بھاڑ
رہتی ہے لیکن بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ نماز پڑھی نیز وضو کے ساتھ رکوع و سجود کے ساتھ قبلہ رخ
ہو کر۔ بات یہ ہے کہ اگر انسان ارادہ کرے تو حق تعالیٰ ساری رکاوٹوں کو دور کرتے
چلے جاتے ہیں۔ خوب فرماتے ہیں مولانا ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید　　خیرہ یوسف وار می باید دوید

گو رستہ نظر نہ آوے لیکن تم دوڑو تو بھی رستہ خود بخود پیدا ہوتا چلا جاویگا۔ حضرت یوسف
کا بھی تو یہی قصہ ہوا اُن کے واسطے بھی رستہ کہاں تھا سات قفل آگے پیچھے لگے ہوئے
تھے ایسی حالت میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہاں سے بھاگ جانا ممکن تھا یا کسی کو اسکی
امید ہو سکتی تھی کہ میں باہر نکل جاؤنگا۔ جبکہ زلیخا نے ساتوں کواڑ بھی محل کے بند
کر دیئے تھے اور اوپر سے بڑے بڑے قفل بھی لگا دیئے تھے پھر وہاں سے نکل بھاگنے
کی کیا صورت ہو سکتی تھی۔ مگر اللہ اکبر حضرت یوسف علیہ السلام کا توکل دیکھئے بس بات
یہ ہے کہ وہ مسئلہ جانتے تھے کہ آدمی کے قبضہ میں جتنا ہو وہ کرے آگے جو کچھ ہو اُسے
حق تعالیٰ کے سپرد کرے اتنا توکل تھا کہ باوجود اس کے کہ جانتے تھے کہ میں مقفول کے
اندر محبوس ہوں لیکن پھر بھی مایوس نہ ہوئے اور جو کام اُس وقت انکی قدرت میں تھا وہ
کیا یعنی زلیخا سے دامن چھڑا کر دروازہ کی طرف کو جھپٹے اب ان سے کوئی پوچھے کہ
آپ جا کہاں رہے ہیں وہاں تو قفل لگا ہوا ہے لیکن جناب حق تعالیٰ کو تو سب کچھ
قدرت ہے بس دروازہ کے پاس پہونچنا تھا کہ پھٹ سے قفل نیچے اسی طرح جس
دروازہ کے پاس پہونچیں خود بخود قفل ٹوٹ کر گر پڑے اور کھٹ سے کواڑ کھل جائیں
غرض ساتوں دروازوں کے پار ہو گئے مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید　　خیرہ یوسف وار می باید دوید

گو رستہ نظر نہ آوے لیکن تم حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑو تو رستہ خود بخود
پیدا ہوتا چلا جاویگا۔ تم اپنا کام تو کرو پھر رستہ پیدا کرنا حق تعالیٰ کا کام ہے وہ انشاءاللہ تم
کریگے۔ میرے ذہن میں بھی ایک مثال آئی ہے جس سے سمجھانا آسان ہے موقع پر اس مثال کو بیان کیا ہے

لیکن چونکہ مثال بہت اچھی ہے اسلئے اسوقت پھر یاد آئی۔ یہاں سے مظفرنگر جاؤ تو سڑک
پر آپ دیکھیں گے کہ دونوں طرف درخت کھڑے ہوئے ہیں۔
پھر کھڑے ہو کر دور تک دیکھئے تو جہاں تک نگاہ جا سکتی ہے وہاں پہونچکر نگاہ کے
سامنے گویا دونوں طرف کے درخت مل کر کھڑے ہو جاوینگے تو ایسا معلوم ہوگا کہ سڑک بند
ہوگئی اور آگے رستہ چلنے کا نہیں ہے جب ہی چاہے جا کر دیکھ لیجئے جب ہی معلوم ہوگا کہ
اگر کوئی ناواقف ہے تو یہی سمجھ کر لوٹ آویگا کہ آگے راستہ تو ہے ہی نہیں پھر چلنے سے کیا فائدہ
اور اگر کوئی واقف کار مل گیا تو وہ کہیگا کہ تم چلو تو رستہ ملیگا لیکن یہ کہتا ہے کہ میاں آنکھوں سے
تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ آگے چلکر رستہ بند ہے پھر کیا اپنے مشاہدہ کو بھی ہم غلط سمجھ لیں وہ کہتا ہے کہ
ہاں واقعی تمہاری آنکھیں غلطی کر رہی ہیں۔ یہاں بیٹھے بیٹھے تمہیں رستہ نظر نہیں آتا جب جہاں
پہونچو گے تب دیکھو گے کہ رستہ بالکل کھلا ہوا ہے تم بیٹھے ہو کنارہ پر اسلئے رکاوٹیں نظر آتی
ہیں بس چلنا شروع کرو اور دور تک نظر کو دوڑاؤ نہیں۔ مولانا کا شعر ہے ؎
اے خلیل اینجا شرار و دود نیست۔ سبحان اللہ۔ اے خلیل اینجا شرار و دود نیست

جز کہ سحر و خدعۂ نمرود نیست

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دور سے جلتی ہوئی آگ نظر آئی تھی اور واقع میں وہ ان کیلئے
آگ نہ تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اسکو آگ سمجھکر جھجکے تو گویا حق تعالیٰ نے ان کو اسکی
تسلی فرمائی کہ ؎

اے خلیل اینجا شرار و دود نیست — جز کہ سحر و خدعۂ نمرود نیست

اے خلیل ڈرتا کیوں ہے یہ آگ نہیں ہے یہ نمرود کا دھوکہ ہے فریب ہے بسم اللہ کر کے تیار ہو جاؤ
تو حضرت اسی طرح جتنی رکاوٹیں دین کے رستہ میں نظر آتی ہیں خدا کی قسم وہ رکاوٹیں ہی نہیں تم
یہاں بیٹھے بیٹھے فیصلہ کر رہے ہو کہ رکاوٹیں ہیں وہاں پہونچکر دیکھو گے تو رستہ بالکل کھلا ہوا
ہی پاؤ گے پھر جب وہاں پہونچکر آگے دیکھو گے تو پھر رستہ نظر آئیگا۔ پھر چلو گے پھر رستہ
کھلا ہوا ملیگا۔ غرض تمہیں نظر آتا ہے کہ رستہ بند ہے حالانکہ واقع میں کھلا ہوا ہے مگر چلنا شرط
ہے۔ اب کوئی بدن کو حرکت ہی نہ دے تو اسکا کیا علاج کہتے ہیں کہ صاحب چلتے ہیں نماز پڑھتے

کی کیا صورت ہوسکتی ہے اور حالت یہ ہے کہ نہ اہتمام کرتے ہیں نہ مسافروں سے کہتے ہیں کہ بھائی ہمیں تھوڑی سی جگہ دیدو۔ تھوڑی دیر کیلئے کھڑے ہو جاؤ ہمیں نماز پڑھنی ہے بس بیٹھکر خود ہی فیصلہ کرلیا کہ چاروں طرف تو آدمی ہیں کہاں نماز پڑھیں بس جی ایسی حالت میں نماز معاف ہے یہ بڑے بڑے نمازی جو ہیں انکا حال ہے اور بعضوں نے ایک اور مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ چاہے کھڑے ہونے پر قدرت ہو لیکن ریل میں بیٹھکر نماز پڑھنا جائز ہے بس بیٹھے اور ٹکریں ماریں حالانکہ فرض نماز میں بشرط قدرت قیام فرض ہے بعض نے یہ مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ تشہد میں بیٹھنا ہی ضروری نہیں بس پاؤں لٹکا کر اطمینان سے دوسرے تختہ پر سر ٹیک دیا اور اپنے نزدیک نماز ادا کرلی۔ ذرا مشقت بھی تو گوارا نہیں چاہے فرض سے اتر ے یا نہ اترے بعضوں کو دیکھا کہ قبلہ رخ ہونا بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ ریل میں کیا بیٹھے گویا اپنے نزدیک خانہ کعبہ کے اندر پہونچ گئے۔ وہاں بڑا لطف آتا ہے خدا تعالیٰ نے ہمیں بھی اندر پہونچنا نصیب کیا تھا ہم نماز پڑھ رہے تھے بھیڑ بہت تھی سجدہ کا موقع نہ ملا تو ہم نے گھوم کر دوسری طرف سجدہ کرلیا کیونکہ وہاں تو چاروں طرف کعبہ ہی کعبہ ہے ہر طرف سجدہ کرنا جائز ہے مثلاً چار شخص بیٹھے ہوں تو چاروں سجدے چار مختلف سمتوں میں کرسکتا ہے ایک ادھر ایک اُدھر ایک اسطرف مگر یہ آزادی صرف اندر ہی اندر ہے باہر ہو جگہ دنیا میں کوئی ایسی جگہ ہی نہیں جہاں یہ آزادی ہو کہ جس طرف چاہے سجدہ کرسکے مولانا فرماتے ہیں ؎

در دروں کعبہ رسم قبلہ نیست　　　چہ غم ار غواص را پاچیلہ نیست

تو کعبہ کے اندر قبلہ کی قید نہیں اور یہ حضرت ریل ہی میں بیٹھکر قبلہ رخ ہونے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور غضب یہ ہے کہ اگر کہا بھی گیا کہ نماز نہیں ہوئی تو یہ کہدیا کہ اجی سب ہوگئی نہ پڑھنے سے تو اچھا ہے جیسے جمعہ کے بارہ میں کہدیتے ہیں کہ گاؤں میں اگر جمعہ پڑھ ہی لیا تو کیا بگڑ گیا نہ پڑھنے سے تو پھر بھی اچھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پھر کبھی حج اکبر ہی حج بھی کر آیا کرو بلکہ گیراتھ ہی کرلیا کرو کیونکہ حج نکرنے سے تو اچھا ہے۔ بس اسکی ضرورت ہی نہیں سمجھتے کہ شرائط بھی ہوں حدود بھی ہوں۔ یہ تو ہم نے نمازیوں کا حال دیکھا ہے۔ اور اسکی کوتاہی ہونا تو ظاہر ہے اور اسکا اصل ہے طاعت کے اندر سستی اور بے پروائی یہ تو تفریط ہے۔ اور ایک حالت ہے غلو فی الطاعۃ

یعنی زیادتی کرنا طاعت میں یہ افراط ہے لیکن میں نے کہا تھا کہ غلو کا بھی ایک معیار ہے جو لوگوں کی
رائے پر نہیں چھوڑا گیا اور اگر چھوڑ بھی دیا جاتا تو بوجہ اختلاف طبائع کے کوئی معیار ہی قائم
نہ رہ سکتا تھا۔ وہ معیار یہ ہے کہ حدود سے آگے بڑھ جانا خلاصہ کیا ہے اس معیار کا
خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے ہر عمل کی ایک حد اور کچھ شرائط مقرر کی ہیں۔ تو ہر عمل کے کچھ احکام
ہیں کچھ شرائط ہیں کچھ حدود ہیں کچھ ضوابط ہیں کچھ قواعد ہیں انکے خلاف کرنا حدود سے گذر
جانا ہے اسی کا نام ہے غلو اور مجھے اس وقت اسی کو بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ ایک یہ بھی
مرض ہے ہم لوگوں میں پس ہمارا یہ حالت ہے ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی　　　تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

چون گرسنہ میشوی سگ میشوی　　　چونکہ خوردی تند و بدرگ میشوی

ہمارے کھانے میں اور طرح کی خرابیاں ہیں نہ کھانے میں اور طرح کی خرابیاں ہیں غرض دونوں
حالت میں خرابی ہی خرابی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ہرچہ گیرد علتی علت شود　　　ہرچہ گیرد علتی علت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود　　　(دو بلہ ۱۲۵)

علتی جس چیز کو اختیار کرتا ہے الٹ ہی بنا لیتا ہے جیسا کہ اگر کسی میں خلط غالب صفرا ہی
تو وہ مٹھائی بھی کھائیگا وہ بھی صفرا ہی ہو جائیگی انار شیریں کھائیگا وہ بھی صفرا ہی بنائیگا اسی
طرح ہم میں جہل اتنا بڑھا ہوا ہے اگر ہم دین کا بھی کوئی کام کرتے ہیں تو اسمیں بھی جہل ہی ہوتا ہے
بس خلاصہ دینداری کا یہ نکال لیا ہے کہ ہم نے دین کا کام کیا ہے ارے بھائی دین کا کام تو
وہ ہے جسکو اللہ میاں بھی پسند کریں۔ رات بھر تو آقا کو پنکھا جھلا اور حال یہ ہے کہ کبھی سر
میں مار دیا کبھی منہ پر مار دیا کبھی ٹوپی اتار دی یہ تو اپنے نزدیک خدمت کر رہا ہے اور
انکی کبھی ناک چڑھتی ہے کبھی تیوری پر بل پڑتے ہیں غرض جتنی وہ خدمت کرتا ہے اتنا ہی
وہ دلمیں ناراض ہوتا چلا جاتا ہے اور یہ حضرت صبح کو سمجھتے ہیں کہ میں نے بڑا کام کیا
رات بھر آقا کی خدمت کی آرام پہونچایا ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے (دوبارہ ۱۲۰) خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
حاصل خواجہ بجز پندار نیست

اسی طرح ہم نے دین کا جو کام کیا بے ڈھنگے طور پر کیا اور سمجھا کہ ہم نے بڑی طاعت کی مگر ایسی طاعت کی جیسی مولانا فرماتے ہیں

دوستی بے خرد چوں دشمنی ست (دوبارہ ۱۲) دوستی بے خرد چوں دشمنی ست
حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی ست

مشہور ہے۔ کہ کسی نے ریچھ کو پنکھا جھلنا سکھایا تھا کہ بیٹھکر مکھیاں جھلا کریگا چنانچہ تھوڑے دلوں میں اس نے پنکھا جھلنا سیکھ لیا۔ مالک پڑا سوتا رہتا اور وہ بیٹھا مکھیاں جھلا کرتا وہ صاحب بڑے خوش کہ نوکر کی تنخواہ ہی بچی ایک شخص نے کہا بھی کہ میاں یہ کیا کرتے ہو جانور ہے اس کا کیا اعتبار کبھی خطا کھاؤ مگر انھوں نے کہا کہ نہیں صاحب اس سے کوئی اندیشہ نہیں یہ تعلیمیافتہ ہے بہت اچھا صاحب وہ تعلیمیافتہ تھا مثل پاس تھا ایک دن مالک سو رہا تھا اور وہ بیٹھا پنکھا بل جھلکر مکھیاں اڑا رہا تھا بعضی مکھی بڑی ضدن ہوتی ہے ایک مکھی آقا صاحب کے ناک پر آبیٹھی اس نے اسکو اڑا دیا وہ پھر آبیٹھی اس نے پھر اڑا دیا پھر آبیٹھی پھر اڑا دیا مگر وہ پھر آبیٹھی اب وہ بہت جھلایا اس نے کہا اچھی بات ہے تو یوں نہیں جاوگی۔ آپ جا کر ایک بڑا سا پتھر اٹھا لائے اور کہا کہ اب کے تو آ جو پتھر ہی نہ مارا ہو مگر وہ بھلا کب ماننے والی تھی مکھی تو یہ عادت ہی تھی پھر آبیٹھی آپنے تاک کر جو پتھر مارا تو خدا جانے وہ تو نکلی یا نہ نکلی مگر آقا صاحب کا بھیجہ تو نکل ہی پڑا۔ یہ ریچھ صاحب کی دوستی کا نتیجہ نکلا تو مولانا فرماتے ہیں ۵

دوستی بے خرد چوں دشمنی ست   حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی ست

اے صاحب اگر ہر عبادت مطلوب ہوتی اور ہر طرح تو پھر مطلوب ہوتی کوئی حد اور شرط نہ ہوتی تو پھر عید کے دن کا روزہ بھی حرام نہ ہوتا دوپہر کے وقت کی نماز بھی حرام نہ ہوتی ایسی حالت میں سفر کے اندر روزہ بھی جائز ہوتا حالانکہ فرمارہے ہیں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ بس یہی مسئلہ مجھے مستنبط کرنا تھا

اس حدیث سے کہ طاعت بھی وہی ہے جو حدود کے اندر ہو دیکھو نماز کیسی اچھی چیز ہے
اگر دوپہر ہونے پر ہو یا گھٹنے کھول کر پڑھو حالانکہ کپڑے موجود ہیں نماز نہ ہو گی۔ ہمیشہ سے بڑھ کر
سب زاہد و عابد اور دین کے کام کرنے والوں میں یعنی ایک مرض تو کام نہ کرنے کا ہے وہ تو
ہے ہی اور ایک مرض یہ ہے کام کرنے والوں میں کہ بس یہ دیکھ لیا کہ یہ دین کا کام ہے پھر یہ خیال
نہیں کرتے کہ یہ حدود کے اندر ہے یا نہیں حالانکہ شریعت میں یہاں تک حدود کی حفاظت ہے
کہیں ابھی بیان کر رہا تھا کہ فلاں فلاں وقت میں نماز پڑھنا جائز نہیں فلاں فلاں وقت
روزہ جائز نہیں۔ یہاں تو خیر حرمت ہے اور بعض جگہ حرمت تو نہیں لیکن کراہت ہے
دیکھو نماز کیسی اچھی چیز ہے لیکن ایک صحابی تھے وہ بہت نمازیں پڑھا کرتے تھے یہاں تک
کہ رات بھر نفلوں میں ہی گذار دیتے تھے حضور کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو انکو بلایا اور فرمایا
اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ
لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔ یعنی دیکھو بھائی نمازی اتنی نمازیں نہیں پڑھا کرتے کیونکہ تم پر تمہاری
جان کا بھی حق ہے تمہاری بیوی کا بھی حق ہے تمہارے مہمان کا بھی حق ہے ایسی طرح
رہو کہ کسی ذی حق کا حق فوت نہ ہو اور ایسی طرح رہو کہ بیمار نہ پڑ جاؤ بیوی کی حق
تلفی نہ ہونے پائے مہمان کو بھی تکلیف نہ ہو جاگتے جاگتے آنکھیں نہ اہل آویں۔ اور
یہ بھی فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوا حق تعالیٰ تو تھکتا نہیں آخر تم ہی تھک جاؤ گے حالانکہ
وہ صحابی کسی مکروہ وقت میں بھی نماز نہیں پڑھتے تھے مگر چونکہ تحمل سے زیادہ پڑھتے
تھے اس لئے یہ احتمال تھا کہیں فرضوں میں کوتاہی نہ ہونے لگے اور اگر فرضوں میں کوتاہی
نہ بھی ہوتی تو خود اس عبادت میں بھی کراہت اور ناگواری پیدا ہو جانا بھی تو برا ہے اور
تحمل سے زیادہ کام کرنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ جب عبادت میں ناگواری پیدا ہونے لگے تو
پھر لطف ہی کیا رہا اس لئے بھی حضور نے ان صحابی کو زیادہ جاگنے سے اور زیادہ نمازیں
پڑھنے سے روکا اسی طرح ایک صحابی کے بارہ میں سنا کہ روزے بہت رکھتے ہیں انکو بھی کم کا
طریقہ بتایا۔ انہوں نے زیادہ کی اجازت پر اصرار کیا آپ نے اخیر میں فرمایا کہ سب سے
افضل یہ ہے کہ ایکدن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول

اللہ میں اس سے بھی افضل کی طاقت رکھتا ہوں مجھے کوئی اس سے بھی افضل صورت بتلا دیجئے۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ لَا اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ اس سے افضل اور کوئی صورت نہیں اور یہ صورت تو حضور نے انکی درخواست پر تجویز فرمائی تھی یہاں حضور کی اصل رائے ظاہر نہیں ہوتی حضور کی اصل رائے خصوص ضعفاء کے لئے تو یہ ہے کہ تحمل کی قدر رکھتے ہی کہ اسکو بھی کافی سمجھا کہ ہر مہینہ میں تین روزے رکھ لئے جایا کریں زیادہ مصیبت اٹھانے کی ضرورت نہیں کیونکہ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اسکو دس نیکیوں کا ثواب ملجاتا ہے تو تین روزے رکھنے سے تیس روزوں کا ثواب ملجائیگا اور ثواب ہی مقصود ہے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کے یہ معنی ہوئے کہ گویا سال بھر برابر روزے رکھے۔ یہاں ایک باریک بات سمجھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ ظاہر میں تو حضور نے یہ عبادت میں کمی کرائی لیکن درحقیقت یہ بات نہیں۔ کمی نہیں کرائی بلکہ کمی سے روک دیا یعنی نفل عبادت میں زیادتی ہوگی تو قوی مضمحل ہو کر فرض عبادت میں کمی ہو جاویگی۔ دوسرے یہ کہ اگر ابتدا سے تھوڑا کام مقرر کیا جائیگا تو اس کا نباہ آسان ہوگا ورنہ اگر شروع زیادہ کر لیا تو اسکا نباہ نہ ہو سکیگا۔ اور کچھ دن بعد پھر بالکل ہی موقوف ہو جاویگا تو نفل عبادت میں زیادتی کر کے گویا فرض میں بھی کمی ہوئی اور خود اس نفل میں بھی کمی ہوئی بہرحال عبادت میں زیادت تو مطلوب ہے زیادت سے حضور نہیں روکتے بلکہ کمی سے روکتے ہیں تو دیکھئے حضور نے یہ تجویز فرمایا ان کے حق میں کہ ایسا نکرو کہ رات بھر نفلیں ہی پڑھتے رہو۔ ایسا نہو بیمار پڑ جاؤ۔ ایسا نہو بیوی کا حق ضائع ہونے لگے۔ ایسا نہو ماں کی ضروری خدمت میں ہی خلل پڑ جائے۔ ایک مرتبہ چند صحابیوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ سے حضور کی عبادت کا طرز دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ رات کو سوتے بھی ہیں جاگتے بھی ہیں کبھی روزہ رکھتے ہیں کبھی افطار کرتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا حضرت صحابہ نے اتنی عبادت کو قلیل سمجھا۔ کیسے اچھے تھے وہ حضرات ہم تو اس قلت سے یہ نتیجہ نکالتے کہ جب حضور افضل العابدین ہو کر صرف اتنی ہی عبادت کرتے ہیں تو ہم تو حضور کے سامنے کچھ بھی نہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر عبادت کہاں کر سکتے ہیں۔ اور ان حضرات نے

بنتیجہ نکالا کہ حضور کو کیا ضرورت ہے عبادت کی اسواسطے کہ حضور کے بارہ میں تو حق تعالیٰ خود فرماچکے ہیں لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ پھر حضور کو کیا ضرورت ہے مصیبت بھرنے کی حضور کے تو اگلے پچھلے سب حق تعالیٰ نے بخش ہی دیے ہیں ہاں ہم گنہگار ہیں ضرورت تو عبادت کی ہمکو ہے لہذا ہم اپنے کو حضور پر کیوں قیاس کریں ہمکو تو حضور سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے۔ وہاں یہ اثر ہوا چنانچہ انہوں نے آپسمیں مختلف عہد کئے۔ ایک جماعت نے تو یہ کہا کہ ہم عورتوں سے ہمیشہ الگ رہیں گے یعنی نکاح ہی نہ کرینگے۔ بعض نے یہ کہا کہ ہم ہمیشہ روزے ہی رکھا کرینگے۔ کوئی بولا کہ بس میں رات بھر جاگا ہی کرونگا۔ اتنے میں حضور بھی تشریف لے آئے۔ آپنے فرمایا جو کچھ تم آپسمیں کہہ رہے ہو وہ میں نے بھی سنا۔ مگر یاد رکھو کہ ہم تو روزہ بھی رکھتے ہیں افطار بھی کرتے ہیں بھوکے بھی رہتے ہیں پیٹ بھرے بھی رہتے ہیں سوتے بھی ہیں جاگتے بھی ہیں پھر فرمایا ذٰلِکَ مِنْ سُنَّتِیْ بس میرا طریقہ یہ ہے میری یہ سنت ہے فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ پس یاد رکھو جو اعراض کریگا میرے طریقہ سے اور میری سنت سے اس سے مجھسے کوئی علاقہ نہیں تو آپنے ان سب کو منع فرمادیا کہ اپنی ان تجویزوں پر ہرگز عمل نہ کرنا بلکہ اسطرح رہو جیسے ہم رہتے ہیں اسمیں دو راز ہیں ایک تو ہے ظاہری اور ایک ہے باطنی ظاہری تو یہ کہ جب راحت ہوتی ہے تو سہولت سے کام ہوتا ہے اور باطنی راز یہ ہے کہ راحت کا خاصہ ہے کہ منعم کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے بشرطیکہ نعمت سے تمتع کے وقت منعم پر نظر بھی ہو کہ یہ نعمت کس کی طرف سے ہے۔ غرض راحت سے بسر کرنے اور آرام لینے سے حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے کہ سبحان اللہ خدا نے مجھے کتنا سامان راحت دے رکھا ہے دوسرے ایسا شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہمارا عمل کم ہے کسی کیفیت یا ثمرہ کا اپنے آپکو مستحق نہیں سمجھتا نہ متوقع رہتا ہے جانتا ہے کہ میں کر ہی کیا رہا ہوں جو مجھے کچھ حاصل ہو اور جتنا کچھ بھی حاصل ہوتا ہے اسکو محض حق تعالیٰ کی عطا سمجھتا ہے اپنے عمل کا نتیجہ نہیں سمجھتا بخلاف اسکے جو حد سے زیادہ عبادت اور بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضت کرتا ہے وہ ہمیشہ اسکا منتظر رہتا ہے کہ وجد ہو سکر ہو استغراق ہو اور جانے کیا کیا ہو۔ اور اگر یہ نہیں ہوتا یا کم

ہوجاتے تو اسکے دل میں شکایت پیدا ہوتی ہے۔
کہیں اتنا زیادہ تو کام کرتا ہوں پھر مجھے کوئی بات حاصل نہیں ہوتی جسکا دوسرے لفظوں میں ظاہر یہ مطلب ہوتا ہے کہ میں تو خدا کا پورا حق ادا کرتا ہوں اور اللہ میاں مجھے میری محنت کا بدلہ یعنی میرے اعمال کا پورا صلہ نہیں دیتے۔ تو یہ شخص اپنی عبادت کی قیمت بھاری سمجھتا ہے۔ اور حق تعالےٰ کی عنایت کا بدلہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا پلہ بھاری ہے خدا کا پلہ ہلکا ہے غلو فی العبادۃ میں یہ ایک مرض باطنی پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے غلو اور تشدد کرنا مناسب نہیں۔ حدود کے اندر رہنا چاہیے حضرت حافظ فرماتے ہیں

گفت آسان گیر بر خود کارہا کز روی طبع سخت میگیرد جہاں بر مرداں سخت کوش

یہ اس حدیث کا ترجمہ ہے من شاق شاق اللہ علیہ خلاصہ یہ کہ عبادت بھی آپکی رائے پر نہیں ہے عبادت میں بھی حدود ہیں ان سے آگے نہ بڑھنا چاہیے چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں تلک حدود اللہ فلا تقربوھا کہیں فرماتے ہیں فلا تعتدوھا یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو بلکہ انکے پاس بھی نہ پھٹکو۔ اسوقت یہ عام غلطی ہے خصوصاً جو دنیا کا کام کرتے ہیں انھوں نے حدود کا خلاصہ یہ نکال لیا ہے کہ اصل میں کام مقصود ہے جس طریق سے بھی حاصل ہو جائے اسکی ایسی مثال ہے کہ کسی نے دل میں یہ ٹھان لیا کہ لوگوں سے جماعت کی نماز پڑھوانی چاہیئے کیونکہ یہ بڑا ثواب کا کام ہے اسکا طریق جو شریعت نے بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ موذن کھڑا ہو کر پکار دے حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ چنانچہ اذان کہدی گئی لیکن کوئی بھی نہیں آیا اس نے سوچا یہ طریقہ تو کافی نہیں ہوا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا چاہیے بس آپنے کیا کیا کہ گانے بجانے والے بلالئے اور بجائے اذان کے یا بعد اذان کے ان سے کہدیا کہ ہاں ذرا شروع تو کر دو۔ بس راگ کا شروع ہونا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے آ کر جمع ہونا شروع ہو گئے یہانتک کہ ساری مسجد بھر گئی پھر اسنے پھاٹک بند کرنے کا اہتمام کیا اور سب نے نماز پڑھوائی۔ وہ کوئی ذی اثر شخص تھا نہیں براہ راست نماز کیلئے لوگوں کو بلا سکتا نہ تھا اسلئے اسنے بلانے کی یہ ترکیب کی پھر بلانے کے بعد سب سے نماز پڑھنے کیلئے کہا تو کون انکار کر سکتا تھا بہت بڑی جماعت کے ساتھ نماز ہوئی سلام پھیر کر

بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی توفیق نہ ہوئی تھی اب بھی جماعت کا ثواب مل گیا آپ بڑے
خوش کہ سبحان اللہ میں نے کیسا اچھا کام کیا دیکھا اس ترکیب سے نماز پڑھوایا کرتے ہیں اسیطرح
لیکن [illegible] میں اکثر دیکھتا ہوں وہ لوگ صاحب سے کہ کوئی کھانا یا شیرینی بانٹنا اس ترتیب
کے حاصل کرنے کیلئے کرینگے جماعت [illegible] نماز پڑھیں کیونکہ اذان سے تو وہ مسجد میں آئے
نہیں کیا یہ جائز ہے ۔ یا یہ حکم شرعی ہے کہ تم اپنی طرف سے اذان کہدو پھر جسے کوئی آوے
یا نہ آوے اس جزئی میں تو کسی کا کلام نہیں ہے مگر اسکے ماننے والے دوسری جگہ اسکے
امثال میں غلطی کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اعمال سے مقصود حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے
تو عمل فی نفسہ کوئی بھی مقصود بالذات نہیں اور جو طرق مقصود بالذات ہی مقصود بالغیر
ہیں مقصود بالذات نہیں تو رضائے حق مقصود بالذات ہے اس کے طرق اور اسباب
مقصود بالغیر ہیں لیکن طرق اور اسباب اگر متعدد و مختلف ہوں تو انکی تعیین آپکی
رائے پر نہیں بلکہ شریعت نے جیسے مقصود کو متعین کیا ہے ایسی ہی طرق اور اسباب
کو بھی متعین کردیا ہے کہ رضا کی یہ سبیل ہے اور یہ طریق ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے
ہیں اِنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ یعنی خدا کی ایک سڑک ہے جو مقصود تک
پہونچاتی ہے اسکی ایسی مثال ہے میں ایک عام فہم مثال بیان کرتا ہوں (یہانتک بیان فرمایا
تھا کہ عشاء کی اذان ہونے لگی حضرت ساکت ہو گئے بعد ختم اذان پھر شروع فرمایا) مثلاً
بہت لوگوں کو دیکھتے اس بلا میں مبتلا دیکھا کہ کوئی مسجد بنوانی چاہی یا کسی مدرسہ وغیرہ کو
جاری کرنا چاہا تو اسکے واسطے [illegible] بہتر طریق تو یہ ہے کہ اعلان کردیا کہ بھائی جسکو
توفیق ہو چندہ میں شرکت کرے یہ تو [illegible] تو خطاب عام کی ہے اور اگر خطاب خاص ہو تو
اسکے لئے چند شرطیں ہیں ۔ ایک شرط تو یہ ہے کہ [illegible] نہ کہ جس سے وہ شرما جائے اور
خواہ مخواہ کچھ دینا ہی پڑے ایک یہ کہ ایسا شخص نہ کہے جسکا دباؤ پڑے ۔ ایک یہ کہ ان
[illegible] کا واسطہ نہ ہو [illegible] ۔ اس سے پہلی شرط [illegible]
شروع [illegible] کہ دباؤ [illegible] والا ذی اثر [illegible] کے ساتھ [illegible]
مجمع کے سامنے شرمندہ نہ کرے [illegible] صاف [illegible] اگر [illegible]

ہو گئے تو تمہارا ہی نفع ہے ہماری کوئی غرض نہیں دو گے تو ثواب ہے نہ دو گے تو کوئی جبر نہیں اور ہم کسی سے کہیں گے بھی نہیں نہ بدنام کرینگے۔ یہ سب باتیں صاف صاف کہدینی ضروری ہیں تاکہ دباؤ نہ پڑے اسواسطے کہ لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْہُ کسی مسلمان کا مال حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ طیب خاطر سے نہ دے۔ اب ایک صاحب نے شروع کیا مدرسہ اول تو چونکہ جائز طریق سے تحریک تھی اسلئے کچھ زیادہ چندہ اکھٹا نہیں ہوا کہنے لگے لو جی مولانا کے فرمانے کے مطابق کسی پر دباؤ نہیں ڈالا تھا پھر کیا خاک ملا۔ دس روپیہ ماہوار بھی نہیں ملتے۔ اب ہم اپنی کارگزاری دکھاتے ہیں اب ہم چندہ جمع کرینگے کن لوگوں سے میونسپل چیرمین سے ممبر داروں سے بڑے بڑے رئیسوں سے سب رجسٹرار سے تحصیلدار سے وکیلوں سے یعنی انکے ذریعہ سے چندہ جمع کرینگے اگر انکا کہنا ایک ایک نے بھی مان لیا اور دو دو چار چار روپیہ بھی ہر شخص نے دئے جیسا انکی وجاہت اور اثر سے بھی توقع ہے تو ذرا سی دیر میں ساٹھ روپیہ ہو گئے۔ اب بڑے سرخرو ہیں کہ دیکھو مولانا نے جلسہ میں ترغیب عام دی تھی وہاں تو ساٹھ پیسے ہی جمع ہوئے یہاں ہمنے ذراسی دیر میں ساٹھ روپیہ کر لئے مگر میں کہتا ہوں کہ مطلب کیا ہے یہی نا کہ مدرسہ چلے اور مدرسہ چلنے سے کیا مقصود ہے یہ کہ خدا راضی ہو اور جب خلاف حکم خدا کے کیا تو مدرسہ تو چلا مگر جو اصل غرض تھی یعنی خوشنودی حق تعالیٰ کی وہ تو حاصل نہ ہوئی غرض اسمیں یہ غلطی کرتے ہیں کہ بس دین کے کام کا نام سیکھ لیا اور اسکو جسطرح بن پڑا کرنا شروع کر دیا پھر یہ نہیں دیکھتے کہ ہم اپنے مقصود کو جائز طریق سے حاصل کر رہے ہیں یا ناجائز طریق سے بس ایک ہی لو لگی ہے کہ اس کام کو پورا کرنا چاہئے چاہے جائز طریق سے پورا ہو یا ناجائز طریق سے جیسے کسی نے یہ ٹھان لیا کہ کل شہر بھر کے مسکینوں کو دو دو روپیہ تقسیم کرونگا اس مقصود کے حاصل کرنیکے لئے اسنے چند مسلح اور ہتیار بند ڈاکوؤں کو ہمراہ لیکر کوئی برات جارہی تھی اسپر جا چھاپا مارا اور لوٹ لیا سارا مال اسباب۔ تو صاحب یہ تو ایسا ہو گیا۔ تو کیا یہ دین ہے۔ دین تو وہ ہے کہ نہ مقصود دین کے خلاف ہو نہ اسکے طریق دین کے خلاف ہوں۔ ورنہ وہ دین نہیں ہے اسکی نظائر اور بہت سی ہیں۔ لیکن میں نے بہت مثالیں پیش کر دی ہیں اسلئے میں اب ختم کرتا ہوں۔

خلاصہ اس بیان کا یہ ہے کہ جب کوئی کام کرو تو جی میں یہ نہ ٹھان لو کہ فلانا مطلب جسطرح
بن پڑے حاصل ہوئی جاوے بلکہ اپنا اصل مطمح نظر رضائے حق کو رکھو اور یہ قصد رکھو کہ رضائے
حق حاصل ہوجائے چاہئے کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔ سلطان صلاح الدین نے جب ملک شام
فتح کیا تو وزراء نے عرض کیا کہ ضرورت ہے یہاں کیلئے کوئی قانون بھی تجویز فرمایا اس نے
کہا کہ قانون شرع موجود تو ہے۔ قانون جدید کی ضرورت کیا ہے لوگوں نے کہا کہ حضور
شریعت میں نرم سزائیں ہیں۔ یہ عیسائیوں کا نہایت سرکش اور فسادی فرقہ ہے انکیلئے
سخت سزاؤں کی ضرورت ہے ان پر اثر نہ ہوگا اس نرم قانون کا اسواسطے حضور اپنی رائے سے
کوئی نیا قانون ان کیلئے مقرر کر دیں ورنہ یہ آیا ہوا ملک ہاتھ سے جاتا رہیگا سلطان یہ سنکر
بہت برہم ہوا اور کہا کہ خلاف خدا رسول کے کوئی قانون ہرگز نافذ نہیں کیا جائیگا اور تم
مجھے ڈراتے ہو کہ سلطنت جاتی رہیگی تو کیا مجھے کچھ سلطنت کرنی مقصود ہے تم شاید یہ سمجھتے
ہو کہ مجھے ان معرکہ آرائیوں سے سلطنت مقصود ہے سو واللہ میں نے یہ جو کچھ کیا ہے
خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کو کیا ہے سلطنت کرنے کے شوق میں نہیں کیا اگر خدا تعالی
مجھے فقر و فاقہ اور ذلت و گدائی کی حالت میں ہی رکھیں میں اسپر بھی ویسا ہی خوش ہوں جیسا
کہ سلطنت کی حالت میں۔ میں کسی حالت کو ترجیح نہیں دیتا۔ بس خدا تعالی راضی رہیں نہ مجھے
پروا سلطنت کی ہے نہ گدائی سے عار ہے اور واقعی عاشق کا تو یہی مذہب ہوتا ہے

مولانا جامی فرماتے ہیں ؎

دلآرامے کہ داری دل درو بند　　دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند
(دوبارہ)
؎ دلآرامے کہ داری دل درو بند　　دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار　　مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار
(دوبارہ)
بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

بس مصلحت یہی ہے کہ ایک خدا کی خوشنودی کو لیکر باقی سب مصلحتوں پر خاک ڈالدو۔
تو طریقہ یہی ہے کہ جو کام بھی دین کا یا دنیا کا کرنا چاہئے ایک معتی اور سیدھی بات بتلائے دیتا

ہوں کہ علماء سے پہلے فتویٰ حاصل کر لیا کرو اور علماء بھی کون علماء محققین پھر اگر وہ فتویٰ
غلط دیں گے تو انکی گردن ناپی جاویگی تم پر کچھ مواخذہ نہ ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ علماء سے جو پوچھ
جاؤ سے یہ فتویٰ صحیح ہے اب چاہئے وہ مطلب حاصل ہو یا نہ ہو جیسے تم نے اپنے دل میں
جما رکھا ہے خدا تعالیٰ خوش ہو سکے چاہئیں۔ اگر مطلب حاصل ہو گیا یا کہ اللہ میاں تالیف
رہے تو زیادہ ہی کیا ہوا۔ غرض یہ ہے کہ مسائل دین [illegible] بیان کرنا لیکن لوگ
اسمیں بہت غلطیاں کرتے ہیں بالخصوص اس وقت تو بہت غلطیاں کر رہے ہیں یا مصلحتوں سے
مشتبہ کر دیا ہے۔ بس اس قاعدہ کو یاد رکھو تو کام [illegible] علماء سے پوچھ کر کرو اگر اختلاف ہو تو
جس عالم کا قول زیادہ جی کو لگے اور دل یہ گواہی دینے لگے اسمیں کوئی مصلحت یا بیشی نہیں
ہے اسکو اختیار کر لو اور عالم کا ہر قول معتبر نہیں ہے جو فتویٰ ہو وہ قابل اعتبار ہے یعنی
ایک تو معنی ہے رائے اور مشورہ وہ حجت نہیں بلکہ فتویٰ ہو شرعی دلیل سے جسکو دلیل کہتے
ہیں کہ فلاں کام شرعی دلیل سے جائز ہے یا فلاں کام شرعی دلیل سے ناجائز ہے خواہ وہ
دلیل ظاہر نہ کرے اسکا اعتبار ہے پھر اگر وہ غلط کہے گا تو وہ مواخذہ دار ہوگا اگر کسی
عالم کا کوئی اشتہار دیکھو یا تقریر سنو یا تحریر دیکھو تو اس پر عمل نہ کرو جب تک کہ بالتصریح
یہ نہ پوچھ لو کہ یہ رائے ہے مشورہ ہے یا حکم شرعی ہے اگر وہ کہدے کہ رائے ہے تو فتویٰ حاصل کرو
اور اگر کہے کہ حکم شرعی ہے تو دیکھو کہ دل میں لگتا ہے یا نہیں اگر نہیں لگتا تو اور علماء سے بھی
پوچھو اگر سب جگہ سے وہی فتویٰ ملے تو پھر دل کے لگنے نہ لگنے کا اعتبار نہ کرو اسی پر عمل
کر لو اور اگر کسی عالم کے بیان سے اسکے خلاف ثابت ہو [illegible] دل کو لگ جاوے تو اسپر
عمل کرو سیدھی سی بات ہے اگر اسپر عمل کرو گے تو [illegible] ان شاء اللہ تعالیٰ نجات ہو جاویگی
اب ایسے کام کو بھی لوگوں نے مشکل سمجھ رکھا ہے اور اس قسم کے لوگ ہیں یا تو یہ کرتے ہیں کہ
بس اختلاف کی صورت میں جو قول اپنے نفس کے موافق ہوا اسی کو [illegible] کر لیا جا لاکر
جسکا دل قبول کیا ہے وہ خود بھی نہیں کہ [illegible] حکم شرعی ہے۔ یا کرتے ہیں کہ دوسرے
اہل علم کو تنگ کرتے ہیں کہ وہ مولوی صاحب تو یوں کہتے ہیں اور آپ یوں کہتے ہیں میں
کہتا ہوں کہ ضرورت ہی کیا ہے ایک کے سامنے دوسرے کے قول کو نقل کرنے کی۔ جا

اپنے اپنے اور پر تحقیق کر لو جب کا حکم شرعی کو کو نقل کرنا ہی کو لگے اور دل گواہی دے کہ
بالیہ حکم شرعی ہونے کی حیثیت رکھتا ہے بس اسپر عمل کرے وہ اس طرح کرنے سے اگر غلطی عمل
میں بھی ہو گی تب بھی اجر ہو گا اور اگر نفس کی آمیزش ہے تو چاہے عنوان دین ہی کا ہو لیکن
سخت اندیشہ ہے گناہ گار دیکھئے بدعت میں بھی تو یہی ہوتا ہے کیونکہ حقیقی بدعات ہیں وہ سب
برنگ عبادات ہی تو ہیں لیکن چونکہ حدود سے خارج ہیں اسلئے انکا دین میں کچھ اعتبار نہیں۔ وہ
صورۃً عبادات ہیں لیکن معنیً معاصی ہیں۔ تو حضرت خوب سمجھ لیجئے کہ معنی کا اعتبار ہے
صورت کا اعتبار نہیں جو دین حدود کے اندر ہے وہ تو دین ہے اور جو حدود کے باہر ہے
وہ دین ہی نہیں بلکہ ہوائے نفسانی ہے تو خدا کیلئے ہوائے نفسانی کے تابع نہ ہو۔ گو اسکو
دین ہی کی شکل پہنادی گئی ہو چاہے دین کے اختیار کر لینے سے دنیا کا خسارہ ہی کیوں
نہ ہو یہ بطور فرض کے کہتا ہوں ورنہ خدا و رسول کے حکموں پر چلنے سے کبھی دنیا کا ضرر ہوتا
ہی نہیں اور اگر ہو بھی تو کچھ پروا نہ کرنی چاہئے بلکہ تمہارا تو یہ مذہب ہونا چاہئے ؎

دل آرامے کہ داری دل درو بند ۔۔۔ دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اور اگر ہوائے نفسانی کا اتباع کیا تو اسکی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎

باہوا و آرزو کم باش دوست ۔۔۔ چوں یضلک عن سبیل اللہ اوست

؎ باہوا و آرزو کم باش دوست ۔۔۔ چوں یُضِلُّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اوست (دفتر اول ۱۲)

فرماتے ہیں کہ ہوا و آرزو کے دوست نہ ہو کیونکہ اسکی شان یہ ہے کہ بہکا دیتی ہے حق تعالیٰ
کے راستہ سے آگے فرماتے ہیں اور بس میں اسی پر ختم کروں گا ؎

ہیچ چیزے نشکند اندر جہاں ۔۔۔ ایں ہوا را جز کہ سایہ ہمرہاں

کوئی چیز ہوا اور آرزو کو نہیں توڑتی بجز شیخ کامل کے سایہ کے کیونکہ ہوا اور آرزو کا
منشا ہوتا ہے نفس اور صحبت اہل اللہ اور شیخ کامل کا خاصہ یہ ہے کہ ؎

نفس نتواں کشت الا ظل پیر ۔۔۔ دامن آں نفس کش را سخت گیر

؎ نفس نتواں کشت الا ظل پیر ۔۔۔ دامن آں نفس کش را سخت گیر (دو بارہ ۱۲)

اور یہ ضرورت نہیں کہ تم پیشنا ہی ہو جائے۔ بلکہ جس کو سمجھے کہ یہ اللہ والے ہیں بس

اسکی تجویز پر عمل کرنا ہے - اور ہر صغیر و کبیر نقیر و قطمیر کو پوچھ لیا کرے بس یہ ہے خلاصہ دین کا
اللہ اللہ اور خیر صلا - اگر اسمیں جان بھی چلی جاوے گی تب بھی پریشانی نہ ہو گی بس یہ بیان
کرنا تھا مجھے - اب دعا کیجئے اللہ تعالیٰ فہم سلیم اور توفیق عمل کی نصیب فرمائیں
(پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جس کا کچھ حصہ جہر کے ساتھ فرمایا جو آگے آتا ہے ۱۲)
اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ
اے اللہ ہمیں حق کو حق کر کے دکھلا اور باطل کو باطل کر کے دکھلا حق اور باطل اچھی
طرح متمیز کر دے اور ہر طرح کی تلبیس اور نفس کی آمیزش سے محفوظ رکھ
یہ تو علم کا درجہ ہوا اور عمل کا درجہ یہ کہ حق کو واضع کر کے
اسپر عمل کی توفیق بھی عطا فرما پھر کچھ دیر تک
حسب معمول سکوت کی
حالت میں دعا مانگتے
رہے
(۱۲

اشرف علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ

الاطمئنان بالدنیا

اَین	متٰی	کم	کیف	لِمَ	ماذا	من بیّن	من ضبط	المستمعون	الوقت
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیوں ہوا	کیا مضمون تھا	کس نے بیان کیا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
مسجد جامع خانقاہ تھانہ بھون	۱۷ رجب ۱۳۳۲ ہجری	دو گھنٹے			دنیا کی محبت کا بیان نیز اس سے بچنے کی تدابیر اور اس کا علاج		حکیم محمد یوسف صاحب مرحوم بجنوری		

خطبہ ماثورہ معمولہ اَمّا بعدُ فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیمِ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ۝ اِنَّ الَّذِینَ لَا یَرجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالحَیٰوۃِ الدُّنیَا وَاطمَاَنُّوا بِھَا وَالَّذِینَ ھُم عَن اٰیٰتِنَا غٰفِلُونَ اُولٰئِکَ مَاوٰھُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوا یَکسِبُونَ ۝ ہر چند ہمارے اندر مختلف امراض پائے جاتے ہیں لیکن بنص حدیث اصل تمام امراض کی صرف ایک ہی چیز ہے وہ کیا ہے حب دنیا جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ حُبُّ الدُّنیَا رَأسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ کہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی

جیسا اس وجہ سے بجائے اسکے کہ اس وقت ہر مرض کو جدا جدا مفصل بیان کیا جائے مناسب یہ ہے کہ سارے امراض کی اصل اور اسکے علاج کو بیان کر دیا جائے چونکہ ہر ایک مرض کو مفصلاً بیان کرنے کیلئے وقت میں گنجائش نہیں اور اس اصل کا علاج بیان کرنے میں یہی نفع ہے کہ مرض اصلی کا علاج کلی معلوم ہو جانے سے قریب قریب سب امراض کا علاج معلوم ہو جائیگا کیونکہ اصل مرض بقیہ امراض کا سبب ہوا کرتا ہے تو اس کے علاج سے سب کا علاج ہو جائیگا کیونکہ علاج کی حقیقت اصل میں سبب ہی کا ازالہ ہے مثلاً کسی کے جسم میں خون ضرورت سے زیادہ نکل گیا اور اس وجہ سے قلب اور دماغ میں ضعف لاحق ہو گیا اور اسکے علاوہ اور امراض بھی پیدا ہو گئے اس حالت میں ایک تو علاج یہ ہے کہ ہر مرض کا علاج جدا گانہ کیا جائے جیسے مقوی دماغ اور مقوی قلب اجزاء استعمال کئے جاویں تاکہ دماغ میں قوت پیدا ہو اور قلب کا ضعف رفع ہو غرض ہر مرض کا علاج جدا جدا کیا جائے مگر ظاہر ہے کہ اس میں بہت ہی وقت صرف ہوگا اور دقتیں پیش آئیں گی دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تمام امراض کی اصل اور جڑ کو تلاش کیا جاوے کہ وہ کیا سبب ہے جسکی وجہ سے یہ تمام امراض لاحق ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ یہاں تمام امراض کی اصل خون کا جسم سے نکل جانا ہے پس مناسب یہ ہے کہ اس حالت میں ایسی تدبیر کیجائیں جن سے خون میں ترقی ہو جب خون بڑھے گا تمام امراض خود بخود زائل ہو جائیں گے۔ ایسے ہی یہاں بھی سمجھ لیجئے کہ اصل کا علاج کرنے سے جملہ امراض کا دفعیہ ہو جائیگا حب دنیا چونکہ تمام خطاؤں کی جڑ ہے جب اس کا علاج ہو جائیگا تو سارے امراض خود ہی دفع ہو جائینگے اور یہ ایک کلی علاج ہے البتہ ایک سوال یہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حب دنیا کو جو تمام امراض کی جڑ بتلایا گیا ہے تو اس کو دیگر امراض سے کیا علاقہ ہے جسکی وجہ سے اس کو جملہ امراض کی اصل قرار دیا گیا ہے مثلاً نماز نہ پڑھنے کو حب دنیا سے کیا علاقہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص میں حب دنیا ہو اور نماز بھی پڑھتا ہو یا ایک شخص میں حب دنیا ہو اور روزہ رکھتا ہو علیٰ ہذا اور اعمال کو دیکھئے۔ تو حب دنیا کو نماز نہ پڑھنا وغیرہ کی جڑ قرار دینے کا کیا مطلب ہے۔ بظاہر تو کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا یا مثلاً کسی میں غصہ ہو اور دنیا کی محبت نہ ہو بات یہ ہے کہ اگر غور کیا جاوے تو حب دنیا کو ہر مرض سے علاقہ ہے کیونکہ جس میں حب دنیا ہوگی اسکو

ف امراض مختلفہ کا جو سبب کلی ہو صرف اس کا علاج کافی ہے

ف حب دنیا تمام امراض کی اصل کیوں ہے

آخرت کا اہتمام ہی ہو گا جب آخرت کا اہتمام ہو گا تو وہ شخص اعمال حسنہ کو انجام ہی دیگا اور نہ برائیوں سے بچے گا اور ایسے ہی برعکس جب آخرت کی فکر ہوتی ہے تو جرائم صادر نہیں ہوتے مثلاً جو لوگ جرائم کرتے ہیں وہ محض اس وجہ سے کہ آخرت کی فکر نہیں اگر آخرت کے واقعات لوگوں کے پیش نظر ہوں تو جرائم کبھی صادر نہ ہوں مگر جب دنیا کے مراتب مختلف ہیں جیسے فکر آخرت کے مراتب مختلف ہیں پس جن درجات میں تضاد ہے وہ جمع نہیں ہو سکتے اور جن میں تضاد نہیں وہ جمع ہو سکتے ہیں اور یہی راز ہے اس کا کہ ایک حدیث میں تو فرمایا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُوْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُوْمِنٌ اور دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ بات یہ ہے کہ مراتب ایمانی مختلف ہیں ایک مرتبہ اہتمام آخرت کا ایمان کا درجہ نفس تصدیق ہے کہ اس سے کم پر اکتفا کرنا جائز نہیں یہ درجہ فکر آخرت یا ایمان کا زنا اور سرقہ و دیگر معاصی کیساتھ جمع ہو سکتا ہے اور اس ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی طبیب نے مریض کو نسخہ لکھ کر دیا اور جملہ امور اس کے متعلق بتلا دئیے اور طبیب کو مقصود ہو کہ اس مریض کو اس نسخہ سے کامل شفا ہو جاوے گی مگر مریض نے پورے نسخہ کا استعمال نہ کیا بلکہ آدھے نسخہ کا استعمال کیا ظاہر ہے کہ آدھے نسخہ سے ادنیٰ درجہ کا نفع ہو گا اور پورے سے پورا نفع ہو گا اسی طرح نفس تصدیق عذاب دائمی جہنم سے بچنے کا باعث ہو سکتی ہے مگر پوری نجات کا سبب نہیں بن سکتی۔ اور اس درجہ کے ساتھ معاصی جمع ہو سکتے ہیں اور دوسرا درجہ ایمان کا وہ تصدیق ہے جس پر اثر کامل مرتب ہو اور یہی تصدیق کامل ہے یہ مرتبہ ایمان کا معاصی کیساتھ جمع نہیں ہو سکتا جس شخص کو یہ مرتبہ حاصل ہو تو اس سے زنا اور سرقہ وغیرہ سرزد ہی نہیں ہو گا۔ الغرض خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا سمجھنے کے مراتب مختلف ہیں کامل سچا سمجھنا وہ ہے جس پر اثر کامل مرتب ہو کہ معاصی تمام ہا چھوٹ جائیں اور دوسرا درجہ ناقص تصدیق کا ہے کہ کچھ معاصی چھوٹ جائیں کچھ باقی ہیں۔ دوسرے درجہ ایمانی کی مثال آدھے نسخہ کی سی ہے کہ آدھے نسخہ سے آدھا فائدہ ہو گا اسی طرح اسی درجہ کے ایمان سے یہ نفع ہو گا کہ آدمی عذاب دائمی جہنم سے

نجات پا جاوے پوری نجات یعنی نجات اولی اسکو حاصل نہ ہوگی اور پہلے درجہ ایمانی کی مثال پورے
نسخہ کی سی ہے جیسے پورے نسخہ سے پورا نفع ہوتا ہے اسی طرح پورے ایمان سے پورا
نفع ہوگا کہ آدمی علاوہ جہنم سے نجات پانے کے انعامات کا بھی مستحق ہوگا۔ یا مثلاً دو شخص
ہوں کہ ہر ایک ان میں سے سنکھیا کو مہلک سمجھتا ہے مگر ایک نے باوجود مہلک سمجھنے کے
اسکو کھا لیا اور ہلاک ہو گیا اور دوسرے نے نہیں کھایا ظاہر ہے کہ دونوں نے اسکو
مہلک تو سمجھا مگر پہلے شخص کا مہلک سمجھنا کامل نہیں کیونکہ مہلک جاننے کا اثر مرتب
نہیں ہوا اور دوسرے کا مہلک سمجھنا کامل درجہ کا ہے کیونکہ اسپر اثر مرتب ہوا یا ایک شخص
کو کسی نے خبر دی کہ تیرا حاکم آگیا اس نے اس خبر کو سنکر اس کے آنے کا کچھ بھی اہتمام نکیا نہ کام
کی درستی کی ویسے ہی پڑا رہا معلوم ہوا کہ اس نے حاکم کے آنے کی خبر کو کامل طور پر سچا
نہیں سمجھا معمولی سمجھا اگر اسکو تصدیق کامل ہوتی تو اسپر اثر مرتب ہوتا وہ یہ کہ کام
کی درستی کرتا اسی طرح ایمان سچا اور کامل وہی ہے جس پر اثر مرتب ہو ہر قدم
پر اثر ہو جس شخص کی یہ حالت ہوگی کبھی نافرمانی نکریگا اور ایسا شخص ماضی کی کوتاہی
کا بھی تدارک کریگا اور آئندہ معاصی سے مجتنب رہے گا اسی طرح مراتب مختلف ہیں حب
دنیا کے بھی مراتب مختلف ہیں کسی میں کم ہے کسی میں زیادہ کفار میں زیادہ ہے مسلمانوں
میں کم ہے مگر ہے ضرور اور یہی جڑ ہے تمام گناہوں کی کیونکہ حب دنیا میں فکر دین کم
ہوتی ہے جس درجہ کی حب دنیا ہوگی اسی درجہ کی فکر دین کم ہوگی اگر کامل درجہ کی
حب دنیا ہے تو کامل درجہ کی دین سے بےفکری ہوگی جیسا کہ کفار میں متحقق ہے اور مسلمانوں
میں جس درجہ کی حب دنیا ہے اسی درجہ کی دین سے بےفکری ہے تو یہ دخل ہے حب
دنیا کو ان امور میں جنکا میں ذکر کر رہا ہوں اور کفار میں تو یہ مرض ہے ہی افسوس یہ ہے
کہ ہم میں بھی پایا جاتا ہے اور اگر یہ اعتراض کیا جاوے کہ اس آیت کو کیوں اختیار کیا
گیا یہ تو کفار کے بارہ میں ہے چنانچہ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا اسمیں صریح ہے،
مسلمانوں سے اسکو کیا علاقہ یہ شبہ بہت لوگوں کو ہوا ہوگا کیونکہ لوگوں کا خیال یہ ہے
کہ جو آیتیں کفار کے بارہ میں ہیں مسلمانوں سے انکو کچھ علاقہ نہیں اور اسی لئے لوگ بےفکر

۴ ف حب دنیا کے مراتب مختلف ہیں

بھی ہو گئے ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ جو وعیدیں کفار کے بارہ میں وارد ہیں ان وعیدوں کی بناء کیا ہے آیا کفار کی ذات ہے یا کفار کے اعمال ہیں ظاہر ہے کہ بناء ان وعیدوں کی اعمال ہی ہیں جو کفار میں پائے جاتے ہیں اور راز اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو نہ تو کسی کی ذات سے محبت ہے نہ کسی کی ذات سے بغض ہے من حیث الذات خدا تعالیٰ کے نزدیک سب برابر ہیں بلکہ دارمدار بغض و محبت کا صرف اعمال ہی ہیں جسکے اچھے اعمال ہوں حق تعالیٰ کو اس سے محبت ہے اور جسکے اعمال برے ہوں اس سے بغض ہے مثل مشہور ہے کہ کام پیارا ہے چام پیارا نہیں اگر کسی کی ذات مبغوض ہو تو چاہئے کہ باوجود اعمال صالحہ کے بھی وہ شخص مقبول نہ ہو حالانکہ حدیث میں ہے کہ جب بندہ توبہ کر لیتا ہے تو اگر اس کے گناہ زمین بھر کر بھی ہوں وہ بھی معاف کردئے جاتے ہیں بس سمجھ لو کہ کفار پر جو وعیدیں ہیں وہ انکی ذات پر نہیں بلکہ اعمال پر ہیں اس لئے اگر وہ امور کسی مؤمن میں پائے جائیں تو وہ بھی مستحق وعید اور عند اللہ مبغوض ہوگا گو اس درجہ کا نہ ہو کیونکہ اقتران بالکفر سے ان اعمال میں زیادہ مبغوضیت آجاتی ہے حاصل یہ ہے کہ مدار حب و بغض کا اعمال پر ہے البتہ مؤمن و کافر کے عمل معصیت میں اتنا تفاوت ہے کہ ایک شخص نے سنکھیا کھایا اور تریاق نہیں کھایا ظاہر ہے کہ ایسا شخص مریگا اور ایک شخص نے سنکھیا کھایا اور تریاق بھی کھالیا اثر سنکھیا کا اس صورت میں بھی ہوگا مگر ضعیف ۔ یہی حال مؤمن اور کافر کا ہے کہ مؤمن نے باوجود استعمال معصیت کے تریاق بھی کھا رکھا ہے وہ کیا ہے ایمان کہ اس نے اثر کو ضعیف کر دیا ہے بخلاف کفار کے کہ تریاق ایمانی انہوں نے نہیں کھایا اس لئے پورا اثر ہوا باقی زہر کھانے میں دونوں برابر ہیں اس لئے دونوں کو زہر کے مفاسد سنائے جائیں گے ایک مثال اسکی یہ ہے کہ دنیا میں جرائم کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو بادشاہ کے باغی ہیں اور جرائم بھی کرتے ہیں دوسرے وہ ہیں کہ جرائم تو کرتے ہیں مگر باغی نہیں یہ دوسرا فریق چونکہ مطیع ہے اسپر جرائم کا اثر تو ہو امگر اطاعت نے اسکو خفیف کر دیا وہ یہ کہ ایک حد خاص تک جرائم کی سزا محدود رہے گی بخلاف اس گروہ کے جو باوجود جرائم کرنے کے باغی بھی ہے اسکی سزا محدود نہ ہوگی اور پہلے فریق سے سزا میں وہ بڑھا ہوا ہوگا

حق تعالیٰ کی محبت و بغض کا مدار اعمال ہیں

۵

وہ یہ کہ دائم الحبس کیا جاویگا یہی راز ہے کفار کے ہمیشہ جہنم میں رہنے کا کہ کفار اس میں ہمیشہ رہیں گے اور مومن کو ہمیشگی نہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ مومن جرائم تو کرتا ہے مگر اسکے ساتھ باغی نہیں اور کافر جرائم بھی کرتا ہے اور باغی بھی ہے بعض لوگوں کا اعتراض ہے کہ خدا تعالی کے یہاں کفار کو ابدی سزا ہونا خلاف عقل ہے ہم کہتے ہیں کہ تم بھی وہی تجویز کرتے جو خدا نے تجویز کیا ہے مگر حکام کے اختیار میں غیر محدود ہمیشگی نہیں اور اللہ تعالی کے قبضہ میں غیر محدود ہمیشگی ہے اگر دوام ابدی آپ کے قبضہ میں ہوتا تو آپ بھی ایسے مجرموں کیلئے دوام ابدی ہی تجویز کرتے مگر کیا کریں مجرم کو بلا اختیار آپ کی موت آجاتی ہے اس لئے آپ مجبور ہیں اپنے قلوب کو ٹٹول کر دیکھ لو اگر دوام ابدی آپکے قبضہ میں ہوتا تو کیا کسی جرم ہے کہ ایسی ہی دوامی سزا تجویز کرتے لوگوں کا بس نہیں چلتا اسلئے مجبور ہیں اور جتنا انکا بس چلتا ہے اسمیں کسر نہیں چھوڑتے جیسے بعض ملکوں کی خاصیت ہے کہ وہاں عمریں بڑی ہوتی ہیں تو وہاں اگر باغی کو دائم الحبس کیا گیا تو وہ ہندوستان کے باغیوں سے زیادہ جیلخانہ میں محبوس رہیگا مگر اسپر کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ ہندوستان کے باغی تو بیس تیس برس ہی محبوس رہتے ہیں دوسرے ملکوں کے باغیوں کو سو دو سو پچاس برس تک کیوں محبوس رکھا جاتا ہے اور اگر کوئی اعتراض کرے تو یہی جواب دیا جاتا ہے کہ سزا تو دونوں کی ایک ہے یعنی حبس دائمی مگر اسکا کیا علاج کہ ایک ملک کے باغی قید میں جلدی مرجاتے ہیں اور دوسرے ملک کے دیر میں مرتے ہیں اسلئے زمانہ حبس میں تفاوت ہو گیا اسی طرح عالم آخرت کی خاصیت ہے کہ وہاں عمر طویل ہوتی ہے کسی کو وہاں موت نہیں آتی اور باغی کی سزا دنیا میں بھی حبس دائمی ہے تو آخرت میں بھی اگر حبس دائمی ہو تو اس میں خدا تعالی پر کیا اعتراض ہے خدا تعالی نے کوئی نیا کام نہیں کیا وہی کیا ہے جو تم کرتے ہو مومن میں چونکہ ایمان ہے اسلئے اسکے اثر سے میعادی سزا ہوگی کیونکہ وہ باغی نہیں ہے اور کافر چونکہ باغی ہے اور بغاوت کی سزا عقوبت دائمہ ہے اسلئے اسکو ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا یہاں ایک اور طالبعلمانہ شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ آیت کفار کے بارہ میں ہے اور وعید جن اعمال پر وارد ہے انمیں بعضے فرعی بھی ہیں پس اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کفار مکلف بالفروع ہوں حالانکہ فقہاء اصولیین کے نزدیک کفار

ف علمانہ ایک غائب شبہ مع جواب

مکلف بالفروع نہیں اسی لئے انہوں نے تشریح کی ہے کہ اگر کافر قبل اسلام لانیکے نماز نہ پڑھے تو اسکی نماز نہ ہوگی کیونکہ وہ مکلف ہی نہیں اسی طرح بعد اسلام کے ان نمازوں کی قضا واجب نہیں اس سے کفار کا مکلف بالفروع ہونا لازم نہیں آتا وہ اس طرح کہ کفار کو جو عذاب ہوگا وہ اصل میں نفس کفر پر ہوگا بخلاف مسلمان کے کہ اسکو جو سزا ہوگی وہ ترک فروع پر ہوگی ہاں کافر کی سزا میں بوجہ ترک فروع کے اضافہ ہوجائیگا اور عقوبت بڑھ جائیگی یہ نہیں کہ نفس ترک فروع پر سزا ہوگی اسکی مثال ایسی ہے جیسے دو باغی ہوں جو حکومت کی اطاعت نہیں کرتے مگر ان میں ایک تو وہ ہے کہ بغاوت بھی کرتا ہے اور اسکے ساتھ ملک میں شورش بھی کرتا ہے اور دوسرا باغی تو ہے مگر نافرمانی اسکی ذات ہی تک ہے شورش نہیں کرتا ظاہر ہے کہ بغاوت پر سزا دونوں کو ہوگی مگر جو بغاوت کیساتھ شورش بھی کرتا ہے اسکی سزا میں بہ نسبت شورش نکرنے والے کے اضافہ ہوگا اس صورت میں اصل سزا تو بغاوت پر ہے مگر بوجہ شورش کے اسمیں اضافہ ہوگیا ہے کافر تارک فروع کی مثال شورش کرنیوالے باغی کی سی ہے کہ کفر تو کرتا ہی ہے لیکن باوجود کفر کے فروع کو بھی بجا نہیں لاتا۔ تو اسکو اصل سزا تو کفر پر ہوگی مگر ترک فروع کی وجہ سے سزا میں زیادت ہوجائیگی اور اس کافر کی مثال جو بعض فروع کو ادا کرتا ہے جو مشروط بالایمان نہیں جیسے عدل و تواضع و سخاوت اس باغی کی سی ہے جو شورش نہیں کرتا اسکو اصل سزا کفر پر ہوگی ترک فروع سے اضافہ اور زیادت نہ ہوگی۔ اب شبہ کفار کے مکلف ہونے کا جاتا رہا اور مسلمان کی مثال اس مجرم کی سی ہے جو باغی نہیں اسکو صرف ترک فروع پر سزا ہوگی بغاوت کی سزا اسکو نہ ہوگی کیونکہ وہ باغی نہیں ہے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار گو فروع کے مکلف نہیں مگر پھر بھی ترک فروع پر عقاب ہوگا گو تقویت ہی کیلئے سہی تو مسلمان جو کہ فروع کے مکلف ہیں وہ اس آیت سے زیادہ مورد وعید ثابت ہوں گے کیونکہ جب غیر مکلف بالفروع کو بھی ان فروع کے ترک سے ضرر ہوتا ہے تو جو ان فروع کا مکلف ہے اسکو ان کے ترک سے کیوں ضرر نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو ان معاصی کو اختیار کریگا وہ مستحق وعید ہوگا خواہ کوئی ہو پس اگر وہ اعمال جو کفار میں پائے جاتے ہیں ہم میں بھی ہیں تو ہم بھی ضرور مستحق وعید ہوں گے گو وعید کفر کے مستحق نہیں مگر وعید معاصی

کے ضرور مستحق ہونگے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو امور اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں اگرچہ سارے ہمارے اندر موجود نہ ہوں مگر بعض کا پایا جانا متحقق ہے گو کفار کی برابر نہ پائے جاتے ہوں چنانچہ آیت کے جزو اول یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا سے تو مسلمان بیشک بری ہیں کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ کی لقا کا تو ہر مسلمان کو اعتقاد ہے یہ جزو تو بحمد اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ہے نہیں۔ مگر دوسرا جزو یعنی رَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا تو موجود ہے گو کفار سے کم درجہ میں ہو مگر ہے ضرور اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ جس رضا بالدنیا پر وعید ہے شاید یہ مشروط بعدم رجاء اللقاء یعنی مشروط بالکفر ہو پھر مسلمان اسکا مورد نہ ہوگا اسکا جواب یہ ہے کہ یہ ذوق لسان کے بالکل خلاف ہے ہر اہل لسان سنکر یہی سمجھے گا کہ ان اعمال کی بھی تقبیح مقصود ہے بلا شرط اقتران بالکفر کے آگے ارشاد ہے وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا یہ رَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کی تفسیر ہے اور یہ عجیب پر شفقت موقع ہے تفسیر کا کیونکہ رضا بحیات دنیا انسان کا امر طبعی ہے جو اختیار میں نہیں۔ اگر مطلق رضا بحیات دنیا معصیت ہوتی تو کوئی فرد انسانی بھی اس سے نہ بچ سکتا۔ کیونکہ دنیا کی زندگی سے کون راضی نہیں اس لئے ضرورت واقع ہوئی تفسیر کی اگر تفسیر ساتھ کے ساتھ نہ ہوتی تو اس آیت سے لوگوں کی کمر ٹوٹ جاتی پس شفقت اسی میں ہے کہ ساتھ کے ساتھ تفسیر کر دی جائے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں رَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا اس قید کے بڑھانے سے معلوم ہو گیا کہ رضا بحیات دنیا معصیت و مذموم وہ ہے جسکے ساتھ اطمینان بھی ہو ورنہ معصیت نہیں کیونکہ یہ تو امر طبعی ہے چنانچہ ایک اور آیت میں اسکی تصریح ہے قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ الخ یعنی آپ کہدیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے قبیلے اور تمہارے وہ اموال جنکو تم نے حاصل کیا ہے اور وہ تجارت جسکے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکان جنکو تم پسند کرتے ہو تمکو اللہ سے اور اسکے رسول سے اور اسکے راستہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہوں الخ یہاں وعید اسپر ہے کہ یہ چیزیں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب ہوں اور اگر وہ یہ چیزیں کسی درجہ میں تو محبوب ہوں لیکن اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ف: مطلق رضا بحیات دنیا مذموم نہیں ہاں اطمینان بالحیات مذموم ہے

زیادہ محبوب ہوں تو ان پر وعید نہیں کیونکہ ان چیزوں کا محبوب ہونا امر طبعی ہے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کو پسند کرنا اور ان پر خوش ہونا اور مطلق رضا محل وعید نہیں البتہ حیات دنیا پر مطمئن ہونا محل وعید ہے اگر اطمینان کی حالت ہو تو قابل علاج ہے ورنہ نہیں اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اطمینان کس کو کہتے ہیں کہ جس پر وعید وارد ہے اطمینان کے معنی سکون کے ہیں جو مقابل ہے حرکت کا مطلب یہ ہوگا کہ حیوۃ دنیا پر اتنا قرار ہو گیا ہے کہ اس سے قلب و ذہن کو آگے ہی حرکت ہی نہیں ہوتی آگے خیال ہی نہیں چلتا جیسے کوئی چیز مرکز پر ٹھر جاتی ہے کہ آگے نہیں بڑھتی اس پر وعید ہے سو آجکل اکثر ہماری یہی حالت ہو رہی ہے کہ جو جس حالت پر ہے اسی پر ٹھرا ہوا ہے آگے قدم ہی نہیں بڑھاتا ہم کو ساری فکر حیات دنیا ہی کی ہے منہمکین فی الدنیا کی یہ حالت ہے کہ جب کبھی تذکرہ کرتے ہیں تو دنیا ہی کا حتی کہ ریل میں ہوتے ہیں تب بھی دنیا ہی کا تذکرہ ہے یہی پوچھتے ہیں کہ تمہارے یہاں اناج کا کیا حال ہے بارش کیسی ہوئی نرخ کیا ہے غرض ہر مجلس میں دنیا کا ہی تذکرہ کرتے ہیں حالانکہ ریل کا موقع تو بیفکری اور فرصت کا ہے مگر انکو اسمیں بھی دنیا ہی کی فکر ہے اس سے آگے حرکت ہی نہیں ہوتی دنیا ہی پر سکون و قرار ہو گیا ہے حاصل یہ ہے کہ آخرت کی فکر نہیں آگے ارشاد ہے وَهُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ یعنی کہ باوجودیکہ ہماری نشانیوں کو دیکھتے ہیں مگر پھر غافل ہیں ان تینوں جملوں کا یہ حاصل تھا جس سے اصل جرم یہ ثابت ہوا کہ ہمکو حیات دنیا پر اطمینان ہو گیا ہے یعنی حرکت الی الآخرت نہیں ہوتی اب یہ سمجھئے کہ حرکت الی الآخرت جو کہ مقابل ہے سکون کا تین قسم کی ہوتی ہے ایک حرکت اعتقادی دوسری عملی تیسری حالی یعنی آخرت کی دھن میں ہر وقت بے چین رہنا اور اسی کی کاوش ہونا کفار کو تو کسی قسم کی حرکت بھی نہیں کیونکہ انکا اعتقاد ہی درست نہیں مسلمانوں کو حرکت اعتقادی تو حاصل ہے مگر حرکت عملی اور حالی نہیں یعنی نہ اعمال آخرت کا اہتمام ہے نہ اسکی دھن ہے اسکی کاوش ہی نہیں۔ یہ مرض قریب قریب عام ہے اور عوام تو عوام خود ہم لکھے پڑھوں کی حالت یہ ہے کہ ہمارے قلوب آخرت کیلئے بے چین نہیں ہیں جیسے کسی پر کوئی مقدمہ دائر ہوتا ہے اور اسوقت بے چینی ہوتی ہے کہ کسی وقت بھی قلب کو قرار نہیں ہوتا ہر وقت اسکی دھن اور اسی کا فکر اور خیال

ف اطمینان بالدنیا کا مطلب

ف حرکت الی الآخرۃ کی تین قسمیں

ہوتا ہے چنانچہ جس زمانہ میں طاعون پھیلا ہوا تھا تو قلوب پر کیسی بے چینی طاری تھی کہ کسی وقت قرار ہی نہیں تھا اُسی کا دہیان اور اُسی کی سوچ تھی سو ہماری یہ حالت نہیں بلکہ جو جس حالت پر ہے اسی پر ٹہرا ہوا ہے یہ نہیں کہ حالت موجودہ سے ترقی کیجاوے مثلاً نماز ہی کو لیجئے کہ پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں اسی پر قرار ہے یہ نہیں کہ پانچ وقت کے علاوہ اور بھی کوئی نفل نماز پڑہیں نہ یہ خیال ہے کہ جو نماز ہم پڑھ رہے ہیں وہ ٹھیک طور سے بھی پڑھتے ہیں یا نہیں یہ بھی ایک قسم کی حرکت ہے جسکو ہمنے چھوڑ رکھا ہے بس ہمکو اپنی حالت پر اطمینان ہے اور سمجھتے ہیں کہ سب کچھ کر رہے ہیں حالانکہ حالت یہ ہونی چاہئے کہ باوجود سب کچھ کرنے کے پھر بھی ڈرتے رہیں چنانچہ ایک آیت میں ہے وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ یعنی باوجود عمل نیک کرنے کے پھر بھی اُنکے قلوب خوف زدہ ہیں دیکھئے کوئی حاکم بالا ہو اور اُس کا عملہ بڑی مستعدی سے کام کرتا ہو مگر پھر بھی لوگونکو اُسکے آنے کے وقت یہ ڈر سوار رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حاکم بالا ہمکو پاس نکرے جسوقت حاکم آتا ہے تو اُنکے قلوب کو بے چینی لاحق ہوتی ہے کہ دیکھئے انجام کیا ہو اسیطرح مسلمان کے قلب کی حالت ہونی چاہئے کہ باوجود کام کرنیکے پھر بھی ڈر سوار ہے کہ دیکھئے کیا حشر ہوتا ہے مسلمان کو کسی وقت چین نہ ہونا چاہئے اگر یہ حالت نہیں تو کچھ بھی نہیں دیکھئے حضرت انبیاء علیہم السلام جبکہ حال پر غالب ہوتے ہیں انکی حالت یہ ہوتی کہ ہر وقت سوز میں رہتے تھے اور ہماری بیفکری کی تو یہ حالت ہے اور پھر ہمکو اپنے تقوی پر ناز ہے ہم انبیاء علیہم السلام سے تو زیادہ نہیں وہاں تو یہ حالت تھی کہ حق تعالی کے خوف سے انکی روح فنا ہوتی تھی اور ہر وقت سوچ میں رہتے تھے ہر مسلمان کی یہی حالت ہونا چاہئے کہ کسی وقت بھی چین نہو قرار نہو کیفیت ہو ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن   دل بدست دگرے دادن و حیران بودن

یہی ہر وقت کی فکر ترقی ہے قرب کی اور خدا تعالی کے اس قرب کی تو کوئی انتہا ہی نہیں کہ جسپر سکون و قرار ہو سکے وہاں تو یہ حالت ہے کہ جسقدر بھی ترقی کرو وہ کم ہے یہ کیفیت ہے ؎

ای برادر بے نہایت درگہیست   ہرچہ بروے میرسی بروے مایست

ہم زمینداروں کو دیکھتے ہیں کہ انکو دنیا کی ترقی سے چین نہیں جسقدر زمین وغیرہ انکے

پاس ہے اس پر قناعت نہیں بلکہ یہی ہوس ہے کہ اور زمین ہو اور کانوں ہو پھر افسوس یہ ہے کہ لوگ صرف نماز کی ٹکریں مار کر کیسے بے فکر ہو گئے عہدہ داروں کو فکر ہے کہ ہمارے اگر آج پچاس ہیں تو کل کو سو ہو جاویں مکان بنانے ہیں تو فکر ہے کہ اور بنائیں اور بڑھائیں پہلے سے ہیں یہ زیادہ کریں انہیں وہ بڑھائیں ایک رئیس کا قصہ ہے کہ انکو عمارت سے بیحد شوق تھا اسکی دھن تھی وہ کہتے تھے کہ جب تک میرے کان میں بسولی کی آواز نہیں آتی چین ہی نہیں پڑتا عمارت کے بارہ میں معماروں کا مقولہ ہے کہ ایک گز زمین میں ساری عمر تعمیر جاری رکھ سکتے ہیں ایک گز زمین عمر بھر کو کافی ہے اس طرح کہ اوپر کو عمارت بڑھاتے ہوئے چلے جائیں ساری عمر بھی ختم ہو یا ایسی صورتیں آمیں پیدا کرتے چلے جائیں کہ ساری عمر کام جاری رہے ایک گز زمین ہی اچھے بچے بناتے چلے جاؤ تو ساری عمر بھی ختم نہ ہو غرض جسکو جس چیز کی لت ہوتی ہے اس سے جی نہیں بھرتا۔ افسوس ہے کہ آخرت سے جی بھر گیا ہے اور دنیا سے نہیں بھرتا مولانا فرماتے ہیں ؎

ایکہ صبرت نیست از دنیای دون ۔۔۔ صبر چون داری از نعم الماہدون

ایکہ صبرت نیست از فرزند و زن ۔۔۔ صبر چون داری ز رب ذو المنن

دنیا کے دھندوں سے جی نہیں بھرتا مگر جی بھرا تو خدا سے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے ہیں کہاں شوق کہاں ذوق فکر ہی نہیں کہ کیا ہو گا بس یہی شکایت ہے کہ تمکو دنیا کی زندگی پر قرار ہو گیا ہے۔ صاحبو! جسکو حرکت ہوتی ہے اسکی تو یہ حالت ہوتی ہے ؎

دل آرام در بر دل آرام جو ۔۔۔ لب از تشنگی خشک و بر طرف جو

دنیا میں کوئی کسی پر عاشق ہو جائے تو بس وصل ہونے پر انتہا ہو جاتی ہے مثلاً کوئی کسی مردار صورت پر عاشق ہو جاوے تو وصل ہو جانے پر منتہی ہو گیا اور دل بھر جاتا ہے کیونکہ اس کے حسن کی انتہا ہے آگے کچھ نظر آتا ہی نہیں مگر خدا سے تو جی بھرنا نہ چاہئے کیونکہ ان کے حسن کی انتہا ہی نہیں وہاں تو یہ حالت ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں ۔۔۔ بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچنان باقی

اور یہ کیفیت ہے ؎

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش ۔۔۔ حسن ایں قصہ عشق است در دفتر نمی گنجد

ان کا حسن تو کیا منتہی ہوتا انکی حکایات کا بھی کہیں منتہی نہیں۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا

انکی تو یہ شان ہے ؎

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار ۔۔۔ گل چین بہار تو ز داماں گلہ دارد

سیری کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ حسن منتہی ہو دوسرے یہ کہ طلب نہ ہو پہلی صورت تو سیری کی یہاں ہو نہیں ہوسکتی کیونکہ حسن کی انتہا ہی نہیں ہاں یہ صورت البتہ ہے کہ ہماری طرف سے طلب نہیں ہے اور مسلمان کیلئے یہ بڑی غفلت اور کمی کی بات ہے اسواسطے ہمکو طلب پیدا کرنا چاہیئے۔ صاحبو! دھن پیدا کرو اور یہ سمجھ لو کہ ہر چیز کے حاصل ہونیکے کچھ طریقے ہوتے ہیں دھن پیدا ہونیکے بھی طریقے ہیں وہ طریقہ یہ ہے کہ مراقبات کرو اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو ذکر و۔ ہمکو چاہیئے کہ شب و روز سوچا کریں افسوس ہے ہم میں کچھ سوچ نہیں ہے اگر عادت سوچ کی ہوجاوے تو سب مرحلے طے ہوجاویں ہم میں جو عمل کرنے والے ہیں انکی یہ حالت ہے کہ وقت نکالکر کثرت سے وظائف پڑھتے ہیں نوافل پڑھتے ہیں میں پوچھتا ہوں کہ جیسا انکے لئے وقت نکالا ہے آیا سوچنے کیواسطے بھی کوئی وقت رکھا ہے جسمیں آخرت کی باتوں کو سوچا کریں کہ ما بعد الموت کیا پیش آنیوالا ہے قبر میں کیا ہوگا میدان آخرت میں کیا کیفیت ہوگی پلصراط پر کیا حالت ہوگی حق تعالیٰ کے رو برو جانا ہوگا صاحبو عذاب کو سوچو ثواب کو سوچو قرآن شریف میں فکر کے مختلف طریقے بتلائے گئے ہیں کہیں جنت کا ذکر ہے کہیں دوزخ کا حال ہے وجہ یہ ہے کہ طبائع مختلف ہیں کسی کو عذاب کے سوچنے سے نفع ہوتا ہے کسی کو جنت کی نعمتوں کا خیال کرنا سودمند ہے ایک شخص کا قصہ ہے کہ انہوں نے مجھسے کہا کہ موت کے سوچنے سے دل گھبراتا ہے میں نے کہا کہ اگر موت کے سوچنے سے دل گھبراتا ہے تو حیات کو سوچو کہ اس حیات سے اچھی ایک دوسری حیات ہے۔ صاحبو! دنیا اور آخرت کی مثال روپیہ اور اشرفی کی سی ہے مثلاً ایک شخص اشرفی لیکر نکلا دوسرا شخص راستہ میں ملا اسکے پاس چمکدار روپیہ تھا وہ اس سے کہنے لگا

۱۲

کہ اگر تم کہو تو یہ چمکدار روپیہ تم کو دیدوں اور اشرفی میں سے لوں اشرفی والے کو اشرفی رنگ
روپیہ کے سامنے اچھا معلوم ہوتا تھا اور روپیہ وزن میں بھی زیادہ تھا اس لئے بدلنا چاہا
اس حالت میں کسی نے اس سے کہا کہ میاں دھوکہ مت کھانا روپیہ اگرچہ بہ نسبت
اس کے چمکدار اور وزن میں زیادہ ہے مگر اشرفی اٹھارہ روپیہ کو بکتی ہے اب اس نے
سوچا کہ جب یہ صورت ہے تو میں روپیہ کو نہ کیا کرونگا ظاہر ہے کہ ایسی حالت
میں یہ شخص مبادلہ پر کبھی راضی نہ ہوگا یہ نتیجہ ہوا سوچنے کا سوچنے کو علم حقیقت لازم ہے جب
آدمی سوچتا رہتا ہے تو حقیقت معلوم ہو ہی جاتی ہے پس جب کوئی دنیا اور آخرت کو
سوچیگا تو معلوم ہوگا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کوئی چیز نہیں روپیہ اور اشرفی کی
بھی نسبت نہیں یہ جو قرآن شریف میں ہے کہ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
کہ فکر کرتے ہیں دنیا اور آخرت میں اس فکر فی الدنیا کی کسی نے کیا اچھی تفسیر کی ہے کہ
دنیا کی تکالیف اور دنیا کی لذات میں غور کرے کہ یہاں کی لذات سب ایک دن فنا
ہو جائینگی اور دنیا کی زندگی تکالیف سے بھری ہوئی ہے اور فکر الآخرۃ سے اس کا عکس
ثابت ہوگا اس مجموعہ کے سوچنے سے دنیا کی بیقدری ہوگی اور آخرت کی طرف رغبت بڑھیگی
جب دونوں کو موازنہ کریگا تو معلوم ہوگا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا لاشی محض ہے اور
اس مراقبہ سے دنیا کی تکالیف میں بھی کمی ہوگی کیونکہ جب سوچیگا کہ دنیا میں بالفعل اگرچہ
تکالیف ہیں مگر یہ ایک روز فنا ہو جائینگی اور آخرت میں راحت ہی راحت ہے تو وہ تکالیف
نہ معلوم ہونگی اس لئے میں نے اس ذاکر سے کہا کہ جب موت کے تفکر سے جی گھبراتا
ہے تو حیات کا تفکر کرو حق تعالیٰ نے ہر شخص کے مناسب سوچنے کی چیزیں بتلا دی ہیں مگر افسوس
ہمارا کوئی وقت سوچنے کیلئے فارغ نہیں اب میں موانع تفکر کو بیان کرتا ہوں سو تفکر کے مانع دو چیزیں
ہیں جو سوچنے سے مانع ہوتی ہیں کبھی تو شہوت جسمانی مانع ہوتی ہے کہ انسان دنیا کی شہوات
میں گرفتار ہو کر آخرت کی سوچ نہیں کرتا اور یہیں کی شہوات میں رہ جاتا ہے اور کبھی لذات
نفسانی میں مبتلا ہونا مانع ہوتا ہے کیونکہ آخرت کی سوچ میں یہاں کی لذات میں کمی ہو جائیگی
مگر لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ آخرت کی سوچ سے یہاں کی تکالیف میں بھی کمی ہو جائیگی پھر لذت

کے متعلق بھی انسان کو یوں سوچنا چاہئے کہ اگر میں دنیا کی لذات میں مبتلا رہا تو آخرت کی
لذات مجھ سے فوت ہو جاوینگی اس سوچنے میں ہر ہر قدم پر نفع ہے اصل علاج مختصر سوچ
ہے کہ اس سے ساری باتیں علم و عمل کی درست ہو جاوینگی اب یہ سمجھو کہ عمل دو قسم کے ہیں
ایک وہ کہ جن کا جائز ناجائز ہونا آپکو معلوم ہے ان پر تو یاد کر کر کے ابھی سے عمل کرنے
لگو۔ دوسرے وہ کہ جن کا جائز ناجائز ہونا معلوم نہیں چنانچہ زمینداری کے بہت سے ایسے
اعمال ہیں جنکا جواز عدم جواز لوگوں کو معلوم نہیں انکو تلاش کرو علماء سے پوچھو۔ یہ نمونہ
کے طور پر میں نے ذکر کر دیا سوچنے سے سارے ابواب دین کے مفتوح نظر آوینگے سوچنے کی
مثال ایسی ہے کہ جیسے گھڑی میں بال کمانی کہ ہے تو وہ بہت مختصر مگر تمام پرزوں کو حرکت
اسی سے ہوتی ہے اسی طرح سوچنے سے دین کے قلعے فتح ہو جاوینگے۔ عوام کو تو کیا کہا
جلسے میں کہتا ہوں کہ علماء بھی کیا کر رہے ہیں کچھ بھی نہیں کرتے اور میں بھی انہیں میں داخل
ہوں انکا جی تو چاہتا ہے سوچنے کو مگر خلوت کا اہتمام نہیں غرض عموماً ہمارے مذاق خراب
ہو گئے ہیں ہر وقت ہاؤ ہو اور ہنسی دل لگی میں وقت گذار رہے ہیں حالت یہ ہے کہ چوپال
میں پہونچے اور ہنسی مذاق میں سارا وقت گذار دیا اول تو دنیا کے دھندوں
سے سوچنے کے لئے فرصت ہی نہیں ملتی اگر فرصت ملی بھی تو بجائے آخرت
کے سوچنے کے یہ سوچتے ہیں کہ فلانے دوست کے پاس جا کر باتیں کرینگے وقت کٹے گا
طبیعت بہلے گی بس وہاں جا کر خرافات میں وقت عزیز کو گذار دیتے ہیں خوب سمجھ لو کہ
تمہارے دوست حقیقت میں دشمن ہیں اسکی مثال ایسی ہے جیسے تمہارا کوئی روپیہ چرا لے
تو اس حرکت پر آپ کو کسقدر افسوس ہوگا اسی طرح جو آپ کے دوست ہیں وہ آپکے بیش
قیمت وقت کو جو اشرفیوں سے بھی زیادہ قیمتی ہے لوٹ رہے ہیں۔ ایک ڈاکو حقہ ہے اسنے
خدا اسے سلامت رکھے ایسا رواج پایا ہے کہ دو پیسہ کا تمباکو خرچ کر کے اسکی بدولت
جتنا چاہو مجمع کر لو اور اوقات سب کے برباد کر دئیے حقہ کیا ہے جامع المتفرقات ہے یہ حقہ لقہ اور
تقہ دونوں کا جامع ہے میں نے خود دیکھا ہے کہ جب کبھی کسی کو اپنے گھر کی رونق اور آبادی
مدنظر ہوتی ہے تو وہ حقہ کا اہتمام کرتا ہے اس کا اہتمام کرنا تھا پھر مجمع کی کیا کمی۔ گویا ہم لوگ

ف مختصر علاج
ف دو قسم کے اعمال
ف سوچنے کی مثال
۱۴
ف دوست حقیقت میں دشمن
ف حقہ جامع المتفرقات ہے

حقیقت میں تو اسواسطے جمع کرتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس دولت ہے وہ سب جمع کر لیجائیں (یعنی وقت) صاحبو! یہ وقت بڑی بیش قیمت چیز ہے اس کی قدر کرو وقت اتنی قیمتی چیز ہے کہ جس وقت عزرائیل آجاوینگے قبض روح کیلئے تو تم تندڑے سے وقت کیلئے تمام سلطنت بھی دینے کے لئے تیار ہوجاؤ گے مگر ایک منٹ کی بھی مہلت نہ ملے گی چنانچہ ارشاد ہے اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ اس اجتماع واختلاط کے متعلق ایک ضروری اور مفید بات ہے وہ ہے وحشت ناک لوگوں کی فہم سے اندیشہ ہے کہ الٹا نہ سمجھ جائیں کیونکہ آجکل فہم کا قحط ہے سیدھی بات کو بھی الٹا سمجھ جاتے ہیں اسلئے اسکو کہتے ہوئے جی رکتا ہے مگر خیر اسوقت زبان پر بات آگئی اسلئے توکلاً علی اللہ بیان کئے ہی دیتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگوں کا آجکل یہ مشغلہ ہوگیا ہے کہ مختلف بزرگوں کے پاس دورہ کرتے پھرتے ہیں۔ آج اس بزرگ کے پاس پہنچ گئے کل دوسرے کے پاس پرسوں تیسرے کے پاس۔ خوب سمجھ لو کہ آجکل اس میں بھی دین کا نقصان ہے وجہ یہ ہے کہ اکثر بزرگوں کے یہاں ہر قسم کے لوگوں کی مجلس ہوتی ہے اور وہ لوگ ہر قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں حتی کہ غیبت بھی پھر یہ بھی انکی ہاں میں ہاں ملاتا ہے اور گناہ کا مرتکب ہوتا ہے آج کل اکثر مجالس ایسی ہی ہیں انجام یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بزرگوں کے پاس سے اتنا لاتا نہیں جتنا کھو کر آتا ہے جب یہ حالت ہے بزرگوں کی مجالس کی تو اور مجالس کی خرابیاں کیسی کچھ ہونگی مگر آجکل جا بجا مجالس گرم کرنیکا عام رواج ہوگیا ہے چوپالیں اسی واسطے بنائی جاتی ہیں پھر اُنمیں یہ حالت ہوتی ہے کہ جہاں چار آدمی جمع ہوئے تو غیبتیں اور لایعنی باتیں شروع ہوئیں اور درحقیقت یہ سارے قصے بیفکری کے بدولت ہیں جب کوئی کام نہیں ہوتا تو چوپالوں میں بیٹھکر معاصی میں وقت گذارتے ہیں یہ نشستگاہیں اسی واسطے آج کل موضوع ہیں یہاں تک کہ جن چیزوں کی طرف نگاہ کرنا حرام کیا گیا ہے چوپال میں بیٹھکر اُن پر بھی نظر ہوتی ہے اُن سے پرہیز کی عادت ہی جاتی رہی اس کا کچھ خیال نہیں کہ بیموقع نگاہ کرنے پر بھی سخت مواخذہ ہوگا۔ اسلئے اسلم یہی ہے کہ ایسی صحبت ہی سے جدا رہے شاید بچنا آسان ہوجاوے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ آجکل ہماری بندگی کی ایسی مثال ہے
جیسے رڑکی کے ورکشاپ کے کاریگروں کے کاریگری کہ جب تک اس احاطہ میں ہیں اسوقت تک
کاریگر ہیں اور جہاں باہر نکلے تو اناڑی کیونکہ وہاں سب کام مشین سے ہوتے ہیں باہر مشین
کہاں یہی حالت ہماری ہے کہ جب تک گوشہ میں ہیں تو کچھ عمل کرتے بھی ہیں اور معاصی سے
بچتے ہیں اور جہاں گھر سے باہر نکلے اور آفتیں نازل ہوئیں۔ میں پختہ لوگوں کو نہیں کہتا
اور پختہ لوگ ہیں کتنے پختہ لوگ تو اس سے مستثنیٰ ہیں انکی مثال تو آجکل ایسی ہے جیسے
ہزاروں چنوں میں ایک گیہوں کا دانہ ورنہ عام مجالس کی تو بری ہی حالت ہے اور یہ
خرابی کس وجہ سے ہوئی اسوجہ سے کہ دین کی فکر نہیں رہی دنیا پر اطمینان ہوگیا جس کو
دین کی فکر ہوگی وہ تو لوگوں کے رات دن کے برتاؤ کو دیکھکر تنگ ہوگا پریشان ہوگا
دیکھیگا کہ لوگ دین کو ضائع کر رہے ہیں اور دنیا میں ایسے مشغول ہیں اور اسپر ایسا اطمینان
کئے ہوئے ہیں کہ دین کی ذرا بھی فکر نہیں بس جسکو دین کی فکر ہوگی وہ تو لوگوں کی اس حالت کو
دیکھکر گوشہ ہی قبول کریگا میں کھیتی سے منع نہیں کرتا خرید فروخت دنیا کے اور معاملات سے
نہیں روکتا میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سارے کام دنیا کے اور تعلقات کو چھوڑ کر مسجد کے
گوشہ میں بیٹھ رہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ کاروبار سب کرو مگر دنیا پر مطمئن مت ہو آخرت کو پیش
نظر رکھو اور جو وقت کام کاج سے بچے اسکو فضول باتوں میں ضائع نکرو۔

ممنوعات شرعیہ میں مبتلا مت ہو بالخصوص جو لوگ آجکل کی مجالس میں شریک ہونے سے محترز ہیں
اور بیلوں کی صحبت میں رہتے ہیں وہ پھرا چھے ہیں بہت ہوگا ایسا شخص بیلوں کی صحبت
میں رہنے سے بیل ہوجائیگا مگر مواخذہ آخرت سے تو بچیگا میں اسی لئے کھیتی کو پسند کرتا ہوں
کیونکہ ان لوگوں کو گناہوں کے لئے کم فرصت ملتا ہے کہیں پانی دے رہے ہیں کہیں نولائی
کر رہے ہیں کہیں آوازیں لگا رہے ہیں۔ بعضے خدا کے بندے ایسے ہیں کہ آوازیں بھی
اللہ کے ذکر کی لگاتے ہیں گو اسمیں قدرے کلام ہے مگر مقصود انکے تلذذ کا بیان کرنا ہے اگر
یہ بھی نہ ہو تو واہی تباہی باتوں سے غیبت وغیرہ سے تو بچاؤ ہوتا ہے کسانوں کی یہ کیفیت ہے کہ
صبح سے کھیتی کے کام میں مشغول رہے دوپہر کو گھر سے کھانا پہونچگیا اسکو کھا کر تھوڑا آرام

پختہ علم و عمل والوں کی حالت غنیمت ہے

۱۴۱

آج کل عام مجالس کی حالت خراب ہے

گیا پھر کام میں مشغول ہو گئے رات کو ہارے تھکے آئے نماز پڑھی اور سو گئے ساری خرافات سے بچے اُن میں تکبر و نخوت نہیں ہوتا بہت ہوگا ایسے اشغال میں ذرا بے تمیز ہو جاویں گے مگر یہ بے تمیزی ہزار درجہ اچھی اُن خرافات میں مبتلا ہونے سے جو شہروں میں ہو رہی ہیں مگر ستم یہ ہے جو لوگ ان مکروہات میں گرفتار ہونے سے پرہیز کرتے ہیں اُنکو آج کل دلیوانوں میں شمار کرتے ہیں۔ مگر واقعی بات یہ ہے ۵

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم — مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد — مرعسس را دید و در خانہ نشد

فائدہ: گوشہ سے مراد گوشہ تنہائی ہے

گوشہ سے مراد مسجد کا گوشہ نہیں بلکہ تنہائی ہو چاہے گھر میں ہو چاہے جنگل میں ہو کیونکہ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اپنی حالت ممتاز مت بناؤ اور مسجد کا گوشہ آج کل ممتاز حالت ہے بلکہ خلوت ہو مگر اس طرح کہ کسی کو خلوت کا پتہ بھی نہ چلے اگر لوگوں کو خلوت کا پتہ چل جائے گا تو جان کھا جائیں گے اس لئے خلوت بھی ترکیب سے کرو کھیتی کرلو اور کوئی شغل کرلو مگر مکروہات سے بالکلیہ بچے رہو بس یہ آجکل خلوت ہے

فائدہ: خلوت کی حقیقت شان تنہائی ہے
خلوت کا عجیب طریقہ ۱۷

مولوی ظہیر الدین صاحب ایک درویش تھے میرے پھوپھا صاحب کے بھائی انھوں نے خلوت کا طریقہ عجیب اختیار کیا تھا مجمع میں ہوتے دروازہ کھلا رکھتے نفلیں پڑھتے رہتے جب کوئی آتا سلام کے بعد بہت خوش اخلاقی سے پیش آتے خیریت دریافت کرتے ضروری باتیں کرکے پھر نیت باندھ لیتے پھر سلام کے بعد ایک آدھ بات کر لیتے اور پھر نیت باندھ لیتے یہ نہ تھا کہ ہماری طرح ادن کے پاس باتوں کا چرخہ چلتا ہی رہے لوگ اُنکو رد کھا خیال کرکے خود ہی آمد و رفت کم کر دیتے اور کوئی اُنکی شکایت بھی نہ کرتا کہ بڑے بد دماغ ہیں بولتے ہی نہیں کیونکہ وہ نماز میں رہتے تھے اور نماز میں کوئی بولتا ہی نہیں ہے۔ لوگ یہی خیال کر لیتے کہ چونکہ مولوی صاحب نماز میں اکثر رہتے ہیں اس لئے زیادہ کلام نہیں کرتے۔ مولوی صاحب تنہائی میں نہ بیٹھتے تھے کہ جسکی وجہ سے ممتاز معلوم ہوں مجھے یہ طرز اُن کا بہت پسند آیا کہ ظاہراً تو خلوت نہ معلوم ہوتی تھی مگر حقیقت میں خلوت تھی۔ ایک بزرگ کی یہ حالت تھی

رات کو بولتے دن کو نہیں بولتے کیونکہ رات کو مجمع نہیں ہوتا کہ جس سے خرابیاں پیش آئیں اور وہ
بھی عشا تک بولتے اور بعد عشا کے گھر جاکر سو رہتے اس میں بھی نہ بولنے میں انکی شہرت نہ ہوتی
ہوتی تھی اور عشا کے بعد ویسے بھی بلا ضرورت بات چیت کرنا خلاف سنت ہے مگر
اب تو بعض لوگ بزرگوں کو عشا کے بعد بھی دق کرتے ہیں اور انکے پاس جمع ہوجاتے ہیں
اور وہ اخلاق کی وجہ سے کچھ کہتے نہیں حالانکہ انکو اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے مگر لوگ
بیٹھنے پر مجبور کرتے ہیں آپ کو کیا حق ہے ان کو مجبور کرنیکا اور وہ کس کس کی مرضی کے
موافق کام کریں میری رائے تو یہ ہے کہ ایسوں کو روک دینا چاہئے گو بعضے ناراض ہونگے
مگر اسکی پروا نکرنا چاہئے بس صرف اسکا اہتمام کرنا چاہئے کہ خدا رسول صلعم ناراض نہوں چاہے
ساری دنیا جاتی رہے خلقت کو کوئی راضی نہیں کرسکتا اللہ میاں ہی احق ہیں کہ انکو راضی
رکھا جاوے واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ اگر انکو راضی رکھوگے تو وہ لوگوں کی
گردنیں پکڑ کر راضی کر دینگے مگر نیت یہ نہونا چاہئے کہ حق تعالی کو اس لئے راضی رکھنے
کی فکر کریں کہ مخلوق ہم سے راضی ہوجائے اور اگر فرضاً حق سبحانہ تعالی راضی ہوں اور
مخلوق راضی بھی نہو تو حرج ہی کیا ہے اللہ میاں کی رضا کو مقدم سمجھنا چاہئے خواہ مخلوق راضی
ہو یا نہو۔ یاد رکھو کہ اگر سب کی للو پتو رکھوگے تو دین برباد ہوجاویگا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ
مخلوق کیساتھ سختی کا برتاؤ کرو بلکہ جب یہ دیکھو کہ لوگوں میں بیٹھکر دین خراب ہوتا ہے تو نرمی
سے انکو سمجھاؤ کہ اس قسم کی باتوں سے دین کی خرابی ہے اسواسطے میں کنارہ کشی چاہتا ہوں
اس صورت میں لوگ ناراض تو ہونگے مگر نصیحت ہوگی اور آئندہ کیلئے انکا حوصلہ پست ہوجاویگا
کہ پھر وہ خرافات کا ذکر ہی تمہارے سامنے نہ کرینگے۔ آجکل بدون بے مروتی کے کام نہیں
چلتا میں بد اخلاقی کرنے کو نہیں کہتا لیکن اگر خدا کی نافرمانی میں مخلوق سے مروت کی تو
خدا تعالی کو کیا منہ دکھلاؤ گے خرافات میں وقت گذارنے سے کیا فائدہ ہے وقت کی بڑی
قدر کرنی چاہئے اور اسکی اچھی صورت یہی ہے کہ اختلاط کم کردو۔ دوکانداری وغیرہ خلوت
کے منافی نہیں بس دوکانداری میں اتنا کام ہے کہ کوئی سودے کا نرخ دریافت کرے آپ دام
بتلادو اگر وہ لے دیدو مختصر سی بات کرلو ضروریات کو شریعت نے مستثنی کیا ہے خوب

18

اللہ میاں کی رضا مقدم ہے خواہ مخلوق
راضی ہو یا نہ ہو

سمجھ لو کہ جو شخص پھیری لگاتا ہے اور اپنا سودا بیچنے کیلئے آوازیں دیتا ہے جو نور اس کے قلب میں سبحان اللہ کہنے سے ہوگا ویسا ان آوازوں کے لگانے سے ہوگا کیونکہ یہ بھی ضروری چیز ہے مسلمان کا تو ہر فعل جو غرض محمود سے ہو شرع میں عبادت ہے گو بظاہر دنیا کا کام نظر آتا ہو پس اس کا مضائقہ نہیں مگر جس بات سے دین کی مضرت ہو اگرچہ ایک ہی بات کیوں نہ ہو اس سے بچو میں کہتا ہوں کہ اگر کم تعلقی کے برکات دیکھنا چاہو تو یوں کرو کہ دس دن کیلئے اپنے کاموں کا انتظام کر کے تنہائی اختیار کر لو دیکھو تو کیا ہوتا ہے اس سے تم جنید بغدادی تو نہ ہو گے مگر انشاء اللہ حس پیدا ہو جاوے گی اول اول جی گھبرائیگا مگر پھر آسانی ہو جائیگی پھر خلوت کے بعد سمجھو گے کہ جن خرافات میں مبتلا تھے انھوں نے ہمارے دل کا ناس کر دیا ہے پھر ذرا سی بھی خلاف بات ہونے پر یہ کیفیت ہوگی

بر دل سالک ہزاراں غم بود ۔ گر ز باغ دل خلالے کم بود

جس کے صحیح ہو جانے پر اس کا تجربہ کر لیجئے گا اسوقت تو ہماری حس ہی صحیح نہیں رہی حس کے صحیح ہونے پر یہ حالت ہوگی کہ اگر ایک منٹ کے لئے بھی باہر آجاویں اور ایک بات فضول منہ سے نکل جائے تو سارا کیا ہوا برباد معلوم ہوگا باقی معاصی کا تو کیا پوچھنا ہے اب ہماری حس کی ایسی مثال ہو رہی ہے جیسے سانپ کے کاٹے ہوئے کو نیم کی پتیاں بھی میٹھی معلوم ہوتی ہیں اس طرح ہمکو معاصی جو زہر قاتل ہیں مزہ دار معلوم ہوتے ہیں سو اسکا علاج کرو اور علاج کیلئے کسی تجربہ کار طبیب کو تلاش کرو اور جب تک طبیب نہ ملے ایک بڑا علاج یہی ہے کہ جو عرض کیا گیا یعنی سوچنا شروع کر دو آخرت کے تمام امور کو سوچا کرو کہ میں مر کر قبر میں جاؤنگا وہاں سوالات ہونگے اگر ٹھیک جواب دیدیا تو راحت ہوگی اور اگر جواب ٹھیک نہ دیا گیا تو عذاب ہوگا پھر اس کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤنگا۔ میدان قیامت کی سختیوں کو بھی سوچئے پھر یہ کہ خدا تعالیٰ کے روبرو حساب کیلئے کھڑا کیا جاؤنگا اس کے بعد پلصراط پر چلنا ہوگا پھر جنت ملی گی یا دوزخ میں ڈالا جاؤنگا دوزخ میں کوئی پرسان حال نہ ہوگا غرض سارے امور کو سوچا کرے اور اسکی ساتھ ہی کسی بزرگ سے تعلق پیدا کر لو اگر ممکن ہو سکے تو اسکی صحبت میں رہو اگر اس کے حقوق صحبت ادا نہ کر

۱۹

سکو تو اُس سے خط کتابت کرکے اپنے اعمال کی حفاظت رکھو دیکھو بھال رکھو کہ زبان کو ٹس ہر بے کار چیز میں مشغول رکھنے ہو کان سے کیا کام لیتے ہو تمام اعضاء کی حفاظت رکھو۔ اور شیخ کو اپنے حالات کی اطلاع کرتے رہو اور جو وہ بتلائے اس پر عمل کرو کیونکہ امراض باطنی کی جو دوائیں ہیں وہ انکی خاصیت خوب جانتا ہے وہ بصیر ہے دانشمند ہے طبیب روحانی ہے امراض قلبی کے علاج سے بخوبی واقف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصل مرض ہمارے اندر یہ ہے کہ آخرت سے بے فکر ہو کر دنیا پر اطمینان کر لیا ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں

یہ اطمینان بالدنیا ہے تو چھوٹا سا عنوان مگر اصل ہے تمام امراض کی اس کا علاج ہونے سے تمام امراض کا علاج ہو جاویگا مطلب یہ ہے کہ قلب کو دنیا پر قرار ہو جاتا اور آخرت کیلئے قلت بے چین نہونا یہی جڑ ہے تمام بیماریوں کی پس یہ اطمینان دل سے نکالو اور خدا تعالیٰ کی طاعت کو اپنے اوپر لازم کرلو گو تکلف ہی سے سہی خدا کی طاعت میں اثر خاص ہے کہ اس سے فکر پیدا ہوگی اور فکر کے پیدا ہونے سے تمام کام درست ہو جاینگے اور ایک بات اپنے اوپر اور لازم کرلو وہ یہ کہ جو شبہ جی میں آئے فوراً مست کرلیا کرو بلکہ علماء سے تحقیق کرکے کیا کرو اگر جائز بتلائیں ہر گز اس کام کو مت کرو۔ اپنے علماء کا محتاج سمجھو۔ علماء کی قدر کرو اس طرح تدبر اصل نکتے سے بھر قلب دنیا پر ہر گز مطمئن نہوگا۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ بدون خود حرکت کئے کچھ نفع نہیگا محض توکل پر بیٹھے رہنا اور خود متوجہ نہونا بے سود ہے خود قصد کروگے تو اس طرف سے بھی توجہ ہوگی جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے جب قصد بھاگنے کا کیا تو قصد کرتے ہی سارے قفل ٹوٹ گئے تھے رحمت حق کے متوجہ ہونے کیلئے عادۃً قصد شرط ہے ہماری حالت یہ ہے کہ ہم احدی بنا گئے ہیں حرکت ہی نہیں کرتے بس اب میں بیان کو ختم کرتا ہوں۔ اور جو بتاتا ہوں وہ سوچنا عمر بھر کا نسخہ ہے اسی پر عمر رکھو سارے کام تمہارے درست ہو جاینگے میں مختصر علاج بتلا چکا اب جب کوئی عمل نہ کرے تو اسکا علاج اسوقت اس سے زیادہ اور کوئی ضروری نہیں ہاں بہت سی تفصیل کی حاجت باقی ہے مگر اسپر عمل کرنے سے تفاصیل کی خود فکر ہو جاویگی جتنا بتلایا ہے اسکو تو شروع کردو۔

اب دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ عمل کی توفیق دیں فقط

اشرف علی ۱۲ شوال ۱۳۰۱ھ

۲۰

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

وعظ مسمی بہ

الفانی

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد المنان غفرلہٗ

مکتبہ تھانوی ، دفتر الابقاء
متصل مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ

الباقی

این	کہاں ہوا	تھانہ بھون مکان جناب منشی اکبر علی صاحب مرحوم
متی	کب ہوا	۳۰ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۳۱ھ
کم	کتنی دیر ہوا	۲ گھنٹے
کیف	کس ہیئت سے ہوا	جالساً
لِمَ	سبب کیا تھا	برادرم مرحوم مولانا سعید احمد صاحب غفر اللہ لہٗ کی وفات حسرت آیات پر تعزیت کیلئے مہمانوں کا اجتماع ہوا اسلئے انکی درخواست پر بیان ہوا۔
ماذا	کیا مضمون تھا	ہم لوگ دنیا کے فنا و زوال سے غافل ہیں اور آخرت کے بقا سے بھی اس سے زیادہ پریشانی ہوتی ہے پس راحت کا طریقہ فنائے دنیا و بقائے آخرت کا استحضار ہے
من ای شان	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	ہر طبقہ کو عموماً
من ضبط	کس نے ضبط کیا	شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
المستمعون	سامعین کی تخمینی تعداد	۱۰۰ تقریباً۔ مجمع مستورات پردہ میں اس کے علاوہ تھا
الاشتات	متفرقات	یہ وعظ احقر جامع کا اول ضبط کردہ وعظ ہے پھر اتفاق سے اس کی تبییض میں بھی بہت دیر لگی اس لئے ممکن ہے کہ ضبط اچھی طرح نہ ہوا ہو ۱۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ **اَمَّا بَعْدُ** فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا

یُحٰادُونَ ۝ یہ ایک مختصر سی آیت ہے اسمیں حق تعالیٰ جل شانہ عم نوالہ نے ہمکو ایک بڑے کام کی بات تعلیم فرمائی ہے جس سے ہماری تمام پریشانیوں کا علاج ہوجائیگا اور یہ مضمون بہت ظاہر ہے جسمیں کوئی پیچیدگی نہیں اور یہ قرآن وحدیث کا کمال ہے کہ اسکی کوئی بات پیچیدہ نہیں شریعت مقدسہ کی تعلیم بہت صاف تعلیم ہے کیونکہ قرآن مجید ایسے لوگوں کیلئے نازل ہوا ہے جنمیں مختلف فرقے اور مختلف حالات ہیں اس لئے قرآن کے علوم بہت سہل ہیں اور اسکی باتیں دل لگتی ہیں تاکہ سبکو فائدہ پہونچے اس لئے اگر قرآن سے ایک عامی منتفع ہے تو ایک فلسفی بھی اس سے مستفید ہے ہر شخص خواہ عامی ہو یا عالم اس سے مستفید ہونے میں یکساں ہے گو استفادہ کا درجہ مختلف ہو ہر شخص کو اسکے مرتبہ کے موافق اس سے نفع ہوتا ہے اسکی یہ شان ہے ؎

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ می دارد ۔ برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

اسلئے بعض لوگوں نے قرآن شریف کو بارش سے تشبیہ دی ہو کہ ہر زمین کو اپنی استعداد کے موافق اس سے سیرابی و سرسبزی حاصل ہوتی ہے۔ اور جسطرح یہ صفت قرآن شریف کی ہے ایسے ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جو اور تعلیمات حدیث میں ہیں انکی بھی یہی شان ہے کیونکہ وہ بھی وحی الٰہی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے اس لئے جو مضمون حدیث میں ہو اسکا سمجھنا اور سمجھانا بھی بہت سہل ہے جیسے قرآن کا سمجھنا اور سمجھانا سہل ہے اور کیوں نہ ہو وہ ایسے متکلم کا کلام ہے جسکو ہر مشکل کا آسان کرنا سہل ہے پس قرآن وحدیث کی تعلیم کا سہل ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں اور یہ سہولت تذکیر کے حصہ میں ہے اور استنباط کا حصہ صرف مجتہدین کے ساتھ خاص ہے اسی لئے کہیں تو میں للذکر اور لتبشر و تنذر کی قید ہے اور بعض مضامین میں یستنبطونہ کی قید ہے انہی سہل اور تذکیری مضامین میں سے یہ بھی ایک مضمون ہے جو اس آیت میں مذکور ہے اگر اسمیں تدبر کیا جائے تو اس سے ہماری بہت بڑی غلطی رفع ہو گی۔ تدبر کی قید میں نے اسلئے لگائی کہ شریعت کی تعلیم باوجود سہل ہونے کے ہمکو مخفی اسلئے معلوم ہوتی ہے کہ ہم اس میں تدبر سے کام نہیں لیتے۔ اور عدم تدبر سے تو دنیوی حسی باتیں بھی مخفی ہوجاتی ہیں علمی

مضامین کا تو ذکر ہی کیا۔ مضامین علمیہ کا تعلق چونکہ بلا واسطہ عقل سے ہے وہاں تو بدون تدبر کے کام نہیں چل سکتا مگر محسوسات میں بھی باوجودیکہ اُن کا تعلق حس سے ہے تدبر کی ضرورت ہوتی ہے اور بدون تدبر کے بعض دفعہ سخت غلطی ہوجاتی ہے۔ اسی مضمون کو دیکھ لیجئے کہ باوجود واضح ہونے کے عدم تدبر کی وجہ سے خفی ہوگیا ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو تمہارے پاس ہے وہ ختم اور فنا ہوجائیگا ایک جملہ تو یہ ہے دوسرا جملہ اسی کی تتمیم و تکمیل کیلئے ہے کہ جو خدا کے پاس ہے وہ پائدار و باقی رہنے والا ہے۔ ترجمہ سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کوئی پیچیدہ اور دقیق مضمون ارشاد نہیں فرمایا بلکہ ایک واضح آسان و سرسری مضمون ہے مگر عرفی اصطلاح کے موافق وہ سرسری نہیں کیونکہ واقع میں بڑا اعلیٰ مضمون ہے مگر چونکہ ہم اسمیں تدبر نہیں کرتے اسلئے سرسری سمجھا جاتا ہے۔ غرض ایک معنی کے لحاظ سے تو یہ سرسری ہی ہے یعنی سہل ہونے کی وجہ سے مگر آجکل سرسری بات معمولی اور بیوقعت بات کو کہا جاتا ہے سو اس معنی کر قرآن کا کوئی مضمون بھی سرسری نہیں ہر مضمون باوقعت اور اعلیٰ درجہ کا ہے ہاں دوسرے معنی کے لحاظ سے اسکو سرسری کہنا صحیح ہے کہ واضح اور صاف اور آسان مضمون ہے مگر چونکہ ہم اسمیں غور نہیں کرتے اسلئے ہمکو قرآن کی باتیں غیر واضح معلوم ہوتی ہیں اور اُن سے ہمکو اجنبیت سی ہے۔ اور باوجودیکہ مضمون اعلیٰ درجہ کا ہے اور نہایت باوقعت ہے مگر آجکل اسکی زیادہ وقعت نہیں کیجاتی جسکی ایک وجہ کثرت سماع و کثرت مشاہدہ بھی ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس بات کو بار بار سنا جائے یا بار بار دیکھا جائے وہ طبعی امر سمجھا جاتا ہے اسلئے اسکی زیادہ عظمت نہیں ہوتی پھر اس بات کو اگر اہتمام کے ساتھ کوئی بیان کرے تو تعجب ہوتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی نیا مضمون ہے اسلئے انسان اسمیں کسی قدر معذور بھی ہے مگر خدا نے انسان کو عقل بھی دی ہے اور فطرت دی ہے اسلئے اگر دونوں کے مقتضا میں تزاحم ہو تو اسوقت اسکو شریعت کی تعلیم پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ شریعت کی تعلیم میں دونوں کی رعایت ہے مثلاً کسی عزیز کے فوت ہونے سے رنج پہونچے تو عقل اسوقت رنج کرنے سے منع کرتی ہے کیونکہ وہ کہتی ہے

کہ رنج کرنے سے وہ شے واپس نہیں آسکتی اسلئے رنج فضول ہے اور طبیعت رنج کا تقاضا کرتی
ہے مگر طبیعت کا یہ اثر اور تقاضا ایک حکم غیر واقعی پر مبنی ہے کہ یہ چیز ہمسے جدا کیوں ہوئی
یہ حکم غیر واقعی اسلئے ہے کہ تمہارے قبضہ میں تو خود اپنی ذات بھی نہیں اگر تمکو اپنی ہی ذات
پر قبضہ ہوتا تو کوئی شخص بھی بیمار یا مفلس نہوا کرتا بلکہ انسان کی ذات میں جو تصرفات و
تغیرات رات دن ہوتے رہتے ہیں وہ اسکو بتلاتے ہیں کہ یہ خود مختار نہیں بلکہ دوسرے
کے قبضہ میں ہے تو جب یہ اپنی ذات میں بھی خود مختار نہیں تو دوسری چیزوں میں اس کو
دخل در معقول کا کیا حق ہے تو چونکہ یہ حکم عقل کے خلاف تھا اسلئے عقل نے اسکو رد کردیا
شریعت کی خوبی دیکھئے کہ دونوں کی رعایت کی گئی کہ حزن بھی ہو مگر اسکو غالب نکرو شریعت
نے عقل کی بھی رعایت کی اور طبیعت کی بھی۔ اسی طرح یہاں جس مسئلہ کا ذکر ہے آگیا
عقل کا مقتضا یہ ہے کہ فنائے دنیا سے کبھی غفلت نہو کیونکہ جب واقع میں اسکو بقا نہیں
اور فنا اسکے ساتھ لگا ہوا ہے تو اس سے غفلت صریح غلطی ہے دیکھو اگر بادشاہ کسی خزانچی
کے سپرد خزانہ کردے اور اسکو معلوم ہے کہ یہ میرے پاس بطور امانت کے ہے جو چند روز
کے بعد لیلیا جاویگا اسکو لازم ہے کہ اسکی امانت ہونے سے غافل نہو اگر کوئی خزانچی خزانہ
کو اپنی ملک سمجھکر اسمیں مالکانہ تصرف کرنے لگے تو یقیناً سب اسکو احمق بنائیں گے اسی طرح
فنائے دنیا سے غفلت عقل کے نزدیک سخت غلطی ہے مگر طبیعت غفلت کو مقتضی ہے
کیونکہ فنائے دنیا کو بار بار دیکھتے دیکھتے مساوات سی ہوجاتی ہے اور جس چیز کی مساوات
سی ہوجائے اس سے طبیعت کو غفلت ہوجاتی ہے شریعت نے یہاں بھی دونوں کو معتدل
کردیا اور دونوں کی رعایت فرمائی کہ غفلت کا تو مضائقہ نہیں مگر نہ اتنی غفلت کہ احکام
عقلیہ بالکل برباد ہوجائیں اگر تھوڑی سی غفلت بھی نہو تو انسان معطل ہوجائے کیونکہ
جسکے سامنے ہر دم موت ہی کھڑی ہو وہ کوئی کام اچھی طرح نہیں کرسکتا مگر اسکے لیے ایک حد
ہے جسکے آگے طبیعت کے احکام ختم ہوجاتے ہیں اور وہ حد یہی ہے کہ اتنی غفلت کا تو
مضائقہ نہیں جسکی انتظام معاش میں ضرورت ہے مگر اتنی نہ جس سے احکام عقلیہ بالکل
برباد ہوجائیں کہ دنیا سے ایسی دلبستگی ہو کہ گویا ہمیشہ یہیں رہنا ہے جو شخص دنیا سے

ایسی وابستگی کرے اسکی بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی مسافر سرائے میں دل لگالے اور ایک رات کے قیام کیلئے وہاں خوبصورت مکان تعمیر کرلے اور باغ وغیرہ لگانے لگے یقیناً سب اسکو بیوقوف کہیں گے کہ صرف رات بھر کا تو قیام اور اسکے لئے اسقدر سامان جو وطن اصلی کے مناسب تھا۔ پس ہمکو جو فنائے دنیا سے غفلت ہے اسکا تو مضائقہ نہیں مگر اسکا حد سے بڑھ جانا بے محل شکایت ہے۔ ہماری حالت ایسی ہے جیسے ایک چمار کی حکایت ہے کہ کسی نے اسکے ایک جوتہ مارا تو وہ کہتا ہے اب کے تو مار اس نے پھر مارا تو پھر بھی کہا کہ اب کے تو مار غرض وہ مارتا رہا اور یہ برابر یوں ہی کہتا رہا اب کے تو مار اس طرح ہم بھی رات دن فنائے دنیا کے واقعات دیکھتے رہتے ہیں مگر اپنی فنا سے غافل ہیں گویا بزبان حال یوں کہتے ہیں کہ اب کے تو موت آئے اب کے تو طاعون آئے اے صاحبو! مشاہدہ سے زیادہ کیا ہوگا جب مشاہدہ سے بھی ہماری غفلت کا پردہ نہ اٹھا تو کب اٹھے گا۔ یہ غفلت تو ہماری زوال دنیا کے متعلق ہے جو مشاہدہ ہے رہا بقائے آخرت تو ہرچند کہ وہ مشاہد نہیں مگر اعتقادی مسئلہ ہے اور اعتقادیات دل میں مضبوطی کیساتھ جما رہنا ضروری ہے اور جو بات دل میں جمی ہوئی ہو اس سے اجنبیت ہونا چاہئے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ جب کوئی یہ کہے کہ تم مروگے اور خدا کے سامنے جاؤ گے قبر میں سوال جواب ہوگا قیامت میں نامۂ اعمال سامنے ہوگا تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خواب دیکھ رہے ہیں افسوس کی بات ہے کہ جس چیز کا درجہ حال میں دل میں جما رہنا ہونا چاہئے تھا وہ ایسی ہوگئی جیسے خواب ہو اور اسکی علامت یہ ہے کہ ناصحین سے الجھتے ہیں اور بعضے تو بیدھڑک کہدیتے ہیں ؎ ابتو آرام سے گذرتی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے اور جو ان سے اچھے ہیں وہ ناصحین کی نصیحت کے جواب میں یوں کہدیتے ہیں کہ میاں اللہ غفور رحیم ہے آخرت کی فکر کہانتک کریں۔ اللہ میاں سب بخشدیں گے گویا انکے نزدیک آخرت میں فقط ایک ہی جزو کا ظہور ہوگا دوسرے جزو کا یعنی عذاب کا ظہور نہ ہوگا۔ کیوں صاحب اجباں یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ بخشدیں گے وہاں یہ خطرہ کیوں نہ ہوا کہ شاید کسی بات پر پکڑ ہونے لگے شاید دوزخ میں بھیجدئے جائیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ کام بہت کرکے بھی ڈرتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا

ف غفلت زندگی کی شکایت اور اسکی وجہ

ف معاملات آخرت کی باتیں خواب سی معلوم ہوتی ہیں اور اسکی دلیل

کہ کیا تم اسپر راضی ہو کہ ہمنے جو اعمال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے ہیں اُنکا اجر تو ہمارے واسطے سالم رہے اور جو اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کئے ہیں اُن پر گرفت نکی جائے چاہے ثواب بھی ندیا جائے تو حضرت ابو موسیٰ رضہ نے فرمایا کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جو اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے ہیں انکا اجر بھی سالم رہیگا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کئے ہیں انکا بھی ثواب ملیگا کیونکہ ہمنے حضور کے بعد بھی بہت کام کئے ہیں اور ظاہر میں یہ بات صحیح بھی تھی کیونکہ صحابہ نے زیادہ تر فتوحات وغزوات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی کی ہیں حضرت عمرؓ کی مدت خلافت میں جسقدر فتوحات ہوئی ہیں کہ اسلام مشرق سے مغرب تک پھیل گیا اُن سے پہلے اسقدر فتوحات نہیں ہوئیں مگر باوجود اسکے حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ بھائی میں تو اسپر راضی ہوں کہ جو اعمال ہمنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے ہیں وہ سالم رہیں اور اُنکا ثواب ملجائے اور جو اعمال بعد میں کئے ہیں اُن سے برابر سرابر چھوٹ جائیں نہ گرفت ہی ہو تو غنیمت ہے ثواب تو کیا ہوتا اور حضرت عمر کو جو اُن اعمال پر ثواب کی امید ہوئی جو حضور کے سامنے کئے تھے تو وہ بھی اس لحاظ سے نتھی کہ وہ اپنے اعمال ہیں بلکہ محض اس وجہ سے امید تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جو اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ٹھیک ہو گئے ہونگے انمیں خلوص ونورانیت وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے آگیا تھا حقیقت میں یہی باتیں ہیں جنسے ہم غافل ہیں اور یہ ایک باریک بات ہے جسکی ہمکو خبر نہیں کہ ہم جو بعضے کام کرتے ہیں کبھی تو وہ اپنی قوت سے ہوتا ہے اور کبھی اہل اللہ کی نظر و توجہ سے ہوتا ہے اسی لئے مولانا فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرو　　　بے قلاوز اندریں صحرا مشو

یعنی باطنی راستہ کیلئے کوئی رفیق ساتھ لیلو تنہا اس راستہ کو طے کرنیکا ارادہ نکرو کیونکہ تم تنہا اسکو قطع نہیں کر سکتے اسپر شبہ ہو سکتا تھا کہ بعض اہل اللہ کا پیر و مرشد کوئی نتھا اور وہ بدون مرشد کے واصل ہو گئے اسکا جواب مولانا نے یہ دیا ہے ؎

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید　　　ہم بعون ہمت مردان رسید

کہ جو لوگ شاذ و نادر تنہا اس راہ کو طے کرنے والے نظر آتے ہیں وہ بھی حقیقت میں تنہا منزل مقصود پر نہیں پہونچے بلکہ کسی کامل کی مخفی مدد اور پوشیدہ نظر کی برکت سے واصل ہوئے ہیں

ایک تو لفظ نادر بڑھا کر بتلا دیا کہ اول تو ظاہر میں ہی اسکا وقوع نادر ہے دوسرے حقیقت کے لحاظ سے وہ بھی تنہا نہیں چل رہا بلکہ کسی کامل کی مدد اسکی ساتھ ہے گو اسکو خبر بھی نہ ہو کہ کون میری مدد کر رہا ہے جیسے آفتاب کی حرارت سے پھل پختہ ہوتا ہے مگر کھانے والے کو بھی نہیں ہے کہ میرے لئے اسکو کس چیز نے پکایا کس چیز نے تیار کیا اسی طرح ہر زمانہ میں کوئی خدا کا بندہ آفتاب طریقت ہوتا ہے جسکی نورانیت سے اسکے زمانہ والوں کو مدد پہونچتی ہے مگر لوگوں کو پتہ بھی نہیں ہوتا ہمکو کون چلا رہا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم تنہا چل رہے ہیں مگر یہ غلط ہے تو حضرت عمرؓ نے اس راز کو سمجھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمارے اعمال میں نورانیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ نورانیت نہیں گو ظاہر میں اعمال کا ذخیرہ بعد میں بھی بہت کچھ نظر آرہا ہے مگر چونکہ نورانیت ویسی نہیں تو انکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کے سامنے ہزاروں ٹوکرے امرود و انار وغیرہ کے پیش کرنے مگر سب سڑے ہوئے ہوں تو کیا اس انبار کی محض اسلئے کہ ظاہر میں بڑا انبار تو ہے کچھ قدر ہوسکتی ہے سلطان دنیا تو سارے انبار کو ہمارے منہ پر دیکر مار دینگے اسلئے حضرت عمرؓ کو اپنے ان اعمال کے متعلق خطرہ تھا اور فرماتے تھے کہ ثواب تو بہت دور ہے میں اسپر ہی راضی ہوں کہ ان پر گرفت نہ ہو اور الٹے منہ پر نہ مارے جائیں حضرت عمرؓ پر خوف کا غلبہ تھا اور حضرت ابو موسیٰ پر حالت رجا غالب تھی جب حضرت عمرؓ کی طاعات کے باب میں یہ حالت تھی باوجودیکہ آج انکی برابر کوئی بھی نہیں ہو سکتا ہے تو پھر ان اللہ کے بندوں کو جو اللہ غفور رحیم کہکر ناصحین کا منہ بند کرتے ہیں معاصی کے باب میں یہ خوف کیوں نہیں ہوتا کہ شاید ہماری پکڑ ہونے لگے۔ تو آخرت باوجودیکہ اعتقادی مسئلہ ہے ہمکو اسقدر غفلت ہے کہ خبر ہی نہیں اسی طرح فنا دنیا ظاہر ہے مگر کبھی بھولکر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ ایک دن ہم بھی ختم ہوں گے جسکی دلیل یہ ہے کہ آخرت کیلئے سامان سے بے پروائی ہے نہ رہن چھوڑنے کی کر ہے نہ قرض ادا کرنیکا خیال ہے نہ موروثی زمین چھوڑنیکا قصد ہے گویا اللہ میاں سے کہنا ہے کہ ان کا قرض ادا کر دینگے اور موروثی چھوڑ دینگے غرض ایک عالم لایعنی مشغلہ میں مبتلا ہے کوئی زیور کی دھن میں ہے کوئی مکان بنانے میں منہمک ہے کسی کو یاد نہیں کہ

آفتاب باطن ہر زمانہ میں ہوتا ہے جسکی نورانیت سے بہت لوگ کامیاب ہوتے ہیں اور انکو خبر بھی نہیں ہوتی

حضرت عمرؓ پر خوف غالب تھا

فنا دنیا سے غفلت کی

ایک دن ہم نہوں گے تو یہ ایسا مضمون ہے جو واقع میں ظاہر ہے مگر غفلت نے اسکو خفی بنا
رکھا ہے سو واسطے اللہ تعالیٰ نے جا بجا ہمکو بار بار متنبہ فرمایا ہے جنمیں سے ایک مقام یہ بھی
ہے جسکو میں اسوقت بیان کرنا چاہتا ہوں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے لوگو! سنو کہ
تمہارے واسطے دو قسم کی چیزیں ہیں ایک وہ جو تمہارے پاس ہیں جنمیں تمنے دل
لگا رکھا ہے وہ تو ختم ہونے والی ہیں اور دوسری وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس
ہیں وہ باقی ہیں اور وہ چیزیں بھی تمہاری ہی ہیں مگر تم اُن سے ایسے غافل ہو گویا وہ
غیر کی ہیں حالانکہ انکی ایسی مثال ہے جیسے کچھ تو بچہ کے پاس روپیہ ہو اور باقی سرمایہ باپ
کے قبضہ میں ہو بچہ کے پاس جو روپیہ ہے وہ اُسکو اپنا سمجھتا ہے مگر بیفکرا سمجھکر برباد کرتا
ہے اور جو سرمایہ باپ کے پاس ہے اُسکو اپنا روپیہ نہیں سمجھتا حالانکہ وہ بھی اُسی کے واسطے
ہے مگر باپ اسلئے اسکو نہیں دیتا کہ برباد کر دیگا وہ اسکو خاص موقع کے واسطے اپنے بچہ
کیلئے محفوظ کرتا ہے تو جیسے وہ بچہ احمق ہے کہ باپ کے پاس کے سرمایہ کو اپنا نہیں سمجھتا
ایسے ہی ہم بیوقوف ہیں کہ اپنی چیز اُسی کو سمجھتے ہیں جو ہمارے ہاتھ میں ہے اور جو نعمتیں اللہ
تعالیٰ نے ہمارے واسطے اپنے پاس رکھی ہے انکو اپنی نہیں سمجھتے وہ گویا کسی غیر کیلئے ہیں
اے صاحبو! وہ بھی ہماری ہیں مگر جب تک انکی قدر نکروگے وہ نہ ملیں گی اور قدر یہی ہے
کہ انکو مانگو یہ تو نہیں ہوسکتا کہ مانگو یا نہ مانگو چاہو یا نہ چاہو یعنی قدر کرو یا نکرو زبردستی تمہارے سر منڈھ
دی جائے اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں انلزمکموھا وانتم لھا کٰرھون (کیا ہم اپنی
نعمت کو تمہارے سر چپکا دیں حالانکہ تم اس سے کراہت ہی کرتے رہو) آخر انکو اسکی ضرورت
کیا ہے کہ خواہ مخواہ تمہارے سر چپکا دیں کیا خدا کے پاس جگہ نہیں ہے یا وہ دولتیں رکھی
رکھی سڑ جائیں گی ہرگز نہیں خدا کے پاس جگہ کم نہیں اور نہ وہ نعمتیں سڑنیوالی ہیں اسلئے
بدون مانگے نہیں ملیں گی اور نہ مانگنے کے بعد کچھ بھی دیر لگے گی حدیث قدسی میں بالفاظ
وارد ہے من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت
الیہ باعا الخ کہ جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اسکی طرف دو بالشت
جاتا ہوں اور جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے۔

ہیں اسکی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو میری طرف چلکر آتا ہے میں اسکی طرف دوڑ کر جاتا ہوں پھر کیا وجہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی طرف بڑھنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔ ایک حدیث میں یہ آیا ہے مَنْ لَمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اُنپر اللہ تعالیٰ غصہ کرتے ہیں۔ دوسرے آقاؤں کی تو یہ حالت ہے کہ اُن سے اگر برابر مانگتے رہو تو تنگ آجاتے ہیں اور جو اُن سے مانگتا نہ ہو اُس سے خوش رہتے ہیں اور تعریف کے طور پر کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا لبے زبان ہے کبھی کچھ نہیں مانگتا۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ جو اُن سے نہ مانگے اُس سے خفا ہوتے ہیں اور جو برابر مانگتا ہے اس سے خوش ہوتے ہیں یہانتک ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر چیز مانگو یہانتک کہ جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی مانگو نمک نہ رہے وہ بھی ان ہی سے مانگو۔ یہ اسلئے فرمایا تاکہ لوگوں کے دلوں سے یہ خیال نکل جائے کہ اللہ تعالیٰ سے چھوٹی چھوٹی چیزیں کیا مانگیں؟ ظاہر میں یہ خیال مستحسن معلوم ہوتا ہے مگر اسمیں نفس کا کید ہے جسپر شارع علیہ السلام نے ہمکو متنبہ فرمایا ہے وہ کید یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے چھوٹی چیزیں نہیں مانگتا وہ اپنے خیال میں بڑی چیزوں کو گویا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بڑی سمجھتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سلطنت ہفت اقلیم اور جوتی کا تسمہ برابر ہے دوسرے کیا چھوٹی چیزوں کیلئے کوئی اور خدا ہے اگر نہیں تو اُسی سے کیوں نہیں مانگتے۔ اور مغفرت و جنت مانگنے کا تو قرآن میں جابجا امر ہے سَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جسکا عرض آسمان و زمین کے برابر ہے عــہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُلِحِّیْنَ فِی الدُّعَاءِ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند فرماتے ہیں جو دعا میں الحاح کرتے ہیں تو دیکھو ہمارے آقا کیسے کریم ہیں ایسے ہی کوئی نہ مانگے تو اُسکی محرومی اور بدقسمتی ہے۔ ٥

اُسکے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

صاحبو! اللہ تعالیٰ سے مانگو انھوں نے حفاظت سے اپنے پاس تمہارے لئے بہت سی نعمتیں

عــہ جسکے عرض میں آسمان زمین سما جائیں اسکے طول کا کیا کہنا ۱۲ ظ

ف جو اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اُسپر وہ غصہ ہوتے ہیں

ف بعض لوگ اللہ تعالیٰ سے معمولی چیزوں کا سوال نہیں کرتے یہ بھی نفس کا کید ہے

رہی ہیں اور جو نعمتیں تمہارے پاس ہیں اُسکو تو چور لیجائیں ڈاکو چھین لیں مگر افسوس کہ ہم یہ
فریفتہ ہیں اور جو محفوظ ہیں اُنکو اپنی حماقت سے بھولے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی غلطی پر ہمکو متنبہ
فرماتے ہیں کہ جو تمہارے پاس ہے واقع میں وہ تو غیر کی چیز ہے یعنی امانت چند روزہ ہے جو ایک
وقت میں تم سے چھین لیجائیگی یا موت کے بعد وارثوں کو ملیگی اور جو ہمارے پاس ہے واقع میں وہ تمہاری
چیز ہے جو ہمیشہ تمہارے پاس رہیگی مگر ہمنے اس مضمون کو بھلا رکھا ہے علماً بھی و عملاً بھی
ذہول کے معنی ہیں کہ اُسکا استحضار نہیں ہے ورنہ اسکا عقیدہ تو ہم سب مسلمان اپنے دل میں رکھتے
ہیں۔ مگر جس اعتقاد سے کام نہ لیا جائے اُسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک زنانہ شاہزادہ کی
حکایت ہے کہ وہ بیٹھا ہوا تھا کہ دفعۃً سانپ نکل آیا تو وہ کہنے لگا ارے بلانا کسی مرد کو
کسی نے کہا حضور بھی تو ماشاء اللہ مرد ہیں کہا ارے ہاں خوب یاد دلایا اچھا لاٹھی لاؤ پھر معلوم
سانپ مارا یا نہیں تو ظاہر ہے کہ اُسکو اپنے مرد ہونیکا اعتقاد ضرور تھا مگر ایسے اعتقاد سے کیا نفع!
جو وقت پر یاد نہ آئے حتیٰ کہ دوسروں کو یاد دلانیکی ضرورت پڑے۔ گو اعتقاد کے بارہ میں یہ تو نہیں کہہ
سکتے کہ ذہول کے بعد بالکل بیکار ہے کیونکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ ایسا اعتقاد بھی اخیر میں کام آجائیگا
یعنی آخر کار اس عقیدہ ہی کی بدولت کسی وقت جنت میں پہنچ جائیں گے جسکی دلیل یہ آیت ہے
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ جب ذرہ برابر نیکی بھی ضائع
نہیں تو ضعیف اعتقاد اور ضعیف ایمان کی جزا بھی ضرور ملنا چاہئے اور اُسکی یہی صورت ہے
کہ کسی وقت یہ لوگ جہنم سے نکال لئے جائیں تو ہر چند کہ یہ اعتقاد بھی ایک درجہ میں نافع ہے
مگر جب وقت پر پوری طرح کام نہ آیا اور مرتے ہی جنت میں جانا نصیب نہ ہوا تو یہ اعتقاد نافع
کامل نہ ہوا۔ اسلئے میں کہتا ہوں کہ ہم لوگ اس باب میں علماً بھی کوتاہی کرتے ہیں اور عملاً بھی
مگر عمل کے مقابلہ میں علم کے دو درجے ہیں ایک اعتقاد ایک استحضار اور ہماری کوتاہی دوسرے
درجہ میں ہے یعنی ہم استحضار میں کوتاہی کرتے ہیں اب عدم استحضار کا ایک سبب تو یہ ہے
کہ شیطان نے یہاں ہمکو یہ سبق پڑھا رکھا ہے کہ ہماری قسمت کہاں کہ ہم جنت میں پہلے ہی
پہنچ جائیں اسلئے اسکی سعی نہیں اور اسلئے استحضار ہی نہیں استحضار اسی چیز کا ہوتا ہے
جسکے لئے سعی ہو میں کہتا ہوں کہ سبحان اللہ! تمہاری قسمت کھانے پینے میں تو بڑی تیز ہے

اسمیں ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ جاؤ اور کہو کہ ہماری یہ قسمت کہاں کہ دو وقت پیٹ بھر کے روٹی کھایا کریں یہ تو بڑے لوگوں کی قسمت ہے اور اگر یہ کہو کہ چاہتے تو ہم بھی ہیں کہ جنت میں مرتے ہی پہونچ جائیں تو میں کہونگا کہ یہ چاہنا آپکا ایسا ہے جیسے کوئی یہ چاہے کہ بدون ہاتھ ہلائے روٹی منہ میں پہونچ جائے اسکو سب یہ کہتے ہیں کہ یہ روٹی کھانا نہیں چاہتا اگر چاہتا تو اس کے اسباب اختیار کرتا ایسی ہی ہمارے بھائی یہ تو چاہتے ہیں کہ کھڑے جنت میں پہونچ جائیں مگر ہاتھ نہیں ہلاتے اسکے اسباب اختیار نہیں کرتے اور دنیا کی جس بات کو چاہتے ہیں اسکے لئے خوب کوشش کرتے ہیں پس حاصل یہ ہے کہ روٹیاں کھانا تو تم چاہو اور دین کی باتوں کو اللہ میاں چاہیں اگر خدا نے چاہا اور قسمت میں ہوا تو دیندار بنجائیں گے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ کامیابی اللہ تعالیٰ کے چاہنے ہی سے ہوگی مگر جسطرح دنیا کے اسباب تدابیر اختیار کرتے ہو اسی طرح دین کے اسباب بھی تو اختیار کئے ہوتے اور تدبیر پوری کی ہوتی اسکے بعد نتیجہ تو خدا کے سپرد کیا ہوتا یہ کیا کہ اسباب تدبیر کو بھی ترک کرکے بیٹھ گئے حالانکہ دنیا کے کاموں میں کوئی بھی تدبیر کو ترک نہیں کرتا اس کا تو یہ حاصل ہوا کہ اپنے مطلب میں تو تم بڑے ہوشیار ہو مگر آخرت کو مطلوب ہی نہیں سمجھتے اسکی وقعت دلمیں نہیں جبھی تو یہ بہانے ہیں اسکی شکایت ہے خصوص عورتوں میں یہ عدم استحضار بہت ہی زیادہ ہے چنانچہ جس وقت عورتیں زیور پہنتی یا کپڑے قطع کرنے بیٹھتی ہیں اسوقت یوں معلوم ہوتا ہے کہ انکو کبھی اس کا گمان نہیں کہ ایک دن ہم نہ ہونگے اور عام طور سے یہ ذہول اسقدر ہے کہ ہر روز ہم سنتے ہیں کہ فلاں مرگیا ہے تب بھی ہمکو اپنی موت یاد نہیں آتی میں بقسم کہتا ہوں کہ بہت لوگوں کو اپنی موت یاد نہیں آتی جسکی دلیل یہ ہے کہ عین جنازہ کی ہمراہی میں دل لگی کی باتیں ہوتی ہیں قبرستان میں جاکر بھی مقدمات کے فیصلے اور تذکرے ہوتے ہیں۔ واللہ اگر اپنی موت اسوقت یاد ہو تو انسان سب چوکڑی بھول جائے جیسے ایک بڑھیا کی حکایت ہے کہ اسکی بیٹی بیمار تھی یہ محبت میں دعا کرتی تھی

عہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے ایک شخص کو قبر پر کسی بات پر ہنستا ہوا دیکھا فرمایا خدا میں تجھسے کلام نہ کرونگا تو ایسی جگہ بھی ہنستا ہے جہاں رونا چاہئے تھا ۱۲ جامع۔

انہماک فی الدنیا کی حالت اور اسکی شکایت

کہ اللہ یہ اچھی ہو جائے اور اسکی جگہ میں مر جاؤں ایک دن اتفاق سے محلہ کی گائے نے ہانڈی میں منہ ڈالدیا اور سینگ ہانڈی میں پھنس گئے وہ اسی صورت سے بڑھیا کے گھر میں آگھسی یہ دیکھکر ڈر گئی اور یہ سمجھی کہ بس موت کی میں تمنا کرتی تھی وہ سامنے آگئی بس یہ عزرائیل فرشتہ ہے جو میری روح نکالنے آیا ہے تو وہ گھبرا کر کہنے لگی اے موت میں مہستی نہیں مہستی تو وہ پلنگ پر پڑی ہے۔ میں تو غریب بڑھیا ہوں ؎

گفت اے موت من نہ مہستیم پیر زال غریب محنتیم

صاحبو! ہم اپنی موت کو یاد رکھتے تو ہوش اڑ جاتے اور اسکی علامات ظاہر ہوتیں مگر ہمارے اندر اسکی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی۔ اور اگر اپنی موت یاد آتی تو پھر دوسرے مردہ پر اتنا نہ روتے کیونکہ اگر کوئی قید سے چھوٹ جاوے تو ہمیں اتنے رنج کی کیا بات ہے گو طبعاً حزن ہوتا مگر عقلاً تو یہ خوشی کی بات ہے اسوقت اس بات کی خوشی ہونا چاہئے تھی کہ ایک دن ہم بھی قید خانہ سے چھوٹنے والے ہیں جیسا یہ چھوٹ گیا عارف اسی کو فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم راحت جان طلبم و زپئے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے تا در میکدہ شاداں و غزلخواں بروم

اہل اللہ تو موت کے دن کی تمنا کرتے ہیں اور یہاں ہم کو اسکے نام سے بھی جاڑہ بخار چڑھتا ہے۔ تو موت کو ہم اتنا بھولے ہوئے ہیں کہ دوسرے کو مرتے دیکھکر بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ منزل ہمارے سامنے بھی ہے بلکہ یوں سمجھتے ہیں کہ بس موت اسی کے واسطے تھی اور اگر کوئی یاد بھی کرتا ہے تو بطور وظیفہ کے مگر کیا اگر کوئی لڈو مٹھائی کا نام لیکر وظیفہ پڑھا کرے تو اس سے اس کا منہ میٹھا ہو جاویگا ہرگز نہیں اسیطرح موت کا وظیفہ پڑھنے سے کام نہیں چل سکتا اسکو موت کی یاد نہیں کہہ سکتے موت کی یاد یہ ہے کہ زیوروں کی کثرت سے نفرت ہو جائے گھر میں زیادہ سامان اور بکھیڑا ناگوار معلوم ہو جیسے سفر میں زیادہ اسباب برا معلوم ہوتا ہے یہانتک کہ سفر میں اتنا مختصر سامان ساتھ لیتے ہیں جسکے عدد شمار میں آجائیں مگر ہماری یہ حالت ہے کہ سفر آخرت سامنے ہے اور گھر میں اسقدر سامان ہے جسکی تفصیل گھر والے کو بھی معلوم نہیں ہم نہ تو ان لدے جاتے ہیں اور گناہوں کا بوجھ جو گردن پر لادا جا رہا ہے وہ اسکے علاوہ ہے یہ تو علمی کوتاہی تھی اور عملی کوتاہی یہ ہے کہ آخرت کیلئے

کوشش نہیں کرتے۔ بس بڑی کوشش یہ ہوگی کہ بیٹھکر دو آنسو ٹپکا لئے گویا اللہ میاں کی نہریں پانی کم ہو گیا تھا وہ آنسو بہا کر اللہ میاں پر احسان کیا اور انکو خرید لیا۔ بس انکے نزدیک دو آنسو بہا لینے سے سارے گناہ انکے واسطے جائز ہو گئے یہ سبکا کفارہ ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ آنسو بہانے میں کوئی وقت نہیں کچھ خرچ نہیں کچھ کرنا نہیں پڑتا اسلئے رونا اختیار کر لیا جیسے ایک بدوی کیساتھ سفر میں ایک کتا تھا وہ راستہ میں مرنے لگا اور بدوی رونے لگا ایک مسافر نے رونیکا سبب پوچھا کہا یہ کتا میرا رفیق ہے اور آج مر رہا ہے اسواسطے رو رہا ہوں کہا اسکو مرض کیا ہے کہا بھوک سے مر رہا ہے مسافر نے دیکھا کہ ایک طرف پوٹلا بندھا رکھا ہے پوچھا اسمیں کیا ہے کہا روٹی کے سوکھے ٹکڑے ہیں کہا پھر کتے کو کیوں نہ کھلا دیئے جس سے تجکو اسقدر محبت ہے

گفت نایدبے درم در راہ نان ؎ لیک ہست آب دو دیدہ رائیگان

مجھے ایسی محبت نہیں کہ رقم کی چیز اسکو کھلا دوں اور رونے کا کیا ہے مفت کے آنسو ہیں دو گھڑی بہا لونگا یہی حال ہمارا ہے کہ ایسے مواقع پر ہمنے صرف رونا سیکھا ہے جسمیں کچھ خرچ نہیں۔ صاحبو! بقسم بتاؤ کہ جتنی کوشش تم بھوک کے وقت غلہ لانے اور آٹا پسوانے روٹی پکوانے میں کرتے ہو کیا آخرت کے واسطے بھی کبھی اتنی کوشش کی ہے ہرگز نہیں۔ اور اگر کوئی نصیحت کرتا ہے تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق دینگے تو آخرت کا سامان کرینگے گویا اسمیں بھی نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی خطا ہے انکی کچھ خطا نہیں کبھی کہتے ہیں کہ ہماری تو قسمت پھوٹی ہوئی ہے ہمیں دنیا کے دہندوں سے کہاں فرصت ہے اسمیں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی خطا بتائی جاتی ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ یہ کیا دین ہے۔ اور جو بڑا خیال آخرت کا ہوا تو بزرگوں سے دعا کرنیکی درخواست کیجاتی ہے جیسے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ سے ایک سوداگر نے بمبئی میں کہا تھا کہ حضرت دعا فرمایئے مجھے بھی حج کی توفیق ہو جاوے فرمایا ہم دعا کرینگے اور ایک کام تم کرو کہ جہاز کی روانگی کے دن مجھے اپنی ذات پر پورا اختیار دیدو کہ جو میں کہوں اسکے خلاف نکرو۔ کہا حضرت اختیار لیکر کیا کرینگے فرمایا جسوقت جہاز روانہ ہوگا تمکو پکڑ کے جہاز میں سوار کر دونگا وہ حیلے حوالے کرنے لگا تو حضرت نے فرمایا پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ تم بیوی کی بغل میں رہو اور رات دن گلچھرے اڑاؤ اور ہم دعا کے ہو رہیں۔ یہی حال ہمارا ہے

فـ بعض لوگ بدوی کی حکایت
فـ ہم آخرت کیلئے بجز رونے کے کچھ نہیں کرتے
فـ بزرگوں سے دعا کرانے کے بعد کوشش ضروری ہے

کہ خود کچھ نہ کرینگے ہاں ناصحین سے کہیں گے کہ آپ دعا کریں خصوصاً ان بوڑھی عورتوں کا تو یہ حال ہے کہ دین کا کوئی کام ہو تو سب سے کم ہمت اور دنیا کا کام ہو تو یہ شیطان کی خالہ سب سے پہلے اس کام کو کرینگی اسمیں سب سے زیادہ باہمت ہوجائیں گی ۔ اللہ میاں کا دھیان ہی نہیں آتا ہاں بہو بیٹیوں کے لئے زیور کپڑے کا رات دن تقاضا ہے ہم تو انکو کم ہمت اسوقت سمجھتے کہ یہ دنیا کے کاموں میں بھی کم ہمت ہوتیں حالانکہ خود دنیا کی یہ حالت ہے کہ کوشش سے کبھی تو حاصل ہوتی ہے اور کبھی کوشش ناکام ہوجاتی ہے اور آخرت کیلئے سعی کسی حال میں ناکام نہیں اگر کوئی شخص کسی عمل آخرت کا اہتمام کرے اور وہ حاصل بھی نہ ہو اہو تو جب بھی اسکو ثواب ملتا ہے ۔ یہاں سے عوام کی ایک اور غلطی بھی معلوم ہوگئی وہ یہ کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ میاں قرآن صحیح کرلو تو جواب میں کہتے ہیں کہ کیا اب میری تعلیم کا وقت ہے اب بوڑھے طوطے کیا پڑھیں گے ۔ یہ جواب بالکل غلط ہے کیونکہ آپکا کام صرف کوشش ہے صحت ہو یا نہ ہو اگر تم کوشش میں لگ جاؤ پھر بھی کامیابی کا درجہ حاصل نہ ہو تب بھی ثواب ملیگا بلکہ دونا ثواب ملیگا ایک محنت کا ایک ناکامی کی حسرت اور رنج کا یا یوں کہو کہ ایک پڑھنے کا ایک مشقت کا اور ناکامی پر ثواب ملنے سے حیرت نہ کیجئے حدیث میں تصریح ہے وَالَّذِیْ یَتَتَعْتَعُ فِیْهِ وَهُوَ عَلَیْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ یعنی جو شخص قرآن میں اٹکتا ہو اور وہ اسپر دشوار معلوم ہوتا ہو اسکو دو اجر ملیں گے اسی بناء پر اہل اللہ نے ناکامی کو بھی سبب ثواب بنا دیا ہے چنانچہ حضرت رابعہ نے جب حج کیا تو حج سے فارغ ہو کر جناب باری میں عرض کیا یا اللہ میں نے حج کرلیا اب ثواب دیجئے خواہ حج قبول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اگر قبول ہوچکا ہے تب تو حج مبرور پر ثواب دینے کا آپکا وعدہ ہے ہی اور اگر قبول نہیں ہوا تو یہ سخت مصیبت ہے کہ ؎

اندر دوست چہ گویم بچہ عنوان رفتم ۔۔۔ ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرمان رفتم

اور مصیبت زدہ کیلئے بھی آپنے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اسلئے بہرحال ثواب دینا پڑے گا غرض اس دربار میں کوشش کے بعد ناکامی بھی کامیابی ہے تنخواہ ضرور ملے گی ۔ اور حضرت رابعہ نے جو یہ عنوان اختیار فرمایا یہ ناز کا مقام ہے جو ہر ایک کا منہ نہیں ہمارے لئے تو یہی

ف: [illegible]

ف: عمل آخرت میں ناکامی نہیں [illegible]

ناکامی پر ثواب [illegible]

ف: اہل اللہ نے ناکامی کو بھی سبب ثواب [illegible]

زیبا نہیں ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد — چوں نداری گرد بدخوئی مگرد
پیش یوسف نازش و خوبی مکن — جز نیاز و آہ یعقوبی مکن
عیب باشد چشم نابینا و باز — زشت باشد روئے نازیبا و ناز

غرض یہ عنوان ناز کا ہے مگر مضمون یہ ہے کہ جب اپنے نزدیک مقبول بنانے کی کوشش کی مگر پھر کوتاہی ہوگئی تو قاعدہ سے گو مقبول ہونے کی قابل نہیں مگر وہ مقبول فرماکر اجر عطا فرماتے ہیں یہ معنی ہیں عوم مقبول یا راجع کے۔ اور یہ مضمون سالکین کے بہت کام کا ہے کہ دین کے راستہ میں اگر کوشش ناکام بھی ہو یا کمزور ہے جب بھی اجر ملیگا۔ صاحبو! اگر وصول الی کمال العمل ہوا تو ثواب و قرب تو وصول الی المقصود ہو جائے گا۔ اگر تم نے قرآن صحیح کرنے کی کوشش کی اور نہ ہوا تو کیا حرج ہے خدا تو راضی ہوگیا۔ ہمارے ایک مجمع نے ایک موقع پر ایک دینی کام کیلئے کوشش کی تھی اور ناکام رہے تو ایک بد دین نے اعتراض کیا کہ ان لوگوں کو کیا حاصل ہوا ایک اللہ کے بندہ نے جلا کر جواب دیا

16

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپکو کہتا ہے عشقباز — اے روسیاہ تجھسے تو یہ بھی نہ ہو سکا

مولانا فرماتے ہیں ؎

گر مرادت را مذاق شکر ست — بے مرادی نے مراد دلبر ست

ارے مراد میں تو مزہ ہے ہی مگر نامرادی میں بھی ایک مزہ ہے وہ یہ کہ محبوب نے تو دیکھ لیا کہ ہمنے کسی کو طلب کیا تھا اور وہ نہیں ملا ؎

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم — کہ من نیز از خریداران اویم

کیا یہ تھوڑی دولت ہے کہ تم انکے خریداروں میں داخل ہوگئے گو ناکام ہی خریدار رہی ولے اسکے حال پر جو خریدار بھی نہ بنا۔ پس آخرت وہ شے ہے کہ اس کا طالب ناکام ہو کر بھی مستحق اجر ہے مگر ایسی مدد کوئی نہیں کہ کچھ بھی نہ کرو اور اجر مل جائے پھر افسوس ہے کہ تم لوگ دنیا کیلئے تو ہر طرح کی تدبیر و سعی کرتے ہیں جہاں ناکامی سراسر خسارہ ہی اور آخرت کیلئے

سعی نہیں کرتے جہاں ناکامی ہی کامیابی ہے سرمد اُن لوگوں کے جواب میں جو اس طرز یابی ناکامی کی شکایت کیا کرتے ہیں کیا خوب فرماتے ہیں ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد | یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد | یا قطع نظر زیار می باید کرد

کہتے ہیں کہ بس ان شکایات کو ختم کردیا تو محبوب کے ہو رہو اور اسکی رضا پر راضی رہو یا اس محبوب سے قطع نظر کرکے کوئی دوسرا محبوب تلاش کرلو۔ پس اگر خدا تعالیٰ کسی کا بیٹا وغیرہ لیلے تو اسکو شکایت کا کوئی حق نہیں کیونکہ تم سب اپنے نہیں ہو بلکہ سب خدا کے ہو جب تم اُسکے ہو تو تمہاری ہر چیز اُسی کی ہے جب ہر چیز خدا ہی کی ہے تو تمہارا کیا اجارہ ہے اگر دیدیں ایسے ہی اگر تم ذکر کرو نماز پڑھو اور مزہ نہ آئے تو تمہارا کیا بگڑ گیا اسکی تو ایسی مثال ہے جیسے غلام نے آقا کی زمین میں کاشت کی اور پیداوار نہ ہوئی تو اُسکو رونے کی کیا ضرورت ہے اسکا کیا نقصان ہوا۔ اسی طرح تم نے پڑھنا لکھنا سیکھا اور ذکر کیا اور حلاوت نہ ہوئی تو تمہارا کیا حرج ہے تم کام میں لگے رہو کہ اس دربارہ نامرادی بامرادی ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎ گر مرادت را مذاق شکر ست ۔ بے مرادی نے مراد دلبرست

اور اسکے بے مرادی کہنا ہی عامل کے گمان کے اعتبار سے دنیا میں ہے اور وہاں تو اسکو پوری مراد ملیگی افسوس ایسی دولت کیلئے تو ہم کوشش نہیں کرتے جسمیں طالب کبھی ناکام نہیں اور دنیا مردار کیلئے ہر وقت مرنے کھپتے ہیں جس میں ناکامی کے وقت خسارہ ہی خسارہ ہے اور کامیابی بھی غرض ناتمام و ناپائدار بالخصوص عورتوں کے مرنے کھپنے کی تو یہ حالت ہے کہ اگر انکا ایک کپڑا تیار ہوگا تو اسکے لئے بھی ایک کمیٹی منعقد ہوتی ہے کہ خالہ دیکھنا گوٹہ اچھی بھی ہے یا نہیں دیکھنا سر پر ہی لگاؤں یا لچکہ لگاؤں کیا اچھا لگیگا اور حیرت سے کہا جائے کہ دنیا بھر تو ایک کپڑے کیواسطے جمع کرنے کی کیا ضرورت ہے اپنے کو اچھا لگے پہن لو تو یہ جواب دیگی کہ واہ قاعدہ ہی ہے کہ کھائو اپنی پسند کا پہنے دوسرے کی پسند کا نیز عورتوں کا مقولہ یہ بھی ہے کہ پیٹ کا کیا ہے چاہے ڈھیلے پتھر دیدے بھرلو مگر کپڑا جو عزت کا ہے جو ایسے ساری سنیاں اور یہ سارے قاعدے اسواسطے ہیں کہ یہ یاد نہیں ہے کہ ایکدن ہم یہاں نہ ہونگے اسی لئے مجھے تو عورتوں کا تقریبات میں جانا ہی غیر معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ کپڑے بدل بدلکر جانا تو بہت ہی اچھا ہے بتلاؤ اسکی کیا ضرورت ہے کہ بچوں کو بھی بڑھیا قیمتی کپڑے پہنائے جاتے ہیں چاہے دو ہی ۔۔۔

ہلکی ہی ہیں۔ پھر لڑکیوں کو زیور سے ایسا لاد دیا جاتا ہے کہ سر سے پیر تک زیور ہی زیور ہوتا ہے پھر وہ نا سمجھ بچی ہے تقریبات کے ہنگامہ میں بعض دفعہ وہ زیور کو نکالکر موقعہ ہی پر ڈال دیتی ہے پھر اُسکی تلاش میں تکلیف الگ ہوتی ہے اور بچی برے بھلے الگ ہوتے ہیں کیونکہ عورتوں میں بد گمانی کا بہت مادہ ہے خدا کسی کا نام لے دیتی ہیں کہ یہ کام اُسکا ہے اس لئے باہر پھرنے والی بچی کو جو کہ نا سمجھ بھی ہو زیور پہنانا بڑی غلطی ہے مگر عورتوں کو اسکا خبط ہے اور غضب یہ کہ بچیوں کو بھی اسکا شوق ہوتا ہے اگر ان کے کان ناک نہ بنا ہوئے جائیں تو روتی ہیں اور ضد کر کے بندھواتی ہیں چاہے تکلیف ہی ہو مگر خوشی خوشی اس کلفت کو گوارا کرتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی اپنے مطلب کی عقل تو ہے مگر اسکو خرچ کرتی ہیں دنیا میں دین میں خرچ نہیں کرتیں اسلئے میں کہتا ہوں کہ عملاً بھی کوتاہی ہے اور حالاً تو بہت ہی کوتاہی ہے کیونکہ جب عمل نہیں تو حال کہاں سے آئے۔ حال اسے کہتے ہیں کہ کسی چیز کی طرف ایسا خیال جم جائے کہ وہی ہر دم خیال میں رہے جسکو عارف جامی اسطرح بیان فرماتے ہیں ؎

بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

اور اسکی ایسی مثال ہے جو عورتوں کے مناسب ہے کہ جیسے اُنکو کسی کے آنیکا انتظار ہوتا ہے تو ہر وقت دروازہ کی طرف دھیان رہتا ہے جہاں کسی کی آہٹ سنی اور یہی خیال ہوا کہ وہ آیا۔ اب سمجھو کہ خدا نے عمل میں یہ برکت رکھی ہے کہ اس سے آخرت کا شوق ہوتا ہے جس سے ہر وقت اُسی کا خیال رہتا ہے اسکو حال کہتے ہیں حال کی دوسری مثال عورتوں کے لئے اور ہے یعنی تما کو کیونکہ عورتوں پر کچھ بلائیں تو قدرتی ہیں ناک میں اور کان میں اور ہاتھ گلے میں زیور کا ہار اور طوق وغیرہ مگر منہ کا اندر کا حصہ بچا ہوا تھا اسمیں کوئی زیور نہ تھا تو کیسے بچتا اُسکے لئے انھوں نے تماکو اور پان تجویز کیا ہے جس سے پہلے پہل تو گھمیر ہوتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے کہ ذرا دیر ہو جائے تو اسی میں دھیان لگا رہتا ہے ایسا شوق ہو جاتا ہے کہ نہ ملنے سے پریشانی ہوتی ہے بس یہی درجہ طلب کا نام حال ہے نیک اعمال سے بھی ایک کیفیت شوق کی پیدا ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے خدا تعالیٰ کا تصور ہر دم خیال میں حاضر رہتا ہے جسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا منہ پر پیشاب

کتنا زور دنیا میں حال کی بہت کوتاہی اور شوق حال اور اسکی مثال

۱۸۰

باخلنہ اسپر گر پڑا اور نیک کام کر لیا تو گویا سلطنت ملگئی نیک اعمال میں یہ اثر ہے کہ اس سے
معاصی سے نفرت اور آخرت کی رغبت ہو جاتی ہے خاصکر اگر کسی بزرگ کی نظر بھی اسپر پڑ جائے
کیونکہ ؎ نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا ۔ دین ہوتا ہے بزرگونکی نظر سے پیدا +
حضرات صحابہ میں سارے لکھے پڑھے نہ تھے بلکہ بعضے تو حسابات تک میں بالکل بھولے
بھالے تھے۔ چنانچہ فتوحات اسلامیہ میں ایک صحابی کا قصہ ہے کہ سفر میں کسی شہزادی پر
نظر پڑ گئی اور اس سے محبت ہو گئی واپس آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ
فلاں عورت سے محبت ہو گئی ہے آپ مجھکو لکھکر ایک یادداشت دیجئے کہ اگر ہمکو فتح ہو گئی
تو وہ عورت مجھکو دیدی جاوے آپنے لکھدیا چنانچہ خلفاء کے وقت میں وہاں جہاد ہوا
اور وہ لڑکی گرفتار ہوئی انہوں نے سالار لشکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تحریری وعدہ دکھلایا انھوں
نے اسکو ان کے حوالہ کر دیا پھر اس لڑکی کا بھائی آیا اور ان سے کہنے لگا کہ اسکو بیچتے
ہو کہا ہاں کہا کتنے کو دوگے انہوں نے کہا ایک ہزار روپئے وہ ایک ہزار روپئے لے آیا
تو آپنے کہا یہ تو تھوڑے سے ہیں میں تو سمجھا تھا کہ ایک ہزار روپئے اتنے ہوں گے کہ میرا گھر
بھر جائیگا اس نے سالار لشکر سے شکایت کی کہ بیع کے بعد انکار کرتے ہیں سالار لشکر نے ان کو
مجبور کیا کہ جب بیع کر چکے ہو تو اب تمکو رکھنے کا حق نہیں چنانچہ دینا پڑا ایک اور قصہ حدیث
میں آیا ہے کہ ایک اعرابی نے نماز کے بعد یہ دعا کی تھی۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ وَمُحَمَّدًا وَّلَا تُشْرِکْ
فِیْ رَحْمَتِنَا اَحَدًا اے اللہ مجھپر رحمت فرمایئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اور
ہماری اس رحمت میں کسی کو شریک نہ کیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا کہ تو نے ایک
وسیع چیز کو تنگ کر دیا اسکے بعد وہ نماز کی جگہ سے اٹھے اور مسجد کے صحن میں پیشاب کرنے
لگے صحابہ نے روکا اور منع کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکا پیشاب مت روکو اب تو جو ہونا تھا
ہو چکا سبحان اللہ کیسی حکمت کی بات ہے کہ اب اسکو پریشان کرنے میں ایک تو اسکے
جسمانی ضرر کا اندیشہ ہے دوسرے اگر وہ بھاگا تو نہ معلوم کہاں کہاں تک مسجد کو ناپاک
کریگا۔ ایسے وقت میں سب پہلوؤں کا پیش نظر رہنا بڑا مشکل ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم
دیا کہ پیشاب کی جگہ ایک ڈول پانی کا بہادو اسکے بعد اعرابی کو بلا کر بہت نرمی اور

شفقت سے سمجھا دیا کہ مسجد نماز اور ذکر اللہ کیلئے موضوع ہے اس میں پیشاب وغیرہ نہ کرنا چاہئے یہ تو اعرابی کے ساتھ معاملہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور تعلیم یافتہ صحابہ کے ساتھ یہ معاملہ تھا کہ ایک بار دلو در مسجد میں کنکار دیکھکر غصہ سے آپکا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ غرض صحابہ لکھے پڑھے سب نہ تھے بعض ان میں ایسے بھولے تھے جنکے واقعات آپ نے بھی سنے مگر ساری امت سے وہ افضل ہیں حتی کہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا اویس قرنی و عمر بن عبد العزیز۔ فرمایا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار لگا ہوا ہے وہ بھی اویس قرنی و عمر بن عبد العزیز سے افضل ہے تو ان کے افضل ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظر کردہ تھے پس عمل کیساتھ اگر اہل اللہ کی نظر بھی ملجائے تو پھر وہ حال اور قوی ہوجاتا ہے اور جلدی کام بن جاتا ہے مگر ٹھنڈے رہکر حال حاصل کرنا چاہو تو محال ہے بلکہ اسکی ضرورت ہے کہ جیسے تم کسی آنیوالے کے انتظار میں ہر وقت دروازہ پر نظر رکھتے ہو ویسے ہی آخرت کا دھیان ہر دم رہنا چاہئے تب حال کا درجہ حاصل ہو گا کہ زیور پہننے میں کپڑا رنگنے میں کھانے پینے میں غرض ہر کام میں آخرت کا دھیان رہے گا کہ ایک دن وہ بھی ہو گا کہ ہم یہاں نہ ہونگے۔ اسی کی تعلیم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دی ہے ایک صحابی کو کہ اے عبد اللہ شام کو صبح کا خیال نکرو اور صبح کو شام کا خیال نہ باندھو اور اپنے کو میت شمار کرو۔ اور یہ قصہ ہے کہ بدون حال کے محض عمل قابل اطمینان نہیں عمل بلا حال کی ایسی مثال ہے جیسے ریل گاڑی کو مزدور ڈھکیل کر لیجائیں اور حال کے ساتھ عمل کی ایسی مثال ہے جیسے انجن ریل گاڑی کو لیجائے اسی لئے عراقی فرماتے ہیں ؎

صنمارہ قلندر سزدار بمن نمائی کہ دراز دور دیدم رہ و رسم پارسائی

رہ قلندر سے عمل مع الحال اور رسم پارسائی سے زہد خشک یعنی عمل بلا حال مراد ہے کہ اس سے کامیابی دیر میں ہوتی ہے اور غیر راسخ ہوتی ہے اسی لئے مولانا فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو

تو اے صاحبو! باوجودیکہ ہر طرح سے ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ دنیا ختم ہونے والی ہے

ف: عمل کیساتھ اہل اللہ کی نظر بھی ہو تو جلدی کام ہو جاتا ہے (نظر کیمیا)

ف: عمل بدون حال کے قابل اطمینان نہیں اور اسکی مثال

پھر بھی ہم اس مسئلہ میں عملاً وحالاً کچے ہیں اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ خلاصہ بیان کا یہ ہے کہ دنیا کو فانی سمجھو علماً بھی استحضاراً بھی اور اسکو ہر وقت یاد رکھے تاکہ درجہ حال حاصل ہو جائے۔ اس اعتقاد میں جو شخص پختہ ہوگا اور رسوخ حاصل کر لیگا اسکو اعمال صالحہ کی زیادہ توفیق ہوگی کیونکہ اصل مرض دنیا سے جی لگانا ہے اسکا علاج یہی ہے کہ فناء دنیا کو سوچتا رہے۔ اور دوسری اشیاء کے فنا کے استحضار میں اگر تکلیف ہو مگر اپنی موت کا استحضار تو کچھ مشکل نہیں چاند سورج کے فنا کو کہاں تک سوچو گے تم اپنی موت کو سوچا کرو اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ یعنی الموت پس علاج کا حاصل یہ ہے کہ روزانہ ایک وقت مقرر کر کے اس بات کو سوچ لیا کرو کہ اے نفس ایک دن تو مریگا اور دنیا سے تجکو جانا پڑیگا اسپر میں ختم کرتا ہوں اور اسی مضمون کے مناسب ایک قطعہ پڑھے دیتا ہوں شاید اسکا مضمون معین استحضار ہو ؎

کل جو اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے | خوب ملک روس ہے اور سرزمین طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی | اسطرف آوازِ طبل آ دہر صدائی کوس ہے
صبح سے تا شام چلتا ہے گلگوں کا دور | شب ہوئی تو ماہ رویوں سے کنار و بوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے | چل دکھاؤں تجھ کو جو قید آز کا محبوس ہے
لے گئی یکبارگی گور غریباں کی طرف | جس جگہ جان تمنا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے | یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمت دنیا سے آج | کچھ بھی ان کے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے

یہ دارا و سکندر وہ تھے جو کبھی تمام دنیا پر حکومت کرتے تھے آج انہیں اتنی بھی قوت نہیں کہ اپنی قبر پر سے بیشاب کرنیوالے کو ہٹا دیں۔ اسی مضمون کا ایک اور قطعہ بھی ہے ؎

کل پانو ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا | یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا
بولا سنبھل کے چل تو ذرا راہ بے خبر | میں بھی کبھی کسی کا سر پر غرور تھا

یہ اشعار محض ترقیق قلب کے لئے پڑھ دئے ہیں کیونکہ نظم سے رقت زیادہ ہوتی ہے شاید مفید ہو

ف خلاصۂ بیان

ف حدیث علاج

رہتی ہے ورنہ ہمارے لئے اصل چیز تو کلام اللہ وحدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے
پس ہر رات کو اتنا سوچ لیا کرو کہ ایک دن ہمکو جانا ہے موت آنے والی ہے جب ہمیشہ
اتنا نفس کو تنگ کروگے تب نفس اعتدال پر آجائیگا میرا یہ مطلب نہیں کہ ضروری تعلقات
کو ترک کردو بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سے جی نہ لگاؤ اس کا یہ اثر ہوگا کہ گو یہ چیزیں نفس
سے چھوٹیں گی نہیں مگر انکی ہوس نہ رہے گی اور یہی ہوس ہے جس کا علاج ضروری
ہے حضرات انبیاء علیہم السلام نے اسی کا علاج بہت اہتمام سے کیا ہے حدیث کے دیکھنے
سے معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طول امل اور حرص وہوس سے کسقدر
روکا ہے اور اسکے ازالہ کی کسقدر تدابیر بتلائی ہیں۔ اب دعا کیجئے اللہ تعالی ہماری غفلت
وحرص کو دور فرمائیں اور آخرت کی رغبت اور دنیا سے زہد و بے رغبتی عطا فرمائیں۔
اور ان مرحوم کی مغفرت فرمائیں جنکے واقعہ وفات پر یہ بیان ہوا ہے
اور انکے اعزہ و پسماندگان کو صبر جمیل اور تیاری آخرت
کی توفیق ہو آمین وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

نوٹ ۔ اس آیت کے دوسرے جزو کے متعلق جسمیں لقائے آخرت کا ذکر ہے دوسرا وعظ
اسی وعظ کے بعد ہوا تھا جس کا نام الباقی ہے اور عرصہ ہوا طبع ہو چکا ہے ناظرین کو اسکا
مطالعہ بھی اس کے ساتھ ضروری ہے تاکہ آیت کا مکمل مضمون مطالعہ میں آجائے ۱۲ ظ

اشرف علی

۱۷ رجب سنہ ۱۳۲۹ھ

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

وعظ مسمی بہ

انوار السراج

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد المنان غفرلہٗ

مکتبہ تھانوی، دفتر الابقاء

متصل مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الوعظ المسمّٰی ب
انوار السراج

این	کہاں ہوا	تھانہ بھون ضلع مظفر نگر
متٰی	کب ہوا	۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۳۶ھ
کم	کتنی دیر ہوا	۱ گھنٹہ
کیف	کیونکر ہوا	
لم	کیوں ہوا	ایک صاحب تھانہ بھون کے بھوپال میں ملازم تھے انکا وہیں انتقال ہوگیا تھا ان کے صاحبزادہ نے اپنے مکان پر یہ وعظ کہلوایا
من ای شان	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	
ماذا	کیا مضمون تھا	
من ضبط	کس نے ضبط کیا	حکیم محمد یوسف صاحب مرحوم بجنوری
المستمعون	سامعین کی تعداد	
الاشتات	متفرقات	

خطبہ معروفہ ماثورہ۔ **اما بعد** ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ ط وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ اس وقت کا مضمون ایک خاص واقعہ کے متعلق تجویز ہوا ہے گو مضمون آیت کا تو عام ہے لیکن اس مضمون عام میں سے اس واقعہ حاضرہ کے مناسب اجزا مذکور ہوں گے۔ اور سب سے اول ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر عام مضمون بیان ہوگا جو دوسرے مواقع پر بھی کارآمد ہوسکتا ہے کیونکہ جیسا واقعہ یہاں ہوا ہے کبھی دوسروں کو بھی ایسا پیش آتا ہے اور انسان کو ہر وقت اور ہر موقعہ میں اصلاح کی ضرورت

ہے اس لئے یہ مضمون ہر جگہ کلی طور پر کارآمد ہو سکتا ہے یہ حاصل ہے اس وقت کے بیان کا

اب سنئے کہ انسان میں ایک مادہ بے صبری کا ہے اور دو جگہ اُس کا ظہور ہوتا ہے ایک تو

اُس جگہ کہ جہاں انسان کی کوئی مرغوب شئے ہو اور اُس کو حاصل نہ ہوئی ہو جیسے مال

مرغوب ہے اور وہ اس کو ملے ہی نہیں۔ دوسرے اُس جگہ کہ مرغوب شئے حاصل تھی اور

وہ اُس سے فوت ہو گئی جیسے اس کے پاس مال و دولت ساز و سامان سب کچھ تھا مگر

اس سے جاتا رہا۔ یہی دو موقعے بے صبری کے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے اور بے صبری کی زیادہ

وجہ یہ ہے کہ انسان کی حرص ایسی بڑھی ہوئی ہے جس کا کوئی ٹھکانا نہیں چنانچہ

حدیث شریف میں ہے۔ لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا وَلَا

يَمْلَأُ جَوْفَهُ إِلَّا التُّرَابُ یعنی اگر ابن آدم کے پاس مال کے دو نالے ہوں تب بھی تیسرے

کو چاہے گا۔ اور اُس کے پیٹ کو مٹی ہی بھرتی ہے مطلب یہ ہے کہ اس کی حرص ختم نہیں ہوتی

اکثر انسانوں کا تو یہی حال ہے اور جنس کے احکام میں اکثر افراد ہی لحاظ ہوتا ہے گو بعضے

ایسے نہ ہوں حالانکہ اکثری حالت یہ ہے کہ جس قدر اس کے پاس ہے وہ بھی اس کی حاجت

سے زائد ہے اگر انسان عقل سے کام لے اور سوچے تو مال و دولت اور ساز و سامان کی کثرت

سے گھبرانے لگے اور اس پر بڑی وحشت سوار ہو اور سمجھے کہ میں کس بلا میں مبتلا ہوں مجھکو تو

واللہ مالداروں کی حالت دیکھ دیکھکر وحشت ہوا کرتی ہے کہ یہ کیسے بلاؤں میں گرفتار ہیں

کہیں چور کا خوف ہے کہیں مقدمہ بازیاں ہو رہی ہیں کہیں انکو یہ خیال ہوتا ہے کہ دیکھئے

اس مال کو کون کون خرچ کرے گا دن رات اسی پیچ و تاب میں رہتے ہیں البتہ جن کی نظر حقیقت

پر ہے انھوں نے بیشک دنیا کے مال و متاع کی حقیقت کو خوب سمجھا ہے اور جو ایسا ہوگا وہ

اتنا مال جمع ہی کیوں کرے گا اُس کو تو اس سے بڑی وحشت ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

حالت پر غور کیجئے۔ حضورؐ کی یہ حالت تھی کہ حضورؐ کی خدمت میں بعض دفعہ ڈھیروں سونا آیا ہے

اور ظہر سے عصر تک آپ نے سب تقسیم فرما دیا ہے۔ ایسوں کے پاس جمع کی نوبت ہی کہاں آئیگی

اسی لئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں اور ان کے اخلاق آپ کے اخلاق کے

پرتو ہیں ان کی حالت بھی یہی ہوتی ہے باقی حضور تو حضور ہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم ایک بار عصر کی نماز کے لیے مصلے پر تشریف رکھتے تھے دفعۃً مکان تشریف لے گئے صحابہ
(صلی اللہ علیہ وسلم)
رضی اللہ عنہم کو تعجب ہوا جب حضور تشریف لائے تو فرمایا کہ مجکو اس وقت یاد آیا کہ کہیں سے
کچھ دینار آئے تھے اور وہ گھر میں ہی رکھے ہیں اور رات آنے کو ہے اور نبی کے گھر میں
رات کو مال رہنا نہایت غیر مناسب ہے اس لئے میں نے خرچ کر دیے غرض حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی تو بڑی شان تھی آپ کے غلامان غلام ایسے ہوئے ہیں کہ انھوں نے سلطنتوں کی بھی
پرواہ نہیں کی چنانچہ حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ کا قصہ ہے کہ یہ سلطنت چھوڑ کر درویش بن گئے
تھے آپ کی ایک صاحبزادی تھیں ان کی لطافت مزاج وغیرہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں بس
یہی کافی ہے کہ بادشاہ کی بیٹی تھیں جب سیانی ہوئیں تو آپ کو خیال ہوا کہ ان کا عقد کر دیا جاوے
آپ کے پاس بہت لوگوں کے پیام آتے تھے اور پیام بھی معمولی لوگوں کے نہیں بلکہ بادشاہوں کے
پیام آتے تھے وجہ یہ ہے کہ بادشاہ اگرچہ فقیر ہو جائے مگر اس کا مرتبہ تھوڑا ہی گھٹتا ہے لوگ اسے
اسی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں چنانچہ جو شخص پہلے امیر کبیر ہو اور پھر غریب ہو جاوے تو لوگ کہا کرتے
ہیں کہ غریب ہو گیا تو کیا مگر حوصلہ اور دماغ تو وہی ہے بخلاف اس شخص کے جو پہلے غریب ہو اور
پھر امیر ہو جاوے تو اس کی وقعت لوگوں کے دلوں میں زیادہ نہیں ہوتی گو بظاہر اس کی دلشکنی
کی وجہ سے اس کے منہ پر اس کی حقارت نہ کریں مگر دلوں میں ہرگز وقعت نہیں ہوتی کیونکہ غریب
کو حوصلہ نہیں ہوتا اگرچہ کتنا ہی بڑا امیر ہو جاوے مگر رہے گا دبا ہی ہوا۔ غرض کہ جب کسی بادشاہ
کی طرف سے پیام آتا تو آپ انکار فرما دیتے اس انکار پر لوگ اپنے دلوں میں جانے کیا کیا
خیال کرتے ہوں گے کہ دیکھئے کس بادشاہ پر ان کی نظر ہے حالانکہ بات یہ ہے ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام — پس سخن کوتاہ باید والسلام

لوگوں کو کیا خبر کہ کیوں انکار فرما دیتے ہیں ایک مرتبہ آپ نے مسجد میں دیکھا کہ ایک غریب آدمی نماز
میں مشغول ہے اور نماز کا حق جیسا کہ اس کا حق ہے ادا کر رہا تھا اس کے چہرہ سے وقار و سکینت
معلوم ہوتی تھی بس اس کی نماز کو دیکھ کر عاشق ہو گئے اور اسی وقت قصد کر لیا کہ لڑکی کا نکاح
اس کے ساتھ کر دونگا اس سے بڑھ کر کون ہوگا اس کے اور کسی حال کی تفتیش نہیں کی کہ یہ
کون ہے کتنا اس کے پاس ساز و سامان ہے جب وہ نماز پڑھ چکے تو ان سے کہا کہ میاں تم سے

کچھ کہنا ہے چنانچہ آپ نے پوچھا کہ تمھاری شادی ہوگئی ہے یا نہیں اُس نے جواب دیا کہ مجھے
لڑکی کون دیتا ہے میں کہاں اس قابل ہوں بالکل غریب و مفلس ہوں ایسوں کو کون پوچھتا ہے
اور اس نے شاہ شجاع کو پہچانا نہیں کہ یہ وہ تارک السلطنت بادشاہ ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر
کوئی ایسی ہو جاوے تو منظور بھی کرلو گے اُس نے کہا کہ ہم جیسوں کو کون پوچھتا ہے آپ نے
فرمایا کہ اگر شاہ شجاع کرمانیؒ اپنی لڑکی دیدے تو لیلو گے وہ گھبرا کر کہنے لگا کہ خدا کے واسطے میری
جوتیاں نہ لگوؤ بھلا کہاں میں اور کہاں شاہ شجاع کرمانیؒ اور ان کی بیٹی مجھے کیوں تمسخر کرتے
ہو قرآن میں ہے لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ الخ آپ مجھکو ذلیل کرتے ہیں اور مجھکو بناتے ہیں
جاؤ اپنا کام کرو آپ نے فرمایا واللہ میں بناتا نہیں اس پر کہنے لگا کہ اگر ایسا ہو تو میں اُن کا
تبرک سمجھوں گا آپ نے فرمایا کہ میں ہی شاہ شجاع ہوں میں خوشی سے اپنی لڑکی تمھیں دوں گا
اتنا توقف کرو کہ میں لڑکی سے پوچھ لوں چنانچہ آپ گئے اور لڑکی سے اُس کے زہد و تقویٰ کا حال
بیان کیا دلیل یہ بیان کی کہ نماز اچھی پڑھتا ہے یہ کچھ بھی نہیں فرمایا کہ دنیا کا مال و متاع
بھی کچھ ہے یا نہیں غور کیجیے کہ دلیل کیا اچھی بیان فرمارہے ہیں کہ نماز اچھی پڑھتا ہے اور
چونکہ یہ تجربہ ہے کہ صحبت کا اثر بہ نسبت لڑکوں کے لڑکیوں پر زیادہ ہوتا ہے اُن کا قلب اثر
صحبت کے لیے لڑکوں سے زیادہ صالح ہوتا ہے اور اسی لیے اس لڑکی پر بھی باپ کی صحبت
کا اثر خوب پڑا ہوا تھا وہ بھی کامل ہو گئیں تھیں اُن پر اس دلیل کا کافی اثر ہوا بولیں کہ مجھکو
منظور ہے مگر ایک شرط سے کہ اُس شخص میں حب دنیا نہو اور آگے آپ کو اختیار ہے کہ
غرض نکاح کردیا اور اُس کے گھر پہونچا دیا اور نصیحت کردی کہ خاوند کی اطاعت کرنا اب اُن
صاحبزادی کا حال سنئے کہ جب صاحبزادی نے گھر کے دروازہ میں قدم رکھا تو دیکھا کہ ایک
سوکھی ہوئی روٹی گھڑے پر ڈھکی ہوئی رکھی ہے یہ دیکھتے ہی فوراً پچھلے پاؤں لوٹ پڑیں اور کہا
ابا جان نے مجھکو کہاں دھکا دیدیا اُس شخص نے کہا کہ میں تو پہلے ہی سمجھے ہوئے تھا کہ بادشاہ
کی بیٹی مجھکو خاطر میں نہ لائیں گی صاحبزادی نے کہا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ کہ بعض گمان
گناہ ہوتا ہے تم نے یہ خیال کیا ہوگا کہ میں تمھاری غریبی کو دیکھکر واپس ہوئی ہوں سو یہ
بات نہیں میں تو اس لیے لوٹی ہوں کہ والد نے کہا تھا کہ زاہد متوکل شخص ہے سو اگر تمکو خدا پہ

توکل ہوتا تو اس روٹی کے رکھنے کو کیوں پسند کرتے اُس نے کہا کہ میرا روزہ تھا میں نے اس خیال سے یہ روٹی رکھ لی تھی کہ اس سے روزہ افطار کروں گا لڑکی نے جواب دیا کہ تو نے جس کا روزہ رکھا ہے تو اُس کا مہمان ہے اور مہمان کی خبرگیری میزبان کے ذمہ ہے پھر کیوں اس کو رکھ چھوڑا ہے اس شخص نے فوراً اس روٹی کو خیرات کر دیا تب وہ گھر میں داخل ہوئیں سو ایسے لوگ بیشک حرص سے بری ہیں غرض جب اولیا ایسے ہوئے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے ان کے پاس جمع ہی نہیں ہوتا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم اُحُد پہاڑ کو سونا بنا دیں اور اس پر بھی کفایت نہیں کی بلکہ یوں ارشاد ہوا کہ اسکو ایسا کر دیں کہ وہ آپ کے ساتھ ساتھ رہا کرے مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ اور عرض کیا کہ اے اللہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جب ہو تو کھا کر آپ کا شکر ادا کروں اور جب نہ ہو تو آپ سے مانگوں غرض کہ یہ تو خواص کی حالت ہے باقی عموماً تو مال و متاع کی حرص قلوب میں بے انتہا بھری ہوئی ہے چاہئے تو یہ تھا کہ اس سے وحشت ہوتی اور قیامت کے قریب میں خاص اسباب سے ایسا ہوگا بھی کہ اس سے وحشت ہوگی چنانچہ لوگ مال کی زکوٰۃ دینا چاہیں گے خرچ کرنا چاہیں گے اور لئے لئے پھریں گے مگر کوئی لینے والا نہ ہوگا سو اس وقت تو ایسا ہو جاوے گا۔ مگر اس وقت ایسا نہیں اور وجہ یہ ہے کہ اس وقت مال اس لئے مرغوب ہے کہ طالب زیادہ ہیں اور مطلوب کم ہیں اور قرب قیامت میں طالب کم ہوں گے اور مطلوب زیادہ اس لئے اُس کی ناقدری ہوگی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مال تو کم ہوتا نہیں کیونکہ یہ فنا نہیں ہوتا روز بروز بڑھتا ہی چلا جاتا ہے چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے مال اتنا نہ تھا جتنا کہ اب ہے غرض یہ روز بروز بڑھتا ہی ہے کم ہوتا ہی نہیں اسی طرح ہوتے ہوتے قرب قیامت تک بہت ہی کثرت ہو جاوے گی اور فتن کی وجہ سے آدمی کم ہو جائیں گے ظاہر ہے کہ جس چیز کو فنا نہ ہو اور بڑھتی ہی رہے تو ایک زمانہ میں بہت ہی کثرت سے ہو جاوے گی کیونکہ مال پیدا تو ہوتا ہے مگر اس کو موت نہیں آتی تو جب بہت بڑھ جائے گا تو اس کی حرص نہ رہے گی اور یہاں ایک بات بتلاتا ہوں کہ مال میں مرغوبیت حقیقیہ نہیں اگر مرغوبیت حقیقیہ ہوتی تو کبھی کسی زمانہ میں بھی مرغوبیت کم نہ ہونا چاہئے تھی۔ جس چیز کی مرغوبیت تحقیقی ہوتی ہے وہ کبھی زائل نہیں ہوتی اور مال ایک زمانہ میں مرغوب نہیں

ف: قربِ قیامت میں مال کی رغبت نہ رہنے کی اور اس کی وجہ کا بیان۔ ۶

ف: مال کی مرغوبیت حقیقی نہیں۔

رہے گا تو ثابت ہوا کہ اس کی مرغوبیت حقیقیہ نہیں ورنہ کیوں زائل ہو جاتی۔ دیکھئے ہوا کی مرغوبیت حقیقی ہے جو کسی وقت بھی زائل نہیں ہوتی اگر تھوڑی دیر کے لئے ہوا کو بند کردیں تو مرغوبیت معلوم ہو جاوے۔ قدر کی چیز کبھی بے قدر نہیں ہوتی۔ الل واقعی بیقاری کی چیز ہے اسی واسطے حدیث شریف میں ہے لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَا سَقٰی مِنْھَا کَافِرًا شَرْبَۃَ مَاءٍ کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے پر کی برابر ہوتی تو اللہ میاں کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتے مگر چونکہ اس کی کچھ بھی قدر نہیں اس واسطے اللہ میاں مبغوض شے اپنے دشمنوں کو دیتے ہیں حقیقت شناس آدمی ہمیشہ ایسی چیز سے گھبراتا ہے جو خدا کو مبغوض ہو۔ دیکھئے سالاطین نے بزرگوں کے سامنے نذرانہ پیش کئے مگر انھوں نے واپس کردئے اور وجہ ظاہر ہے کہ اس میں خطرات اسقدر ہیں کہ جس کی حد نہیں۔ مال و دولت والوں کی جان پر بنی ہوئی ہوتی ہے چوروں کا خوف ڈاکوؤں کا ڈر۔ بے مال والے کیسے بیفکر ہوتے ہیں۔

ایک گرو چیلہ کی حکایت ہے کہ وہ کہیں سفر میں رات کو چلے جاتے تھے چیلے نے کہا گروجی ڈر لگتا ہے گرو نے کچھ تسلی کردی تھوڑی دیر میں پھر کہا کہ گروجی ڈر معلوم ہوتا ہے گروجی سے تجربہ کار اس نے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ ہے اس نے کہا کہ ایک روپیہ کمر سے بندھ رہا ہے گرو نے کہا کہ اس کو پھینکدے چنانچہ اس نے پھینکدیا پھر تھوڑی دیر میں گرو نے پوچھا کہ اب بھی ڈر لگتا ہے اس نے کہا اب تو نہیں لگتا اس نے کہا ساری وجہ ڈر لگنے کی وہ روپیہ تھا کیونکہ خالی آدمی کو کون مارتا ہے اور بدوؤں کی حکایت سنی ہے کہ وہ مار کر پھر تلاشی لیتے ہیں اگر بغور دیکھا جائے تو وہاں بھی مال ہی مارنے کا باعث ہوتا ہے گو اس مسافر کے پاس نہو کیونکہ بدو لوگ اپنے زعم میں تو اس کو مالدار ہی سمجھتے ہیں جب ہی تو مارتے ہیں ان کو یقیناً معلوم ہو جاوے کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں کہتے ڈاکو بھی مالدار و غیر مالدار کو خوب پہچانتے ہیں جیسے اہل پولیس بدمعاشوں کو پہچان لیتے ہیں پس مال کے ان خطرات پر نظر کرکے تو اس سے دہشت ہی ہونی چاہئے اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ مال کی رغبت نہ ہو باقی کوئی شخص قبیح غیر مرغوب ہی پر مرنے لگے اور اس کو حس ہی نہو تو دوسری بات ہے کیونکہ محبت اور حرص ایسی چیز ہے کہ محبوب کے عیب کو چھپا دیتی ہے ٥

ایک گرو چیلہ کی حکایت

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد　　　صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

بات یہ ہے کہ حریص آدمی مال کو مقصود بالذات سمجھتا ہے اگر ضرورت کی چیز سمجھتا تو اُس سے بالذات محبت نہ ہوتی کیونکہ اکثر یہی ہے کہ جو ساز و سامان ہمارے پاس ہے وہ ضرورت سے کہیں زیادہ ہے سفر کی حالت میں اس کا تجربہ ہو جاتا ہے کہ کتنی چیزیں ضروری ہیں جب سفر کرتے ہیں تو اُس وقت ضرورت کی چیزوں کا انتخاب ہوتا ہے اور بہت تھوڑا سا سامان ساتھ لیجاتے ہیں کہ جس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا پھر جہاں تک اول سفر کیا ہے اگر اتفاقاً وہاں سے اور آگے کو سفر کرنے لگیں تو پھر اور انتخاب ہوتا ہے اور کچھ سامان وہاں چھوڑ جاتا ہے یہانتک کہ کئی سفروں میں بہت معمولی چیزیں ساتھ رہجاتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے لئے بہت تھوڑے سامان کی ضرورت ہے بعض وقت رضائی وغیرہ بھی اس خیال سے چھوڑ دی جاتی ہے کہ خدا کہیں دیدیگا یہ تو اصل ضرورت کا حال ہے مگر ہماری یہ حالت ہے کہ زیادہ چیزیں ہمارے پاس وہ ہیں جو کہ کبھی استعمال میں بھی نہیں آتیں بعض کو تو رکھ کر بھول بھی جاتے ہیں حتیٰ کہ رکھے رکھے وہ خراب بھی ہو جاتی ہیں مگر حرص اُن کی بھی ہے سچ کہا ہے ؎

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش　　　آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

جو انسان کے لئے مصلحت ہے وہ تو خدا تعالیٰ نے خود ہی سب کو عطا فرمادیا ہے اور اُن میں زیادہ تر وہ چیزیں ہیں جن میں اکتساب کو بھی دخل نہیں اور وہ بھی اصل ضروری ہیں مگر حاشیہ لگا کر انسان بہت سی چیزیں خود بڑھا لیتا ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے بلا اکتساب مرحمت فرمائی ہے واقعی وہ سب ضروری ہیں اُن میں کوئی چیز زائد نہیں جیسے دو ہاتھ دو پاؤں دو آنکھیں وغیرہ وغیرہ کہ یہ وہ چیزیں ہیں کہ اکتساب کو بھی ان میں دخل نہیں اور ان میں کوئی چیز زائد بھی نہیں چنانچہ جب ان میں سے کوئی چیز کم ہو جاتی ہے تو اس وقت قدر معلوم ہوتی ہے مثلاً ایک آنکھ ہی جاتی رہے تو پتہ چلے۔ ایک حکایت ہے تو مسخرہ پن مگر کہے دیتا ہوں ہم استاد کے سامنے سبق پڑھ رہے تھے اور ہمارے سبق میں ایک طالب علم یک چشم تھے اور اُن ہی کی قراءت تھی میں نے شوخی سے اُن کی آنکھ پر انگلی رکھ لی اب اُستاد کہہ رہے ہیں کہ پڑھتے کیوں نہیں اور حضرت اُستاد کی عادت تھی کہ گردن جھکا کر بیٹھتے تھے اوپر کو نگاہ اٹھاتے ہی نہ تھے اب

ف: جو چیزیں خدا تعالیٰ نے بلا کسب عطا فرمائی ہیں ان میں کوئی زائد نہیں

نہ فرمار ہے ہیں پڑھ ہوا اور یہ حیران تھے کہ ایک آنکھ تو قدرتی نہ تھی دوسری پر ہاتھ رکھ لیا اب کروں تو کیا کروں وہ دل میں کہتے ہوں گے کہ میری دوسری آنکھ بھی ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ جب خدا کی نعمت جاتی رہتی ہے اس وقت قدر معلوم ہوتی ہے غرض کوئی چیز ان میں سے زائد نہیں۔ اعضاء کے مکرر ہونے پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک بادشاہ نے ایک عالم (مبتدع) سے پوچھا کہ یہ جو آپ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قرآن شریف محرف ہے اس پر کوئی تاریخی دلیل ہے کہنے لگے کہ تاریخی دلیل سے بڑھکر عقلی دلیل ہے وہ کہ قرآن میں مکررات بہت ہیں خدا کو مکرر لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اوروں نے بڑھایا ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ آپ کی تحقیق میں بھی تو مکررات ہیں معلوم ہوا کہ وہ بھی کسی کا اضافہ ہے اور قابل حذف ہے تو تیرے جسم کے تخلیقی مکررات بھی کسی کا اضافہ ہے اور قابل حذف ہے اس کے بعد فوراً جلاد کو حکم دیا کہ ان کے مکررات کو حذف کر دو اور کہا کہ تیرے قول کی موافق یہ تکرار بھی دلیل ہے اس بات کی کہ تو خدا کا بنایا ہوا نہیں کسی نے تجھ میں اضافہ کر دیا ہے جواب عجیب معقول تھا واقعی یہ ہے کہ سیف سب سے بڑا وعظ ہے ؎

اَلْوَعْظُ يَنْفَعُ لَوْ بِالْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالسَّيْفُ اَبْلَغُ وَعَّاظًا عَلَى الْقِمَمِ

غرض جن امور میں اکتساب کو دخل نہیں وہ تو سب ضروری ہیں ہاں جن میں انسان کے اکتساب کو دخل ہے ان میں بہت سے امور غیر ضروری بھی ہیں جن میں ہم نے ان مکتسبات میں فضول بڑھا لیا ہے اور اپنی طرف سے حواشی چڑھائے ہیں پھر وہ حاشیہ اتنا بڑا ہے کہ اصل سے بھی بڑھ گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حقیقت پہچانکر زوائد سے وحشت ہوتی مگر اب فساد مذاق کی وجہ سے الٹی ہمکو لذت حاصل ہوتی ہے اس کی مثال تمباکو جیسی ہے کہ اس کے کھانے میں حالانکہ بہت سے نقصانات ہیں سر اس سے گھومتا ہے دماغ اس سے خراب ہوتا ہے منہ میں بدبو اس سے پیدا ہوتی ہے جسم میں کاہلی اس سے آجاتی ہے اور عادت ہوجانے پر تو یہ کیفیت ہوجاتی ہے کہ جب تک اس کو نہ کھا لیا جاوے انسان کوئی کام نہیں کرسکتا مگر باوجود اتنے نقصانات کے اس کو کھاتے ہیں اور بڑے مزے لیکر کھاتے ہیں اسی طرح دیکھئے مرچ کیسے نقصان کی چیز ہے بالفعل تو یہی نقصان ہے کہ جس چیز میں مرچ زیادہ ہوتی ہے کھاتے ہی منہ میں آگ سی لگجاتی ہے آنکھوں سے پانی جاری ہوجاتا ہے دماغ پریشان ہوجاتا ہے اور جسمانی نقصانات اس کے

علاوہ رہے مگر حالت یہ ہے کہ رو رہے ہیں اور کھا رہے ہیں عادت والے کچھ بھی خیال نہیں کرتے۔ مرچوں پر ایک لطیفہ یاد آیا ایک بزرگ معتوہ تھے جب وعظ میں لوگوں کے جھگڑے قصے بدمعاملگی اور برے اخلاق واطوار کا تذکرہ فرماتے تو یہ فرماتے کہ یہ سب مرچوں کا فساد ہے ایک شخص ہنسنے لگے کہ اس میں کیا جوڑ ہوا میں نے کہا اچھا خاصا جوڑ ہے مطلب یہ ہے کہ مرچوں سے کھانا مزہ دار ہو جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ مزہ دار کھانا زیادہ کھایا جاتا ہے اور جب انسان زیادہ کھانا کھائے گا تو لامحالہ قوت بہیمیہ زیادتی پکڑے گی اس لئے ضرور فساد کی باتیں انسان سے صادر ہوں گی یہ تو لطیفہ تھا اصل مضمون یہ ہے کہ جیسے مرچ کھانے والوں کو باوجود تکلیف ہونے کے حس نہیں ہوتی اسی طرح مالداروں کو زیادہ مال سے تکلیف تو ہوتی ہے مگر حس نہیں ایک صاحب کا قصہ ہے کہ تھے تو وہ مالدار اور وسعت والے مگر بوجہ بخل کے ہانڈی تک اپنے ہاتھ سے پکاتے تھے کسی نے ان سے کہا کہ میاں تمہارا مال ودولت روپیہ پیسہ کس کام کا باوجود اتنے مالدار ہونے کے ہانڈی تک اپنے ہاتھ سے پکاتے ہو۔ وہ بولے میاں تم خرچ ہی کرنے کا لطف جانتے ہو۔ اور جمع کرنے کے لطف سے واقف نہیں ہو جمع کرنے میں بڑا لطف ہے تم اس کو کیا جانو بے شک اگر کوئی ان کا مال چرا کر لیجاتا جب لطف معلوم ہوتا مال تو ایسی چیز ہے کہ اس کا جمع ہونا بھی تکلیف دہ ہے تو گم ہونے سے تو انسان کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔ بعض وقت اس کے ملنے سے اور اسی طرح ضائع ہونے سے موت تک کی نوبت آجاتی ہے۔ ایک مقام کا قصہ ہے بعض جگہ دستور ہے کہ بڑی تعداد کے مال پر چھٹیاں پڑتی ہیں اور بعض وقت ایک ہی دو روپیہ میں اتنا مال ملجاتا ہے جس کی قیمت لاکھوں روپیہ ہوتی ہے تو قصہ یہ ہے کہ ایک انگریز کا سائیس تھا کسی مال پر چھٹیاں پڑ رہی تھیں اس نے بھی ایک روپیہ کی چٹھی ڈالدی اتفاق سے چٹھی اس کے نام پر نکل آئی وہ کئی لاکھ روپیہ کا مال تھا گویا ایک روپیہ میں کئی لاکھ روپیہ مل گئے جس انگریز کا یہ سائیس تھا اس کے نام چٹھی آئی کہ تمہارے سائیس کے نام چٹھی نکلی ہے اس کو چاہئے کہ آکر مال پر قبضہ کرے وہ انگریز تھا تجربہ کار اس نے سائیس کو فوراً خبر نہیں کی کہ فرط خوشی سے مر نہ جائے بلکہ پہلے اس کا علاج کر دیا وہ یہ کہ اس کو بلا کر پوچھا کہ تو نے کوئی چٹھی ڈالی تھی اس نے

کہا کہ ہاں ڈالی تھی انگریز نے کہا کہ تم نے بلا اجازت ایسا کیوں کیا اُس نے جواب دیا کہ یہ بات میرے کار منصبی سے خارج تھی اس میں مجکو اختیار تھا انگریز نے کہا کہ تجکو کوئی اختیار نہ تھا اور چابک منگا کر خوب ہی مارا اور پھر کہا کہ تیرے نام چٹھی نکلی ہے اتنے لاکھ روپیہ کا مال تمھارے نام آیا ہے یہ سنکر وہ خوش تو ہوا مگر مار کی تکلیف سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جس میں خطرہ ہوسکتا انگریز نے کہا کہ ہم نے اس مارنے سے تمھارا علاج کیا ہے اگر ہم فوراً تمکو خبر کردیتے تو تم مرجاتا اور بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ دفعۃً مال ملنے سے شادی مرگ ہوگئی اسی طرح مال کے دفعۃً تلف ہونے سے موت کے واقعات سنے ہیں۔ البتہ محبین حق کے نزدیک دونوں حالتیں برابر ہیں اُن کی حالت تو یہ ہے کہ نہ ملنے سے چنداں خوشی نہ جانے سے چنداں غم اور بعض کو کسی درجہ میں بھی خوشی یا غم نہیں ہوتا ایک بزرگ کے پاس کہیں سے بیش قیمت موتی تحفہ میں آیا تھا خادم نے پیش کیا دیکھتے ہی فرمایا الحمد للہ اور حکم دیا کہ اس کو رکھ لو خادم نے ایک دفعہ اسباب کا جائزہ لیا اتفاق سے وہ موتی ضائع ہوگیا تھا اُس کو خیال ہوا کہ دیکھئے خبر ہونے پر میری کیا نوبت ہوتی ہے مگر بضرورت خبر کرنا پڑی اُس کے سنتے ہی آپ کی زبان سے نکلا الحمد للہ خادم کو بہت تعجب ہوا اور عرض کیا کہ حضرت جب یہ موتی آیا تھا اُس وقت بھی حضرت نے فرمایا تھا الحمد للہ خیر وہ تو موقعہ بھی تھا مگر جاتے رہنے کی صورت میں الحمد للہ کہنے کا کیا موقعہ تھا آپ نے فرمایا میں نے موتی آنے کے وقت اور پھر اُس کے ضائع ہوجانے کے وقت اپنے دل کی حالت کو دیکھا تھا تو یہ کیفیت پائی کہ نہ آنے کے وقت کوئی خوشی ہوئی تھی اور نہ جاتے رہنے سے کوئی رنج ہوا پہلی بار الحمد للہ کہنا اس پر تھا کہ دنیا کے آنے سے کوئی خوشی نہ ہوئی اور دوسری بار اس لئے کہ دنیا کے جاتے رہنے سے کوئی غم نہ ہوا۔ بھلا پھر ان کو مال کے آنے یا جانے سے پریشانی کیوں ہو۔ صاحبو! بعض بزرگوں کی تو یہ کیفیت ہوئی ہے کہ انھوں نے تو چوروں دشمنوں کو بھی خود ہی اپنے پاس سے دیدیا ہے اُن سے حفاظت تو کیا ہی کرتے۔ ایک بزرگ کے یہاں ایک چور چوری کرنے گیا وہاں کچھ تھا ہی نہیں اُن کی آنکھ کھل گئی تو اُس کو محروم جاتے ہوئے دیکھکر اپنا کمبل اوتار کر دیدیا کہ اس کا دل برا نہو اور خالی نہ جاوے ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا   دل دشمناں ہم نکردند تنگ

وجہ یہ ہے کہ اہل اللہ کے نزدیک دنیا بڑی حقیر چیز ہے اس لئے اسکا آنا جانا ان پر زیادہ اثر نہیں کرتا۔ حضرت شاہ عبدالقدوسؒ کی بی بی کے پاس ایک چاندی کا ہار تھا۔ جب وہ ہار پہنتیں تو آپ فرماتے کہ اس ہار میں مجکو دنیا کی بو آتی ہے۔ بی بی نے ایک بار ایک مہمان بزرگ سے اس امر کی شکایت کی اور کہا کہ میں نے اپنے لڑکے رکن الدین کی شادی کی غرض سے یہ ہار رکھ چھوڑا ہے جس کے بارہ میں شیخ بار بار یہ فرمایا کرتے رہتے ہیں۔ اُن بزرگ نے شاہ صاحب سے فرمایا کہ آپ اپنی دنیا میں سے بدبو آنی چاہئے دوسرے کی چیز سے کیوں بدبو آتی ہے جب بی بی کا پیچھا چھوٹا۔ بعضے بزرگوں کو تو دنیا کے جلتے رہنے کی خوشی ہوتی ہے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں بطور ہدیہ کے ایک آئینہ بیش قیمت آیا تھا آپ کبھی کبھی خادم سے منگاکر اُس میں منہ دیکھا کرتے تھے اتفاقاً ایک دفعہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اُس کو بڑی فکر ہوئی بزرگوں کے پاس رہنے والے ہوتے ہیں مزاج شناس خادم نے عذر کرنے کا ارادہ کیا اور عذر کا مضمون ایک مصرع میں موزون کر کے عرض کیا ع ازقضا آئینۂ چینی شکست + حضرت نے فی البدیہہ فرمایا۔ ع۔ خوب شد اسباب خودبینی شکست۔ خودبینی کیا ہی اچھا موزوں لفظ ہے بزرگوں کا اصل مذاق تو یہ ہے کیونکہ وہ مال کی حقیقت کو پہچانتے ہیں باقی اکثر لوگوں کی یہی حالت ہے کہ اگر اُن کے پاس سونے کے دو جنگل ہوں تو تیسرے کے طالب ہوں گے۔ یہ حال ہے انسان کی حرص کا اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی بھرے گی۔ اسی کی نسبت شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

گفت چشم تنگ دنیا دار را ۔۔۔ یا قناعت پر کند یا خاک گور

اور حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

کوزہ چشم حریصاں پر نشد ۔۔۔ تا صدف قانع نہ شد پر دُر نہ شد

جب یہ معلوم ہو گیا کہ حرص بری چیز ہے اور اُن اخلاق رذیلہ میں سے ہے جس کی مذمت خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اخلاق رذیلہ کا زائل کرنا اور بجائے اُن کے اخلاق حمیدہ کا اندر پیدا کرنا ضروری ہے تو حرص کا علاج بھی ضروری ہوگا سو اس کا علاج ہے خدا کی طرف متوجہ ہونا جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا اُس سے یہ خلق رذیل انشاء اللہ تعالیٰ

۱۲

جاتا رہے گا۔ یہ ہے اس کا علاج جو مقصود تھا بیان سے اب یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَكَانِهٖ فَصَدِّقُوْهُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ زَالَ عَنْ جِبِلَّتِهٖ فَلَا تُصَدِّقُوْهُ یعنی جب تم سنو کسی پہاڑ کو کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اُس کی تصدیق کر لو اور جو کسی انسان کو سنو کہ اس کی عادت بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق مت کرو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق فطری ہیں جو نہیں بدلتے اور اُن کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ جب یہ صورت ہے تو علاج سے کیا نتیجہ۔ جواب سے پہلے حکماء کا مذہب سنئے اس بارہ میں حکماء کے اندر اختلاف ہے کہ ریاضت سے تہذیب اخلاق ہوتی ہے یا نہیں بعض کہتے ہیں کہ ریاضت سے اخلاق بدل جاتے ہیں یعنی ریاضت سے پہلے کسی میں برے اخلاق تھے تو ریاضت کرنے سے وہ اخلاق جاتے رہتے ہیں اور بجائے اُن کے اچھے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں بعض کا مذہب یہ ہے کہ ریاضت سے اخلاق نہیں بدلتے بعض کہتے ہیں کہ فطری اخلاق تو نہیں بدلتے غیر فطری بدل جاتے ہیں، صوفیہ کرام کہ درحقیقت حکماء یہی حضرات ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ ریاضت سے اخلاق رذیلہ کا ازالہ تو ہوتا نہیں کہ بالکل معدوم ہو جاویں ہاں انکا امالہ ہو جاتا ہے اور وہ مغلوب ہو جاتے ہیں، اخلاق حمیدہ سے اور یہی صحیح ہے اور تجربہ اس پر شاہد ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن اشخاص میں پہلے سے برے اخلاق موجود ہوتے ہیں جب وہ مجاہدہ اور ریاضت کرتے ہیں تو اُن کی حالت بدل جاتی ہے بجائے اُن کے اخلاق حمیدہ اُن کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ اخلاق رذیلہ پر غالب آجاتے ہیں حتیٰ کہ حیوانات تک میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے دیکھئے جو گھوڑا شریر ہوتا ہے اُس کو ایک عرصہ کے لئے چابک سوار کے حوالہ کر دیتے ہیں پھر وہ کیسا مہذب اور شائستہ ہو جاتا ہے اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ جو حکماء یہ کہتے ہیں کہ اخلاق رذیلہ بالکل معدوم ہو جاتے ہیں اُنکا یہ کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت سے اخلاق حمیدہ اُن کے اندر پیدا ہو گئے اور جب مجاہدہ و ریاضت کو ترک کر دیا تو پہلے اخلاق عود کر آتے ہیں اگر وہ معدوم ہو گئے تھے تو پھر عود کیسا۔ اور جو حکماء کہتے ہیں کہ ریاضت سے اخلاق نہیں بدلتے یہ بھی مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے اور جو کہتے ہیں کہ فطری اخلاق نہیں بدلتے غیر فطری بدل جاتے ہیں تو انہیں

ف: ریاضت اور مجاہدہ سے اصلاح اخلاق ہوتی ہے یا نہیں اس کی تحقیق

۱۳

تمیز مشکل ہے کہ اخلاق فطری کونسے ہیں اور غیر فطری کونسے تو اس اعتقاد کا شخص ریاضت ہی نہ کرے گا یہ عملی ضرر ہے اس لئے صوفیہ کرام کا مسلک واقعی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ فطری بھی گو زائل نہ ہوں مگر مغلوب ہو جاتے ہیں اور واقعی حکماء یہی حضرات ہیں بیچارے حکمائے یونان اور فلاسفہ کی تحقیقات ان کے سامنے کیا چیز ہیں۔ پھر یہ کہ ہمیں حکماء کی تحقیقات سے کیا لینا ہے جو اس کا تعارض حدیث سے رفع کریں باقی حدیث کا مطلب بالکل صاف ہے اور صوفیہ بھی وہی کہتے ہیں جو حدیث میں ہے کہ اخلاق طبعیہ زائل نہیں ہو سکتے گو مغلوب ہو جاتے ہیں اور حدیث میں مغلوبیت کی نفی نہیں جو اس پر شبہ کیا جاوے بلکہ حدیث میں تو زوال کی نفی ہے اور مغلوبیت کی تو تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ہوتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ان امراض کے علاج بیان فرمائے ہیں اگر تہذیب اخلاق نہ ہو سکتی تو آپ ان کی تدبیر کیوں تعلیم فرماتے۔ گو حرص فطری بھی ہو مگر اس کی بھی اصلاح ضروری ہے اور اصلاح کا قصد کرنے سے ضرور اصلاح ہوگی کیونکہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اِتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ کہ اسباب اصلاح کے اختیار کرنے سے اللہ میاں تمہارے اعمال کی درستی فرمادیں گے تو کیا اللہ میاں کی اصلاح فرمانے سے بھی درستی نہ ہوگی صاحب آپ ناامید نہ ہوں خدا تعالیٰ اصلاح کریں گے اور اصلاح کا مطالع ہے صلاح ہیں ضرور ہمارے اندر صلاح پیدا ہوگی۔ باقی بدوں اہتمام اصلاح کے تو اصلاح ہو نہیں سکتی کیونکہ حرص فطری شئے ہے چنانچہ انسان کو ہر وقت اس کی فکر رہتی ہے کہ مرغوب چیزوں کو جمع کروں اور اس میں ہر وقت مبتلا رہتا ہے قرآن شریف میں بھی حق تعالیٰ نے ایسی مرغوبات کی ایک فہرست بیان فرمائی ہے کہ جن کی طرف اکثر طبائع کا میلان ہے ارشاد فرماتے ہیں زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ کہ زینت دی گئی لوگوں کے لئے محبت خواہشوں کی عورتوں کی اور اولاد کی اور سونے چاندی کے ڈھیروں کی اور عمدہ گھوڑوں کی اور چوپایوں کی اور کھیتی کی یہ سب سامان زندگی دنیا کا ہے اور خدا کے یہاں عمدہ ٹھکانا ہے چونکہ مذاق مختلف تھے کسی کو کسی چیز سے محبت ہوتی ہے اور کسی کو کسی سے اس لئے مختلف چیزیں بیان فرمائیں کسی کو عورتوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے

چیزیں ہیں۔ دنیاوی زندگی کی۔ اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ ۵ یہ موضع سورہ آل عمران کا دوسرا رکوع۔

اور کسی کو اولاد سے کسی کو سونے چاندی سے کسی کو گھوڑوں سے کسی کو بیلوں سے اور کھیتی سے کسی کو عورتوں سے ایسی محبت ہوتی ہے کہ دن رات اس میں مبتلا ہیں ہر وقت یہی خیال ہے کسی کو اولاد کی ایسی چاہت ہوتی ہے کہ شب و روز اسی دھن میں رہتے ہیں کہ بیٹا ہو پوتا ہو پڑپوتا ہو۔ بعض رؤسا کو بیلوں سے ایسی محبت ہوتی ہے کہ ریاست بھی غارت کر بیٹھتے ہیں وجہ یہ کہ محبت کے افراط میں جنوں ہوتا ہے چنانچہ ہم نے ایک حکایت گھوڑے کی ایسے ہی طالب کی سنی ہے کہ ان کے پاس ایک گھوڑی تھی بہت خوبصورت ان کے کسی دوست نے اس کی فرمائش کی کہ یہ ہمیں دیدو آپ نے کیا کیا کہ بندوق بھر کر اس بے زبان کے گولی ماردی اور کہا کہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ اپنی آنکھ سے دوسرے کے پاس دیکھوں اگر وہ نہ دیتے اور اپنے گھر ہی رکھتے تو کیا حرج تھا بیفائدہ اسکی جان کھوئی۔ بعضی محبت بھی الٹی ہوتی ہے ایک اور حکایت ہے کہ ایک بزرگ تھے اور ان کے چند جاہل مرید تھے مریدوں نے سوچا کہ کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہئے کہ ہمارے مرشد ہمارے ہی پاس رہیں اور کوئی اس تبرک کو نہ رکھنے پائے ان کو مار کر وہیں ہی دفن کر دیا ایک اور بزرگ تھے اور ان کے ایک مرید تھے ایک روز مرید صاحب نے مرشد سے عرض کیا کہ حضرت مجکو اپنی داڑہی کا ایک بال دیدیجئے میں اس کو برکت کے لئے اپنے پاس رکھوں گا انھوں نے دیدیا۔ گاؤں والوں کو جو اس کی خبر لگی سب ان پر ٹوٹ پڑے اور داڑہی کا صفایا کر دیا۔ خدا بچائے ایسی محبت سے جس کا یہ انجام ہوا اسی طرح اہل دنیا کی محبت بھی الٹی ہوتی ہے چنانچہ بعض لوگ بچوں سے اپنی داڑہی کھچواتے ہیں اپنے کو گالیاں دلواتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے۔ کسی کو کھیتی کی محبت ہوتی ہے کہ نقصان پر نقصان ہوتا ہے مگر چھوڑتے نہیں کسی کو آواز سے الٹی محبت ہوتی ہے کانپور میں ایک شخص بزاز کی دوکان پر گئے اور سہ رکا لٹھہ خریدا بزاز نے جو لٹھہ پھاڑا اس کی آواز حضرت کو اچھی معلوم ہوئی اس سے کہا کہ سہ رکا اور دیدے اس نے پھر پھاڑا پھر آواز بھلی معلوم ہوئی پھر فرمائش کی یہانتک کہ گزوں لٹھہ بزاز سے آواز ہی سننے کی غرض سے پھڑوا ڈالا۔ وہ شاید حضرت صاحب سماع ہوں۔ مولانا نے مثنوی میں حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص جس کو مٹی کھانے کا شوق تھا کسی کی دوکان پر شکر خریدنے گیا دوکاندار شکر لینے کے لئے دوکان کے اندر گیا اور اس شخص نے اس کے باٹ کو جو مٹی کا تھا اور اسی سے شکر تولتا نظر بچا کر کھانا شروع

۱۵

کیا کیونکہ یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں دوکاندار نہ آجائے دوکاندار نے یہ دیکھکر اپنے نفع کی وجہ سے اور دیر لگا دی کیونکہ باٹ ہلکا ہو جانے سے دوکاندار کا نفع اور خریدار کا نقصان تھا اُس نے خیال کیا کہ یہ تو اپنا ہی نقصان کر رہا ہے میرا کیا بگاڑتا ہے پھر جب یہ دیکھا کہ یہ تو بس نہیں کرتا تو خیال ہوا کہ یہ تو سارا ہی باٹ کھا جائے گا اور خسارہ عظیم میں پڑے گا دوکان سے نکل آیا دنیا داروں کی محبت بھی ایسی ہی ہے اُس سے اپنا نقصان کر رہے ہیں محبان دنیا سب اس میں مبتلا ہیں اور مذمت دنیا سے اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میں کسب دنیا کو منع کرتا ہوں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ کسب دنیا اور چیز ہے اور حب دنیا اور چیز۔ حب دنیا مذموم ہے اور کسب دنیا بقدر حاجت جائز چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ کی تعلیم کو ملاحظہ کیجئے کیا اچھی تعلیم ہے کہ مرغوب چیزوں کی فہرست تو بیان فرمادی مگر اُن کی فی ذاتہا مذمت نہیں فرمائی بلکہ اس کے بعد اُس سے ایک اچھی چیز کا پتہ بتلا دیا اس آیت میں قُلْ اُؤَنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ۔ مطلب یہ ہوا کہ ہیں تو یہ سب چیزیں اچھی مثلاً عورتیں اور اولاد وغیرہ وغیرہ سب اچھی ہیں مگر دوسری چیز ان سے زیادہ اچھی ہے۔ کیونکہ خیر کے اصلی معنی ہیں زیادہ اچھی تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ دنیا کی چیزیں بھی ہیں تو اچھی مگر ایک چیز ان سے بھی اچھی ہے اس لئے تم ان ہی چیزوں پر بس مت کرو کیونکہ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی یہ تو صرف دنیا کا متاع ہے بلکہ ان سے زیادہ اچھی چیز کو طلب کرو وہ کہاں ہے وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ کہ اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے آگے اُس اچھی چیز کو فرماتے ہیں قُلْ اُؤَنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ کہ کہئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں تمکو ان سے بہتر چیز کی خبر نہ دوں جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ لوگ اُس میں ہمیشہ رہیں گے اور پاک کی ہوئی بیبیاں ہیں اور اللہ کی رضامندی ہے۔ سبحان اللہ کیا بلاغت ہے حکماء کی تعلیم اس درجہ کی کہاں ہو سکتی ہے وجہ یہ کہ یہاں تو حکمت کے ساتھ شفقت بھی ہے شفیق کی تعلیم سے اور ہی نفع ہوتا ہے بری حکمت کی تعلیم میں وہ نفع کہاں غرض حق سبحانہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی مذمت نہیں فرمائی البتہ ان کی خاص درجہ کی محبت کی مذمت فرمائی چنانچہ یہ مضمون اس آیت میں اس طرح بیان فرمایا کہ اول تو

سه آپ کہہ دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتا دوں جو بہتر ہو ان چیزوں سے

۱۰

سه حوالہ بالا

سه حوالہ بالا

سه حوالہ بالا

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ ۔ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کی خاص درجہ کی محبت واقع میں تو اچھی نہیں مگر انسان کی نظر میں یہ چیزیں مزین ہوگئیں جس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوڑی پر سبزہ جما ہوا ہو جس کو کوئی دیکھنے والا سمجھے کہ یہ ایک چمن ہے اور اُس کے ظاہر رنگ وروپ کو دیکھکر فریفتہ ہوجاوے اور جب وہاں پہونچے تو پاخانہ میں بھر جاوے یہی حال دنیا کا ہے کہ ظاہر تو اس کا بہت بھلا معلوم ہوتا ہے مگر اندر نجاست بھری ہوئی ہے یا خوبصورت سانپ کی سی مثال ہے جسکا ظاہر تو بہت اچھا ہے نقش ونگار سے آراستہ ہے مگر اندر زہر بھرا ہوا ہے۔

ے زہر این مار منقش قاتل است ÷ باشد از وے دور ہر کو عاقل است ۔ اگر بچہ کے سامنے سانپ چھوڑ دو تو وہ اُس کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھکر اس پر فریفتہ ہوجاتا ہے اور اُس کو پکڑ لیتا ہے اُس کو یہ خبر نہیں کہ اس کے اندر زہر بھرا ہوا ہے مگر اُس کا انجام کیا ہوگا ہماری حالت بھی اسی بچہ کی سی ہے کہ ہم دنیا کے ظاہری آب وتاب اور نقش ونگار اور رنگ وروپ پر فریفتہ ہیں اور اندر کی خبر نہیں یہ بھی تجربہ ہے کہ سانپ جتنا خوبصورت ہوتا ہے اسی قدر زہریلا ہوتا ہے ایک شاہ صاحب بیان کرتے تھے کہ میں ایک مسجد کے لئے چونہ تیار کرنے کی غرض سے دریا کے کنارہ سیپ کھود رہا تھا وہاں ایک سانپ نکلا جو اڑتا تھا اور بالشت بھر کا تھا اور دیکھنے میں نہایت خوبصورت رنگین چمکدار مگر زہریلا بھی ایسا کہ اگر کاٹ لے تو آدمی پانی پانی ہوجاوے تبر انھوں نے مار دیا یہی دنیا کی حالت ہے کہ جتنا اس میں رنگ وروپ ہوتا ہے اسی قدر مہلک بھی ہے اسی لئے حقیقت شناس اس کی طرف رغبت نہیں کرتے پھر اس حب تزمین کے بعد شہوات ورغبات پر ملامت نہیں فرمائی کیونکہ ان شہوات میں بھی مصالح ہیں بشرطیکہ دین کے تابع رہیں اس لئے ان مرغوبات سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان سے اچھی چیز کی ترغیب دی گویا انسان کو یہ حکم نہیں دیا کہ اپنے شہوت ماردے اور حرص کو بالکل زائل کردے بلکہ یہ فرمایا کہ اس شہوت اور حرص کو باقی رکھکر اُس کو دنیا سے عمدہ چیز کی طرف مائل کردے بس یہ علاج ہے حرص کا اور حرص ہی منشا ہے بے صبری کا اور یہی بے صبری تمام پریشانیوں کی جڑ ہے بس اس طریق سے سب پریشانیوں کا علاج ہوجاوے گا اسی کو میں بیان کررہا تھا ۔ اور اصل بیان یہ تھا کہ بے صبری کا ظہور دو موقع پر ہوتا ہے کہ ایک موقع یہ ہے کہ مرغوب شئے ملے نہیں اور دوسرا موقع ہے کہ مرغوب شئے

سلکر جاتی رہے اور ان دونوں صورتوں میں زیادہ تکلیف اور مصیبت کی حالت دوسری صورت ہے اگرچہ پہلی صورت بھی مصیبت اور تکلیف کی ہے مگر دوسری صورت سے ہلکی ہے مثلاً کسی کے پاس سامان پیٹ بھرنے کا تھا اور وہ گم ہوگیا تو اُس کی مصیبت زیادہ ہوگی بہ نسبت اُس شخص کے جس کو بھوک تو ہو مگر پہلے ہی سے کچھ سامان نہ ہو تو گو محبوب کا حاصل نہ ہونا بھی تکلیف کی چیز ہے مگر حصول کے بعد محبوب کا زائل ہو جانا یہ اُس سے زیادہ سخت تکلیف کی چیز ہے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کا عزیز مر جاوے کسی کا باپ مر جاوے کسی عورت کا خاوند مر جاوے خصوص اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو ماں باپ سے زیادہ کسی کے مرنے میں مصیبت نہیں کیونکہ اُس کے بدل کچھ نہیں اور چیزوں کا بدل ہو سکتا ہے مثلاً اولاد مر جاوے تو اور اولاد ہو سکتی ہے۔ بھائی مر جاوے تو اور بھائی ہو سکتا ہے بیوی انتقال کر جاوے دوسری آ سکتی ہے مگر باپ تو دوسرا نہیں ہو سکتا اور اسی طرح ماں۔ دارا شکوہ کا قصہ سنا ہے کہ جب یہ مارے گئے تو عالمگیرؒ نے ان کے چھوٹے بیٹے کو بلایا اور اس کی ہر طرح تسلی کی مگر اُس نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

دردِ من کمتر ز دردِ حضرت یعقوب نیست ✲ او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام۔ عالمگیر کے آنسو جاری ہوگئے۔ اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کی اولاد مر جاوے اگرچہ بچہ ہی ہو بلکہ بعض اوقات بڑی اولاد کی نسبت بچوں کی موت سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے وجہ اُس کی یہ ہے کہ بڑی اولاد سے تو کبھی کسی قسم کا رنج بھی پہونچ جاتا ہے اور بچہ ستاتا نہیں اور کوئی رنج اُس سے پہونچتا ہی نہیں اس لئے اُس کے مرنے سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے غرض یہ کہ مرغوب شئے کے جاتے رہنے سے تکلیف اور مصیبت ہونا ضروری ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی یقین ہے کہ جب غم حدِ شریعت میں ہو تو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم حالتِ مصیبت میں بے احتیاطی کرتے ہیں اور حدِ شرع سے تجاوز کر لیتے ہیں اور اُس میں اپنے اختیار کا بھی انضمام کر لیتے ہیں اس لئے مصیبت بہت بڑھ جاتی ہے اس انضمام کی تفسیر یہ ہے کہ غم کے دو حصے ہیں ایک اختیاری دوسرا غیر اختیاری آجکل واقعاتِ غم میں اختیاری غم کا حصہ زیادہ ہوتا ہے حتیٰ کہ آجکل کے بڑے میں جس کی غرض ازالۂ غم تھی اختیاری غم کا حصہ زیادہ ہوتا ہے چنانچہ لوگ آتے ہیں بجائے تسلی کرنے کے اور غم کو بڑھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسان جسقدر تذکرہ

ف: زوالِ محبوب اصل تکلیف ہے ۱۷

۱۸

ف: غم اگر حدِ شرع میں ہو تو تکلیف زیادہ نہیں ہوتی

غم کی چیز کا کرے گا اور جتنا سوچے گا اتنا ہی غم ترقی پکڑے گا پھر تذکرہ میں اور تار چڑھاؤ بہت کرتے
ہیں کہتے ہیں کہ ہائے اللہ کیا ہوگیا بچے کہاں جائیں گے بیوی کیا کرے گی جائداد کا کیا ہوگا
علیٰ ہذا القیاس ان باتوں کے تذکرہ سے صدمہ ہی بڑھتا ہے جیسے تمباکو جس قدر کھاؤ گے اتنی ہی
خواہش زیادہ ہوگی اس کا علاج تو یہ ہے کہ بالکل چھوڑ دو یہی حالت گناہوں کی ہے کہ ان کا علاج
صرف ترک ہے نہ کہ اس کی کثرت اس میں بعض بدفہم سالکین کو بھی بڑا دھوکہ ہوگیا ہے وہ یہ کہ
جب کہ ان کا قلب بعض گناہوں کی طرف مائل ہوتا ہے وہ اپنے دل میں یہ سوچکر کہ اس گناہ
کو خوب دل بھر کر کر لو تاکہ خواہش جاتی رہے نفس خالی ہو جاوے پھر بالکل چھوڑ دیں گے اور
توبہ کر لیں گے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ بڑی فاش غلطی ہے کیونکہ جتنا گناہ کو زیادہ کیا جاوے گا
اسی قدر خواہش میں ترقی ہوگی اور تقاضہ زیادہ ہوگا۔ بس اصل علاج یہ ہے کہ ہرگز نہ کرے
اسی طرح غم کا علاج یہ ہے کہ سوچو مت خیال مت کرو اس صورت میں غم تو ہوگا مگر معتدل غم
ہوگا اور وہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے کیونکہ قدرتی طور پر غم میں بھی حکمت اور نفع ہے اگر غم نہ ہو تو تمدن
نہ ہو اور تمدن بڑی چیز ہے اس لئے کہ دین کی ترقی اس پر موقوف ہے اور تمدن غم پر اس لئے
موقوف ہے کہ اگر کسی کو کوئی غم اور فکر نہ ہو سارے بےفکر ہی ہوں تو کوئی کسی کا کام نہ کرے۔ سارے
تندرست ہی رہیں بیمار نہ ہوں تو ڈاکٹر طبیب عطار سب بیکار ہو جائیں یہ تو دنیوی نفع ہے اور دین
کا نفع یہ ہے کہ اگر کوئی غریب نہ ہو تو زکوٰۃ کسے دوگے اس پر یاد آیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے
حضور میں ایک بار لوگوں نے سائلین کے آنے پر کچھ تنگی ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا کہ سائل سے تنگ
نہ ہونا چاہئے یہ تمہارے حمال ہیں کہ آخرت میں تمہارے اموال پہونچاتے ہیں اگر یہ نہ لیں تو تمہارے
اموال کا کون حمال ہوگا غرض تمدن نہایت ضروری چیز ہے اہل سائنس کے نزدیک تو تمدن دنیوی
غرض سے بڑی چیز مانی گئی ہے مگر دین کے لئے بھی اس کی بہت ضرورت ہے لہٰذا تمدن اہل دین اور
اہل دنیا دونوں کے نزدیک اچھی چیز ہے گو بنا مختلف ہو اور مسلم ہے کہ تمدن بدون تعاون کے
نہیں ہو سکتا اور تعاون بدون رحمدلی کے نہیں ہو سکتا اور رحمدلی موقوف ہے غم پر بیان اسکا
یہ ہے کہ سائنس اور طب کا مسئلہ ہے کہ جس قوت کا استعمال ہوتا رہے اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے
ورنہ وہ قوت کم ہو جاتی ہے پس اگر غم نہ ہوتا تو رحمدلی کا ہیجان کیسے ہوتا اور جب اسکا ہیجان نہ ہوتا

تو اسکا مادہ بالکل جاتا رہتا اس لیے غم میں بڑی مصلحت ہے کہ یہ محافظ ہے ترحم کا اور وہ محافظ ہے تعاون و تمدن کا اور غم میں اپنی ذات کے متعلق بھی مصلحت ہے کہ اس سے اخلاق درست ہوتے ہیں اور اس میں اجتماعی مصلحت بھی ہے جیسا کہ ذکر ہوا کہ اگر غم نہ ہو تو تمدن بھی نہو جو کہ اہل دنیا و دین دونوں کے نزدیک مختلف حیثیت سے بڑی چیز مانا گیا ہے غرض غم میں انفرادی اور اجتماعی دونوں مصالح ہیں فرعون نے بوجہ غم نہونے ہی کے توخدائی کا دعویٰ کیا تھا رسالہ قیصریہ میں لکھا ہے کہ غم سے قلب کا کامل تصفیہ ہوتا ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت مغموم رہتے تھے جیسا کہ شمائل ترمذی میں ہے پس اصل میں تو غم مفید چیز ہے مگر اسی قدر کہ جسقدر حق تعالیٰ کا دیا ہوا ہے واقعی وہ عین مصلحت ہے باقی آگے جو حواشی ہم نے اپنی طرف سے بڑھا لیے ہیں وہ بُرے ہیں۔ حدیث شریف میں قصہ آتا ہے کہ ایک صحابی کا انتقال ہوگیا تھا اُن کے گھر والوں پر غم طاری تھا کسی نے رونے سے روکا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تشدد نہ کرو تو صرف رونے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا لیکن اگر کوئی حد سے بڑھنے لگے تو اُس سے خود ہی روکا ہے پس خوب سمجھ لو کہ حد سے زیادہ غم کرنا یہ گناہ ہے اور گناہ بھی بے لذت اُسکا روکنا اور علاج کرنا واجب ہوگا۔ چنانچہ اس آیت میں مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ایسے ہی غم کے علاج کا بیان ہے اور یہ بیان ایک مقدمہ پر موقوف ہے وہ یہ ہے کہ اگر شئے مرغوب کے جاتے رہنے سے غم لاحق ہو مگر کسی ایسی دوسری چیز کا پتہ ہمکو لگجاوے اور اس کے ملنے کا یقین ہو جاوے کہ جو اس شئے مرغوب سے ہزارہا درجہ بڑی ہوائی ہو تو پہلی چیز کا غم اُمیں نہونا چاہیے جیسے کسی کے ہاتھ میں ایک پیسہ ہو اور دوسرا شخص اُس کو چھینکر بجائے اس کے روپیہ دیدے تو ظاہر ہے کہ پیسہ کا غم بالکل بھی نہوگا بلکہ اگر وہ شخص بدلنا چاہے تو یہ بدلنے پر کبھی راضی نہوگا یہی بات آیت مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ میں ہمکو بتلائی گئی ہے کہ جو چیزیں ہمارے پاس ہیں اور گو ہمیں انتہا درجہ مرغوب ہیں مگر وہ سب فنا ہونے والی ہیں اور خدا تعالیٰ ہمیں ان سے اچھی چیز کی خبر دے رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم ان مرغوب چیزوں تک مت رہو بلکہ جو چیز ان سے اچھی ہے اور باقی ہے اُس کی رغبت کرو پس ہمکو چاہیے کہ اس مرغوب شئے کا خیال کریں جو کہ باقی ہے اپنے غم کو مغلوب کریں جو شخص اس پر غور کرے گا اس کا غم ضرور مغلوب ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کیا عمدہ علاج تجویز کیا ہے حق سبحانہ تعالیٰ کی عجیب

تعلیم ہے کہ معاد کی اصلاح تو فرمائی ہی ہے معاش کی بھی پوری اصلاح فرمائی کیونکہ اس سے نفسانی و بدنی راحت بھی تو حاصل ہوگئی اور خیال کرنے کی بات ہے کہ دنیا کی مرغوب شئے اگر اس وقت بھی گم نہ ہوتی مگر کبھی نہ کبھی پھر گم ہوتی کیونکہ فنا ہونا تو گویا اُس کی ذاتیات میں سے ہے جیسے چراغ میں تیل ہو جو محدود بھی ہے اور کم بھی ہو رہا ہے تو وہ ایک نہ ایک وقت ضرور ہی ختم ہوگا ایک دن فنا ہو کر رہے گا اسی طرح انسان ایک نہ ایک دن ختم ہی ہو کر رہے گا۔ اطباء نے لکھا ہے کہ رطوبت کی مثال تیل کی سی ہے اور حرارت غریزیہ جو مرکب ہے روح کا اس کی مثال شعلہ چراغ کی سی ہے جیسے تیل ختم ہو کر چراغ گل ہو جاتا ہے اسی طرح رطوبت فنا ہو کر روح ختم ہو جاتی ہے یہاں بھی اسی طرح ایک سراج کے گل ہونے کا واقعہ ہوا ہے جنکا نام بھی اتفاق سے سراج الحق تھا اور یہ دوسرا اتفاق ہے کہ ان کے صاحبزادہ کا نام انوار الحق ہے اسی لئے اس وعظ کا نام انوار السراج مناسب معلوم ہوتا ہے[1] گویا اس طرف اشارہ ہے کہ وہ مرحوم تو سراج کی طرح ختم ہو گئے البتہ اُن کے آثار و انوار باقی ہیں سو اگر یہ واقعہ اس وقت نہ بھی ہوتا تب بھی کبھی نہ کبھی ضرور ہی ختم ہوتے۔ چراغ تو گل ہی ہو کر رہے گا۔ بس ختم ہونے والی چیز سے زیادہ کیا جی لگانا۔ خدا تعالیٰ سے دل لگانا چاہیے۔ دنیا کی محبت تو سراسر آب ہے مولاناؒ فرماتے ہیں ؎ عشق با مردہ نباشد پائدار + عشق با حی و باقیوم دار۔ اور فرماتے ہیں ؎ عاشقی با مردگان پائندہ نیست + زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست اور فرماتے ہیں ؎ غرق عشقے شو کہ غرق ست اندریں + عشق ہائے اولیں و آخریں۔ غرض غم کے ہلکا کرنے کے لئے یہ عجیب تعلیم ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ یعنی خدا تعالیٰ کے یہاں کی چیزیں باقی ہیں اور وہی رغبت کے قابل ہیں پھر یہ بھی سوچو کہ آدمی مر کر جاتا کہاں ہے ظاہر ہے کہ خدا کے ہی پاس تو اب تو وہ مَا عِنْدَ اللّٰهِ میں داخل ہو گیا پہلے وہ مَا عِنْدَكُمْ کا مصداق تھا اُس وقت وہ فانی تھا اور اب باقی ہو گیا ہے کیونکہ اس موت کے بعد پھر موت نہیں تو اب تو وہ مرنے کے بعد پہلی حیات سے اچھی حیات میں پہونچ گیا وہ پہلی حیات فانی تھی اور یہ دوسری باقی ہے پس ہمیں مرغوب شئے سے محبت اس حیثیت سے زیادہ ہونی چاہیے کہ وہ خدا کے پاس ہے بہ نسبت اس

[1] حضرت نے اس وعظ کا نام انوار السراج تجویز فرمایا ایک وجہ تسمیہ کی مناسبت یہاں ذکر ہوئی اور دو ختم وعظ کے بعد مذکور ہیں جو ختم وعظ کے بعد اس حقیر کو بتلائیں ۱۲ از جامع۔

۲۱

حیثیت سے کہ وہ ہمارے پاس ہے اس مضمون کو ایک بدوی نے خوب سمجھا اور صبر دلانے کے بارہ میں اس بدوی نے عجیب و غریب عنوان سے استعمال کیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد کا انتقال ہوا تو مجکو ایسا صبر کسی بات سے نہیں ہوا جیسا کہ ایک بدوی کے کلام سے ہوا وہ یہ ہے

۵ فَاصْبِرْ نَكُنْ بِكَ صَابِرِيْنَ فَاِنَّمَا ، صَبْرُ الرَّعِيَّةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّاسِ خَيْرٌ مِّنَ الْعَبَّاسِ اَجْرُكَ بَعْدَهُ ، وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِّنْكَ لِلْعَبَّاسِ ۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ صاحب کا ثواب تو جو کہ تمکو ملا عباسؓ سے اچھا اور خدا عباسؓ کے لئے تم سے اچھا پھر اس واقعہ میں نقصان کس کا ہوا بس یہی تو ہوا کہ خدا کے پاس پہونچ گئے تو وہ تمہاری مرغوب سے تو اور زیادہ مرغوب حالت میں ہو گئے کہ وہ باقی رہنے والی ہوگی ان حقائق پر نظر کر کے کسی کے مرنے پر زیادہ غم نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کی بقاء پر نظر کر کے خود اپنے میں وہ قابلیت پیدا کرنی چاہئے کہ جس سے اللہ میاں کے پاس جانے کے اور لقاء محمود کے ساتھ باقی رہنے کی قابل ہو جائے ۔ اب اس بقاء کے متعلق لوگوں کی غلطی عرض کرتا ہوں کہ لوگ عام طور سے یہ سمجھتے ہیں کہ جب انسان مرجاتا ہے قبر میں اس کو ڈال آتے ہیں وہاں وحشت کدہ میں تنہا پڑا رہتا ہے اور ایسی حیات مثل عدم حیات کے ہے صاحبو! یہ نہیں ہے بلکہ مسلمان کے لئے وہاں بڑی راحت ہے حدیث شریف میں ہے کہ ارواح اسکا استقبال کرتی ہیں یعنی اس کے عزیز قریب جو اس سے پہلے چلے گئے ہیں وہ اس سے ملتے ہیں اور اس دوسرے متعلقین کی نسبت دریافت کرتے ہیں اگر یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص تو مر گیا ہے تو کہتے ہیں کہ افسوس وہ دوزخ میں گیا ہے ورنہ ہم سے ضرور ملتا اور اس سے انکو غم ہوتا ہے غرض موت کے بعد مردے اس طرح سے باہم خوش ہو کر ملتے جلتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہوں گے کہ بس مرنے کے بعد آلو کی طرح پڑے رہیں گے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔ یہ بات نہیں یاد رکھو کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے یہ تو صورت قبر ہے اور حقیقت میں قبر عالم برزخ کا نام ہے وہاں سب جمع ہوتے ہیں اور وہ پاکیزہ لوگوں کا مجمع ہے تو دنیا میں تو جدا بھی ہو سکتے ہیں جیسے کوئی ملازمت سے رخصت لیکر آئے اور اپنے لوگوں کے پاس رہے جب رخصت ختم ہوگی تو جدائی ہو جاوے گی تو دنیا کا اجتماع تو ایسا ہے اور وہاں کی یکجائی ختم نہیں ہوتی وہاں تو عیش ہی عیش ہے بات یہ ہے کہ حقیقت نہ جاننے سے لوگوں کو موت سے وحشت ہوگئی ہے ورنہ موت تو لقاء حبیب کے لئے ایک جسر ہے یعنی پل ہے کہ اس سے گذرے اور لقاء حبیب ہوگی اور لقائے

ف: غم دلانے بدوی کا عجیب فقرہ۔

ف: مسلمان کا بعد مرنے کے آرام اور اپنے عزیزوں سے ملاقات کرنا۔

ف: قبر حقیقت میں عالم برزخ کا نام ہے۔

ف: حقیقت نہ جاننے سے لوگوں کو موت سے وحشت ہو گئی ہے۔

باری تعالیٰ سے کونسی چیز اچھی ہوگی اسی لئے اہل اللہ کو تو موت کا شوق ہوا ہے حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎ خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم ٭ راحت جاں طلبم واز پئے جاناں بروم۔ نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے ٭ تا در میکدہ شاداں غزل خواں بروم۔ ان سے پوچھئے کہ موت کیا چیز ہے حدیث شریف میں ہے اَلْمَوْتُ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ کہ موت مومن کا تحفہ ہے نظام حیدرآباد اگر کسی کے پاس تحفہ بھیجیں اور گھر والے رونے لگیں تو کیسے افسوس کی بات ہے اور میری مراد اس سے غم مکتسب ہے نہ کہ غیر مکتسب جدائی کا طبعی صدمہ جو بے اختیار ہوتا ہے اس کا مضائقہ نہیں لیکن سوچ سوچ کر اُسے بڑھانا مذموم ہے بلکہ ان مضامین کو سوچکر عقلاً اُس کو گھٹانا چاہئے۔ میں نے طاعون کے زمانہ میں ایک رسالہ شوق وطن لکھا تھا اس کا دیکھنا ایسے مواقع میں تخفیف غم کے لئے نہایت نافع ہے مناسب ہے کہ لوگ اُس کو دیکھا کریں۔ صاحبو! دنیا کی مثال آخرت کے سامنے ماں کے رحم کی سی ہے جب تک بچہ ماں کے رحم میں رہتا ہے اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے اگر اُس سے کہیں تو تنگ جگہ سے نکل اس سے فراخ جگہ موجود ہے تو وہ یقین نہ کرے گا اور جانے گا کہ یہی ہے جو کچھ ہے مگر جب باہر آتا ہے تو ایک بڑا عالم دیکھتا ہے کہ رحم کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں اور اب اگر اس سے کہا جائے کہ رحم میں واپس جانا چاہتا ہے تو وہ کبھی منظور نہ کرے گا اسی طرح دنیا بمقابلہ آخرت کے بالکل تنگ ہے جب یہاں سے جاؤ گے تو شکر کرو گے اور دنیا میں ہرگز نہ آنا چاہو گے جب خدا کے پاس پہنچنے کا وقت قریب آتا ہے اور اُس عالم کی چیزوں کا انکشاف ہوتا ہے اُس وقت اگر مومن کو کوئی حیات افزا چیز دیکر کہا جاوے کہ لو اسے کھالو تاکہ تم مدت دراز تک زندہ رہو تو وہ لات مار دیگا اور چاہے گا کہ فوراً مرجاؤں چنانچہ یہاں ایک پردیسی طالب علم طاعون میں مبتلا ہوئے لوگ اُن کی تسلی کرتے تھے کہ تم اچھے ہو جاؤ گے مگر وہ یہی کہتے تھے کہ یوں نہ کہو اب تو خدا تعالیٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے اور اُس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت سنائی جاتی ہے اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کے لئے بادشاہ کی طرف سے وزارت کے عہدہ کا پیام آئے اور وہ شخص اپنے گھر سے پائے تخت شاہی کی طرف چلے تو گو اُس کے گھر والے جدائی سے غمگین ہوں گے مگر یقیناً وہ شخص شاداں و فرحاں ہوگا اگر اُس حالت میں بادشاہ کی طرف سے یوں ارشاد ہو اگر تم چاہو تو اتنے روز کی مہلت بھی مل سکتی ہے تو وہ ہرگز راضی نہ ہوگا اسی طرح جب راحت آخرت کی خبر ہوتی ہے اور اُسکا مشاہدہ ہو جاتا ہے اس وقت اگر

اس سے دنیا میں رہنے کو کہیں تو ہرگز راضی نہ ہوگا پس اے صاحبو ما عند اللہ سے رغبت کرو اسی رغبت
کی بدولت اہل اللہ ہر وقت شگفتہ رہتے ہیں اور انکو وہاں کے متعلق قسم قسم کی تمنائیں اور امیدیں
لگی ہوئی ہیں اُن کی یہ حالت ہوتی ہے ؎ کوئے نا امیدی مرو کہ امیدہاست ؛ سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست
انھیں غم نہیں ہوتا چنانچہ منصور کی یہ حالت ہوئی کہ جبکہ اُن کو دار پر لیجانے لگے تو وہ خوش ہو کر کہتے تھے
؎ اقتلونی یا ثقاتی ۔ ان فی موتی حیاتی ۔ غرض موت اہل اللہ کا تو کھیل ہے انکا تو شغلہ ہے
پس ہمکو یہ حالت اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے تاکہ بجائے غم کے شوق ہو جسکا ایک سہل طریقہ یہ ہے کہ
ان مضامین پر غور کرو جو میں نے اس وقت بیان کئے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ اس سے غم کا بھی علاج
ہو جاویگا اور آخرت کا بھی شوق ہو جاویگا ۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق
میں اسی کا علاج بتلایا ہے اور سبحان اللہ کیسا عجیب علاج ہے اسکا مراقبہ کیا کرو کہ آخرت میں جو راحت
ہے وہ دنیا سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے اور مرنے والا ہمارے پاس سے خدا کے پاس پہونچ گیا ہے اور
یقیناً خدا کے پاس رہنا ہمارے پاس کے رہنے سے بہتر ہے اور گو امکان کے درجہ میں وہاں کی صعوبت
کا بھی اس کے لئے احتمال ہے مگر اپنے مسلمان عزیز کے ساتھ یہ بدگمانی کیوں کی جائے نہ وہ خدا نخواستہ
مجرموں کی طرح تکلیف میں ہوگا بلکہ نیک گمان رکھو اور اس احتمال کے تدارک کے لئے اس کے لئے
دعا اور ایصال ثواب کرتے رہو یہ اس کے لئے ہمارے غم کرنے سے زیادہ نافع ہے ۔ یہ حاصل ہے علاج
کا آگے صبر کی فضیلت کا بیان ہے اور انعام کا وعدہ بھی ہے فرماتے ہیں ولنجزین الذین صبروا
اجرھم باحسن ما کانوا یعملون ۔ کہ ہم ان لوگوں کو ان کے اچھے اعمال پر ضرور جزا دیں گے
جنھوں نے صبر کیا اور آگے آیت من عمل صالحا میں وہ عمل بتلاتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ عقائد
ٹھیک ہوں اعمال درست اور شریعت کے موافق ہوں اب دعا کیجئے کہ ہمکو اللہ تعالیٰ فہم دین اور توفیق
عمل مرحمت فرمائیں کہ خدا کی چیزوں سے ہمیں رغبت زیادہ ہو اور دنیا کی چیزوں سے محبت کم ہو آمین
ثم آمین (تم الوعظ) **فائدہ** ۔ اس وعظ کا نام حضرت والا نے انوار السراج تجویز فرمایا ہے
ایک وجہ تسمیہ کی مناسبت تو اثنائے وعظ میں مذکور ہو چکی ہے ۔ دوسری مناسبت حضرت والا نے
یہ بیان فرمائی کہ انوار السراج کا نام رکھنا بمنزلہ تسمیۃ الکل باسم الجزء کے ہے کیونکہ اس بیان میں
ایک مقام پر تیل اور چراغ کی مثال آئی ہے اور یہ مضمون ایک جزو ہے وعظ کا اس کے اعتبار سے
پورے وعظ کا نام یہ رکھدیا تو تسمیۃ الکل باسم الجزء اس پر صادق ہے ۔ تیسری ایک مناسبت جو
نہایت لطیف ہے وہ یہ ہے کہ کلام اللہ کے بارہ میں نور کا لفظ وارد ہے اور سراج لقب ہے جناب ؐ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ
رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

وعظ مسمی بہ

اکمال العدۃ

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد المنان غفرلہ

"مکتبہ تھانوی، دفتر الابقاء"
متصل مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ

اکمال العدۃ والسلاخ رمضان

این	متی	کم	من ضبط	کیف	ماذا	لمن	من السامعون	من المجمع	الاشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کس نے لکھا	بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر	کیا مضمون تھا	[illegible]	[illegible]	[illegible]	متفرقات
[illegible]	[illegible]	۲ گھنٹہ [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم ولعلکم تشکرون ۵

ترجمہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں اور تاکہ تم

عـــہ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ؁ ان آیات کا پہلا حصہ یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے اس میں حق تعالیٰ نے روزہ کے احکام کے مصالح ارشاد فرمائے ہیں اور دوسری آیت کو پہلی آیت کے تقویت کے لئے ارشاد فرمایا ہے یہ حاصل ہے دونوں آیتوں کا مگر اسوقت جو جزو مقصود ہے وہ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ ہے اور مضامین چونکہ اسی کے سیاق وسباق میں ہیں اسلئے سبکی تلاوت کردی گئی حاصل ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری تکلیف کو گوارہ نہیں فرماتا بلکہ تم کو آسانی پہونچانا چاہتے ہیں پس روزہ میں دشواری کا اندیشہ نہ کرو مثلاً گرمی کے موسم میں بعض لوگوں کو دشواری کا خیال ہوتا ہے مگر اس سے اندیشہ نکرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ روزہ میں تمکو آسانی پہونچانا چاہتے ہیں اگر تم گرمی میں روزہ کی ہمت کروگے اللہ تعالیٰ آسان کردینگے اب سمجھنا چاہئے کہ وہ آسانی کونسی ہے جو یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ سے حقیقۃً مراد ہے سو حقیقت میں آسانی معنوی اور روحانی ہے جس کا اثر یہی ہے کہ جسمانی آسانی اُس پر مرتب ہو جاتی ہے روحانی سہولت کا حاصل یہ ہے کہ روزہ سے تم کو دلچسپی عطا کردی گئی اور دلچسپی سے جیسا روح کو آسانی ہوتی ہے جسمانی سہولت بھی اسپر مرتب ہو جاتی ہے کیونکہ دنیا کے کاموں میں مشاہدہ ہے کہ دلچسپی کے بعد دشوار سے دشوار کام بھی آسان ہو جاتا ہے ہمنے تقریبات شادی میں دیکھا ہے کہ نفیس المزاج لوگوں کو بعض دفعہ بارات کے انتظام میں پسینا آجاتا ہے بھوکے مرتے ہیں مگر کچھ تکلیف نہیں ہوتی بلکہ اسپر فخر کرتے ہیں اور اگر کبھی شکایت بھی کرتے ہیں تو ان کے لہجہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اندر سے ان کا دل خوش اور رشاداں ہے محض شکایت ہے تو وہ شکایت ایسی ہوتی ہے جسکی متعلق مولانا فرماتے ہیں ؎

دل ہمی گوید از و رنجیدہ ام　　　　وز نفاق سست او خندیدہ ام

بعض دفعہ اہل اللہ کے کلمات میں بھی شکایت ہوتی ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شکایت کر رہے ہیں مثلاً ایک عاشق کا شعر ہے ؎

کیا ہی لطف خواب عدم میں تھا نہ تھا زلف یار کا کچھ خیال　سو جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

عـــہ اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں درخواست کرنے والے کی درخواست منظور کرتا ہوں جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست دے سو ان کو چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ فلاح حاصل کر سکیں پ ۲ ع ۶

مگر اُن کے دل سے کوئی پوچھے کہ کیا وہ خدا سے رنجیدہ ہیں یا اُنکو کچھ تکلیف ہے ہرگز نہیں مولانا فرماتے ہیں ؎

ہیچ نبماید دگر صدا ایں جزکہ حیرانی نباشد کار دیں

اب کیا انکو اس سے پریشانی ہے ہرگز نہیں وہ اس کو عوض سلطنت کا بھی نہیں کرتے مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من دل فدائے یار دل رنجان من

غرض قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز سے دلچسپی ہوتی ہے اُنمیں روحانی تکلیف نہیں ہوتی گو جسمانی تکلیف ہو پھر وہ بھی زیادہ محسوس نہیں ہوتی اس لئے بعض دفعہ دنیا والے خوش ہو کر ایسی تکالیف کو بیان کیا کرتے ہیں حالانکہ تکلیف میں خوشی کیسی مگر اس کا راز وہی ہے کہ روح کو دلچسپی کی وجہ سے راحت ہوئی اس لئے جسمانی کلفت کی پروا نہیں کیگئی پھر عادۃ اللہ یہ ہے کہ اسکے بعد ظاہری اور جسمانی نہوت بھی ہو جاتی ہے چنانچہ ذاکرین کو ذکر بعد بھوک نہیں لگتی بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ذکر سے پہلے بھوک لگی ہوئی تھی جسکی وجہ سے ذکر کرنا دشوار معلوم ہوتا تھا مگر ذکر شروع کیا گیا تو بھوک جاتی رہی علامہ ابن القیم جو صوفی مشہور نہیں بلکہ ظاہری عالم سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اسکو تسلیم کرکے کہتے ہیں کہ نور ذکر بمنزلہ غذا کے ہو جاتا ہے اُن کے نزدیک ذکر سے بھوک جاتی رہنے کا یہ سبب ہے کہ نور ذکر غذا کا کام دینے لگا ایک شاعر اسی مضمون کو بیان کرتا ہے

؎ وَذِكْرُكَ لِلْمُشْتَاقِ خَيْرُ شَرَابٍ وَكُلُّ شَرَابٍ دُوْنَهٗ كَسَرَابٍ

صوفیہ کے واقعات تقلیل غذا کے بارہ میں ایسے عجیب ہیں جنکو دیکھکر ماننا پڑتا ہے کہ ذکر بمنزلہ غذا کے ہو جاتا ہے چنانچہ کوئی بزرگ چلہ میں غذا کم کرتے جاتے تھے یہانتک کہ بعض دفعہ چالیس دن میں صرف ایک بادام کھاتے تھے۔ اگر آپ اطباء سے دریافت کریں تو وہ ہرگز اسکو تسلیم نکریں گے کہ چالیس دن میں ایک بادام کافی ہو سکتا ہے بس یہی کہنا پڑے گا کہ ذکر اللہ نے غذا کا کام دیا اور اس میں تعجب کی کیا بات ہے اگر عاشق کو بھوک لگی ہو اور وہ کھانا کھانے بیٹھا ہو اُس وقت اسکا محبوب آجائے تو عاشق کو

بھوک جاتی رہتی ہے اس کی وہی حقیقت ہے کہ محبوب کو دیکھکر ایسی فرحت ہوئی جس
نے غذا کا کام دیا بلکہ سچ پوچھو تو اصلی غذا یہی ہے یعنی فرحت اور جسکو تم غذا کہتے ہو
وہ تو اسی وقت غذا بنتی ہیں جب فرحت موجود ہو چنانچہ اگر کوئی شخص محزون
ہو اسکو جتنے چاہو مال کھلا دو اسکے بدن کو کچھ لگتا ہی نہیں- اور فرحت و نشاط کی حالت
میں معمولی غذا بھی پاؤ قورمہ کا کام دیتی ہے پس معلوم ہوا کہ اصلی غذا فرحت اور بےفکری ہے بلکہ اصلی
دوا بھی ہے کیونکہ اطبا کہتے ہیں کہ فاعل صحت و مزیل مرض دوا نہیں بلکہ طبیعت ہے اور طبیعت اسوقت فاعل
ہوگی جبکہ اسمیں قوت ہو بس دوا کا کام صرف اتنا ہے کہ طبیعت کو قوت دیدے پھر کسی کی طبیعت کو دوا
دارو کرنے سے قوت حاصل ہوتی ہے اور طبائع کو تبرک وا سے قوت حاصل ہوتی ہے تو یہ جو کہا جاتا ہے کہ
فلاں شخص دوا نہیں کرتا یہ غلط ہے وہ بھی حقیقت میں دوا کرتا ہے کیونکہ دوا کی حقیقت
یعنی قوت طبیعت کا سامان وہاں بھی غلط ہے یہ اور بات ہے کہ اسکی تقویت طبع کا یعنی
سامان تبرک دوا ہے اور دوسروں کیلئے دوا ہے تو یہ محض ظاہری فرق ہے ورنہ حقیقی دوا
سے کوئی خالی نہیں غرض یہ تو تحقیق ہوگیا کہ اصلی غذا اور اصلی دوا فرحت و نشاط ہے
خواہ دوا سے ہو یا کسی اور چیز سے چنانچہ ذاکرین کو ذکر اللہ کی بدولت نشاط فرحت حاصل ہوتا
ہے اس لئے وہ ان کو غذا اور دوا کا کام دیتا ہے- اور کسی کو اپنے محبوب کی دیکھنے سے
نشاط ہوتا ہے اسکو محبوب کا دیکھ لینا دوا سے بڑھکر نافع ہو جاتا ہے چنانچہ اگر کوئی عاشق
بیمار ہو اور مشرف بہلاک ہو اس حالت میں اسکا محبوب چلا آوے تو عاشق
محبوب کو دیکھکر اوٹھ بیٹھتا ہے- مجھے اپنا واقعہ یاد ہے کہ ایکبار میرے والد صاحب
مرحوم الہ آباد میں بیمار ہوگئے میں کانپور سے دیکھنے گیا تو مجھے دیکھکر اوٹھ بیٹھے اور
کھڑے ہوگئے اور ٹہلنے لگے یا بیٹھ گئے حالانکہ اس سے پہلے کروٹ لینے میں بھی تکلف
ہوتا تھا تو محبوب کا دیکھنا دوا سے بھی زیادہ نافع ہوتا ہے- ایک دفعہ میں مولانا رفیع الدین صاحب
مہتمم مدرسہ دیوبند کی عیادت کو گیا کیونکہ وہ سخت بیمار تھے مولانا کو مجھ سے بہت محبت
تھی تو مجھ سے مل کر فرمانے لگے کہ تجھے دیکھکر تو میری بیماری جاتی رہتی ہے [illegible]

اور دوسرا واقعہ دینی بزرگ کا ہے معلوم ہوا کہ اصل قوت چیز فرحت ہے یہی تمام غذاؤں
کی جڑ ہے اور یہ چیز بذات خود بھی غذا کا کام دیتی ہے ورنہ اقل درجہ یہ ہے تو ضروری ہے کہ
بدون اسکے کوئی غذا غذا نہیں بنتی جب یہ مقدمہ سمجھ گئے تو اب بزرگان دین کی تقلیل غذا
پر کوئی وجہ حیرت نہیں کیونکہ ان حضرات کو ذکر اللہ سے ایسا نشاط حاصل ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی
مفرح یاقوتی اور خمیرہ ایسا نشاط نہیں پیدا کر سکتا تو وہ ایک بادام پر چالیس دن تک
کفایت کر سکتے ہیں کیونکہ ظاہر میں تو انہوں نے ایک بادام کھایا مگر حقیقت میں کثرت ذکر
کی وجہ سے وہ تو سیروں بادام کھا گئے بلکہ بادام سے بھی بڑھکر مقوی غذا کھا گئے پس روزہ میں
حقیقی یُسر تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمکو اس سے دلچسپی عطا فرمائی ہے اور دلچسپی کی چیز سے فرحت ہوتی
ہے چنانچہ مشاہد ہے کہ روزہ سے طبیعت کو ایسی تازگی ہوتی ہے کہ باوجود ضعف بدن کے
کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی پھر عادۃ اللہ یہ ہے کہ روزہ میں کہ تمام طاعات میں روحانی
یُسر کے ساتھ جسمانی یُسر کے اسباب بھی عطا فرما دیتے ہیں چنانچہ اس سال باوجودیکہ رمضان
سخت گرمیوں میں ہے مگر رمضان کے آتے ہی بادل اور بارش کا سامان ہو گیا جس سے جسمانی
راحت بھی حاصل ہوئی شعبان میں روزہ رکھا تھا تو سخت تکلیف ہوئی تھی مگر بحمد اللہ
طبیعت کو اس سے بھی فرحت ہوئی اسی لئے باوجود جسمانی کلفت کے روزہ گراں نہیں ہوا اور
خوبی کے ساتھ پورا ہو گیا رمضان سے پہلے نصف شعبان کا روزہ مشروع ہونے کی یہ بھی ایک حکمت
ہے کہ روزہ سے گونہ مناسبت ہو جائے اسکے بعد جب رمضان آئیگا تو روزہ کا اثر زیادہ نہ ہوگا بلکہ
دل یوں کہیگا کہ جیسا شعبان کا روزہ تھا ویسا ہی رمضان کا ہوگا اس سے زیادہ کیا ہوگا چنانچہ بحمد للہ
اب رمضان کے روزہ کا اثر زیادہ نہیں ہوا گو کسیقدر ضرور ہوا اور اگر بالکل بھی اثر نہ ہوتا
تو آپ خود اس تجویز کو بدلتے اور اسکی تمنا کرتے کہ کچھ تو اثر ہوتا چنانچہ جاڑوں کے روزہ میں
لوگ کہا کرتے تھے کہ روزہ کا مزا نہ آیا روزہ کا مزا تو گرمی کے روزہ میں ہے کہ افطار سے پہلے چھڑکاؤ
ہو رہا ہے ٹھنڈے پانی کا اہتمام ہو رہا ہے کوئی شربت بنا رہا ہے کوئی برف لا رہا ہے
جاڑوں میں تو یہ خیالات تھے کہ اب گرمی کے روزہ سے کیوں گھبراتے ہو یہ تو تمہاری ہی تجویز کردہ ہے
وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ولعل

حضرات صحابہؓ نے جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے کیونکہ غزوہ بدر دفعۃً ہوگیا جسکا
کسی کو گمان بھی نہ تھا جہاد کا شوق ظاہر کیا تھا کہ اگر غزوۂ بدر کے بعد کبھی جہاد کا موقعہ ہوا تو
سب دیکھ لیں گے کہ ہم اسکے راستہ میں کس طرح جانبازی کرتے ہیں اسکے ایک سال بعد ہی
غزوۂ احد ہوگیا جسمیں اول تو مسلمان غالب ہوگئے تھے پھر ان کے قدم اکھڑ گئے اسپر یہ آیت
نازل ہوئی کہ تم تو موت کی تمنا کرتے تھے لو اب تو اس کو اچھی طرح دیکھ لیا یہی حالت روزہ کے
متعلق ہماری ہے کہ جاڑوں میں تو گرمیوں کے روزہ کی تمنا کرتے تھے جب گرمیوں میں رمضان
آیا تو بہت سے گھبرا گئے۔ اب اگر رمضان میں سختی بھی رہتی تو کیا حرج تھا کیونکہ وہ تو منہ
مانگی مراد تھی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ پر سختی نہیں کی بلکہ لطف فرمایا کہ گرمی کی تکلیف بھی رفع
فرمادی بارش کا سامان کردیا چنانچہ سارا رمضان بادل و بارش میں گذر گیا اگرچہ اس وقت
رمضان کے دن لمبے تو ہیں خصوصاً مجھے اس سال زیادہ لمبے اسلئے معلوم ہوتے ہیں کہ
اس سال میں نے رمضان میں سوائے جوابات ڈاک کے اور تلاوت قرآن کے اور سب
کام چھوڑ دئے تعلیم و تلقین بھی بند کر دی تالیف و تصنیف بھی ملتوی کر دی اور ایسی حالت
میں قاعدہ ہے کہ دن زیادہ لمبا معلوم ہوتا ہے اگر آدمی ہر وقت کسی نہ کسی کام میں لگا رہے
تو دن لمبا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر الحمد للہ کہ دن لمبے ہوتے ہوئے بھی تکلیف کچھ نہیں معلوم ہوئی۔
کیونکہ گرمی کم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ اپنے بندوں کی مدد کام میں بھی
کرتے ہیں اسباب میں بھی کرتے ہیں حالانکہ اہل دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ صرف اسباب میں
مدد کرتے ہیں کام میں مدد نہیں کرتے آپ اگر کسی معمار کو اپنے کام پر لگائیں تو کام میں آپ
اسکی مدد نہیں کیا کرتے مثلاً جس وقت وہ کام کرنے بیٹھے اس وقت آپ اس کا کام بٹوا دیں
صرف اسباب میں امداد کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ کا لطف یہ ہے کہ اسباب میں بھی مدد کرتے
ہیں اور کام میں بھی حقیقت میں جو کچھ تھوڑا بہت کام ہم سے ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد سے
ہو جاتا ہے بس ہماری کام کی ایسی مثال ہے جیسے آپ قلم ہاتھ میں لیکر بچہ کا ہاتھ بھی اس پر
رکھ لیں اور ایک خوشخط تحریر لکھدیں اور بچہ کی تعریف کریں کہ شاباش تم نے خوب لکھا اور
وہ بچہ نادان بھی یہ سمجھکر کہ میں نے لکھا ہے خوش ہوتا ہے حالانکہ اس کا تو نام ہی نام ہے

کام تو اور کسی کا تھا یہی حالت ہماری کام کی ہے ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوے چیں بستہ اند

لوگوں نے یہ تو دیکھ لیا کہ روزہ ہمارے منہ میں ہے مگر یہ خبر نہیں کہ منہ کس کے ہاتھ میں ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے
یک دہاں پنہان ست در لبہاے وے

یک دہاں نالاں شدہ سوے شما
ہاے ہوئے در فگندہ در سما

یہی حال ہمارا ہے کہ ہمکو اس کا خیال نہیں کہ ہمارا منہ کس کے ہاتھ میں ہے کیونکہ اصل میں منہ سے کھانا قلب کے قبضہ میں ہے۔ اگر دل میں تقاضا نہوتا تو کھانا محال ہوجاتا اور دل خدا کے قبضہ میں ہے تو یہ خدا تعالیٰ کی اعانت ہے کہ انھوں نے روزہ کے اندر آپ کی دل سے کھانے پینے کا تقاضا نکالدیا اگر وہ تقاضا نہ نکالتے تو آپ کی مجال تھی کہ روزہ رکھ لیتے بس ہماری مثال ایسی ہے جیسے قلم ناز کرنے لگے کہ میں نے ایسا لکھا اور میں ایسا خوش تحریر ہوں اور ناداں یہ نہیں دیکھتا کہ وہ خود کسکے قبضہ میں ہے ؎

اے قلم بنگر گر اجلالیستی
درمیان اصبعین کیستی

یہ خدا کی رحمت ہے کہ دل کے واسطے لغت ہی ملہم ہے دل کو قلب اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ اولٹ پلٹ ہوتا رہتا ہے ایک تنکا ہماری ہاتھ میں ہو اور آندہی میں ثابت قدم رہے اور اس ثبات پر نازاں ہو تو اسکی حماقت ہے کیونکہ چھوڑ دینے کے بعد وہ کہیں سے کہیں ہوگا پس اب جو لوگ اپنی ثابت قدمی پر نازاں ہیں وہ گریباں میں منہ ڈالکر دیکھیں کہ یہ ثابت قدمی اور استقلال اور پابندی اوقات اور ضبط معمولات کسکی بدولت ہے یہ محض خدا کا لطف ہے کہ انھوں نے آپ کے دل میں تقاضا پیدا کر دیا ہے ورنہ کچھ بھی نہو سکتا اسی لئے حق تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے دل کو تقویت دی ہم نے آپ کو ثابت قدم رکھا۔ اور یہ بھی ایک دلیل ہے قرآن کی حقانیت کی ورنہ بشر اپنے کلام میں ضرور دبتا ہے (یعنی وہ کسی نہ کسی سے ضرور دبتا اور رکتا رہتا ہے) اور قرآن کریم کو دیکھکر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس کا متکلم کسی سے نہیں دبتا اسپر کسی کا اثر

نہیں چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بیدھڑک ارشاد ہے وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًاۗ ہ اور یہ بات اگرچہ بہی ڈر کی بات ہے کہ قلوب خدا کے قبضہ میں ہیں معلوم نہیں کدہر پھیر دیں مگر غور کرنے سے اسمیں ایک لطیف بات نکلتی ہے وہ یہ کہ حقیقت میں یہی بڑی رحمت ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمکو اپنے ہی قبضہ میں رکھا ہمارے قبضہ میں نہیں دیا۔ کیا بچہ کیلئے ماں کی گود میں رہنا رحمت نہیں بیشک رحمت ہے ورنہ معلوم نہیں کہاں پہونچکر ہلاک ہو اسی طرح ہمارے اندر علم کامل نہیں ہم کو اپنی جان کے ساتھ رحمت کامل نہیں اگر ہمکو ہمارے اختیار پر چھوڑ دیا جاتا تو نہ معلوم ہم اپنے کو کہاں لیجاکر برباد کرتے اگر تین چار برس کا بچہ یہ تمنا کرے کہ میں آزاد ہوتا تو خوب کھاتا پیتا یہ اسکی جہالت ہے۔ اگر باپ اُسکو آزاد کردے تو حقیقت معلوم ہوجائے۔ صاحبو! دوسری کے قبضہ میں ہونا جب مضر ہے جب کہ قبضہ والا رحیم وشفیق نہو اگر قابض رحیم وشفیق ہو تو پھر دوسری ہی کے قبضہ میں رہنا مفید ہوتا ہے۔ صاحبو! اگر قلوب خدا کے قبضہ میں نہ ہوتے اور روزہ روزہ کی حالت میں دل سے کہانے پینے کا تقاضا نہ نکالتے تو روزہ رکھنا دشوار ہوجاتا یہ خدا کی رحمت ہے کہ اس نے کہانے پینے کی خواہش ہمارے دل سے نکالدی پس متقی ناز نکرے کہ میں متقی ہوں صاحب تم متقی بنادئے گئے ہو ورنہ کیا مجال تہی غرض یہ محض خدا کا فضل ہے۔ کہ اس نے قلوب اپنے قبضہ میں رکھے جس سے ہمارے تقویٰ کا نام روشن ہے۔ اب اس حقیقت پر نظر کرکے معلوم ہوگا کہ سارا کام اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں صاحبو! ایسی مثال آپکو مخلوق میں نہیں مل سکتی کہ کوئی سارے کام میں اوّل سے آخیر تک آپ کی امداد کرے پھر اسپر انعام بہی دے یوں تو ہر کام میں ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے انجام پاتا ہے مگر روزہ میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اپنی امداد و اعانت کو ظاہر فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ دوسرے جملہ کے معنی یہ ہیں کہ یرید بکم عدم العسر کیونکہ یرید بکم الیسر کے بعد اس کا آنا اسی بات کو چاہتا ہے کہ یہ بمنزلہ تاکید کے ہے اور تاکید یہی ہے کہ عسر رفع ہو جائے کیونکہ ہر وجودی شئے کا تحقق ثبوت شرائط پر جس طرح موقوف ہے اسی طرح رفع موانع پر ہی موقوف ہے اسیوجہ سے یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ میں امر وجودی کو بیان کیا گیا

حـ ہ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ انکی طرف کچھ تھوڑا سا جھکنے کے قریب جا پہنچتے پ ۱۵ بنی اسرائیل رکوع

اور لا یرید بکم العسر میں امر عدمی یعنی ارتفاع اضداد وموانع کو بیان کیا گیا پس لا یرید بکم العسر سے یرید بکم عدم العسر کا مفہوم ہونا ایسا ہے جیسا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکَافِرِیْنَ سے بغض الکافرین کا مراد ہونا ترجمہ ان دو جملوں کا یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ روزہ میں تم کو آسانی دینا اور تنگی کا رفع کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد ارشاد ہے وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ اس جملہ میں ایک عجیب بات غور کرنے کی ہے وہ یہ کہ اس میں واؤ عطف کا ہے اور لام غایت کا ہے واؤ عطف معطوف علیہ کو چاہتا ہے اور لام غایت عامل کو چاہتا ہے پس یہاں دو تقدیریں ہیں ایک لتکملوا العدۃ کا عامل دوسرا اس عامل کا معطوف علیہ پس عامل یہ ہے یسر لکم جو یرید اللہ بکم الیسر سے مفہوم ہوتا ہے اور معطوف علیہ یہ ہے کہ شرع لکم الاحکام المذکورۃ جو اوپر کی آیتوں سے مفہوم ہے مشہور توجیہ یہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے روزہ کو مشروع کیا اور اس کے احکام میں سہولت کی رعایت کی تاکہ تم ایک مہینہ کی شمار پوری کرلو کیونکہ اس شمار کے پورا کرنے میں تمہارے واسطے منافع ہیں اس سے یہ لازم آیا کہ اکمال عدت مقصود ہے کیونکہ اس پر لام غایت داخل ہوا ہے اور ہر کلام میں غایت زیادہ مطمح نظر ہوتی ہے کیونکہ وہ مقصود ہے مگر اس تقدیر مشہور میں صرف اکمال عدت کی مقصودیت ثابت ہوئی یسر کی مقصودیت ثابت نہ ہوئی حالانکہ ظاہراً اثبات یسر زیادہ مہتم بالشان معلوم ہوتا ہے اس لئے دوسری توجیہ یہ ہے کہ یرید اللہ بکم الیسر کو قوت میں اسی جملہ کے کیا جاوے کہ یرید بکم الیسر اور اس کا عامل شرع الخ کو کہا جاوے پس کلام کا حاصل یہ ہوگا کہ شَرَعَ اللّٰہُ لَکُمْ مَاذُکِرَ لِیُرِیْدَ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلِیَرْفَعَ عَنْکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کے احکام مذکورہ کو اس لئے مشروع کیا کہ وہ تم کو آسانی دینا اور تنگی رفع کرنا چاہتے ہیں اور اس لئے مشروع کیا تاکہ تم شمار کو پورا کرلو۔ اس صورت میں دو مقصود ہوئے ایک یسر کہ اول مذکور ہونیکے سبب اصلی مقصود ہوا اور دوسرا اکمال عدت کہ تاخر فی الذکر کے سبب دوسرے درجہ میں مقصود ہوا کیونکہ عادۃً یہی ہے کہ اگر کوئی عارض نہ ہو تو اہم کو ذکر میں مقدم رکھتے ہیں پس آسانی اس توجیہ پر غایت درجہ کی آیت کی مدلول ہوگی کیونکہ مدخول لام ہونے کے سبب وہ خود بھی مقصود ہوگی اگرچہ ثواب وقرب ورضا مقصود المقصود ہے مگر آسانی بھی فی

تفسیر مقصود ہوگی اس تقدیر پر صرف عامل مقدر ہوگا باقی معطوف علیہ ظاہر ہوگا اس لئے یہی اولیٰ ہے اور ہر حال میں یسر ثابت ہے اب اس ثبات یسر پر جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان کو بیان کرتا ہوں اول یہ کہ بے روزوں کو شرم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تو صاف وعدہ فرماتے ہیں کہ ہم روزوں میں تم کو آسانی دینا چاہتے ہیں تنگی کو رفع کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ لوگ روزہ میں دشواری ظاہر کر کے ناحقیقت شناس مخالفین کو قرآن خداوندی پر ظاہرا اعتراض کا موقع دیتے ہیں اے ظالمو تم نے روزہ رکھ کر تو دیکھا ہوتا اس کے بعد ہی اس کو دشوار کہا ہوتا سب سے اول تو روزہ میں روحانی یُسر آپ کو عطا ہوتا کہ اس سے دلچسپی ہو جاتی پھر جسمانی یُسر بھی حاصل ہوتا غرض اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتے ہیں کہ ہم روزہ کو آسان کر دیں گے اور مراد کا ارادہ الٰہیہ تخلف ہو نہیں سکتا تو یہ مراد یقیناً متحقق ہوگی چنانچہ مشاہد ہے کانپور میں ایک شخص نے چالیس سال تک روزہ نہیں رکھا تھا میں نے ان سے کہا کہ یہ تو بہت آسان چیز ہے تم رکھ کر تو دیکھو پھر چاہے رکھنے کے بعد درمیان میں دشواری معلوم ہوگی توڑ دینا انھوں نے رکھا اور روزہ پورا ہو گیا تو بعد میں اقرار کیا کہ واقعی بہت آسان چیز ہے پھر رکھنے لگے یہ روزہ کی خاصیت ہے کہ اس میں ترک طعام و شرب آسان ہو جاتا ہے اگر کوئی بدون نیت صوم کے دن بھر بھوکا پیاسا رہنا چاہے تو بہت دشوار ہے مگر نیت کے بعد آسان ہو جاتا ہے ان دونوں صورتوں میں وجہ فرق صرف یہی ہے کہ پہلی صورت میں صوم نہیں اور دوسری صورت میں صوم ہے شاید کسی کو یہاں شبہ ہو کہ روزہ میں تو یاس ہو گیا کہ اب شام تک کھا پی نہیں سکتے اس لئے آسان ہو گیا اور بدون نیت صوم کے امساک عن الطعام اختیاری ہوتا ہے اس لئے صبر نہیں آتا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے مگر ایک دوسرا طبعی قاعدہ اس کے معارض ہے وہ یہ کہ امر کے بعد کام دشوار ہو جاتا ہے اور آزادی میں

تکلیف نہیں ہوتی دوسرے وہاں بھی یہ فرض کرلیا جائے کہ کھانے پینے سے کوئی مانع قوی موجود ہو مثلاً طبیب نے کھانے پینے سے منع کردیا ہو تو باوجود بھوک آجانے کے پھر بھی روزہ کی برابر فاقہ میں سہولت نہیں ہوتی اس پر شاید یہ جواب کہا جائے کہ مخلوق کا منع کرنا خالق کے منع کرنے کے برابر تھوڑا ہی ہے اس لئے وہاں صبر نہیں آتا اور یہاں آجاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غرض خدا ہی کے امر کی وجہ سے تو ہوا پس ہمارا مدعا ثابت ہوگیا کہ روزہ کو اللہ تعالیٰ آسان کردیتے ہیں گو اس کی یہی صورت ہوئی کہ روزہ دار کے دل میں روزہ کی عظمت پیدا کرکے اس کو صبر دیدیا بہرحال روزہ بہت آسان ہے اب جو لوگ روزہ نہیں رکھتے ان کی کم ہمتی پر افسوس ہے کہ ایسا آسان کام بھی ان سے نہیں ہوتا جس کے آسان کردینے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے وہ پورا بھی کرادیا اب آیت کا مطلب سنئے حاصل آیت کا یہ ہوا شَرَعَ اللّٰہُ لَکُمُ الصَّوْمَ لِلْیُسْرِ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ جس میں متعدد غایات ہیں اور ایک غایت پر دوسری غایت مرتب چلی گئی ہے اس میں خدا تعالیٰ کی ایک نعمت تو یہ ہے کہ روزہ کو مشروع کیا ورنہ ہم کیسے رکھتے دوسرے یہ کہ اس کو آسان کردیا تیسرے یہ کہ احکام میں ایسی رعایت فرمائی جس سے شمار کا پورا کرنا آسان ہوگیا اس کے بعد خدا تعالیٰ کی عظمت دل میں آتی ہے تو اس پر خدا کی تکبیر کہو گے یہ چوتھی نعمت ہے اب اس کا دشوار ہونا ایسا ہے جیسا ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میاں لا الٰہ الا اللہ سے زیادہ کیا چیز آسان ہوگی مگر کفار کے لئے یہ سب سے زیادہ دشوار ہے تو اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ جن لوگوں کو آسان ہے وہ خدا تعالیٰ کا فضل ہی ہے ورنہ ہم لوگ اپنی قوت سے کوئی کام نہیں کرسکتے جب تک اللہ تعالیٰ اس کو آسان نہ کردیں عوارف میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ کسی زمانہ میں انہوں نے زبان سے کوئی کلمہ

ناگوار خلاف شرع نکل گیا تھا اس کے بعد وہ ولی ہوئے صاحب معرفت
شیخ ہوئے مگر اس کلمہ کا کہنا یاد بھی نہ رہا اس سے خاص توبہ نہیں کی ایکدن
لا الٰہ الا اللہ کہنے کا ارادہ کیا تو زبان سے کلمہ نہ نکلا اور سب باتیں کہہ سکتے
تھے مگر لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ سکتے تھے یہ حالت دیکھکر لرز گئے جناب باری
میں دعا کی کہ یہ میرے کس گناہ کی سزا ہے مجھے بتلایا جائے الہام ہوا کہ فلاں
زمانہ میں تم نے فلاں کلمہ کہا تھا اور اب تک اس سے استغفار نہیں کیا
اس لئے آج اتنے برس کے بعد ہم نے اس کی سزا دی یہ فوراً سجدہ میں گر پڑے
اور توبہ کی تو فوراً زبان کھل گئی اسی واقعہ سے سمجھنا چاہیے کہ کبھی طاعت
کی دشواری کا سبب دوسرے معاصی بھی ہو جاتے ہیں اس کا علاج توبہ و
استغفار ہے کبھی دشواری کا سبب وحشت بھی ہوتی ہے کہ ذکر اللہ سے
وحشت ہے وحشت کی وجہ سے اللہ اللہ نہ کہہ سکے آپ بہت لوگوں کو
دیکھیں گے کہ وہ بہت وقت بیکار ضائع کرتے ہیں مگر ذکر اللہ کے لئے ان
کی زبان نہیں اٹھتی اس سبب کا سبب بھی وہی معصیت ہے کہ اس کی
وجہ سے ان کے دل کو ذکر اللہ سے وحشت ہے اسی کو ایک شاعر کہتا ہے

شعر: تُحِبُّ مُنَاجَاةَ الْحَبِيبِ بِأَوْجُهٍ ۝ وَلٰكِنَّ لِسَانَ الْمُذْنِبِينَ كَلِيلُ

اسی واسطے بے ضرورت گناہوں کو یاد کرنا اپنے ہاتھوں وحشت کا سامان
کرنا ہے اسی کے متعلق شیخ ابن عربی نے لکھا ہے کہ گناہ معاف ہو جانے کی
ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ گناہ دل سے مٹ جائے اور جب تک
وہ مٹے گا نہیں قلب پر وحشت سوار رہے گی جو اس گناہ کی سزا ہے اس کی
شرح میں مشائخ طریق کا ارشاد ہے کہ گناہ کے بعد جی بھر کے توبہ کر کے
پھر اس کو جان جان کر یاد نہ کرے اس سے بندہ اور خدا کے درمیان ایک
حجاب سا معلوم ہونے لگتا ہے جو محبت اور ترقی سے مانع ہے ایسی
ہی وجہ دوستوں میں اگر کچھ رنجش ہو جائے پھر صفائی کے بعد اس کو بار بار

یاد نہ کرے۔ غرض توبہ کے لئے تو گناہ کو یاد کرے مگر توبہ کے بعد پھر اس کو یاد نہ کرے بلکہ دل سے نکال دے ورنہ اسکی ایسی مثال ہوگی جیسے ایک شخص کو تحصیلداری مل جائے اور وہ روز روز اپنے افسر سے یوں کہے آپ مجھے برخاست تو نہیں کریں گے ظاہر ہے کہ اس حرکت سے افسر کا دل ضرور افسردہ ہوگا اور پہلے خود اس کا دل افسردہ ہوگا جب ہی تو اس کی زبان سے بار بار یہ کلمہ نکلتا ہے پس حق تعالیٰ تو تاثر سے بری ہیں مگر تم تو متاثر ہوگے جب تم بار بار گناہ کو یاد کرکے دل کو افسردہ کرلوگے اور محبت میں ترقی نہ کرسکوگے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہاں سے بھی عطائیں کم ہوں گی کیونکہ جزاء و ثمرات کا ترتب عمل پر ہوتا ہے خواہ عمل جوارح ہو یا عمل قلب ہو خوب سمجھ لو گناہوں کے یاد کرنے پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا حاجی عبدالرحیم صاحب سہارنپوری ایک قصہ فرماتے تھے کہ حج کے موسم میں ایک شخص جمرہ عقبہ پر بجائے کنکریوں کے جوتے مار رہا تھا اور کہتا جا رہا تھا کہ مردود شیطان تو نے مجھ سے فلاں دن یہ گناہ کرایا یہ کہتا جاتا اور جوتے مارتا جاتا تھا یہ حرکت بہت بری تھی ایک تو گناہوں کا یاد کرنا پھر ان کو ظاہر کرنا بعض لوگ توبہ کرکے ڈرتے رہتے ہیں کہ مبادا توبہ ٹوٹ جائے۔ یہ فکر بھی اچھا نہیں مولانا اس کو بھی حجاب فرماتے ہیں ؎

ماضی و مستقبلت پردہ خدا ست

یہ خوف بھی چھوڑ دینا چاہئے صفائی کے وقت کدورتوں کو یاد نہ کرنا چاہئے اس سے کبھی ایسی وحشت سوار ہوتی ہے کہ ذکر اللہ بھی نہیں کرسکتے لیکن اگر از خود یہ چیزیں یاد آجائیں تو پھر تجدید استغفار و دعا ضروری ہے۔ یہ تو ذکر نہ کرسکنے کا وہ سبب تھا جو اکثری اور کبھی ذکر نہ کرسکنے کا سبب کسی حالت محمودہ کا غلبہ بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ

کی خدمت میں ذکر و شغل کے لئے مقیم تھے اس وقت اور سب حضرات اپنا اپنا حال حضرت حاجی صاحب سے عرض کرتے تھے مگر مولانا کچھ عرض نہ کرتے تھے تو ایک دن حاجی صاحب نے خود فرمایا کہ مولانا سب لوگ اپنی اپنی حالت بیان کرتے ہیں آپ کچھ نہیں کہتے۔ اس پر مولانا نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت میں کیا حال عرض کروں مجھ سے تو وہ کام بھی پورا نہیں ہوتا جو حضرت نے بتا رکھا ہے بس ذکر کرنے بیٹھتا ہوں ایسا بوجھ طاری ہوتا ہو کہ زبان و قلب دونوں بند ہو جاتے ہیں حضرت کے فیض میں تو کمی نہیں مگر میری ہی کم نصیبی ہے ؎

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

حاجی صاحب نے اس حال کو سنتے ہی فرمایا کہ مولانا مبارک ہو یہ علوم نبوت کا ثقل ہے جو آپ کو عطا ہونے والے ہیں اور یہ اسی ثقل کا نمونہ ہے جو نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا تھا اس وقت قلب و زبان کا ذکر سے بند ہو جانا غایت قرب کی وجہ سے ہے جس کو شاعر کہتا ہے ؎

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آجائے ہے، تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

اور جب دل کی یہ حالت ہوتی ہے تو زبان بھی نہیں اٹھتی۔ اس واقعہ سے حضرت حاجی صاحب کا شیخ و مجتہد اور مجدد فن ہونا ظاہر ہوتا ہے حضرت حاجی صاحب نے یہ تشخیص ایسے وقت فرمائی جبکہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے علوم کا ظہور بھی نہ ہوا تھا بعد میں حاجی صاحب کے ارشاد کی تصدیق ظاہر ہوئی۔ اور اگر حاجی صاحب یہ تشخیص نہ فرماتے تو مولانا تو اس حالت کو بعد ہی سے ناشی سمجھتے رہتے حاجی صاحب ہی کا کام تھا کہ ایسے ایسے جلیل القدر علماء کو سنبھالتے تھے دوسرا قصہ حضرت شیر خاں صاحبؒ کا ہے جو میانجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں تھے جب ان کا

انتقال ہونے لگا نزع کی حالت شروع ہوئی تو لوگوں نے ان کو کلمہ طیبہ تلقین کیا وہ اس سے منہ پھیر لیتے تھے یہ حالت دیکھکر لوگ گھبرا گئے اور میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا میاں جی صاحب نے پوچھا کہ شیر خاں کیا حالت ہے فرمایا الحمد للہ اچھا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کو منع کر دیجئے کہ مجھے مسمی سے اسم کی طرف متوجہ نہ کریں حضرت میاں جی صاحب نے لوگوں سے کہا کہ ان کو پریشان نہ کرو یہ مشاہدہ مسمی میں مستغرق ہیں تم ان کو مسمی سے اسم کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہو سچ ہے ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام   پس سخن کوتاہ باید والسلام

کامل کی حالت کا ناقص کو علم نہیں ہو سکتا۔ انبہٹہ میں حضرت حاجی صاحب کے ایک مرید تھے اور ان کے بڑے بھائی خاندان نقشبندیہ کے شیخ تھے وہ ان سے کہا کرتے تھے کہ تم مجھ سے بھی کچھ حاصل کر لو ورنہ پچھتاؤ گے وہ جواب دیا کرتے کہ میرے شیخ مجھے کافی ہیں مجھے کسی سے رجوع کی حاجت نہیں اتفاق سے ان چھوٹے بھائی کا انتقال ہونے لگا تو ان کی بھی یہی حالت ہوئی جو شیر خاں صاحب کی حالت تھی کہ لوگ ان کو کلمہ پڑھانا چاہتے تھے اور یہ نہیں پڑھتے تھے اس کی اطلاع بڑے بھائی کو ہوئی وہ آئے اور ان سے کہنے لگے کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ مجھ سے بھی کچھ حاصل کر لو مگر تم نے نہ مانا دیکھا اب کیا حالت ہے کہ کلمہ بھی نہیں پڑھ سکتے اس پر انہوں نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور بڑے جوش میں یہ آیت پڑھی یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ حالانکہ یہ شخص ترجمہ قرآن سے واقف نہ تھے اس وقت اس کی زبان سے اس آیت کا نکلنا صاف اس کی دلیل تھی کہ غیب سے اس کی زبان پر یہ آیت جاری کی گئی ہے یہ جواب سنکر وہ شیخ شرمندہ ہو گئے اور حاجی صاحب کے سلسلہ والوں کو خاص مسرت ہوئی۔ بہر حال کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ

ترجمہ کاش کہ میری قوم کو بھی بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا

غایت قرب کی وجہ سے زبان ذکر سے بند ہو جاتی ہے اس لئے نزع
کیحالت میں کوئی مسلمان اگر کلمہ نہ پڑھے تو اس سے بدگمان نہ ہونا
چاہیئے ممکن ہے اس کی وجہ غایت قرب ہو اور کبھی گناہ کی وجہ سے بھی
طاعات بند ہو جاتی ہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ
یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا ۔ اور جیسے
گناہوں میں یہ اثر ہے کہ طاعات کو بند کر دیتے ہیں ایسے ہی طاعات میں
یہ بھی اثر ہے کہ ان کی وجہ سے دوسری طاعات ہونے لگتی ہیں بلکہ
اس کا اثر اولاد میں بھی پہونچتا ہے باپ کی طاعات سے اولاد کو بھی طاعات
کی توفیق ہوتی ہے مگر گناہ کا اثر اولاد میں نہیں پہونچتا ہاں دنیوی تکلیف
کچھ پہونچ جاتی ہے طاعات کا یہ بھی اثر ہے کہ ان کی برکت سے گناہ کا سلسلہ
بند ہو جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ گناہ مقدر بتقدیر معلق ابھی ٹل جاتا ہے چنانچہ
حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کا ایک مرید تھا بہت نمازی تہجد گذار پابند
ذکر و شغل اس کو ایک رات میں ستر بار احتلام ہوا وہ بڑا پریشان ہوا کہ
یہ کیا مصیبت ہے ساری رات غسل ہی میں گذر گئی نہ تہجد رہا نہ ذکر و شغل
صبح کو شیخ سے حالت عرض کی فرمایا کہ تم اس حالت سے مغموم مت ہو۔
مجھے معلوم ہوا تھا کہ تیری تقدیر میں ستر دفعہ زنا کرنا لکھا ہوا ہے میں نے دعا
کی تھی کہ اے اللہ اس بلا سے نجات دیجئے اللہ تعالےٰ نے میری دعا سے بیداری
کے زنا کو خواب کے زنا کی طرف منتقل فرما دیا ہے جس میں گناہ ہی نہیں ہوا
اب تم بے فکر رہو بڑی بلا ٹل گئی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو کچھ ہم ذکر وغیرہ
کر رہے ہیں اور آسانی سے کر لیتے ہیں یہ آسانی خدا تعالیٰ کی عطا ہے ورنہ
بہت سی مخلوق ایسی بھی ہے جس کو ذکر کی توفیق نہیں اور ان کے لئے یہ کام
سب سے زیادہ دشوار ہے اس پر میں نے استطراداً یہ بھی بتلا دیا تھا کہ
بعض دفعہ ذکر سے زبان بند ہونے کا سبب غایت قرب بھی ہوتا ہے

ے یقیناً تم میں جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال کے سبب۔ بیان القرآن

بہر حال آپ کو جو کلمہ شریف پڑھنا آسان ہے یہ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے
ورنہ کبھی یہ بھی بند ہو جاتا ہے اس لئے حضرت حاجی صاحب سے جب
کوئی ذاکر یہ عرض کرتا کہ ذکر سے نفع نہیں معلوم ہوتا تو حضرت یہ جواب دیا کرتے
کہ یہ نفع کیا تھوڑا ہے کہ خدا کا نام زبان سے نکل رہا ہے اور یہ شعر پڑھتے

یابم اورا یا نیابم جستجوئی می کنم حاصل آید یا نیاید آرزوئی می کنم

ذاکرین اس جواب کی قدر کریں کیونکہ شیطان ان کو اس قسم کے دھوکے بہت
دیا کرتا ہے چنانچہ مثنوی میں ایک ذاکر کا قصہ لکھا ہے کہ ایک رات اس کو
شیطان نے بہکایا کہ تم کو ذکر کرتے تہجد پڑھتے برس گذر گئے مگر اللہ تعالیٰ
کی طرف سے نہ پیام ہے نہ سلام ہے جب وہ پوچھتے ہی نہیں تو کیوں سر
مارا۔ یہ وسوسہ آتا تھا کہ اس نے اس رات کا تہجد و ذکر موقوف کر دیا مگر چونکہ
خدا کا مجذوب بن چکا تھا گو خود اسے اپنی حالت کی خبر نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ
نے دستگیری فرمائی کہ خواب میں ایک لطیفہ غیبی نے آکر اللہ تعالیٰ کی طرف
سے سوال کیا آج تم نے ہم کو کیوں بھلا دیا اس نے وہی جواب دیا جو شیطان
نے پڑھایا تھا کہ آپ کو یاد کرتے کرتے برس گذر گئے جب آپ نے خبر ہی نہ لی
تو میں نے سوچا کہ مجھے ہی سر مارنے کی کیا ضرورت ہے لطیفہ غیبی نے جواب دیا

گفت آں اللہ تو لبیک ماست ویں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

کہ میاں ایک بار اللہ کہہ کر جو تم کو دوبارہ اللہ کہنے کی توفیق ہو گئی تو یہی
ہمارا جواب ہے اگر پہلا ذکر قبول نہ ہوتا تو ہم زبان کو ذکر سے بند کر دیتے حضرت
حاجی صاحب نے اس کو خوب روشن کر کے بیان فرمایا اگر ایک حاضری میں
بادشاہ ناراض ہو جائے تو کیا دوسری بار وہ دربار میں گھسنے دے گا ہر گز
نہیں پس جب تم ایک مرتبہ نماز کے لئے مسجد میں آ گئے اس کے بعد پھر
توفیق ہوئی تو سمجھ لو کہ پہلی نماز قبول ہو گئی اور تم مقبول ہو مردود ہوتے تو
دوبارہ مسجد میں گھسنے نہ دیتے کیونکہ ایسی بھی خدا کی مخلوق بہت ہے جو مسجد

سے روک دی گئی ہے چنانچہ ایک قصائی کا بچھڑا مسجد میں گھس گیا تھا مسجد کا ملا جھلانے لگا کہ لوگ جانوروں کو مسجد میں چھوڑ دیتے ہیں تو وہ قصائی کہنے لگا ارے ملا اتنا خفا کیوں ہوتا ہے یہ تو بے وقوف جانور تھا جو مسجد میں چلا آیا کبھی تو نے ہمیں بھی مسجد میں آتا ہوا دیکھا ہے ایک اور واقعہ کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک آقا بے نمازی تھا اور غلام نمازی تھا دونوں بازار میں جا رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا غلام نے آقا سے اجازت مانگی کہا میں ذرا نماز پڑھ آؤں آپ تھوڑی دیر ٹھیریں آقا صاحب مسجد کے باہر بیٹھ گئے وہ اندر جا کر نماز میں مشغول ہوا پھر وظیفہ پڑھنے لگا جب سب نمازی چلے گئے اور بہت دیر ہوگئی تو آقا نے باہر ہی سے آواز دی کہ میاں کہاں رہ گئے آتے کیوں نہیں غلام نے جواب دیا کہ آنے نہیں دیتا آقا نے کہا کون نہیں آنے دیتا کہا جو تم کو اندر نہیں آنے دیتا وہ مجھکو باہر نہیں آنے دیتا حضرت جو کچھ آپ سے نماز روزہ ہو جاتا ہے یہ سب انہیں کا کرایا ہوا ہے اگر وہ توفیق نہ دیں تو سب کام رہجائے قرآن میں ارشاد ہے ولو ارادوا الخروج لاعدوا لہ عدۃ ولکن کرہ اللہ انبعاثہم فثبطہم وقیل اقعدوا مع القاعدین کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ تبوک میں منافقین کا جانا نہ چاہا تو وہ اس کا سامان بھی نہ کر سکے بلکہ ارادہ بھی نہ کر سکے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ ارادہ کر لیتے اور سامان بھی کرتے۔ پس تم اپنی سعی پر ناز نکرو بلکہ تفویض سے کام لو مگر تقدیر کے مسئلہ میں زیادہ غور و خوض بھی نکرو اور میں نے جتنا بھی اس کے متعلق بیان کیا ہے محض اس ضرورت سے بیان کیا ہے کہ اپنے علم وعمل پر ناز نہ ہو کہ بندے کے کسب واختیار کے نفی کرنے کے لئے حضرات صحابہ جب ایسے واقعات سے گھبرائے تو حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کیا کریں حضور نے فرمایا قولوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل بس خدا پر نظر رکھو اور تفویض سے کام لو ۵

بحر نیست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست آنجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست
حضرت موسی علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ اگر آسمان کمان ہو اور حوادث تیر ہوں اور اللہ تعالیٰ تیر چلانے والے ہوں تو ان سے کیوں کر بچا جائے۔ موسی علیہ السلام نے جواب دیا کہ تیر چلانے والے کے پاس کھڑا ہو جائے بچا رہے گا کیونکہ تیر دور والے پر چلتا ہے نہ کہ پاس والے پر فلاطون اسی جواب سے دنگ رہ گیا اور کہا یہ جواب نبی کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ پس اسمیں غور و خوض نہ کرو غور کرنے سے یہ مسئلہ اور پیچیدہ ہوگا ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ مے نہ گیرد فضل شاہ

اگر اس مسئلہ میں شفا چاہتے ہو تو عبدیت اور تفویض اختیار کرو اسی سے انشاء اللہ تسلی ہو جائے گی عقل کو تو بہت آزمایا اب خدا کے حوالہ کرکے دیکھو مولانا فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

حضرت بہت سے واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ تمام تدبیریں ختم ہو جاتی ہیں اور کام نہیں چلتا پس گرہ اس وقت کھلتی ہے جب بندہ یوں کہتا ہے کہ اے اللہ آپ ہی اس کام کو پورا کریں گے میں عاجز و درماندہ ہوں پس خوب سمجھ لو یہ تیسیر بھی بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کو ہمارے لئے آسان کردیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ میں ہم کو اس نعمت پر متنبہ فرمایا ہے کہ یہ احکام اس واسطے مشروع کئے ہیں کہ ان کو تمہارے واسطے آسان کردیں اور گنتی پورا کرنے کی توفیق دیں پس تم اس کو دشوار نہ سمجھو اور نہ اس کی فکر کرو کہ تمیس دن کیوں کر پورے ہوں گے اس کے بعد ارشاد ہے وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ یعنی اور تاکہ ان نعمتوں پر تم خدا کی بڑائی ظاہر کرو یہاں اللہ تعالیٰ نے هدٰىكم فرمایا شرعٰکم نہیں فرمایا کیونکہ هدٰىکم سب نعمتوں کو شامل ہے تشریعی

نعمتوں کو بھی اور تکوینی نعمتوں کو بھی اور یہاں دونوں قسم کی نعمتیں مذکور ہوئی ہیں کیونکہ تیسیر و اکمال عدۃ تکوینی نعمتیں ہیں تو ان سب نعمتوں پر جنکا میزان الکل حصول حکم ہے خدا کی تکبیر کہو پھر یہاں لِتَحْمَدُوا اللہ نہیں بلکہ لِتُکَبِّرُوا اللہ فرمایا کیونکہ اس سے حادثہ کی وقعت معلوم ہوتی ہے اور حادثہ عظیمہ پر ہمارے اندر تکبیر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے نہ کہ حمد کا اور قرآن شریف میں ہمارے محاورات و جذبات کی بہت رعایت کی گئی ہے میں نے اسی قاعدہ سے ایک لڑکی کے سوال کا جواب دیا تھا ایک مرتبہ جب میں گھر کی لڑکیوں کو تفسیر قرآن پڑھا رہا تھا یہ آیت آئی قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ خدا ان مدعیان اتخاذ ولد کو برباد کرے کہاں بہکے جا رہے ہیں تو ایک لڑکی نے سوال کیا کہ اللہ میاں کو کوسنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو عملاً سب کچھ کر سکتے ہیں کوسے تو وہ جو عملاً کچھ نہ کر سکے میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو تو کوسنے کی ضرورت نہیں مگر اس جگہ کفار کی جیسی حالت و شرارت مذکور ہے اس کو سنکر خود ہماری طبیعت میں کوسنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمارے جذبات کو دبانا نہیں چاہا بلکہ اس کی رعایت فرما کر خود ہی فرما دیا قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اگر وہ نہ فرماتے تو ہم قرآن میں خود اس کو نہ پڑھا سکتے تو ہمارا جذبہ دبا رہتا اللہ تعالیٰ نے ہمارے جذبات کو پامال کرنا گوارا نہیں فرمایا بلکہ جو بات ہم کہتے خود ہی بطور تعلیم اپنی طرف سے فرما دی تاکہ اس کی تلاوت کرنے سے ہمارا جذبہ پورا ہو جاوے یہ جواب اسی وقت قلب میں القا ہوا اس سے پہلے میں نے کسی جگہ یہ جواب منقول نہ دیکھا تھا اس جواب کی قدر مجھے بتانے سے ہوئی کیونکہ اس سے اور بہت سے اشکالات رفع ہوئے بعض دفعہ اللہ تعالیٰ وقت پر ایسی امداد فرماتے ہیں کہ جس کا پہلے سے گمان بھی نہیں ہوتا چنانچہ ایک بڑی بی نے طاعون کے زمانہ میں ایک بچہ کی زبانی مجھ سے سوال کیا

کہ عزرائیل تو ایک ہیں وہ ایک وقت میں اتنی روحیں کیوں کر قبض کر لیتے ہیں میں نے سوچا بچہ جواب کیا سمجھے گا مگر اللہ تعالیٰ نے ایک مثال میرے قلب میں ڈالدی جس کو بچہ بھی سمجھ کر نقل کر سکتا تھا میں نے کہا اُس سے کہنا کبھی تم نے چاول بھی کھائے ہیں دیکھو ایک لقمہ میں ایک دم سے کتنے چاول آجاتے ہیں اور ایک دفعہ میں منہ میں رکھ لیتی ہو وہ بچہ بھی ہنسنے لگا اور سائلہ کی بھی تسلی ہوگئی غرض اس مقام پر لتکبروا اللہ ہمارے جذبات کی رعایت سے فرمایا گیا ہے کہ یہ نعمتیں بڑی ہیں اور بڑی نعمت کو دیکھکر ہم کو اللہ اکبر کا تقاضا ہوتا ہے نہ الحمد للہ کا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس جذبہ کی ایسی رعایت فرمائی کہ تکبیر کو ہماری رائے پر نہیں چھوڑا بلکہ خود شروع کر کے دکھلا دیا چنانچہ عید کے روز تکبیر کہنا ضروری کر دیا گیا نماز عید کی ہر رکعت میں تین تکبیریں زیادہ کہی جاتی ہیں؟ واجب ہیں اور راستہ میں بھی عیدگاہ کو جاتے ہوئے تکبیر کہنا سنت ہے بعض آئمہ کے نزدیک جہراً اور ہمارے امام کے نزدیک سراً اور عجب نہیں کہ صلوٰۃ عید میں تین تکبیریں اس لئے ہوں کہ ایک بمقابلہ یسر کے ہے دوسری بمقابلہ رفع عسر کے تیسری بمقابلہ اکمال عدۃ کے اس کے بعد ارشاد ہے ولعلکم تشکرون اور یہ نعمتیں اس لئے تم کو عطا کیں تاکہ تم ان پر شکر کرو اور یہ عجیب نعمت کا بیان ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یسر و عدم عسر و اکمال عدۃ و تکبیر ان سب پر شکر کرو اور شکر دوسری عبادات کے اعتبار سے تو ان عبادات کے متعلق ہے مگر فی نفسہ یہ خود بھی مستقل عبادت ہے اس لئے یہ خود بھی مطلوب اور مقصود ہے اس اعتبار سے یہ بھی ایک غایت ہے جس کے لئے یسر و اکمال عدۃ وغیرہ ہم کو عطا کیا گیا پھر چونکہ منعم کی نعمت کی غایت یہ ہے کہ اس سے نعمتوں کا استحضار ہو کر منعم کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور محبت کے بعد محبوب سے قرب کا تقاضا ہوتا ہے تو اگلی آیت میں اللہ

تعالیٰ اپنے قرب کو بیان فرماتے ہیں وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ
اس تقریر سے تمام آیات واجزاء آیات کا ربط بخوبی ظاہر ہوگیا اور جس طرح
ان آیات کی تفسیر آج ذہن میں آئی ہے اس سے پہلے کبھی نہیں آئی (آیت
واذا سالک عبادی کا ربط پہلی آیت سے مشہور یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ
نے ہم کو صوم اور تکبیر و شکر وغیرہ کا امر کیا ہے تو ممکن ہے کسی کو یہ شبہ پیدا
ہو کہ نہ معلوم خدا تعالیٰ کو ہمارے ان افعال کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں خصوصاً
شکر قلب کی کیونکہ افعال قلبیہ مستور ہوتے ہیں جن کی اطلاع دنیا میں تو
کسی کو نہیں ہوتی اور چونکہ طبیعت انسانیہ قیاس الغائب علی الشاہد کی
عادی ہے اس لئے بعض لوگوں نے سوال بھی کیا اقریب ربنا فنناجیہ ام
بعید فنناد یہ کیا ہمارا پروردگار ہم سے قریب ہے کہ ہم اس سے خفیہ
طور پر مناجات کر لیا کریں یا بعید ہے کہ پکارا کریں اس کے جواب میں یہ
یہ آیت نازل ہوئی یہ ربط بھی عمدہ ہے مگر ربط اول احسن ہے اور ربط مشہور
پر اس آیت کا پہلی آیت کے متصل آنا امام ابوحنیفہ کے اس قول کی تائید کرتا
ہے کہ تکبیر عید الفطر راستہ میں سراً ہونا چاہئے جہر کی ضرورت نہیں رہی
تکبیر صلوٰۃ تو وہ چونکہ قرأت کے متصل ہے اور قرأت جہری ہے اس لئے
اتصال جہری کی وجہ سے اُس میں بھی جہر ہوگیا دوسرے اس میں جہر کی یہ بھی
وجہ ہے کہ مقتدیوں کو اعلام کی ضرورت ہے کہ اس وقت تکبیر کہہ رہا ہے تو
وہ بھی اس کی اقتدا کریں اور تکبیر طریق میں ہر شخص مستقل ہے وہاں اعلام
کی ضرورت نہیں اور تکبیر تشریق کا جہر خلاف قیاس نص سے ثابت ہے۔
لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم الحج العج والثج وفی تکبیر التشریق تشبیہ بتلبیۃ الحاج
فافہم ۱۲ منہ) اور اذا سألك عبادي عني فإني قريب کی بلاغت عجیب قابل
دید ہے کہ قل انی قریب یا فانہ قریب نہیں فرمایا بلکہ بلاواسطہ فانی قریب
فرمایا ہے یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی سے سوال کرے کہ فلاں شخص کہاں

ہے اور وہ بول پڑے کہ میں تو موجود ہوں اور یہ جب ہی ہوگا جبکہ مجیب کو سائل کے ساتھ خاص تعلق ہو اور اگر خاص تعلق نہو تو وہ قریب ہوتے ہوئے بھی خود نہ بولے گا بلکہ جنسے سوال کیا گیا ہے ان سے کہے گا کہ اس سے کہدو وہ یہاں موجود ہے اور تعلق کی صورت میں ایسا نہ کریگا تو دبول پڑیگا کہ میں تو موجود ہوں اسی طرح یہاں حق تعالےٰ نے خود بلاواسطہ جوابدیا ہے کہ میں تو قریب ہوں حضورؐ سے نہیں فرمایا کہ ان سے کہدیجئے کہ میں قریب ہوں اس میں جس خاص تعلق کو ظاہر کیا گیا ہے اور وہ تعلق ایسی نعمت ہے کہ اس پر ہزار جانیں قربان کردیجائیں تو تھوڑا ہے پھر اس جواب کا حضور کی زبان سے ادا ہونا بتلاتا ہے کہ رسولؐ کا بولنا خدا ہی کا بولنا ہے ؎

گرچہ قرآں از لب پیغمبر است ہر کہ گوید حق نگفت او کافر است
گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک شان تو مبلغ ہونے کی ہے اور دوسری شان لسان حق ہونے کی ہے کہ حضورؐ اللہ تعالےٰ کے لئے بمنزلہ لسان یعنی ترجمان کے ہیں اس عنوان سے گھبرایئے نہیں کیونکہ جب شجرہ طور لسان حق ہوگیا اور اس سے ندا آئی انی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لسان حق ہونا تعجب خیز کیوں ہے پھر حدیث میں اہل قرب کے لئے آیا ہے کنت بصرہ الذی یبصر بہا وسمعہ الذی یسمع بہا ورجلہ التی یمشی بہا اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مقرب کون ہوگا تو آپ کی یہ شان سب سے زیادہ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے خلاصہ ان اجزاء مرتبہ کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو دیکھکر خود بخود آپ کے دل پر شکر کا تقاضا ہوگا کہ آپ کی ہی مصلحت و نفع کے لئے صوم کو مشروع فرمایا پھر اس میں تشریعاً و تکویناً یسر و عدم عسر کی رعایت فرمائی تاکہ روزہ کی تکمیل ہوجائے اور تکمیل کے بعد اس نعمت پر تکبیر کہو اور شکر کرو پھر شکر سے محبت پیدا ہوگی اور محبت

سے قرب حق کا تقاضا ہوگا تو اس آیت میں تسلی فرمادی کہ میں تم سے قریب ہوں مجھے تمہارے سب اعمال و اقوال کی خبر ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میں ہر دعا کرنیوالے کی دعا کو قبول کرلیتا ہوں یہاں دعا سے مراد عبادت ہے دعائے ظاہری مراد نہیں جیسا آیۃ اُدْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں بقرینہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ یہی عبادت مراد ہے اور عبادت دعا سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ بتلا دیا گیا کہ تمہاری عبادت کی حقیقت محض دعا و التجا ہے جیسے کوئی شخص ڈوبتا ہو تو وہ دوسروں کو پکارتا ہے پس آپ کی عبادت کا صرف یہ درجہ ہے اس کے بعد جو کچھ ہے حق تعالیٰ کی عطا و فضل ہے اگر ہم اپنی عبادت پر ناز کرنے لگیں تو اس کی ایسی مثال ہوگی ڈوبنے والے کی پکار سنکر کسی نے اس کو بچا لیا ہو اور وہ ڈوبنے والا اس کے بعد فخر کرنے لگے کہ میں شناور ہوں ارے تجھے خبر بھی ہے کہ دوسرے نے تجھکو بچالیا ورنہ محض پکارنے سے تو کہاں بچ سکتا تھا اور حقیقت میں ہمارا تو پکارنا بھی اُن ہی کی عطا ہے اگر وہ طلب دل میں پیدا نکریں تو ہم سے پکارنا بھی نہو سکتا مولانا فرماتے ہیں ؎

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو   ایمنی از تو مہابت ہم ز تو

اس کے بعد فرماتے ہیں فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ کہ جب ہم تمہارا کام کر دیتے ہیں اب تم بھی ہمارا کہنا مانو کہ میری باتوں کی تصدیق کرو اور عملاً اس کی تعمیل کرو لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ تاکہ تم کو رشد و فلاح حاصل ہو اور ہدایت میں ترقی ہو (یہ ترجمہ لفظی نہیں حاصل ہوا) اس میں بتلا دیا کہ ہم جو تم سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارا کہنا مانو اس میں ہمارا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس کا نفع بھی تمہارے ہی لئے ہے اب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میرا کہنا مانو ایسا ہے جیسا ہم بچہ سے کہا کرتے ہیں کہ میاں ہماری ایک بات مان لو اور وہ یہ ہے کہ کھانا کھالو اس عنوان سے اس پر گرانی نہوگی اور وہ اپنے کام تمہاری خاطر سے کرے گا اسی طرح یہاں اللہ تعالےٰ

(حاشیہ: پارہ مدکورہ "سیدخلون جہنم داخرین" کرتے ہیں ہماری عبادت سے جو لوگ)

نے جو کام بتلایا ہے وہ ہمارا ہی کام ہے ہمارے ہی فائدہ کا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کیا ٹھکانا ہے کہ اس کو اپنا کام قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارا کہنا مان لو یہ تو مختصر طور سے آیت کی تفسیر تھی اور اصل مقصود اکمال کا بیان کرنا تھا اب میں اصل مقصود کو مختصر طور پر بیان کرتا ہوں پس سنئے کہ اللہ تعالیٰ نے اکمال عدت کی مقصودیت کو بیان فرمایا ہے کہ ہم نے احکام صوم میں آسانی کی رعایت اس لئے کی ہے تاکہ اس مدت کو جو روزہ کے لئے مقرر کی گئی ہے پورا کرلو ہر چند کہ اس عنوان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکمال عدت خود مقصود ہے مگر درحقیقت خود اتنی مقصود ہے بلکہ مقصود دوسری چیز ہے جس کے لئے اکمال عدت ذریعہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کی تعلیم کا طریقہ یہ ہے کہ ذرائع کو بھی مقصود بنا کر سکھلاتے ہیں تاکہ ہر ذریعہ کا پورا اہتمام کرے تو نتیجہ اس پر خود مرتب ہو جائیگا اور یہی اصول صوفیہ نے قرآن سے سیکھا ہے چنانچہ وہ طالبین کو یہی تعلیم کرتے ہیں کہ مقصود عمل ہے وصول مطلوب نہیں کیونکہ عمل اختیاری ہے اور وصول غیر اختیاری ہے تم عمل کے مکلف ہو اسی کو مقصود سمجھکر بجالاتے رہو اس پر وصول خود مرتب ہوجائے گا اب سمجھئے کہ وہ مقصود کیا ہے جس کے لئے اکمال عدت اصل میں ذریعہ ہے وہ تقویٰ جس کو اللہ تعالیٰ نے صوم کے ذکر میں ابتداً ہی بیان فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ اور تقویٰ کی حقیقت ہے دنیا میں گناہوں سے بچنا اور آخرت میں عذاب سے نجات پانا یہ نفع ہے اکمال کا اس کے بعد یہ بھی سمجھئے کہ اکمال عدت کے دو درجے ہیں ایک اکمال ظاہری کہ رمضان کا پورا مہینہ روزہ میں تمام ہوجائے ایک اکمال معنوی کہ اس پر یہ غایت مرتب ہو جو اکمال سے مطلوب ہے پس روزہ کا حقیقی پورا کرنا یہ ہے کہ ہم ہر دن یہ دیکھتے رہیں

سوال نمبر ۲۳ جو ... ۲۰ ربیع ...

کہ گناہوں سے کسقدر بچے اور آئندہ کیلئے کس قدر اہتمام کیا۔ اگر یہ غایت مرتب نہوئی تو اکمال عدت محض ظاہری ہوگی حقیقی اکمال حاصل نہوگا اسی لیے حدیث میں ہے مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ اَنْ يَّدَعَ شَرَابَهٗ وَطَعَامَهٗ جو شخص روزہ میں بیہودہ باتیں اور بیہودہ کام نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کچھ پروا نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اکمال عدت کا یہ درجہ مطلوب ہے جس پر تقویٰ مرتب ہو پس ہم کو اپنی حالت کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ ہم رمضان میں گناہوں سے کس قدر بچے اور کتنا اس کا اہتمام کیا افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ہم لوگوں کو روزہ میں گناہوں سے بچنے کا ذرا بھی اہتمام نہیں ہماری حالت وہی ہے جو پہلے تھی بلکہ بعضوں کے تو رمضان میں گناہ پہلے سے بھی بڑھ گئے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا مذاق یہ ہے

ہر گناہے کہ کنی در شب آدینہ کن تا کہ از صدر نشینان جہنم باشی

یہ وہ بیباک لوگ ہیں جن کو متبرک زمانہ میں بھی تنبہ نہیں ہوتا کہ اس زمانہ میں گناہ کرنے کا وبال اور دنوں سے زیادہ ہے قاعدہ سے تو یہ چاہیئے تھا کہ جن لوگوں نے ان متبرک دنوں کو یوں برباد کیا ہے ان کے لئے ان ایام کی مکافات کا کوئی طریقہ نہ ہوتا مگر خدا تعالیٰ کی رحمت بے انتہا ہے وہ اب بھی رحمت کرنے کو موجود ہیں اگر ان بقیہ دنوں کی درستی کرلی جائے اور اب تک کے گناہوں سے توبہ کرلی جائے۔ صاحبو! ہمیں اس رحمت کی قدر کرنا چاہیئے ورنہ پھر یہ وقت شاید نہ ملے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو ایک اور اندیشہ ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا نہ لگ جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو بددعا دی ہے جس نے رمضان میں بھی اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کرائی ہو

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین شخصوں کو بد دعا دی ہے ایک وہ جس نے اپنے باپ ماں دونوں کو یا ایک کو ان کے بڑھاپے میں پایا اور ان کو خدمت وغیرہ سے راضی کر کے جنتی نہ بنا دوسرے وہ جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام نہیں بھیجا تیسرے وہ جس نے رمضان کو ختم کر دیا اور اپنے گناہوں کی مغفرت نہیں کرائی کیا حضورؐ کی بد دعا سے بچنا ضرور نہیں اس لئے اس کا اہتمام ضروری ہے کہ کم از کم رمضان میں تو گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے اور پچھلے گناہوں سے توبہ کی جائے مگر قربان جائیے حضورؐ کے کہ گو آپ نے بظاہر ان لوگوں کو بد دعا دی ہے مگر بد دعا بھی ایسے عنوان سے ہے جسمیں دعا کی بھی جھلک ہے کیونکہ آپنے رَغِمَ اَنْفُہٗ رَغِمَ اَنْفُہٗ فرمایا ہے کہ اسکی ناک خاک میں ملے یہ ایسی بد دعا ہے جیسے قدسیہ بیگم والیہ بھوپال اپنی باندیوں کو غصہ میں کہا کرتی تھی کہ تمھاری چوٹی کٹوا کر ننگی تم کو گدھے پر سوار کرا دونگی پھر سب کو حج میں ساتھ لیگئیں اور وہاں احرام کھولتے ہوئے سبکی چوٹیاں کٹیں اور عمرہ لانے کیلئے گدھے پر بھی سوار ہونیکا موقعہ ہوا ہوگا اسی طرح رَغِمَ اَنْفُہٗ کے معنی یہ ہیں کہ اسکو سجدہ کی توفیق ہو اور یہ اس موقعہ کے مناسب بھی ہے کیونکہ گناہ بعد کا سبب ہے اور سجدہ قرب کا سبب ہے خلاصہ یہ ہوا کہ رمضان کا رونگیساتھ پورا ہو جانا بڑی نعمت ہے کیونکہ اس سے ہمکو گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے اور آخرت میں جہنم سے نجات ہوگی پس ہمکو خوش اسلوبی کیساتھ رمضان کو پورا کرنا چاہئے اور خوش اسلوبی یہی ہے کہ گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کیا جائے اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں اور آخیر میں اتنی بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ آج میں نے جس طرح ان آیات کی تفسیر بیان کی ہے اس سے آپکو معانی قرآن اور بلاغت قرآن کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ قرآن کی تعلیم کیسی پاکیزہ ہے اس کا طرز بیان کیسا بلیغ ہے اسکی آیات و اجزا آیات میں کیسا عجیب ربط ہے اسمیں ہمارے جذبات کی کیسی رعایت ہے پس آج قرآن کا کچھ نمونہ

آپ کے سامنے بیان کر کے میں یہ عرض کرونگا کہ میرا یہ بیان پہلے بیان سے مرتبط ہے جو شعبان میں ہوا تھا کہ اس میں الفاظ قرآن کے حسن کا بیان تھا آج معانی قرآن کے حسن کا بیان تھا حالانکہ میں پوری طرح اسکے حسن کو بیان نہیں کر سکا مگر انشاء اللہ کچھ تو ہونہ لو آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا جسکے بعد آپ یہ ضرور کہیں گے کہ قرآن کی شان یہ ہے

ع بہار عالم حسنش دل و جان تازہ می دارد ۔ برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

اور اس کی یہ شان ہے ع

مخدرات سرا پردہ ہائے قرآنی ۔ چہ دلبرند کہ دل می برند پنہانی

واقعی کسی نے سچ کہا ہے ع

چیست قرآن اے کلام حق شناس ۔ رونمائے رب ناس آمد بناس

حرف حرفش را ست در بر معنے ۔ معنے در معنے در معنے

واللہ قرآن کے حسن کی حالت یہ ہے کہ ع

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

بس اب میں مقصود عرض کر چکا مگر پھر عرض کرتا ہوں کہ ان بقیہ ایام رمضان کی ہمکو قدر کرنا چاہئے آمیں نماز کا اور خصوصاً تراویح کا اہتمام کرنا چاہئے مگر جو حافظ اجرت لیکر قرآن سنائے اسکے پیچھے تراویح نہ پڑھیں اس سے افضل یہ ہے کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھ لی جائے اور اگر ہمت ہو تو رمضان کے بقیہ ایام میں اعتکاف کا بھی اہتمام کیا جائے اعتکاف بڑی اچھی عبادت ہے جسکی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے کو خدا کے دروازہ پر ڈالکر زبان حال سے یوں عرض کرتا ہے کہ ع

خسرو غریب ست و گدا افتادہ در کوئے شما ۔ باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

کہ اے اللہ ہم دیا سے اسے آپ بار سے ہیں آپ ہی کے ہیں اور آپ ہی کے در کے سوا ہمارے لئے کوئی دوسرا در نہیں اس کا جاننا تر ہوتا ہے اسکو ایک مثال سے سمجھئے ایک غلام اپنے آقا سے یوں کہہ رہا تھا ع

ترا بندہ چوں من بسے ۔ مرا چوں تو خواجہ نباشد کسے

کہ آپ کو تو مجھ جیسے غلام اور بھی مل سکتے ہیں مگر مجھے آپ سے بہتر آقا نہیں مل سکتا اسکا
اثر جو کچھ ہوا ہو گا دل کو معلوم ہے ایک اور حکایت شیخ نے لکھی ہے کہ ایک بزرگ
رات کو تہجد میں اٹھے غیب سے ندا آئی کہ جو چاہے کرو یہاں کچھ قبول نہیں اور یہ آواز اس
طور سے آئی کہ ایک مرید نے بھی سنلی پیر کیلئے وہ حالت بہت سخت ہے جسے مرید
بھی اس سے ڈرنے لگیں مگر عارف اسکی پروا نہیں کرتا اسکے معمولات میں ذرا فرق
نہیں آیا کرتا چنانچہ وہ بزرگ تہجد میں مشغول ہوگئے اور اگلی رات آئی تو معمول کے
موافق پھر تہجد کو اٹھے ایک عاشق مرید کو پیر کی اس حالت پر ترس آیا اور اسنے کہا
کہ جب یہاں کچھ قبول ہی نہیں تو آپ کیوں مشقت برداشت کرتے ہیں پڑ کے سو رہیے
شیخ آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا ؎

توانی ازاں دل بپرداختن ‌ ‌ ‌ ‌ کہ دانی کہ بے او تواں ساختن

کہ بیٹا یہ تو صحیح ہے کہ انکے یہاں میرا عمل مقبول نہیں مگر انکو چھوڑ کر کیسے بیٹھ رہوں کہ
دوسرا بھی تو کوئی نہیں بس یہ کہنا تھا کہ رحمت کو جوش آیا اور غیب سے دوسری
آواز آئی ؎

قبول ست گرچہ ہنر نیستت ‌ ‌ ‌ ‌ کہ جز ما پناہے دگر نیستت

کہ جاؤ تمہاری اس بیکسی پر رحم کر کے تمہارے لئے دوسرا کوئی دروازہ نہیں ہم نے
تمکو قبول کر لیا بس اعتکاف کی حقیقت یہی ہے کہ بندہ یہ کہکر اپنے کو کریم کے دروازہ
پر لا ڈالے کہ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ؎

میفگن کہ دستم نگیرد کسے

انشاء اللہ یہ عبادت ضرور رنگ لائے گی۔

ایک عبادت رمضان میں قابل اہتمام یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی تلاش کیجائے
حدیث میں آتا ہے کہ عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں اسکو تلاش کرو۔ اگر کسی کو سب
میں جاگنے کی ہمت نہ ہو تو کم از کم ستائیسویں رات میں تو ضرور جاگ لے یعنی اور راتوں
سے کچھ زیادہ جاگ لے تمام رات جاگنا ضرور نہیں اور آپ جسقدر روز کے نماز میں پڑھتا

رہے جب اس سے تھک جائے تلاوت قرآن یا ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے متنبّہ رات کے متعلق بہت سے حضرات صحابہ کا جزم ہے کہ لیلۃ القدر [illegible] یہی ہے مگر اس کے متعلق بعض لوگوں کو شاید ایک فلسفی شبہ پیدا ہوگا وہ یہ کہ چاند میں آجکل اختلاف ہے تو جو رات یہاں ستائیسویں ہوگی وہ بعض جگہ اٹھائیسویں ہوگی تو کیا لیلۃ القدر دو ہوں گی اور ایک ہوئی تو کس کی رؤیت کا اعتبار ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو خبر بھی ہے کہ وہاں رات دن ہیں ہی اور یہ تو خود اہل سائنس والے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ لیل و نہار کرۃ النسیم سے نیچے ہی نیچے ہیں کرۃ النسیم کے اوپر رات دن نہیں بلکہ یکساں حالت ہے یہ جواب جب میرے دل میں آیا بڑی خوشی ہوئی اور اس سے ایک بات اور [illegible] سمجھ میں آئی ہے وہ یہ کہ معراج کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر بیان فرمائی ہے سیر سماوات کا ذکر نہیں فرمایا جس سے بعض اہل باطل نے سیر سماوات کی نفی پر استدلال کیا ہے تو وہاں سیر سماوات کا ذکر اس واسطے نہیں کیا گیا کہ وہاں لیلا کی قید بھی مذکور ہے پس ضروری ہوا کہ اس قدر سیر بیان کی جائے جو لیل کے اندر واقع ہوئی اور ظاہر ہے کہ سیر سماوات لیل و نہار سے باہر ہوئی کیونکہ سماوات میں لیل و نہار کا تحقق ہی نہیں تو اس سے سیر سماوات کی نفی پر استدلال محض لغو ہے ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیر سماوات رات میں نہیں ہوئی سو یہ مسلم ہے بلکہ ہم تو یوں کہتے ہیں کہ وہ نہ دن میں ہوئی نہ رات میں وہ تو ایسے ایسے مقام پر ہوئی ہے جہاں رات ہے نہ دن بہرحال وہاں لیل و نہار نہیں ہے اس واسطے لیلۃ القدر کی جو شان و برکات ہیں وہ لیل و نہار کے ساتھ مقید نہیں بلکہ ارادۂ حق کے تابع ہیں تو اس کی مثال بارش کی طرح ہے کہ یہاں کے کرۃ النسیم کے نیچے آج بارش ہے اور کلکتہ کے کرۃ النسیم کے نیچے کل بارش ہے اگر شب قدر بھی ایسی ہو کہ یہاں آج ہے اور کلکتہ میں کل ہے تو اس میں اشکال کی کیا بات ہے آخر بارش میں کیا ایسا اختلاف نہیں ہوتا پھر معنوی بارش برکات میں ایسا اختلاف ہو تو کیا تعجب ہے اس لئے بےفکر ہو کر آپ اپنی ہی تاریخوں کے حساب سے کام کیجئے اللہ تعالیٰ تو سب کی نیتوں کو اور کام کو دیکھتے ہیں

دیکھو انکے عادت کے موافق لیلۃ القدر کی برکات عطا فرمادیں گے پس رمضان کو اسطرح خوش اسلوبی سے
گذاریئے کہ جو دن رہ گئے ہیں انمیں طاعات کا اہتمام کیجئے اور گناہوں سے دور رہئے تاکہ خوش ہو کر آپ سے
رخصت ہو کر جناب باری میں شفاعت کرے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ قرآن اور صوم دونوں قیامت میں روزہ دار
کی شفاعت کرینگے قرآن کہے گا کہ خداوندا میں نے اسکو نیند سے اور آرام سے روکا تھا میری شفاعت اسکے حق میں قبول
کیجائے۔ روزہ کہے گا کہ میں نے اسکو کھانے پینے اور شہوت پوری کرنے سے روکا تھا میری شفاعت اسکے حق میں
قبول کیجئے۔ یہ ہے حقیقی وداع رمضان المبارک کی جو آخری جمعہ میں لوگ الوداع یا شہر رمضان پڑھا جاتا ہے وہ تو بدعت ہے شریعت
میں سلف سے اسکا ثبوت نہیں اور مولانا یعقوب صاحب قدس سرہ کے استاد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جیسے رمضان کے جانیکا غم ہوتا ہے ایسے ہی آنے
کی خوشی بھی ہونی چاہیئے تو اگر جانے پر خطبہ الوداع پڑھتے ہو تو آتے وقت بھی ایک مرحبا کا خطبہ پڑھنا چاہیئے مرحبا یا شہر
رمضان خصوصیت کیساتھ کیا جائے نہ اظہار رنج کی تو شریعت میں اصل یہی ہے اور اظہار غم کی کوئی اصل نہیں حضور صلی
اللہ علیہ وسلم سے رمضان کے آنے سے پہلے تو مسلمانوں کو رمضان کیلئے مستعد ہوجانیکا ارشاد فرمایا ہے جانے کے وقت
کوئی حسرت و رنج ظاہر نہیں فرمایا۔ الحمد للہ کہ فہرست کے موافق اکمال رمضان کے متعلق کافی بیان ہوچکا صرف
ایک جملہ رہ گیا ہے کہ عید کے دن صدقہ فطر ادا کرنیکا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ یہ بھی صوم رمضان ہی کا مکمل ہے
حدیث میں ہے کہ روزہ کے حقوق و آداب میں جو کچھ کوتاہی ہوجاتی ہے صدقہ فطر سے اسکا کفارہ ہوجاتا ہے
اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمکو توفیق عمل دے اور فہم سلیم عطا فرمائے آمین وصلی اللہ تعالیٰ علی
خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۰ وآخر دعوانا
ان الحمد للہ رب العالمین ۰ اشرف علی

بھی نہ ہو تب بھی اُس رات کی فضیلت کچھ اس آیت پر موقوف نہیں احادیث سے اس کی فضیلت ثابت ہے مگر یہ بات طالب علمانہ باقی رہی کہ اگر یہ تفسیر ثابت نہ ہو تو پھر لیلۃ مبارکۃ سے کیا مراد ہوگا سو دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے لیلۃ القدر مراد ہے اسی کو لیلۃ مبارکۃ بھی فرما دیا گیا بہر حال اس آیت کی تفسیر قریب آنیوالی رات کے ساتھ گو متیقن نہیں مگر محتمل ضرور ہے اور وہ قریب آنیوالی شب شب برات ہے جو شعبان کی پندرہویں رات ہے جو کل کا دن گذر کر آنیوالی ہے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اس رات کے کچھ فضائل کا اور ان منکرات کا جو آجکل اسمیں اختیار کئے جاتے ہیں ذکر کر دیا جاوے سو اس تفسیر محتمل پر حق تعالیٰ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب مبین (قرآن) کو اس برکت والی رات میں نازل کیا اسواسطے کہ ہم منذر یعنی ڈرانیوالے تھے اسی انداز کیلئے قرآن نازل فرمایا آگے اس رات کے بابرکت ہونیکی علت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس رات کی شان یہ ہے کہ اسمیں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر امر حکمت والے کا کہ وہ ہمارے پاس سے ہوتا ہے اور حکیم کی قید واقعی ہے احترازی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے تمام امور با حکمت ہی ہیں انمیں کوئی بے حکمت نہیں مطلب یہ ہے کہ تمام امور کا فیصلہ اس رات میں ہوتا ہے یا یوں کہو کہ کل امر حکیم سے مراد امور عظیمۃ الشان ہیں یعنی بڑے بڑے کاموں کا فیصلہ اس رات میں ہوتا ہے باقی چھوٹے امور تو عرفاً بڑے امور کے ذکر سے وہ خود مفہوم ہوگئے پس بڑے امور اصالۃً اور چھوٹے امور تبعاً غرض سب امور آیت میں داخل ہوگئے اب یہ شبہ رفع ہوگیا کہ روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جملہ امور کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ معظم امور فیصل ہوتے ہیں وجہ رفع یہ ہے کہ چھوٹے امور بڑوں کے تابع ہو کر فہم میں آہی جاتے ہیں۔ اور مشہور تفسیر اس آیت کی اکثر کے نزدیک یہی ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہی شب براءت مراد نہیں کیونکہ دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ کہ ہم نے قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا اور یہاں فرمایا ہے کہ ہم نے لیلۃ مبارکۃ میں نازل کیا اور یہ ظاہر ہے کہ نزول سے مراد دونوں جگہ نزول دفعی ہے تدریجی نہیں کیونکہ وہ تو ۲۳ سال میں ہوا اور نزول دفعی ایک ہی مرتبہ ہوا ہے اسلئے لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہوگی یہ قرینہ قویہ ہے اس بات کا کہ یہاں بھی لیلۃ القدر ہی مراد ہے لیکن ایک قول بعض کا یہ بھی ہے کہ

لیلۂ مبارک سے مراد شب برات ہے باقی رہا یہ اعتراض کہ اس سے لازم آتا ہے کہ نزول دفعی دو مرتبہ ہو تو اسکی توجیہ یہ ہے کہ نزول دفعی دو مرتبہ بھی اسطرح ہو سکتا ہے کہ ایک رات میں حکم نزول ہوا اور دوسری میں اسکا وقوع ہوا یعنی شب برات میں حکم ہوا کہ اس دفعہ رمضان میں جو لیلۃ القدر آئیگی اسمیں قرآن نازل کیا جائیگا پھر لیلۃ القدر میں اس کا وقوع ہو گیا اور یہ بات کلام میں شائع ذائع ہے کہ قرب کو وقوع کے حکم میں کر دیتے ہیں مطلب یہ کہ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ میں مراد حقیقی نزول ہے کہ وہ لیلۃ القدر میں ہوا ہے اور اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ میں حکمی نزول ہے کہ شب برات میں ہوا ہے اور دونوں راتیں ہیں قریب قریب اسلئے بقرب نزول کو نزول کے حکم میں کر دیا ہے چنانچہ ظاہر تو یہی ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد شب قدر ہے مگر احتمال اسکا بھی ہے کہ شب برات مراد ہو مگر جہاں تک اتفاق ہوا اور جو کتابیں نظر سے گذریں ان میں کوئی حدیث مرفوع اسبارہ میں نظر سے نہیں گذری در منثور میں بروایت ابن جریر ابن المنذر و ابن ابی حاتم عکرمہ سے یہ تفسیر منقول ہے۔ البتہ شب برات کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ اس میں تمام امور جیسے موالید و وفیات و رفع اعمال و نزول ارزاق فیصل ہوتے ہیں اس سے۔ بعض سلف نے یہ سمجھ لیا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد یہی رات مراد ہے لیلۃ القدر مراد نہیں ورنہ اس آیت کی بنا پر اسمیں بھی واقعات کا فیصلہ ہونا لازم آئیگا تو دو راتوں میں فیصلہ ہونے کے کیا معنی دوسری یہ کہ واقعات کا تو شب برات میں فیصلہ ہونا احادیث سے ثابت ہے وہ کون سے واقعات ہیں جنکا فیصل ہونا شب قدر میں باقی رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد شب برات ہی ہے پھر یہ کہ شب برات میں ایک سال کے واقعات کا فیصل ہونا حدیثوں میں آیا ہے اور شب قدر سال گذرنے سے پہلے رمضان میں آجاتی ہے تو اس میں کیا مکرر فیصلہ ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں نکلتی ہیں کیونکہ عادۃً ہر فیصلہ کے دو مرتبے ہوتے ہیں ایک تجویز ایک نفاذ پس یہاں بھی یہی دو مرتبے ہو سکتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تجویز تو شب برات میں ہو جاتی ہے اور نفاذ لیلۃ القدر میں ہوتا ہے اور راتوں کے متعدد فیصل ہونا بعید نہیں تجویز کو قدر کہتے ہیں اور حکم کے نافذ کر دینے کو قضا کہتے ہیں کہ شب برات میں تجویز ہوتی ہو اور لیلۃ القدر میں اسی کا نفاذ ہوتا ہو اس تقریر سے سارے اشکالات

کا جواب ہو گیا غرض آیت میں لیلۃ مبارکہ سے مراد جو بھی ہو لیکن احادیث سے تو اس
رات کا بابرکت ہونا معلوم ہوتا ہی ہے اور یہ نعمت ہے خدا تعالیٰ کی اسکی قدر کرنا چاہئے دنیا
میں اگر کسی ایسے کام کی خبر ملجاتی ہے جسمیں منافع ہو تو عقلا اسکی کیسی قدر کرتے ہیں اور ذرا سے
نفع کی بھی چیز ہو اسکو احتیاط سے رکھ چھوڑتی ہیں کہ کسی موقعہ پر کام آئیگی مثل مشہور ہے "داشتہ آید
بکار" مجھکو ایک واقعہ یاد آیا جب میں حج کو گیا تھا تو لکھنؤ کی ایک ماما بھی حج میں تھیں جو گھر میں میرا
کھانا پکاتی تھیں وہ مدینہ طیبہ بھی گئی تھیں انھوں نے بڑی ہمت کی تھی کہ پیدل راستہ چلکر گئیں تھیں جب مدینہ
طیبہ سے واپس آئیں تو ایک پتھر میرے سامنے پیش کیا میں نے کہا کہ یہ کاہے کے واسطے لائیں تھیں کہنے
لگیں کہ مدینہ شریف سے نکلکر ایک پہاڑ پر یہ پتھر نظر آیا میں نے خیال کیا کہ بڑا اچھا ہے اس کو لیچلو چنانچہ
لے آئی میں نے کہا غضب ہو گیا کتنی دور سے بوجھ لائی ہو یہ تو دو حیثیت سے متبرک ہو ایک تو یہ کہ مشقت
کا ہی دوسرے مدینہ طیبہ کا ہے سو بنا پتھر کے اٹھانیکی یہ تھی کہ کام کی چیز تھی فرق ادنیٰ اعلیٰ
سب میں کام کی چیز کی قدر ہوتی ہے جب ہم دنیا کی چیزوں میں ذرا ذرا سی چیز کی قدر کرتے
ہیں پھر تعجب ہے کہ خدا و رسول کی قدر کی چیز بتلائیں اسکو ضائع کر دیا جاوے چنانچہ ہمیں
ان تاریخوں میں جاگنے کی بہت کم توفیق ہوتی ہے خصوصاً طلبا کو وہ تو یوں کہکر ختم کر دیتے
ہیں کہ اس رات کی عبادت کے علاوہ اور بھی تو بہت سے کام ثواب کے ہیں سو وہی اللہ میاں کے یہاں استغفار
بھی تو ہے وہی پڑھینگے یا اور کوئی نیک کام کر لینگے اپنے دل میں اس قسم کی تاویلیں کر لیتے ہیں اکثر طالب علموں
میں یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے کہ مستحبات کی قدر نہیں رہتی جبتک منیۃ المصلی نہیں پڑھی تھی تو نفلیں
پڑھا کرتا تھا جب منیہ پڑھی اور اسمیں مستحب کی تعریف پڑھی تو نفس کے قید میں آ کر یہ خیال ہوا کہ اگر مستحب
نہ کرینگے تو کچھ مواخذہ تو ہو ہی گا نہیں اسلئے بہت سی ایسی مستحبات ترک ہونے لگے۔ واقعی ہماری یہ حالت ہے

۵ واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند ✤ چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند
مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس ✤ توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

نفس میں عجیب عجیب کید ہیں حتی کہ یہ جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں تعجب نہیں کہ اس میں بھی
نفس کی شرارت ہو احتمال ہے کہ اس میں بھی نفس نے کید کر رکھا ہو کہ اپنی کوتاہیاں ظاہر
کر کے اپنے صدق کو ظاہر کیا جا رہا ہو نفس سے کسی وقت مطمئن نہ ہونا چاہیے نفس کی

نعمت کی قدر کرنا چاہئے اور اس کی مثال مشقت

امور خیر میں طلبا کو ترک نہ کرنا

نفس کے کید

تو یہ حالت ہے ؎

نفس اژدرہاست او کے مردہ است ❊ از غم بے آلتی افسردہ است

اس کا کشتہ اور گرفتار کرنا ہر ایک کا کام نہیں یہ مکار شیطان سے بھی بڑھکر ہے کیونکہ اسکو بھی نفس ہی نے تو خرابی میں ڈالا تھا وہ بالذات تو بدذات نہیں تھا نفس ہی کے کید میں آکر بدذات ہوا تو یہ شیطان کا بھی باپ ہوا اسی لئے یوسف علیہ السلام حالانکہ نبی ہیں فرما رہے ہیں ع اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ یعنی اصل بات تو یہی ہو کہ نفس فی ذاتہ امارہ بالسوء ہے مگر جسکو اللہ میاں اپنی رحمت سے محفوظ رکھیں جیسے انبیاء وہ مستثنے ہیں اگر عوارض کی وجہ سے نفس اپنے کید سے باز بھی رہے تو عوارض کے اُٹھ جانے پر پھر وہی حالت ہوگی اسلئے نفس کا کید مثل فطریکے ہو گیا چاہے انسان مقامات و لایت میں بڑی دور تک بھی پہونچ جائے مگر نفس سے نجات نہیں ہے اس سے تو ہمیشہ سوءظن ہی چاہئے کہ احتیاط سوءظن ہی ہے چنانچہ مشہور ہے الحزم سوء الظن اسکی تفسیر میں ہمارے حضرت نے فرمایا تھا کہ بنفسہ یعنی دانائی واحتیاط یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس سے سوءظن ہی رکھے کسی وقت مطمئن نہو ہمیشہ کھٹکتا رہے اگرچہ حکماء نے اس جملہ کے دوسرے معنی لئے ہیں وہ یہ کہ انسان کو کسی پر اعتماد نہ چاہئے ہر شخص پر بدگمان رہے احتیاط رکھے چاہے وہ کیسا ہی مخلص دوست ہو اور معاملہ کے اعتبار سے یہ بھی صحیح ہے مگر عارفین یہ کہتے ہیں کہ دوسروں سے تو حسن ظن رکھے اور اپنے نفس سے سوءظن رکھے چنانچہ یوسف علیہ السلام سے زیادہ کون ہوگا مگر وہ پھر بھی اپنے نفس سے بدگمان تھے اور جب اکابر نفس سے احتیاط کرتے رہے حالانکہ نفس اُن سے بعید تھا تو ہم لوگونسے تو نفس بہت ہی قریب ہے ہمکو بہت احتیاط چاہیے بخصوص طالب علموں کی تو یہ حالت ہے کہ جہاں کسی عمل کا استحباب کا حکم معلوم ہوا بس فضائل کو چھوڑ دیا جہلاء تو مستحبات کو کسی بھی لیتے ہیں مگر لکھے پڑھے بالکل نہیں کرتے الا ماشاء اللہ بس یہ نفس کا بڑا کید ہے جس نے اہل علم کو بہت سی برکات سے محروم کر رکھا ہے اس سے بچنا چاہئے اور مستحبات و فضائل کی بھی بیقدری نکرنا چاہیے چنانچہ یہ رات جو آنے والی ہے یہ بھی بہت قابل قدر ہے اس سے محروم نرہنا چاہئے بلکہ اگر لیلۃ القدر باعتبار معنی لغوی کے لیا جاوے تو ہر رات لیلۃ القدر اور قابل قدر ہے جیسا کسی نے کہا ہے ؎

اے خواجہ چہ پرسی زشب قدر نشانی ❊ ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

صاحبو! ہر روز نعمت ہے اور ہر رات دولت ہے حدیث شریف میں ہے کہ ہر روز نصف شب کے بعد خدا تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرما کر بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں دنیا ہمارا گھر ہے اور زمین فرش ہے اور گویا آسمان اوّل دنیا کی چھت ہوا اور سقف بیت جزو بیت کہلاتی ہے تو گویا حق سبحانہ وتعالیٰ ہمارے گھر تشریف لاتے ہیں اور ہمکو یہ شرف نصیب ہوتا ہے کہ

امروز شاہ شاہان مہمان شدہ است مارا ؛ جبریل با ملائک دربان شدہ است مارا

غرض شاہنشاہ ہر روز ہمارے گھر تشریف لاتے ہیں اور متوجہ ہیں اور وعدے فرماتے ہیں ایک اور لطف دیکھیے اگر ہم کسی دوست کے دروازے پر جائیں خصوصاً مریدین کے دروازہ پر گو وہ بھی اہل اللہ کے نزدیک انکے دوست ہی ہیں خادم نہیں ہیں۔ آجکل مغرور پیروں نے خیال کر رکھا ہے کہ مریدین کو اپنا خادم سمجھتے ہیں اور وہ گھر والے ہم سے نہ بولیں تو یقیناً انسے بیزار ہو جائیں اور اگر بیزار بھی نہ ہوں تو اسقدر رنج و شکایت ضرور کہیں گے کہ ہمسے بولے کیوں نہیں اور اگر وہ سوتے ہوں تو کہینگے کہ ایسا بھی کیا سونا ہے کہ ہمارے آنیکا کچھ بھی خیال نکیا بیچارے جرم قائم ہو جاوینگے خصوص اگر کہلا بھی بھیجا ہو کہ ہم تمہارے گھر آدھی رات کیبعد آئینگے تو اس صورت میں ان مریدوں کو سونیکی بھی اجازت نہ ہوگی جسکی وجہ یہ ہے کہ ایسے پیروں کو اپنے حقوق پیش نظر رہتے ہیں اگرچہ وہ حقوق واہی ہی کیوں نہوں اور جو واقعی اہل اللہ ہیں انکی حالت دیکھیے حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ میرے پاس جو لوگ آتے ہیں انکی قدمونکی زیارت کو موجب نجات جانتا ہوں کیونکہ وہ یقیناً اچھے ہیں اور ان کے اچھے ہونے کی میرے پاس دلیل ہے وہ یہ کہ وہ میرے ساتھ باوجود میرے ناچیز ہونے کے حسن ظن رکھتے ہیں غرض ہماری تو یہ حالت ہے کہ حقوق واہیہ کی کمی پر بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور حق سبحانہ تعالیٰ کو خیال کیجیے کہ باوجود اسکے کہ ان کے حقوق واقعی ہیں مگر آپ نے تشریف آوری کی خبر دینے کے بعد بھی تشریف لاکر ہمکو سوتا ہوا دیکھکر بھی ناراض نہیں ہوتے اور یہ فرماتے ہیں کہ اس بندہ نے ایک مستحب ہی تو ترک کیا ہے اللہ میاں ہم کو بے مروتی کا الزام بھی نہیں دیتے کیا ٹھکانا ہے اس رحم کا (خلاصہ مطلب اس تقریر کا یہ ہے کہ اگر ہم کسی دوست یا مرید کے مکان پر جائیں اور وہ نہ بولے تو ہم کتنے برہم ہوں اور حق تعالیٰ ہمارے گھر روزمرہ تشریف لاتے ہیں اور ہم اسوقت پڑے سوتے رہتے ہیں۔

مگر وہ ہماری اس حالت کو دیکھکر ناراض نہیں ہوتے) اس عنایت کا مقتضا تو یہ تھا کہ ہم
سب بچھہ کرتے اسواسطے کہ جو آقا کبھی کچھ نہ کہتا ہو اسکے سامنے تو بچھل جانا چاہیے تو گویا ہر
شب شب قدر اس معنی کر ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ ہر روز ہماری طرف متوجہ برحمت ہوتے ہیں اور
جو رات آنیوالی ہے (پندرہویں شب شعبان) اسکے تو خاص فضائل آئے ہیں اس معنی کر۔
اسکو مبارک کہنا درست ہے گو احادیث میں مبارک کا لفظ نہیں اور قرآن میں اگرچہ آیا ہے
مگر یہ تفسیر خود محتمل ہے مگر یہ احتمال اس لقب میں مضر نہیں کیونکہ برکت کی حقیقت ہے کثرت نفع اگر
اگر کسی چیز کا کثیر النفع ہونا ثابت ہو جائے تو اسکو مبارک کہنا صحیح ہوگا پس احادیث میں جو فضائل
اس رات کے مذکور ہوئے ہیں جب ان سے کثیر النفع ہونا معلوم ہوتا ہے تو اسکو مبارک کہنا صحیح
ہوگا گو مبارک کا لفظ نہ وارد ہوا ہو۔ اب برکت کی مناسبت سے اسکے متعلق کچھ ضروری بیان کرتا ہوں وہ
یہ کہ اسکی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی ایک اخروی آجکل مدعیان ترقی کو ہمارا ممنون ہونا چاہیے
کہ منافع دنیوی کی تحصیل سے منع نہیں کرتے اتنا فرق ہے کہ ہم اسکو برکت سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ
ترقی کے لفظ سے اگر وہ اسی لفظ کو اختیار کر لیتے تو اچھا تھا ترقی کے لفظ کو اختیار کر کے انہوں نے
علماء کو اپنا مخالف بنا لیا کیونکہ انہوں نے اسکے معنی میں کوئی قید نہ رکھی مگر ہماری مخالفت ان سے
ایسی ہے جیسے باپ کو بچے کے ساتھ ہوتی ہے کہ جب بچہ بے راہی اختیار کرتا ہے تو باپ اسکا مخالف
ہوتا ہے اور اسکو مارتا بھی ہے یا جیسے ماں بیمار بچہ کی مخالفت کرتی ہے کہ بچہ اپنی طبیعت کے موافق
غذائیں مانگتا ہے مگر ماں اسکو نہیں دیتی بلکہ بسا اوقات ضد کرنے پر اسکو مارتی بھی ہے اور وجہ اسکی
یہ ہوتی ہے کہ ان دونوں مثالوں میں دو قسم کے ضرر متعارض ہیں ایک اہون اور ایک اشد ماں باپ اشد
الضررین سے بچانے کے لئے اہون کو اختیار کرتے ہیں اور یہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ جس جگہ دو قسم کے
ضرر جمع ہوں ایک اشد اور دوسرا اہون تو اہون کو اختیار کرنا چاہیے مثلاً باپ نے جو بے راہی کرنے
پر بچہ کو مارا تو یہ بھی بچہ کے حق میں ایک درجہ کا ضرر ہے اور دوسرا ضرر یعنی بے راہی
اس سے اشد ہے کیونکہ اگر بچہ بے راہی اختیار کئے رہا تو اس کا انجام بہت ہی برا ہوگا
مثلاً وہ پڑھتا نہیں یا بری صحبت میں بیٹھتا ہے کہ اس سے آئندہ اُس کو بہت ضرر ہوگا۔
اور یہ ضرر پہلے ضرر سے اشد ہے اسلئے باپ نے اہون کو اختیار کیا تا کہ بچہ اشد الضررین

سے محفوظ رہے اسی طرح ماں جو بیمار بچہ کو مختلف غذاؤں سے روکتی ہے حالانکہ یہ بچہ کے حق میں ایک گونہ ضرر ہو مگر پھر بھی اسکو اختیار کرتی ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ یہاں بھی دو قسم کے ضرر جمع ہیں ایک اشد دوسرا اہون۔ اہون ضرر تو غذا سے روکنا ہے اور اشد ضرر وہ ہے جو غذا کے دینے سے ہوگا وہ یہ کہ اگر بچہ کو اسکی منشا کے موافق غذا دیجائیگی تو بیماری بڑھ جائیگی اور ہلاکت تک نوبت پہنچیگی اسلئے وہ اہون الضررین کو اختیار کرتی ہے اسی طرح ہم اسکو مانتے ہیں کہ بعض مشورے ہمارے ایسے ہیں کہ ان سے دنیا کا ایک گونہ ضرر ہے مگر چونکہ وہ ضرر اہون ہے کہ جو آنا دچھوڑ دیے پر پیش آیگا اس لئے اشد الضررین سے بچانے کے لئے اہون کو اختیار کیا گیا ہے اور وہ ضرر اشد کیا ہے وہ دین کی خرابی ہے کہ اس سے زیادہ کوئی ضرر نہیں اگر اسکا نام مخالفت ہے تو باپ اور ماں اور استاذ سب مخالف ہیں اور درواقع میں اہون کو اختیار کرنا تو اصلاح ہے مدعیان ترقی نے ہمیں خواہ مخواہ اپنا مخالف سمجھ لیا ہے ہمکو مانع ترقی کہتے ہیں مگر واقع میں ہم مانع نہیں ہیں ہم تو ایسی ترقی کے حامی ہیں کہ سات پشت تک اسکی برکت چلی جاوے اور ان کے پاس اپنے دعوے پر کہ انکی ترقی حقیقی ترقی ہے کوئی دلیل نہیں اور ہمارے پاس قرآن و حدیث سے دلیل موجود ہے مگر ہم ان الفاظ سے بچتے ہیں جو قرآن و حدیث میں نہیں ہیں اور اُس لفظ کو اختیار کرتے ہیں جو قرآن میں ہے وہ کیا ہے برکت ہے جسکی حقیقت ہے کثرت خیر اگر کوئی اعتراض کرے کہ تم قرآن و حدیث سے تو صرف ترقی دین کی ثابت کروگے ترقی دنیا کا ثبوت کہاں ہے جواب یہ ہے کہ ہم ترقی دنیا کو بھی قرآن و حدیث ہی سے ثابت کیے دیتے ہیں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میں دنیا کیلئے بھی لفظ برکت اختیار کیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضؓ کیلئے اُن کے مال اور اولاد میں برکت ہونے کی دعا فرمائی تھی اس سے ثابت ہوا کہ ایک صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترقی دنیا کی دعا دی تھی اب لوگ خوش ہوئے ہونگے کہ یہ بات تو ہمارے مطلب کی بتلا دی تو خوب سمجھ لیجئے کہ منافع دنیا کے دو درجہ ہیں ایک وہ کہ جسمیں ضرر نہ ہو دین کا۔ اور دوسرا وہ کہ جسمیں ضرر ہو دین کا مولوی، پہلی ترقی کے حامی اور دوسری کے مانع ہیں جیسا کہ گورنمنٹ کو باوجودیکہ حامی ترقی دنیا کہا جاتا ہے اور وہ اسکی حمایت کرتی ہے کہ رعایا ترقی کرے مگر باوجود حمایت ترقی

منافع دنیا کی دو قسمیں اور انکی مثال اور دنیاوی ترقی ایک درجہ میں مطلوب ہے

کے یہ بھی گورنمنٹ ہی کا قانون ہے کہ ڈکیتی بڑا جرم ہے حالانکہ وہ بھی ترقی ہے اور ترقی ہی
بھی کیسی کہ ایک ذات میں آدمی مالا مال ہو جاوے مگر گورنمنٹ اُس ترقی کی حامی نہیں بلکہ ماحی
ہے صاحبو! وہی قاعدہ تو مولویوں نے اختیار کیا ہے کہ بعضی ترقی کے حامی ہیں اور بعضی
کے ماحی ہیں یعنی جو ترقی مضر دین نہ ہو اسکے حامی ہیں اور جو مضر ہو اسکے ماحی ہیں بڑے تعجب
کی بات ہے کہ ایک ہی بات اگر مولوی کریں وہ تو مردود ہو اور وہی بات گورنمنٹ کرے تو مقبول
ہو تو دونوں جگہ ایک ہی ہے مگر حیرت ہے ایک جگہ مقبول ہو اور دوسری جگہ مردود ہو یہ
تو ایسا ہی ہے جیسے دو طالب علم معقولی تھے اور تھے دونوں حقیقی بھائی بھائی۔ ایک نے دوسرے کو ماں
کی گالی دی کسی نے کہا کہ وہ تیری بھی تو ماں ہے اس نے جواب دیا کہ میں اسکو اس حیثیت سے گالی دیتا
ہوں کہ یہ اسکی ماں ہے اس حیثیت سے نہیں دیتا کہ میری ماں ہے یہی صورت یہاں بھی ہے کہ بات تو ایک
ہے مگر مولوی کی طرف منسوب ہونے کی حیثیت سے تو مردود اور گورنمنٹ کی طرف منسوب ہونے کی
حیثیت سے مقبول غرض حدیث سے ثابت ہے کہ دنیوی ترقی بھی ایک درجہ میں مطلوب ہے خیر یہ تو
یہاں بطور جملہ معترضہ کے آگیا تھا اب میں پہلے ہی مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں آیت میں اس
شب کی علی سبیل الاجمال اور حدیث میں علی سبیل الجزم برکت کی تفصیل بھی فرماتے ہیں چنانچہ
آیت میں ارشاد ہے کہ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ یعنی یہ بھی ایک برکت ہے کہ اس شب میں تمام
امور کا فیصلہ ہو جاتا ہے تمام امور میں سب چیزیں آگئیں صرف نماز روزہ ہی نہیں بلکہ دنیوی
امور بھی اس میں داخل ہیں مثلاً اس کھیت میں اتنا پیدا ہو گا جنگ ہو گی فتح ہو اتنا پانی برسے گا
غرض سب امور کا فیصلہ و انتظام ہوتا ہے یہ سب انتظام برکت میں داخل
ہو گیا سو ایک فرد تو یہ ہے برکت کی دوسری برکت دینی ہے جو احادیث میں مذکور ہے کہ
کہ جب شعبان کی پندرہویں رات ہوتی ہے تو حق تعالیٰ اول شب سے آسمان دنیا پر نزول فرماتے
ہیں یہ خصوصیت اس رات میں بڑھی ہوئی ہے یعنی اور راتوں میں تو پچھلے اوقات میں نزول ہوتا ہے
اور اس شب میں شروع ہی سے نزول فرماتے ہیں یہ بھی وجوہ برکت میں سے ایک وجہ ہے برکت کی اسکی
قدر وہ کریگا جس میں مادہ محبت کا ہو اسکو ایک ایک لمحہ غنیمت معلوم ہو گا وہ تو محبوب کی طرف سے پانچ منٹ بڑھا دینے
کو بھی بہت غنیمت سمجھیگا یہاں تو دو ثلث شب کے بڑھ گئے یہاں اضافہ اصل سے بھی زیادہ ہو گیا مجموعہ دونوں کی

بھی بڑھ گیا اب بات قابل غور یہ ہے کہ کون سے حصہ شب میں جاگنا زیادہ افضل ہے اسکا فیصلہ
قرآن سے بھی ہوتا ہے اور حدیث سے بھی کیونکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر شب میں جاگنا اشد ہے چنانچہ
ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّیْلِ ہِیَ اَشَدُّ وَطْئًا اور ناشئۃ اللیل سونیکے بعد متحقق ہوتا ہے (کذا
فی الجلالین القیام بعد النوم) جب وہ اشد ہوا کیونکہ اسکے اختیار کرنے سے نفس پر مشقت کا اثر زیادہ
ہوتا ہے تو وہی افضل ہوگا۔ آخر سورت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشد ہے چنانچہ فرماتے ہیں عَلِمَ اَنْ
لَّنْ تُحْصُوْہُ اور یہ عدم احصاء آخر شب میں ہو سکتا ہے یہ تو قرآن سے معلوم ہوا۔ حدیث سے بھی اسکا
افضل ہونا معلوم ہوتا ہے چنانچہ آخر شب کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں اور قواعد عقلیہ
بھی اسپر شاہد ہیں کیونکہ وہ وقت سونیکا ہے اور سونیکا ترک کرنا مشکل ہے اور ایک حدیث میں ہے
کہ جو شخص رات کو اٹھکر التجا کرتا ہے تو میں اس سے بہت خوش ہوتا ہوں اسلئے کہ میری وجہ
سے اپنی بیوی اور گرم بستر کو چھوڑ دیا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اخیر حصہ رات کا افضل ہے
لیکن اگر کسی کو اس حصہ میں جاگنا دشوار ہو وہ اول ہی حصہ میں کچھ کر لے کیونکہ اور راتوں
میں تو حق تعالیٰ کا نزول اخیر شب میں ہوتا ہے اور اس رات میں اول ہی شب سے
نزول ہو جاتا ہے اس لئے جن لوگوں کو اخیر شب میں عبادت کرنا دشوار ہو وہ اول ہی شب
میں عبادت کرکے فضیلت حاصل کرلیں جسکا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ عشاء ہی تک عبادت میں
مشغول رہیں اور یہ نفس کا ایک کید ہے کہ جہاں آدمی ثواب کا قصد کرتا ہے تو اسکو حیلہ سے
روکنا چاہتا ہے چنانچہ اس موقعہ پر وسوسہ ڈالتا ہے کہ اخیر شب میں زیادہ فضیلت
ملیگی اسلئے اخیر ہی میں جاگنا چاہئے اول میں جاگنے سے کیا فائدہ۔ سو اول شب سے تو یوں
محروم رہے جب اخیر شب ہوئی اٹھا نہ گیا دونوں طرف سے محرومی ہوئی پوری کے پیچھے لگکر
ادھوری بھی گئی اور ایک خفی کید نفس کا بعض کے لئے اس صورت میں یہ بھی ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے
کہ ممتاز ہو کر رہے اور اسمیں اسکو حظ ہوتا ہے اسلئے بعضے آدمی یہ چاہتے ہیں کہ اخیر
شب ہی میں جاگیں اور نیت یہ ہوتی ہے کہ اس امتیاز میں حظ ہو سو یہ عجب ہے اور عجب ایسی
بری چیز ہے کہ جس وقت کوئی شخص اپنی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے اسوقت خدا کی نظر میں ناپسندیدہ
ہوتا ہے سلف نے تو معاشرت تک میں اسکا اہتمام کیا ہے کہ اپنی نظر میں پسندیدہ نہ ہول

چنانچہ حضرت علیؓ کا واقعہ ہے کہ آپنے ایکبار کرتہ پہنا اسکی آستین خوبصورت معلوم ہوئیں آپنے انکو فوراً تراش ڈالا کہ بدشکل ہو جاویں آجکل اگر کوئی ایسا کرے تو مجنونوں میں شمار ہوگا اسکو دیوانہ کہیں گے مگر واقعی بات تو یہ ہے کہ ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد   مرعس را دید و در خانہ نشد

لوگ اہل اللہ پر ہنستے ہیں وہ بھی ایک دن اپر ہنسیں گے چنانچہ نوح علیہ السلام نے لوگوں کے ہنسنے پہ فرمایا تھا اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ اور اسوقت ہنسنے والونکی یہ حالت ہوگی ؎

؎ فَسَوْفَ تَرٰى اِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ   اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حِمَارٌ

اسوقت معلوم ہوگا کہ یہ گدھے پر سوار تھے یا گھوڑے پر ابتو غفلت کی وجہ سے کچھ نہیں معلوم ہوتا: ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا تھا کہ ہم میں اور صحابہؓ میں کیا فرق ہے انھوں نے، فرمایا کہ اگر صحابہ آجکل کے لوگوں کو دیکھتے تو وہ توان کو کافر سمجھتے اور یہ انکو پاگل اور سڑی خیال کرتے واقعی آج تو کوئی کرتہ کو پھاڑ کر پہن لے تو لوگ کہیں گے کہ کیا پاگل ہو گئے حضرت علیؓ نے یہ اسلئے کیا تھا کہ اپنی نظر میں اچھے نہ معلوم ہوں حضرت عمرؓ کو کسی نے مسلمانوں کے، گھروں میں پانی بھرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں فرمایا کہ میں اس وقت اپنے نفس کا علاج کر رہا ہوں اسوقت دو شخص ہرقل کی طرف سے میرے پاس آئے تھے اور میرے عدل کی تعریف کی جس سے نفس خوش ہوا میں نے اسکا علاج کیا ہے اسپانی بھرنے پر ایک واقعہ یاد آیا گنگوہ میں ایک حافظ علی حسن تھے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت تھے نماز تو ایسی طویل عریض پڑھتے تھے کہ دیکھی ہی نہیں آجکل تو ذراسی عبادت کیکے ولایت پہ رجسٹری ہو جاتی ہے خواہ جعلی ہی رجسٹری کیوں نہ ہو مگر وہ اس سے بھی محفوظ تھے لیکن چونکہ وہ عالم نہ تھے اسلئے اتنی کمی تھی کہ امامت میں بھی ایسی ہی طویل نماز پڑھتے تھے جس سے لوگ گھبرا جاتے تھے یہ واقعی غلطی تھی مگر شاید وہ مکلف بھی نہ ہوں کیونکہ بھولے بہت تھے چنانچہ ایک دفعہ ترکاری لینے گئے کنجڑے نے کہا کہ حافظ جی میں نے تمہیں بہت سی ترکاری دیدی ہے ایک پیسہ میں آنہ کا مال دیدیا حافظ صاحب اپنے ساتھی سے کہتے ہیں کہ ہم نے اسکو ٹھگ لیا

جلدی بھاگ چلو کہیں کھبرا جیسیں نہ لے ان حافظ صاحب کے محلے میں ایک دفعہ سقہ بیمار
ہو گیا لوگوں کو پانی کی تکلیف ہونیلگی حافظ جی اپنے بیٹے سے کہنے لگے کہ بھائی ایک مشک
بنالے اور محلہ میں تو ہی پانی بھر دیا کر لڑکے نے بہت برا مانا حالانکہ بغور دیکھا جاوے
تو مشک اور پیالہ میں فرق ہی کیا ہے پیالہ میں دوسروں کو بھی پانی پلا دیتے ہیں صرف عرف
ہو گیا ہے کہ پیالہ میں پانی پلانا عیب نہیں اور مشک لئے پھرنا عیب ہے مگر حافظ علی حسن
صاحب کو عیب نہ معلوم ہوتا تھا کیوں کہ اُن میں عجب نہ تھا وہ اپنی کچھ شان ہی نہ
سمجھتے تھے اور لڑکے میں عجب تھا وہ اسکو عیب سمجھا غرض جب عمل شاق میں عجب کا
احتمال قوی ہو تو ایسے موقعہ پر عمل شاق کا انتظار نہ کرے اس کا بالکل اہتمام نہ کرے کہ
ہیئت ممتاز ہی ہو کسی نیکی کو جو بھی میسر ہو جاوے حقیر نہ ہو جانے دوسرے کی چیز کو بھی حقیر نہ سمجھے
پڑوسی کے ہدیہ کو بھی حقیر نہ جانے اسی واسطے حدیث میں ہے کہ اگر پڑوسی کے یہاں
سے بکری کی کھری بھی ہدیہ میں آئے تو اسکو حقیر نہ کرے۔

صاحبو! ہر وقت بڑے نفع کے انتظار کی ضرورت نہیں اگر ٹھکانہ ملے تو کیا گھر ابھی چھوڑ دے
طلب کی تو یہ شان ہونی چاہیئے ؎

مرا از زلف تو موئے بسندست — ہوس را رہ مدہ بسند است

شیخ عبدالحق رح نے اشعۃ اللمعات میں یہ شعر اس حدیث کے بعد جس میں آیا ہے کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر بال ترشوائے تھے اور تقسیم کرائے تھے لکھکر فرمایا کہ یہ حضور
اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے اجزاء شریفہ کی ذکر و یادداشت کا باعث تو ہو گیا گویا
بوئے بسندست کا یہ بھی ایک مصداق ہو گیا۔ واقعی بڑے صاحب دل تھے غرض
یہ ہے کہ جو بھی ملجائے غنیمت سمجھے اسکا انتظار نکرے کہ آخیر شب ہی کی فضیلت ملے
یہاں سے اختلاف امتی رحمۃ کا راز بھی معلوم ہو گیا کیونکہ اس اختلاف میں کوئی قول
تو آسان ضرور ہو گا اُسکو لینے والا بھی دین ہی کا لینے والا ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے جو
اپنے نیک بندوں کی شان میں فرمایا ہے تتجافی جنوبہم عن المضاجع کہ جدا ہوتی ہیں
کروٹیں انکی خوابگاہوں سے علماء میں اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد آخیر شب کے

اختلاف امتی رحمۃ کا راز

میں تہجد کے لئے اٹھنا ہے یا عشاء کی نماز ہے بعض نے تہجد مراد لیا ہے اور بعض نے دوسرے معنی لئے ہیں جس صورت میں تہجد مراد ہوگا تو اس آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ علیحدہ ہو جاتی ہیں کروٹیں انکی خوابگاہوں سے یعنی نیند سے اٹھکر عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اگر عشاء کی نماز مراد ہو تو یہ ترجمہ ہوگا کہ علیحدہ رہتی ہیں کروٹیں انکی خوابگاہوں سے یعنی جب تک عشاء سے فارغ نہ ہولیں سوتے ہی نہیں اختلاف سے کتنی آسانی ہوگئی کہ جو شخص بدون عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے نہ لیٹے اور یہ خیال کرے کہ میں بھی اس آیت میں داخل ہوں وہ بھی اس ثواب کا مستحق ہے کیوں کہ حق تعالیٰ کی شان یہ ہے جو حدیث شریف میں وارد ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ تو وہ بھی اسمیں داخل ہو جائیگا جو شخص یہ سمجھ رہا ہے کہ حق تعالیٰ نے نماز عشاء پر بھی یہی وعدہ کیا ہے تو حق تعالیٰ اسکو تہجد ہی کا ثواب دیدینگے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی بناء اس ظن کی ہونی چاہیئے۔

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ کے متعلق ایک واقعہ آیا د آیا وہ یہ کہ یحییٰ ابن اکثم کا جو کہ امام بخاری کے شیخ ہیں جب انتقال ہوا تو ایک شخص نے خواب میں دیکھا پوچھا کیا گذری فرمایا مواخذہ شروع ہوگیا تھا اور حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بڈھے تو ایسا ایسا کرتا تھا میں سہم گیا اور خاموش ہوگیا سوال ہوا کہ خاموش کیوں ہوگئے میں نے عرض کیا کہ ایک بات سوچ رہا ہوں پوچھا گیا کیا سوچ رہے ہو عرض کیا میں نے تو بسند حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تھا اِنَّ اللّٰہَ یَسْتَحْیِیْ مِنْ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان سے شرماتے ہیں تو میں حیران ہوں کہ میں تو بوڑھا ہوں مگر یہاں دوسرا معاملہ ہو رہا ہے اسپر ارشاد ہوا کہ ہمارے رسول علیہ السلام نے سچ کہا اور راوی بھی سچے ہیں آج تیرے بڑھاپے کی بدولت بخشتے ہیں اور تیرے بڑھاپے کا لحاظ کرتے ہیں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ خواب وہی معتبر ہے جو کسی حجت شرعیہ کے معارض نہ ہو جیسا یہ خواب ہے ایک اور شخص کا قصہ ہے جو نہایت مسخرہ تھا اس نے مرنے کے وقت اپنے ایک دوست کو وصیت کی کہ جب مجکو قبر میں رکھو تو میری داڑھی پر آٹا چھڑک دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لوگ دیکھکر ہنس پڑے اور کہنے لگے یہاں بھی

مسخر اپنی نہ چھوڑا دفن کر دیا کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا تو کیا پیشی ہوئی تھی میں نے عرض کیا کہ میں نے سنا تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ یَسْتَحْیِیْ مِنْ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ میرے پاس سفید ڈاڑہی تو تھی نہیں میں نے اس خیال سے اسکی نقل کر لی کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَہُوَ مِنْہُمْ شاید اسی بنا پر مغفرت ہو جاوے چنانچہ مغفرت ہو گئی یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنکے بالوں[ع۵] کا رنگ قدرتی سفید ہو ان کے لئے بہی امید رحمت ویسے حق تعالےٰ، بادشاہ ہیں جو چاہیں کریں انکا کوئی روکنے والا نہیں زبر دست ہیں بہرحال رحمت کے آسان ذریعے بہی رکھدئے ہیں چنانچہ قرب کی برکت روزمرہ بہی نصیب ہو سکتی ہے خاصکر اس شب میں کہ شام ہی سے یہ دولت ملجاتی ہے اگر دشوار کام کی توفیق نہو (یعنی اخیر شب میں نہ جاگ سکیں) تو سہل ہی کو اختیار کرلیا جاوے وہاں تو ذرا سی نیکی کی بہی بڑی قدر ہوتی ہے دیکھئے رفع الاذی عن الطریق کو شعب ایمانیہ میں سے شمار کیا گیا ہے حالانکہ معمولی بات ہے ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ چلا ہوا جا رہا تھا راستہ میں ایک ٹہنی جھک رہی تھی اس نے اسکو مسافروں کی تکلیف کے خیال سے کاٹ ڈالا محض اس بنا پر بخشش ہو گئی اس سے یہ بہی معلوم ہوا کہ حق سبحانہ تعالیٰ بندوں کو بہت ہی چاہتے ہیں حتیٰ کہ انکی رحمت ایسی وسیع ہے کہ نافرمانوں کو بہی نفع پہونچانے سے رحمت ہو جاتی ہے حیوانوں پر بہی رحم کرنے سے رحمت فرماتے ہیں چنانچہ ایک شخص کی بخشش کتے کو پانی پلانے سے ہو گئی تھی اسی لئے ذبیحہ کو راحت دینے کا حکم ہے کفار کو علاوہ زکوٰۃ کے صدقہ دینا جائز کر دیا گیا ہے ہاں جس کافر سے ضرر پہونچا یا ہو اس کے لئے دوسرا حکم ہے وَاَخْرِجُوْہُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ موت کے وقت کافر کو پانی پلانا درست ہے کفار سے ملنے میں بہی رحمت کی رعایت کی گئی ہے کہ ان سے دوستی کا ملنا تو مت ملو مگر ویسے مل لو چنانچہ فرماتے ہیں لَا یَنْہٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْہُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْہِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ اِنَّمَا یَنْہٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰہَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ

ع۵ شاید مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کی طرف اشارہ ہے۔

اَنْ تَوَلَّوْھُمْ کتنی بڑی رحمت ہے کہ نافرمانوں پر بھی رحم کرنے کا حکم ہے اسی واسطے فرماتے ہیں رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اگرچہ کفار پر آخرت میں رحمت خاص نہ ہوگی مگر عام رحمت ایک معنی کر آخرت میں ان پر بھی رحمت ہوگی کیونکہ جس قدر عذاب کفار کو آخرت میں دیا جائیگا کفار اس سے زیادہ کے مستحق تھے اور حق سبحانہ تعالیٰ اس سے زیادہ پر قادر بھی ہیں مگر اس استحقاق سے وہ عذاب ہلکا ہی ہوگا۔ غرض ان کی رحمت سے کوئی چیز خالی نہیں اسکے متعلق ایک حکایت شیطان کی یاد آئی شیطان کی ملاقات حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی اس نے کہا کہ میں بھی حق تعالیٰ کی رحمت کا مستحق کیونکہ ارشاد ہے کہ وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ کُلَّ شَیْءٍ اور میں بھی شئی میں داخل ہوں حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ آگے یہ بھی تو ہے فَسَاَکْتُبُھَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ جسکا ادنیٰ درجہ ایمان ہے پس ایمان کی قید بھی تو اس میں لگی ہوئی ہے شیطان نے کہا کہ خدا کی صفات میں قید نہیں ہوتی وہ کسی قید کا مقید نہیں وہ خاموش ہو رہے مگر انہوں نے وصیت کی کہ شیطان سے کوئی مناظرہ نہ کرے۔ واقعی شیطان کے مغالطات بھی عجیب ہیں اس نے منطق میں باب مغالطات ہی پڑھا ہے اور کچھ نہیں پڑھا نام بھی اس کا ابلیس ہے جو ماخوذ ہے تلبیس سے اس لئے اگر وسوسے آئیں تو ان میں خوض نہ کرے کہ وہ بھی ایک قسم کا مناظرہ ہے مگر اسکے اس مغالطہ کا جواب ایک تو یہی کہ یہ قید ذات وصفات کی طرف راجع نہیں فعل کتابت یعنی تجویز و تقدیر کی طرف راجع ہے اور افعال الٰہیہ بوجہ حدوث کے خود ارادہ الٰہیہ سے مقید ہو سکتے ہیں۔ دوسرا جواب اسکے مقدمات کے ابطال سے قطع نظر کرکے یہ ہے کہ عذاب اور رحمت میں تنافی نہیں تجھ پر بھی باوجود تیرے جہنمی ہونے کے خدا کی رحمت ہے وہ اسطرح کہ خدا تعالیٰ جتنا عذاب تجھکو دینگے تو اس سے زیادہ کا مستحق تھا اور ان کو اس سے زیادہ پر قدرت بھی ہے اس سے کم دینا یہ بھی رحمت ہوا۔ بہر حال جب انکی رحمت ایسی وسیع ہے آسان عمل پر بھی عطا ہو جاویگی اسلئے تم دشوار عمل کا انتظار نہ کرو جو توفیق ہو کر لو اگر اخیر شب میں جاگ سکو تو اخیر میں ورنہ اوّل ہی میں سہی مگر ایسا انتظام ہو کہ زیادہ حصہ جاگنے کا ہو جسمیں

سہولت ہو خواہ اول میں خواہ آخر میں اسکو اختیار کر لو سہولت کے متعلق ضعیف البتہ کیلئے ایک گر حدیث میں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپ کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ آسان کو اختیار کر لیتے مجکو کہیں دیکھا ہوا یاد آتا ہے کہ شیخ اکبر جو کہ بحد مجاہدہ کرنے والے ہیں اختلاف مسائل کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ جس مسئلہ میں حلت وحرمت کا اختلاف ہو تو ظاہر تو یہ ہو کہ حرام کہنے والا زیادہ محتاط اور اقرب الی الدین ہو لیکن وہ کہتے ہیں کہ حلت کا فتویٰ دینے والا اقرب الی الرحمۃ ہے کیونکہ رحمت کا اصل اثر تیسیر ہے یہی راز ہے کہ معاصی کی سزا میں حلال کی تحریم تو ہوئی ہے مگر حرام کی تحلیل کبھی نہیں ہوئی لیجئے اہل مجاہدہ کے قول سے بھی ہمارا مدعا ثابت ہو گیا مگر ہم شیخ اکبر کو کیوں لیں ہم نبی اکبر کو نہ لیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خود یہی شان تھی کہ مَا خُيِّرَ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَهْوَنَهُمَا جیسا اوپر مذکور ہوا مثلاً ایک کام کے دو طریقے ہیں ایک آسان اور دوسرا مشکل آپ آسان طریقہ کو اختیار فرماتے خدا تعالیٰ کی عادت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے حق تعالیٰ کی قدرت کی یہ شان ہے کہ انکے کُنْ کہتے ہی چیز موجود ہو جاتی ہے اسی واسطے اگر آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اگر کُنْ فرما دیتے تو سب اسی وقت تیار ہو جاتے کچھ بھی دیر نہ لگتی مگر ایسا نہیں کیا بلکہ چھ دن میں بنائے سب کام آہستہ آہستہ کئے علماء نے فرمایا ہے کہ اس میں تعلیم ہے تثبت اور مہلت کی اور میں اس سے استنباط کرتا ہوں کہ اس میں تعلیم ہے سہولت کی بھی البتہ جس کام کا ایک ہی طریق ہو وہ تو صرف اسی طریق سے ہو گا خواہ سہل ہو یا دشوار باقی جہاں دو طریق ہوں تو سہل ہی کو اختیار کر لے جیسے گھر کے دو راستے ہوں تو جو سیدھا ہو اُس کو اختیار کر لے کہ اس میں سہولت ہو گی اور بعض دفعہ یہی ہوتا ہے کہ راستہ بظاہر تو دور معلوم ہوتا ہے مگر واقع میں قریب معلوم ہوتا ہے کہ بے خطر ہے مصرعہ مشہور کا یہی محمل ہے

؎ راہ راست برو اگرچہ دور است +

یعنی راست کی تفسیر بے خطر ہے خط مستقیم نہیں ورنہ اس مصرعہ پر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ کام کو جب دو طریقوں میں کرنا ہوتا آسان طریقہ اختیار فرماتے

خدا تعالیٰ کے کام سے تعلیم سہولت کی تائید ہوتی ہے

ایک طالبعلمی شبہ ہوتا ہے کہ رہ راست بھی فرمارہے ہیں اور دیرتک فرمارہے ہیں اسکے کیا معنی اسلئے کہ رہ راست تو خط مستقیم ہوگا جو مطلب تک پہونچتا ہو اور خط مستقیم سب خطوط واصل بین النقطتین سے چھوٹا ہوتا ہے پھر دور کہنے کا کیا مطلب ہے جواب وہی ہی جو اوپر کہا گیا کہ یہاں راہی کے معنی عرف کے موافق بے خطر کے ہیں گو وہ ظاہر میں لمبی ہی ہو مگر معنیً راست ہو پس یہاں راست معنوی مراد ہے یعنی جسمیں معنوی کجی نہ ہو مطلب یہ ہی کہ جو راستہ بے خطر ہو گو ظاہر میں دور ہو اس سے جانا چاہئے اور اس راستہ کو نہ جانا چاہئے جو بظاہر تو قریب ہو مگر پر خطر ہو کہ حقیقت میں وہ ہی دور ہو بہرحال انکی ایسی رحمت ہی کہ آدمی تھوڑا سا بھی عمل کرے تو محروم نہیں رہتا اگرچہ تین دفعہ اللہ ہی کہنے کی توفیق ہو جاوے اسکو کہنا بھی مت چھوڑو اگرچہ بے وضو ہی ہو ایک واقعہ قیامت کے دن کا حدیث میں آتا ہی کہ ایک شخص کے گناہوں کے اعمال نامے منتہائے بصر تک ہونگے اور وہ شخص اسپر مغفرت سے مایوس ہوگا اتفاق سے ایک ذرا سا پرچہ ان میں نکلیگا کہ اسکے رکھنے سے میزان حسنات کا پلہ وزنی ہو جاویگا اسپرچہ میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لکھا ہوگا اگرچہ جسکو اسنے اخلاص سے کہا ہوگا اگرچہ ایک دفعہ ہی کہا ہو دیکھئے ایک بار کے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے کتنا فائدہ حاصل ہوا اگر شبہ ہو کہ اسنے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خلوص سے کہا ہوگا اور ہم میں خلوص ہے نہیں جواب یہ ہے کہ اگر خلوص بھی نہ ہو تب بھی کہنا بیکار نہیں کہنے سے استعداد تو ہو جاویگی اور یہ اوّل بار بھی کہنا آئندہ عمل پر معین ہو جائیگا لہذا ادنیٰ عمل کو بھی بیکار نہ سمجھو اور کوئی ساعت کسی نہ کسی عمل سے خالی نہ رہنے دو اسی لئے مشائخ نے پاس انفاس تجویز کیا ہی کہ کچھ نہ کچھ سلسلہ رہے

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی　　　شاید کہ نگاہی کند آگاہ نباشی

صاحبو! وقت کو ضائع مت کرو ہر ہر وقت کی قدر کرو خاصکر ایسی شب کی جسکا بیان ہو رہا ہے ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ یہ جو بعض اوراد کی کتابوں میں پندرھویں شب شعبان میں خاص نوافل پڑھنے کو لکھدیا ہے یہ کوئی قید نہیں جو چیز شرعاً بے قید ہے اسکو بے قید ہی رکھو حدیث میں نوافل کی کوئی قید نہیں آئی بلکہ جو عبادت آسان ہو وہ کرلو اسمیں نوافل بھی آگئے اور وہ بھی کسی ہیئت کے ساتھ نہیں باقی بزرگوں کے کلام میں جو خاص ہیئت کے نوافل کا ذکر آیا ہی تو اسکا سبب یہ ہی کہ کسی بزرگ نے کسی مرید کیلئے اسکی خاص حالت کے اقتضا سے اسکو

تجویز کیا ہوگا اور اسکے حق میں یہی مصلحت ہوگا اب اسکو عام کر لینا یہ بدعت ہو باقی
بزرگوں کو کچھ نہ کہیے غرض حدیث میں کوئی خاص عمل وارد نہیں چاہے قرآن شریف پڑھو
یا اللہ اللہ کرو یا نوافل پڑھو خواہ وعظ کہو سنو چنانچہ کانپور میں اس شب کو اندر ہم وعظ
کہلواتے تھے کیونکہ وعظ کے شغل میں جاگنا ذرا آسان ہوتا ہے اگرچہ بعض اسمیں بھی سو رہتے
ہیں۔ لطیفہ ایک شاہ صاحب تھے اُن سے کسی نے پوچھا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ وعظ میں نیند
آتی ہے اور ناچ میں نہیں آتی انہوں نے جواب دیا کہ نیند پھولوں پر آیا کرتی ہے
کانٹوں پر نہیں آتی مگر یہ ایک لطیفہ ہے حقیقت یہ نہیں ہے ورنہ پاخانہ میں کیوں
نیند آتی ہے وہاں پھول کہاں رکھے ہیں دوسرے عبادات ظاہر میں پھول کہاں ہیں وہ تو
نفس پر نہایت شاق اور گراں ہیں اُن میں بظاہر حظ اور لذت نہیں اور کھیل تماشے
نفس کے موافق ہیں اور ان میں حظ ہے اس بناء پر معاملہ برعکس ہونا چاہیے تھا بلکہ حقیقت
اسکی دوسری ہے وہ یہ کہ نیند یکسوئی سے آتی ہے کھیل تماشے میں یکسوئی نہیں ہوتی ہر
جزو میں جدا جدا لذت ہوتی ہے جس پر مستقل توجہ کیجاتی ہے اس سے توجہ منقسم ہو جاتی ہے اسلئے
نیند نہیں آتی بخلاف نماز کے کہ جب اس کو شروع کر دیا چونکہ وہ ہم کو ایسی یاد ہوتی
ہے کہ سوچنے اور غور کرنے کی اس میں حالت ہی نہیں ہوتی جیسے گھڑی کی کوک بھر کر
رکھدی کہ بس ایک طریقہ پر چلتی رہتی ہے اس لئے بالکلیہ نماز میں توجہ کی متجدد
کرنیوالی کوئی چیز نہیں اسمیں یکسوئی ہو جاتی ہے اس لئے نیند آجاتی ہے اسی طرح وعظ کو
کہ جہاں شروع ہو گیا اور اس طرف کان لگ گئے بس یکسوئی ہو گئی اور نیند آنے
لگی اور کھیل تماشے میں توجہ بٹی رہتی ہے یکسوئی نہیں ہوتی اسلئے نیند بھی نہیں آتی،
باقی شاہ صاحب کا کلام مخاطب کی خاص حالت کے اعتبار سے ایک لطیفہ ہے
خلاصہ یہ ہے کہ یکسوئی میں نیند آتی ہے اور اسمیں نیند نہ آنے کی تدبیر یہ ہے کہ متفرق
اعمال شروع کر دئے جاویں تاکہ توجہ منقسم رہے کچھ دیر نوافل پڑھ لئے تلاوت
کر لی ذکر کرنے لگے پھر وعظ شروع کر دیا یا سننے لگے۔ مگر وعظ میں ایک خرابی
ہو گئی ہے کہ لوگوں کا اجتماع ہو جاتا ہے تداعی بھی ہوتی ہے اسلئے بہتر یہ ہو کہ گھر کی لوگ جمع

ہو کر عبادت کریں اور نیند کے دفع کیلئے متفرق عبادتوں میں مشغول ہوں کسی سے کوئی مختصر مباح بات بھی کر لی (جیسے کھانے کے ساتھ کبھی کبھی مربہ اور چٹنی کا بھی ذائقہ لے لیتے ہیں) اتنی بات کا مضائقہ بھی نہیں۔ یہ نہ ہو کہ سارا وقت باتوں ہی میں گذار دیں کیونکہ نرا جاگنا ہی مقصود نہیں جیسے ایک فقیر کو میں نے دیکھا کہ محض جاگنے کیلئے افیون کھایا کرتا تھا جو خلاف شرع حرکت تھی تو ایسے جاگنے سے کیا فائدہ سو ایسا تو نہ کرنا چاہئے جاگنا تو عبادت کیلئے ہو مگر تجدید نشاط کیلئے بیچ بیچ میں تھوڑی بات بھی کر لے تو مضائقہ نہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی سے باتیں کر لیتے تھے باتیں مقصود نہیں تھیں بلکہ طبیعت کی تازگی کیلئے ایسا فرماتے اسطرح نفس کو خوش رکھکر جاگے اور اگر تکان ایسا ہو جاوے کہ نیند سے بیقابو ہو جاوے تو سو رہے کیونکہ ارشاد ہے فلیرقد ایسی حالت میں سو رہنے ہی میں فضیلت ہے غرض ہر حال عبدیت مطلوب ہے خواہ سونے میں ہو یا جاگنے میں اپنے کو سپرد بخدا کر دے جیسا حکم ہو وہی کرے بس یہ حالت ہو ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو — جاں شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

اور یہ حالت ہو جسکو مولانا فرماتے ہیں شعر

ہچو کلکم در میان اصبعین — نیستم در صف طاعت بین بین

غرض اتباع نفس کیلئے کچھ نہ ہو محبوب کا جو حکم ہو وہ کرو یہ ہے عبدیت اور باقی کوئی شے بالذات مقصود نہیں بعض وقت نماز پڑھنا ممنوع ہو جاتا ہے اور سونا مطلوب ہو جاتا ہے جیسے دوپہر کا وقت دوپہر کا سونا اسی غرض سے کہ اعانت ہو شب بیداری میں معلوم ہوا کہ مقصود امتثال امر ہے اسپر مجھے اسوقت ایک نکتہ عجیب یاد آیا جو آیت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کے متعلق ہے اسکو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ نے فرمایا تھا یا تو آپ کے قلب پر وارد ہوا ہوگا یا اور کسی سے سنا ہوگا واللہ اعلم فرماتے تھے کہ وما خلقت الجن الخ میں سوال یہ ہوتا ہے کہ عبادت کرنیوالی علاوہ جن اور انس کے اور مخلوقات بھی تو ہیں جیسے فرشتے پھر جن وانس کی تخصیص کیوں فرمائی جواب یہ ارشاد فرمایا کہ عبادت کے معنی ہیں عبد شدن یعنی غلام شدن یہ شان جن والانس ہی کی ہے شرح اسکی یہ ہے کہ خدمتیں دو قسم ہیں ایک معین دوسری غیر معین۔ نوکر کی خدمت تو معین ہوتی ہے اور غلام کی معین نہیں ہوتی غلام کی خدمت کھانا پکانے اور قلمدان اٹھانے اور پاخانہ کمانے لیکر تا شب بکری صوبہ کا

انتظام کرنے تک ہوتی ہے یہ شان جن وانس ہی کی ہے کہ انکی عبادت کوئی معین نہیں وقت پر ہوتا ان کا عبادت پاخانہ جانا ان کا عبادت اور ان کا کسی کو شرعی حکم سے مارنا عبادت کوئی کام ایسا نہیں کہ ان کیلئے عبادت نہ ہو بخلاف دوسری مخلوق کی کہ وہ اپنی عبادات میں مشابہ اجیر کے ہیں جنکو خاص کام کیلئے مقرر کیا جاتا ہو پس یہ شان ہے عبد کی کہ جو اسکو حکم ہو وہ کرے حتی کہ بعض رخصت کو ترجیح ہو جاتی ہے اور عزیمت خلاف اولی ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک بزرگ بیمار تھے آپ نماز کے وقت احتیاطاً تیمم نہیں فرماتے تھے دوسرے بزرگ نے ان سے فرمایا کہ آپ سمجھے ہوں گے کہ میں بڑا کام کر رہا ہوں مگر قلب کو دیکھئے کہ تیمم میں انشراح نہیں حالانکہ شریعت کا حکم اس موقعہ پر تیمم کا ہے پھر اسمیں تنگی ہے یہ مزاحمت ہے احکام شرعیہ کی اسوقت عزیمت تیمم ہی ہے کیسی عجیب بات فرمائی غرض عبدیت تو یہ ہو کہ جیسے حکم ہو ویسے کرے

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں　　خاک برفرق قناعت بعد ازیں

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ آسانی سے کام کرو جس موقعہ پر عبادت کا حکم ہے عبادت کرو اور جہاں سونے کا امر ہے وہاں سوؤ اسمیں دن دونی اور رات چوگنی برکات ہونگی اسی قاعدہ سے اس شب کی برکات حاصل کرو مگر لوگوں نے اس شب میں برکات چھوڑ کر بیہودہ حرکات اختیار کر رکھی ہیں چنانچہ آتشبازی ایسی منکر حرکت ہے جو نام ہی میں اس کے منکر ہونیکا اقرار ہے نام بھی ایسا ابہام کیا گیا جسمیں آتش بھی ہے اور بازی بھی ہے نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خطرہ کی چیز ہے اور لہو لعب ہے بھلا آتش سے تلبس ہونا بھی کوئی اچھی بات ہے حدیث شریف میں تو یہانتک ارشاد ہے کہ سوتے وقت چراغ کو گل کر دو جو کہ عادۃً دور ہی رکھا جاتا ہے حضور نے اسکو بھی جلتا ہوا چھوڑنا پسند نہیں کیا کیونکہ خطرہ سے خالی نہیں اور اسکے متعلق واقعات بکثرت ہو گئے ہیں پھر تلبس قریب ہے تو ممانعت کیوں نہ ہوگی حالانکہ بڑی خطرہ کی چیز ہے چنانچہ بہت سے واقعات اسکی بدولت ہر سال پیش آتے ہیں کسی کا ہاتھ جل گیا کسی کی جان جاتی رہی کسی کا مکان خاک سیاہ ہو گیا اور اگر فرضاً کچھ بھی نہ ہو تو اتلاف مال تو ضرور ہی ہے اور زیادہ تر یہاں تا بالغ بچے

جن کے دل میں تو یہ ہوتا ہے کہ ہم خود تماشہ دیکھیں مگر چونکہ وقار کے خلاف ہے
اس لئے بچونکو آڑ بناتے ہیں اور عذر یہ کرتے ہیں کہ بچے نہیں مانتے تماشوں میں بچونکو
ساتھ لیجاتے ہیں۔ صاحبو! ان بچونکو کیوں بدنام کرتے ہو بلکہ تمہاری ہی گود میں
ایک بچہ ہے جسکو نفس کہتے ہیں وہ تمکو لیجاتا ہے ظاہر میں بچوں کو لیے دیتے ہیں
اور مقصود خود تماشہ دیکھنا ہوتا ہے اپنی غرض کیلئے اولاد کے اخلاق بگاڑ رہے ہو
اور اگر سچ مچ بچے ہی ضد کرتے ہیں تب بھی یہ عذر قابل قدر نہیں دیکھو اگر تمہارا بچہ
باغیوں میں شامل ہو کر گولہ چھوڑنے لگے تو تم اسکو روکوگے یا نہیں ضرور روکوگے اگر نہ مانیگا
جبراً روکوگے اسیطرح یہاں کیوں نہیں روکا جاتا بس یوں کہو کہ گناہ کو برا ہی نہیں سمجھتے اگر تم خود معصیت
کو برا سمجھتے تو بچونکو اسکی عادت کیوں ڈالتے بھلا اگر بچے ضد کرکے سانپ مانگنے لگیں تو کیا دیدوگے پھر
جسکو خدا و رسول صلعم نے مضر کہا ہے کیا وجہ ہے کہ اسکی عادت ڈالی جاتی ہے معلوم ہوا کہ خدا و
رسول صلعم کے فرمانیکی وقعت نہیں پھر یہ کہ یہ مال تمہارا کہاں ہے سب خدا ہی کی ملک
ہے تم محض خزانچی ہو تمہارے ہاتھ میں تو تحویل ہے تم ایسے ہو جیسے غلام ہوتا ہے مالک
صرف اللہ تعالیٰ ہیں چنانچہ ارشاد ہے وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ہمیں یہ اجازت نہیں کہ اسکو جیسے چاہیں خرچ کریں خدا کا مال ہے اسکی بابت
قیامت میں سوال ہوگا کہ تم نے کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا پس جب بچونکو آتشبازی
کیلئے پیسے دینا شرعاً حرام ہے تو تم دینے والے کون ہو ہرگز مت دو اور ضد کریں پھر دو کھیل تماشے
میں بھی ان کو مت کھڑا ہونے دو صاحبو! بزرگوں نے تو بچونکو ایسی ایسی عادت ڈالی ہے کہ جس سے
انکو دولتیں ملگئیں اور تم ایسی عادتیں ڈالتے ہو جس سے دنیا اور دین دونوں تباہ ہوں
ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ انکا ایک لڑکا تھا بالکل بچہ کم سن انھوں نے بی بی سے ابتداء
ہی سے کہہ رکھا تھا کہ اگر یہ کوئی چیز مانگے تو اپنے ہاتھ سے مت دو بلکہ اسکی ضرورت کی چیزیں ایک
جگہ اس سے مخفی کرکے رکھدو جب یہ کوئی چیز مانگے تو اس سے کہدو کہ وہاں جاکر اللہ میاں سے مانگو اور
ہاتھ ڈالکر لیلو تاکہ اسکا یہ اعتقاد ہوجاوے کہ اللہ میاں ہی دیتے ہیں چنانچہ بی بی نے ایسا ہی کیا
ایک روز اتفاقاً اسکے لئے کھانا رکھنا بھول گئی اس روز بھی بچے نے حسب معمول اللہ،

میاں سے کھانا مانگا اور ہاتھ ڈالا تو کھانا غیب سے پیدا ہوگیا ان بزرگ کو
خبر ہوئی کہنے لگے بحمد اللہ میں اس ہی حالت کا منتظر تھا اسکے بعد تمام عمر اس بچہ کی
یہی حالت رہی کہ جب اسکو ضرورت ہوتی خدا تعالیٰ سے مانگتا اور وہ چیز ملجاتی ان
بزرگوں نے بچپن ہی میں اسکو صاحب کمال بنا دیا خیر ہم ایسے نہ ہوں تو بچوں کو معاصی
میں تو مبتلا نہ کریں غرض یہ ہے کہ اس بارے میں نہایت اہتمام کی ضرورت ہے اس
آتشبازی کی اصل دیکھی جاوے تو یہ نکلتی ہے کہ برامکہ ایک قوم تھی یہ اصل میں
آتش پرست تھے پھر اسلام لے آئے ان میں اچھے لوگ بھی تھے مگر بعض میں آتش پرستی
کا مادہ موجود تھا یہ فعل انکا ایجاد کیا ہوا ہے تاکہ اس بہانہ مرکز کی طرف توجہ رہیں پھر دیکھا
دیکھی دوسرے مسلمانوں نے بھی اسکو اختیار کر لیا جب ماخذ اس کا مادہ کفر ہو تو یہ شعبہ کفر کا
ہوا اسکو دوسری معصیتوں سے زیادہ اہتمام کے ساتھ چھوڑ دینا چاہئے اور خیر یہ معصیت
تو مع بیرنگ معصیت ہی ہے کہ دنیا بھی اسکے برا ہی سمجھتے ہیں۔ ایک معصیت برنگ عبادت ہے
یعنی اس تاریخ کو تہوار منایا جاتا ہے وہاں اس سے انکار نہیں کہ یہ عبادت کی رات ہے مگر اسمیں
صرف اتنا منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رات میں قبرستان میں تشریف لیگئے اور اہل
بقیع کیلئے استغفار فرمایا (اور دہ فی ثابت بالسنۃ من روایۃ عائشۃ لبزیق ابن ابی
شیبۃ والترمذی وابن ماجۃ وبثلث طرق البیہقی م) اس سے زیادہ منقول نہیں کھانا تو سرے ہی
کہیں منقول نہیں جیسا عاشورا میں بعض روایات وارد ہیں مگر لوگوں نے اسمیں حلوے کا یہ
اختراع کیا ہے اسکے بارے میں عجیب عجیب روایات گھڑی ہیں چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ
کی اس تاریخ وفات ہوئی تھی یہ انکی فاتحہ ہے یہ واقعہ تاریخ ہے بالکل ہی خلاف کیونکہ وفات
حمزہؓ کی شعبان میں نہیں ہوئی بلکہ شوال میں ہوئی ہے اگر کہو کہ وفات گو شعبان میں نہیں ہوئی
مگر جو شعبان بعد میں آیا تھا اسمیں انکی فاتحہ دلائی گئی تھی تو جواب اسکا یہ ہے کہ اول تو اتنے دنوں
بعد فاتحہ کیسی پھر تم اس کا ثبوت دو کہ شعبان میں انکی فاتحہ دلائی گئی تھی اور یہ بھی ثابت کرو
کہ اس میں حلوہ ہی پکا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس تاریخ میں دندان مبارک شہید ہوا
تھا اور آپنے حلوہ کھایا تھا اس لوکر تے ہیں تو یہ بھی محض لغو ہے کیونکہ یہ واقعہ شہادت دندان

آتشبازی کی اصل

کا بھی شوال ہی میں ہوا تھا غرض یہ باتیں بالکل گھڑی ہوئی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا
ثابت ہے اس سے صرف اسقدر ثابت ہو سکتا ہے کہ مردوں کو اس رات میں نفع پہونچاؤ اس سے صرف
اتنا نکلیگا کہ مردوں کو ثواب بانٹ دو باقی اور پابندیاں کوئی چیز نہیں ثواب پہونچانیکیلئے قرآن شریف
پڑھو نماز پڑھو خیرات بھی چاہو کر دو مگر حلوے کی تخصیص کیلئے اناج بھی کافی ہے پیسہ بھی کافی ہیں بعض لوگ
اسمیں یوں کہتے ہیں کہ حلوے کے لئے بچے ضد کرتے ہیں جواب یہ ہے کہ چار دن پہلے پکا لو اسدن نہ
پکاؤ بعض شہروں میں شب برات سے ایک دن پہلے عرفہ مشہور ہے کہ شب برات میں تو پرانے مردوں کو
ثواب پہونچاتے ہیں اور ایک دن پہلے جدید مردوں کو تاکہ وہ پرانے مردوں میں شامل ہو جاویں
ورنہ شامل نہیں کئے جاتے بھلا بتلائیے اسکی کیا اصل ہے اگر علما ایسی بے اصل باتوں کو منع
کرتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ مولوی وہابی ہو گئے صاحبو ان رسموں کی کوئی اصل نہیں غرض اس رات
کے احکام یہ ہیں جو بیان ہوئے اور دن کے احکام یہ ہیں کہ دن کو روزہ رکھو یعنی پندرہویں
تاریخ کو جواب کی روایت کے حساب سے اتوار کا دن ہوگا وہی روزہ کا دن ہوگا حدیث میں
ہے قُوْمُوْا لَیْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا[1] بس اس تاریخ کے متعلق صرف یہ حکم ہے یہ بیان
قصداً اس لئے کیا گیا کہ وہ رات آنیوالی ہے اسقدر اور کہتا ہوں کہ یہ مقدمہ ہے
رمضان کا میرا تو ذوق یہ کہتا ہے کہ رمضان شریف میں جو جاگنا ہوگا اس شب کا جاگنا اسکا
نمونہ ہے اور یہ صوم ایام رمضان شریف کا نمونہ ہے پس دونوں نمونے رمضان کے ہیں ان
نمونوں سے اصل کی ہمت ہو جاویگی پھر اس صوم کے بعد جو صوم سے منع فرمایا اس میں
حقیقت میں رمضان کی تیاری کیلئے فرمایا ہے کہ جب شعبان آدھا ہو جاوے تو روزہ مت رکھو
مطلب یہ کہ سامان شروع کرو رمضان کا یعنی کھاؤ پیو اور رمضان کیلئے تیار ہو جاؤ اور یہ امید رکھو
کہ روزے آسان ہوں گے جب معلوم ہوا کہ رمضان کے روزوں کی آسانی مطلوب ہے تو اسی کے ذیل میں ایک
عمدہ تدبیر آسانی کی میں بتلاتا ہوں وہ یہ کہ روزہ میں یہ تذکرہ ہی مت کرو کہ آج گرمی ہے پیاس بہت
لگ رہی ہے بھوک زیادہ ہے دل گرا جاتا ہے ضعف بہت ہو گیا ہے یہ تذکرے بالکل نہ
کرو سطح روزہ بالکل نہ معلوم ہوگا میں بدون دودھ پی کی تدبیر کہہ رہا ہوں اسکو تجربہ کا طریق بتلاتا ہوں کہ ایک
روزہ تو اسطرح رکھو کہ اسمیں اس قسم کا تذکرہ نہ کرو اور دوسرا ایسا رکھو کہ جس میں ایسے تذکرہ کرو دونوں میں فرق

[1] اس رات میں قیام کرو دن میں روزہ رکھو۔

پاؤ گے اور ایک غرض رمضان کو سامان کے لئے یہ ہے کہ ابھی سے گناہوں کو چھوڑ دو اگر اب بھی مبتلا رہو گے تو رمضان میں کیسے چھوڑو گے خصوصیت خاص اہتمام سے چھوڑ دو خصوصاً عورتوں کو اسکے اہتمام کی زیادہ ضرورت ہے اور باقی جتنی بھی باتیں ناجائز ہیں سب چھوڑ دو جنکی کمائی اچھی نہیں وہ ایسی کمائی چھوڑ دیں کیسا افسوس ہے کہ روزہ حرام غذا سے افطار ہو اول تو ایسی کمائی بالکل چھوڑ دیں اور اگر اس بلا میں گرفتار ہی ہیں اور مجبوری ہے تو کم از کم رمضان کیلئے تو نیک کمائی کا اہتمام کرلیں میں اس کا ایک طریقہ بتلاتا ہوں اگرچہ بتلانے کو جی تو چاہتا نہیں کیونکہ لوگ کچھ سے کچھ سمجھ جاتے ہیں مگر اس لئے بتلاتا ہوں کہ لوگ رمضان میں تو حرام خوری نہ کریں صورت اس کی یہ ہے کہ تمہارے پاس جو کمائی حرام کی ہو اس سے برتنے کی چیزیں مت خریدو کسی سے روپیہ قرض لیکر اس سے خرید لو چاہے قرض پھر اپنے اسی مال میں سے ادا کر دینا یہ کرخی کا قول ہے بہتر یہ ہے کہ کسی کافر سے قرض لے لیں تاکہ بوقت ادائیگی کوڑا کوڑے میں جائے اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جیسے حرام کا کمانا ناجائز ہے اسی طرح اس سے دوسرا انتفاع بھی حرام ہے اس غلطی میں بہت لوگ مبتلا ہیں ایک صاحب تھے وہ رشوت کے مال سے کھاتے تو نہ تھے مگر جوتے پہن لیتے تھے غرض لوگوں نے عجب عجب گھڑت کی ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بری ہو گئے حالانکہ ایسا نہیں ہے کھانا بھی ایسے مال کا حرام اور منتفع ہونا بھی حرام یہ احکام مجملاً رمضان اور شعبان کے بیان کر دیئے گئے ایک تو مبارک تاریخ کا ذکر یعنی شعبان کی پندرھویں روزہ اور اس کے بعد مبارک ماہ کا ذکر یعنی رمضان شریف کا تو یہ نور علیٰ نور ہو گیا

فقط

اشرف علی

۲۲ شعبان ۱۳۳۵ ہجری

عہ اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ حرام مال کمانے کا گناہ جاتا رہیگا گناہ برابر رہیگا اور اس پر مواخذہ بھی ہوگا یہ تدبیر تو صرف اسکی ہے کہ مال حرام اپنے کام میں نہ آئے ۱۲ جامع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی ب
الجبر بالصبر

این	کہاں ہوا	کتانہ بھون بمکان جناب منشی اکبر علی صاحب مرحوم
متی	کب ہوا	۲۴ ذیحجہ ۱۳۳۶ھ بروز دوشنبہ بوقت صبح
کم	کتنی دیر ہوا	۳ گھنٹہ ۵۴ منٹ
کیف	کس ہیئت پر ہوا	جالسا علی الکرسی
لم	کیوں ہوا	بدرخواست اہتمام وجناب ابو منشی محمد مظہر علی صاحب ادام ظلہم
ماذا	کیا مضمون تھا	چونکہ درخواست کنندہ کا ایک فرزند دلبند انتقال کر گیا تھا اور اس کے بعد منشی اکبر علی صاحب مرحوم کا وصال ہو گیا اس کے بعد مولوی شبیر علی کے بہت جگر صغیر علی کا اور ان کی ایک بھانجی کا انتقال ہوا اس لئے صبر کی تعلیم نہایت ضروری تھی کر دیا گیا کہ دنیا میں جس قدر مصائب ہم پر واقع ہوتی ہیں ان کی حقیقت تمہاری رحمت کہ ایک سبب سے ہے اور دوسری بھی اس کے سبب مصیبت و رحمت بالعرض حقیقت پر مقصود ہیں ۱۲
من ای شیء	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	ہر طبقہ کو عموماً
من ضبط	کس نے ضبط کیا	بیخ الاسلام مولانا ظفر احمد صاحب [illegible]
المستمعون	سامعین کی کتنی تعداد	۵۰ تقریباً مجمع رجال و مجمع نساء پس پردہ اس کے علاوہ
الاشتات	متفرقات	یہ بیان اپنے مضمون میں واحد و بے نظیر ہے

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥ یٰایھا النبی قل انما انا

اَیْدِیْکُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓی اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْکُمْ وَیَغْفِرْ
لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ مجکو اسوقت جو مضمون بیان کرنا ہے یہ آیت اُس باب کی تو نہیں ہے
مگر اسکے مناسب ہے۔ بہر ایک مناسب ہے، دوسرے مناسب ہونیکر مقصود کا بیان ہوجائیگا
اور گو مقصود کیلئے خاص آیات بھی موجود ہیں مگر مجھے اسوقت تعمیم مطلوب ہے اور وہ تعمیم بس بنا
سے زیادہ واضح ہوگی کیونکہ اسمیں مقصود کی علت بھی مذکور ہے یعنی انما النعم البدل کی جو کہ مقصود
ہے علت کا بیان بھی مذکور ہے جسکے اشتراک سے مضمون زیادہ عام ہوجاویگا۔ اسلئے اسکو تلاوت
میں اختیار کیا گیا۔ تعمیم کا یہ حاصل ہوگا کہ یہ آیت مقصود کو اور اسکے نظائر و اشباہ سب کو شامل ہوجاویگی
اس بیان کا محرک بعض واقعات کا پیش آنا ہے جو اہل واقعات کی طبیعت پر گراں ہیں اسلئے
گرانی کے ہلکا کرنے کی ضرورت ہے اور وہ واقعات مشترک النوع مختلف الاصناف
ہیں نوع تو وفات ہی اور اصناف میں بعض وہ ہیں جو چھوٹوں کے فوت ہونے سے تعلق
رکھتے ہیں یعنی بچوں کے انتقال سے اور ایک واقعہ ایسا ہے کہ ایسا فوت ہونیوالے بعض کے
لحاظ سے بڑے تھے بلکہ اکثر کے لحاظ سے بڑے تھے اور بعض کے لحاظ سے ہمسر تھا اور وہ اپنے
بھائیوں کے لحاظ سے بھی ہمسر تھے گو کچھ تھوڑا بہت عمر میں فرق ہو مگر اخوت کا تعلق ایسا ہے کہ
اسمیں ہمسری کا رنگ غالب ہوتا ہے تھوڑے سے فرق سے اسمیں ہمسری فوت نہیں ہوتی یہ
واقعات تو اقارب میں پیش آئے اور کل ایک دوست مہمان آئے ہیں انکے بھی بچہ کا انتقال
ہوگیا ہے تو اب یہ مضمون اقارب و احباب سبکے لئے خاص طور پر مفید ہے اور چونکہ اسوقت
تعمیم کیساتھ بیان ہوگا اسلئے ہر ناگوار واقعہ میں اس سے نفع ہوگا اور کم و بیش ہر شخص کو دنیا میں
کوئی نہ کوئی واقعہ ناگوار ضرور پیش آتا ہے اور جسکو پیش نہ آیا ہو اسکو آئندہ پیش آنیکا احتمال ہے
اسلئے یہ مضمون سبکی ضرورت کا ہے اسی لئے علوم دینیہ کی ہر شخص کو ضرورت ہے تاکہ وقوع کے
وقت اس سے کام لیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے واقعات کا بھی پہلے سے انتظام
فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ کَانُوْا
عَلَیْهَا یہ آیت تحویل قبلہ کے متعلق ہے کیونکہ قبلہ کے احکام اول اول بدلتے رہتے ہیں پہلے
مسلمانوں کا قبلہ بھی بیت المقدس تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسکو عارضی قبلہ بنایا تھا اور آئندہ

اسکو منسوخ کرنا تھا اور اسپر کفار کی طرف سے اعتراض واقع ہونیوالا تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے اسکا اہتمام فرمایا کہ آئندہ واقع ہونیوالے اعتراضات سے مسلمانوں کو زیادہ رنج نہ ہو پہلے تو پیشتر ہی سے اطلاع فرمادی کہ بیوقوف اور نادان لوگ تمہارے او پراس اس طرح اعتراض کرینگے تم ان سے دلگیر ہونا اور اس اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ اعتراض سے اثر تو ہوتا ہی ہے اکابر پر بھی اثر ہوتاہے یہ اور بات ہے کہ کوئی صبر کرتا ہے کوئی جواب دیتا اور انتقام لے لیتا ہے ہمارے اکابر کا معمول یہ ہے کہ وہ ایسے مواقع پر صبر کرتے ہیں اور اسمیں ایک لطیف راز ہے جو ذوق کا مصرف قلب میں اللہ تعالیٰ نے ڈالا ہے وہ راز یہ ہے کہ حضرات شیوخ اسکے مقصود تک پہونچ جانا چاہتے ہیں اور چونکہ معترض کا مقصود ایذا ہو اسلئے اسکو مقصود میں کامیاب کرنیکیلئے جواب نہیں دیتے کہ اگر جواب دیں گے تو اسکا مقصود حاصل ہوگا کیونکہ جواب دینے سے شفاء غیظ ہو جاتا اور اعتراض کا اثر ہلکا ہو جاتا ہے پس وہ ایک مسلمان کا جی خوش کرنیکیلئے جواب نہیں دیتے۔ غرض اہل اللہ بے حس نہیں ہوتے انکو بھی اعتراض سے اثر ہوتا اور ان کا بھی دل دکھتا ہے مگر وہ بعض وجوہ سے صبر کرتے ہیں۔ اگر اعتراض سے اثر نہ ہو تو صبر میں فضیلت نہ ہی ہوگی اس لئے اللہ تعالیٰ نے عے واذا ما غضبوا ھم یغفرون فرمایا ہے کہ جب انکو غصہ آتا ہے تو معافی اور درگذر سے کام لیتے ہیں کم یغضبون نہیں فرمایا کہ انکو غصہ ہی نہیں آتا کیونکہ غصہ کا نہ آنا کمال نہیں کمال یہ ہے کہ غصہ آئے اور اس کے مقتضی پر عمل نہ ہو۔ بعض لوگ اہل اللہ کو غافل سمجھکر انکی ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ بیدھڑک جو چاہتے ہیں اعتراض کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر اثر نہ ہوگا سو وہ خوب سمجھ لیں کہ اثر انپر بھی ہوتا ہے اور وہ صبر کرتے ہیں اور انکے صبر کا وبال تمہارے حضرات صحابہ کو بھی اعتراض سے ناگواری ہوتی تھی کیونکہ اسی میں اجر ہے مگر ناگواری زیادہ ہو تو ناقابل برداشت ہو جاتی ہے جس سے دنیا اور دین کے کاموں میں خلل واقع ہونے لگتا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اسکا انتظام فرمایا کہ گو ناگواری ہو مگر ہلکی ہوتا کہ

عہ وفیہ ان ہذا المقصود حرام والاعانۃ علی الحرام حرام والاسلم ان یقال انہم لا یجیبون عملا بقولہ تعالیٰ ولمن صبر وغفر ان ذلک لمن عزم الامور وانما کان من عزم الامور لما فیہ من مجاہدۃ النفس وتسکین الدھماء لما فی الانتقام والانتصار للنفس من اثارۃ الفتنۃ وزیادتہا ولذا سمی اللہ تعالیٰ جزاء السیئۃ وان کان عدلا فی الحقیقۃ ولکنہ یزید الشر ویورث البغضاء وفیہ ان ہذا من الاحوال لا من الاعمال والا مانۃ من الاعمال ۱۲ منہ۔

قابل برداشت ہو جائے اور اجر زیادہ ہو۔ محل انتظام کا یہ ہے کہ پہلے سے خبر دیدی کہ بیوقوف
لوگ عنقریب اعتراض کرینگے اور ظاہر ہے کہ پیش آنے والی بات سے پہلے ہی مطلع کر دینا
ناگواری کو کم کر دیتا ہے کیونکہ ناگواری خلاف توقع سے ہوا کرتی ہے مثلاً آپ کسی شخص سے یہ
توقع کر کے ملنے جائیں کہ وہ آپکی بہت زیادہ تعظیم و مدارات کریگا اسکے بعد اگر اسکی طرف سے
ذرا بھی خاطر کرنے میں کمی ہوگی تو بہت رنج پہونچےگا اور اگر اس سے کوئی توقع نہ ہو تو اب اسکی
بیرخی اور روکھے پن سے زیادہ ملال نہ ہوگا کیونکہ اس سے کچھ امید ہی پہلے سے نہ تھی غرض ناگواری
ہمیشہ خلاف توقع سے ہوتی ہے اسی لئے حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ نے ایکبار اپنے
استاد الاستاذ کا مقولہ بیان فرمایا کہ راحت اگر چاہتے ہو تو کسی سے توقع نہ رکھنا پھر [illegible] نے
حاضرین جلسہ سے فرمایا کہ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو خادم نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے مربی اور محسن
ہیں اور ہم سے زیادہ ہمارے حال پر شفقت فرماتے ہیں۔ فرمایا مگر میں تم سے خیر خواہی کے ساتھ
کہتا ہوں کہ مجھ سے بھی توقع نہ رکھنا اس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اس حالت میں جو کچھ خدمت مجھ سے پہنچیگی
اسکو غنیمت سمجھوگے اور خلاف توقع ہونے کی وجہ سے مسرت ہوگی اور کسی وقت میں خدمت
میں کمی کروں تو تمکو شکایت اور ناگواری نہ ہوگی۔ اور یہی راز اس کا ہے کہ میں نے حضرت مولانا
گنگوہی رحمہ اللہ سے حاجی صاحب رحمہ اللہ کے وصال کے بعد بیعت نہیں کی حالانکہ مجھے رغبت تھی مگر
میں نے اسی لئے بیعت نہیں کی کہ حضرت کی عنایات تو میرے حال پر بدون بیعت کے بھی تھیں
اور جس تعلق کیلئے بیعت کیجاتی ہے وہ مجھے بدون بیعت کے بھی حضرت سے حاصل ہے
اور بیعت سے یہ ہوگا کہ حضرت کے حقوق مجھ پر زیادہ ہو جائیں گے اسوقت اگر کسی بات میں بھی
کمی ہوئی تو ممکن ہے حضرت کو ناگواری ہو اور اب حضرت کو میری طرف سے کسی قسم کے حقوق
کا انتظار ہی نہیں جسقدر بھی حق تعلق ادا کر دوں وہ سراسر موجب انشراح ہے تکدر کا احتمال
ہی نہیں اور بیعت کے بعد تکدر کا احتمال بھی تھا۔ ممکن ہے کوئی شخص اسکو مکر نفس کی
تاویل سمجھے مگر حقیقت میں جو وجہ تھی وہ میں نے بیان کر دی بہر حال چونکہ ناگواری ہمیشہ
خلاف توقع سے ہوتی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے مطلع فرما دیا کہ تم پر اعتراضات بھی ہونگے
اسلئے ان کیلئے ابھی سے آمادہ ہو جاؤ۔ اور یہیں سے نکتہ معلوم ہوتا ہے اس کا کہ اللہ تعالیٰ

نے اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُصِیْبَۃٌ فرمایا اِنْ اَصَابَتْھُمْ نہیں فرمایا کیونکہ اذا یقین کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے اور ان احتمال کے موقعہ پر پس اِذَآ اَصَابَتْھُمْ میں بتلا دیا گیا کہ مصیبت تو آوے ہی گی ؎

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید   ز جام دہر مئی کل من علیہا فان

اور اس علم کے بعد مصیبت سے وہ غم نہیں ہوتا جو دفعۃً آ لگنے سے ہوتا ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ بڑے عاقل ہیں جو موت کو ہر دم یاد کرتے رہتے ہیں کیونکہ ان پر موت دفعۃً نہ آئیگی اسلئے انکو موت سے وحشت بھی نہ ہوگی۔ دنیادار اپنے کو عاقل سمجھتے ہیں یہ غلط ہے وہ بہت سے بہت اکل ہیں عاقل نہیں ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے دل میں حساب و کتاب معاش کا لگاتے رہتے ہیں اور بڑے بڑے منصوبے قائم کرتے ہیں اور وہ حساب و کتاب پورا ہوتا نہیں کیونکہ ؎

ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ   تجری الریاح بما لا تشتھی السفن

تو جب خلاف امید واقعات ان کو پیش آتے ہیں اسوقت سخت پریشانی کا سامنا ہوتا ہے اور اہل اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر وقت یہ سمجھتے ہیں شاید ہمیں نفس نفس واپسیں ہو۔ اور اسکا محض احتمال کافی نہیں کیونکہ احتمال تو سارے عالم کو ہوتا ہے کہ شاید آج موت آجائے بلکہ انکی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے اس شخص کی حالت ہوتی ہے جسکے پاس بادشاہ کا پیام پہنچ جائے کہ آج ہم تمکو بلانیوالے ہیں تیار رہنا۔ اور کوئی وقت مقرر نہ کرے۔ تو آپ دیکھیں گے کہ اس شخص کا سارا دن اہتمام ہی میں گذر جاتا ہے اسیطرح اہل اللہ ہر وقت اپنے معاملات کو صاف کرتے رہتے ہیں تاکہ جس وقت بلاوا آجاوے خوشی سے چلنے کو تیار ہوجائیں۔

صاحبو! احتمال وہی معتد بہ ہے جسکے مقتضا پر عمل ہو ورنہ یوں تو ڈاکو کو بھی ڈاکہ ڈالنے کے وقت سزا کا احتمال ہوتا ہے۔ مگر جب اسکے مقتضا پر عمل نہوا تو ایسا احتمال چولھے میں ڈالنے کے قابل ہے پس اہل اللہ کو شاید ہمیں نفس نفس واپسیں ہو۔ کا احتمال مع العمل ہوتا ہے کہ وہ حقوق اللہ و حقوق العباد سے سبکدوشی کی فکر کرتے رہتے ہیں اگر نمازیں فوت ہوئی ہیں

عہ انسان کی ہر آرزو پوری نہیں ہوا کرتی بلکہ ہوائیں کبھی کشتی کے خلاف بھی چلتی ہیں ۱۲ ظ

انکو قضا کر لیتے ہیں یا قضا کرتے رہتے ہیں اسپر تم شاید یہ کہو کہ دس سال کی نمازیں ایک دن میں کس طرح قضا ہونگی اور جب قضا نہو سکیں تو ہر دم موت کیلئے کیونکر تیار ہو سکیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جس شخص کو ادا کا اہتمام ہوگیا اور اپنی وسعت کے موافق کام بھی کرنے لگا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں مثل ادا کرنے والے ہی کے ہے پس وہ اپنی وسعت کے موافق ادا کرتا رہے اور جو رہ جائے اسکے متعلق وصیت کر جائے جو ثلث مال سے زیادہ میں صحیح نہیں اور اسمیں بھی بندوں کے حال پر عنایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے حقوق کو (بوجہ انکی احتیاج کے) اپنے حقوق سے (بوجہ استغنار کے) مقدم رکھا پس فرمادیا کہ نماز روزہ وغیرہ کے فدیہ کی وصیت ثلث سے زائد نکرو کیونکہ اسمیں ورثہ کا نقصان ہے اور ہمارا کوئی نقصان نہیں ہمتو اگر چاہیں ویسے بھی معاف کر دیں گے پس اگر کسی شخص کے ذمہ لوگوں کا ایک لاکھ روپیہ قرض ہوا اور وہ آج ادا کرنیکا ارادہ کرے تو جتنا اس سے ہوسکے ادا کرنا شروع کرے جسکے لئے اسکی ضرورت نہیں کہ اپنے کو زیادہ تنگی میں ڈالے بلکہ اپنے حوائج ضروریہ سے جو فاضل ہو اُسکو قرض میں دینا شروع کرے خواہ ایک ہی روپیہ ماہوار ادا کرنا شروع کر دے تو وہ آج ہی سے اللہ تعالیٰ کے یہاں سبکدوش قرار پائیگا مگر یہ ضروری ہے کہ فضول خرچیوں کو بند کر دے اب اگر اُس نے ایک لاکھ میں سے ۵۰ ہی ادا کئے اسکے بعد موت آگئی تو وہ عند اللہ کالموئدی ہے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ مقروض کو فضول خرچ بند کر دینا چاہئے اسپر ایک قصہ یاد آیا کہ مولانا نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت مقروض تھے۔ ایک دفعہ آپ نے دہلی کے سب بزرگوں کی دعوت کی شاہ محمد اسحٰقؒ صاحب کو بھی مدعو کیا اور مولانا مظفر حسینؒ صاحب کاندہلوی کو بھی مدعو کیا سب حضرات نے تو دعوت قبول کر لی مگر مولانا مظفر حسینؒ صاحب نے منظور نکی نواب صاحب نے شاہ اسحٰق صاحب سے انکی شکایت کی شاہ صاحب نے فرمایا کہ مولوی مظفر حسین کیا تمکو نواب صاحب کی آمدنی میں کچھ شبہ ہے اور کیا تمہارے نزدیک ہمنے مشتبہ مال کی دعوت قبول کی ہے مولانا مظفر حسینؒ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپکے سامنے کیا چیز ہوں جو نواب صاحب کے مال کو مشتبہ سمجھوں مگر میں نے اسواسطے دعوت سے عذر کیا کہ نواب صاحب مقروض ہیں اور دعوت

میں وہ بیسیوں خرچ کرینگے جو تین چار سو روپیہ سے کم نہ ہوگا اور مقروض کو ایسا کرنا جائز نہیں انکو
لازم ہے کہ جو رقم دعوت میں خرچ کریں اسکو قرض ہی میں ادا کریں تو عند اللہ کچھ سبکدوشی ہو جائے
شاہ صاحب نے یہ بات سنکر فرمایا کہ بھائی اس طرف ہمارا ذہن بالکل نہیں گیا واقعی تمہاری رائے
صحیح ہے اور اب ہم بھی دعوت قبول نہ کرینگے چنانچہ سب بزرگوں نے انکار کر دیا اور یہی
کہا کہ آپکو بجائے دعوت میں رقم لگانے کے قرض میں یہ رقم ادا کرنا چاہئے حالانکہ انکے
قرضہ میں اس رقم سے کچھ سہارا نہ لگتا تھا کیونکہ قرض بہت تھا مگر عند اللہ اتنا ادا کرنا بھی معتبر ہے
دنیا داروں کے یہاں تو قاعدہ یہ ہے کہ ایک لاکھ میں سے ایک روپیہ ادا کرنا معتبر نہیں مگر
عند اللہ معتبر ہے یعنی وہ اس سے راضی ہو جاتے ہیں دنیا داروں کی تو یہ حالت ہے کہ ایک
راجہ پر ایک لالہ کا قرض تھا اس نے عدالت میں نالش کی حاکم نے لالہ سے کہا کہ سود معاف کر دو
اور اصل لیلو اس نے انکار کیا کہ ہمارا تو کاروبار سود ہی پر ہے اور یہی ہماری کمائی ہے اسکو کیسے
معاف کر دوں حاکم نے کہا بہت اچھا تم اصل بھی لو اور سود بھی لو چنانچہ اس نے مع سود کے
ڈگری کر دی مگر فیصلہ میں یہ لکھا کہ قرض قسط وار وصول کیا جاوے اور قسط ایک روپیہ سال
مقرر کر دی کیونکہ حاکم کو یہ اختیار ہے کہ جتنی چاہے قسط مقرر کر دے۔ اس فیصلہ سے لالہ تو
گویا زندہ درگور ہو گیا اسکے نزدیک یہ ادا قابل شمار نہ ہوئی مگر عند الحاکم معتبر ہے وہ سمجھا تار ہا
کہ اگر کسی کے ذمہ دس سال کی نمازیں قضا ہوں یا دس لاکھ روپیہ قرض ہو تو وہ ایک دن میں
کیونکر سبکدوش ہو سکے گا سو میں نے بتلا دیا کہ ایک دن کے اندر بھی انسان تمام حقوق سے
حکماً سبکدوش ہو سکتا ہے تو اہل اللہ موت کو یاد کرتے ہیں اور اسکے مقتضا پر عمل بھی کرتے
ہیں اس سے انکو آخرت کا نفع ہوتا ہے دنیا میں بھی راحت ہوتی ہے کیونکہ جب وہ ہر دم
موت کو یاد کرتے ہیں تو کسی مصیبت سے وہ پریشان نہیں ہوتے کیونکہ جب ان کو موت
سے جو اشد الحوادث ہے وحشت نہیں تو اور کسی حادثہ سے پریشانی کیوں ہوگی اور دنیا دار
کو موت سے بہت وحشت ہے اسلئے وہ ہر ایسی مصیبت سے پریشان ہو جاتا ہے جس میں موت
کا خطرہ ہو چنانچہ شاید مولانا جامی نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک بڑھیا کی لڑکی جسکا نام مہستی
تھا بیمار ہوتی تو بڑھیا اسکی محبت میں کہا کرتی کہ اے موت مجھے لیلے اور مہستی کو چھوڑ دے لیکن

وہ گھر میں بیٹھی تھی کہ اُسکی گائے محلہ میں کسی کے گھر میں چلی گئی اور ہانڈی میں منہ ڈالدیا ہانڈی اسکے منہ میں پھنس گئی اور وہ اسی حلیہ سے گھر میں آئی تو بڑھیا سمجھی کہ یہ موت ہے جسکو میں روزانہ پکارا کرتی تھی تو وہ گھبرا کر کہتی ہے کہ

گفت اے موت من نہ مہستیم پیرزال غریب محنستیم۔

اے موت میں مہستی نہیں ہوں مہستی تو وہ سامنے پلنگ پر پڑی ہے میں تو غریب بڑھیا ہوں تو موت کے خیال سے ہی ساری محبت اور ممتا جاتی رہی اب وہ موت سے کہتی ہے کہ مہستی وہ پڑی ہے اُسے لیلے بات یہ ہے کہ انسان بڑا خود غرض ہے اسکو اولاد سے محبت بھی اپنے حظ نفس کیلئے ہے کہ اُنکے تماشے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور یہ جو بعض لوگ کسی کی محبت میں جان دیتے ہیں شاید کوئی یہ سمجھے کہ وہ دوسرے کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے یہ غلط ہے بلکہ وہ بھی حظ نفس کیلئے جان دیتا ہے کیونکہ وہ رنج عشق کے تحمل سے اپنے کو عاجز سمجھتا اور جہل کی وجہ سے موت کی تکلیف کو اُس سے اخف سمجھتا اسلئے وہ موت کو اس کلفت سے اپنی راحت کیلئے ترجیح دیتا ہے۔ پس انسان سب خود غرض ہیں خواہ دین کی غرض ہو یا دنیا کی حتیٰ کہ دیندار دل میں بھی کوئی ثواب کی نیت کرتا ہے کوئی ثواب سے بھی بالا ہے مگر وہ بھی خود غرض ہے کیونکہ وہ رضائے حق کا طالب ہے اور یہ غرض سب سے بالاتر ہے جیسے ایک صاحب حال بزرگ کے سامنے کسی نے دوسرے کو کہا پانی پلادے ثواب ہوگا یہ سُنکر فرمایا ہارے ثواب کیلئے پانی پلانے ہو محبوب کیلئے نہیں پلاتے ظاہر میں یہ بزرگ بےغرض معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں وہ بھی غرضمند تھے کیونکہ وہ ایسی غرض کے طالب تھے جس سے بڑھکر کوئی غرض نہیں حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے ایکبار رسالہ ارشاد مرشد مجھے دیا کہ مطبع نظامی میں طبع کرا دیا جائے کیونکہ مطبع نظامی میں تصحیح وخوبی طبع کا اہتمام تمام مطبعوں سے زیادہ تھا چنانچہ رسالہ طبع کرا کر میں حضرت کی خدمت میں لیگیا حضرت نے اُسکے مصارف دریافت فرمائے تو میں نے عرض کیا حضرت عبدالرحمن خاں صاحب بڑے سخی ہیں انہوں نے اسکا کچھ عوض نہیں لیا محض ثواب کیلئے طبع کردیا ہے۔ فرمایا کہ عبدالرحمن خاں کو تم سخی کہتے ہو وہ بڑے بخیل ہیں کہ ایک روپیہ کے

باقی آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ

بدلہ میں سات سو روپے کے طالب ہیں انہوں نے یہاں بھی اپنی تجارت کو نہیں چھوڑا میں یہ کہہ رہا تھا کہ انسان سب خود غرض ہیں اسلئے اپنی جان سے زیادہ کسی کو کسی سے محبت نہیں اسلئے دنیا دار لوگ موت سے اور مصائب سے بہت گھبراتے ہیں اور اہل اللہ چونکہ موت کو یاد کرتے رہتے ہیں اور اسکے لئے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ اسلئے اب انکو نہ بیوی کے مرنے کا رنج ہوتا ہے نہ بچہ کا کیونکہ وہ تو خود ہی موت کیلئے تیار ہے اور انکی ہر بات سے دوسروں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہر دم موت کیلئے تیار ہیں چنانچہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک شخص روتا ہوا آیا کہ حضرت میری بیوی مر رہی ہے دعا فرما دیجئے کہ حق تعالےٰ اسکو شفا عطا فرمائیں حضرت نے ہنسکر فرمایا کہ عجیب بات ہے ایک شخص قید خانہ سے چھوٹ رہا ہے اور دوسرا روتا ہے کہ یہ قید خانہ سے کیوں رہا ہوتا ہے وہ کہنے لگا حضرت میری روٹی کون پکائے گا۔ فرمایا جی ہاں جب تم ماں کے پیٹ میں تھے تو وہاں بھی تمکو روٹی پکاکر یہی کھلاتی ہوگی پھر فرمایا کہ میاں تم بھی چند روز میں وہیں پہونچنے والے ہو جہاں وہ جارہی ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ آیا تو تھا بیوی کو موت سے بچانے اپنی ہی موت کی بشارت لیچلا اسوقت تک تو حضرت ہنس ہنسکر باتیں کرتے رہے اسکے بعد ایک ایسی بات پر برہم ہوگئے جو آجکل برہم ہونے کی بات نہیں سمجھی جاتی بلکہ جب دین کی علامت سمجھی جاتی ہے وہ کہنے لگا کہ حضرت فلاں شخص نے مجھے مدینہ لیجانے کا وعدہ کیا تھا اب وہ وعدہ سے ہٹنے لگا ہے دعا فرما دیجئے کہ وہ مجھے مدینہ لیجائے۔ بس حضرت یہ سنتے ہی برہم ہوگئے فرمایا ہمارے سامنے شرک کرتا ہے مگرو (غیر اللہ پر اپنی نظر کہ اسکے ہی لیجانے سے تو تم مدینہ پہونچوگے) حضرت کی مجلس میں بات بات سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہر دم موت کیلئے تیار ہیں اور ہر کام میں خدا تعالیٰ پر نظر ہے جب ایسے شخص پر موت گراں کیوں ہوگی اور کسی مصیبت سے کیوں پریشان ہوگا۔ غرض جس مصیبت کیلئے انسان پہلے سے آمادہ رہے اسپر وہ مصیبت خفیف ہوجاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سیقول السفہاء من الناس میں صحابہ کو پہلے سے مطلع فرمادیا کہ تحویل قبلہ کے وقت تمپر اعتراضات ہونگے اسکے لئے آمادہ ہوجاؤ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اہتمام فرمایا ہے کہ آئندہ واقعات سے مسلمانوں کو زیادہ رنج و کلفت نہو اور اسی لئے

شریعت کی تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس تعلیم میں اس کا لحاظ فرمایا ہے کہ پریشانی اور غم اس سے ہلکا ہو جاتا ہے میں ایسا ہی مضمون بیان کرتا ہوں کہ اسکے استحضار سے کسی غم میں ثقل نہ ہوگا یہانتک داعی اور محرک کا بیان تھا اب میں مضمون کا حاصل حقیقت کے لحاظ سے بتلانا چاہتا ہوں تو اس مضمون کی حقیقت اس عنوان سے جو آج بیان ہوگا شاید کبھی سننے میں نہ آئی ہوگی اس لحاظ سے یہ تعلیم جدید ہے گو فی الواقع علوم دینیہ سب قدیم ہیں مگر ہمارے علم و سماع کے لحاظ سے بعض علوم جدید ہوتے ہیں کیونکہ ہم نے انکو سنا نہیں یا خاص عنوان سے نہیں سنا۔

خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ جنگ بدر میں (اور بدر ایک موقع کا نام ہے جہاں غزوہ ہوا تھا) کچھ کفار قید ہو کر آئے تھے جنکو فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا حق تعالیٰ کو یہ امر ناپسند ہوا جسکا اوپر ذکر ہو چکا ہے اسکے بعد ان قیدیوں کے متعلق ارشاد ہے یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤی اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ اے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں سے جو آپ کے ہاتھوں میں قیدی ہیں فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں کچھ بھلائی دیکھیں گے (مراد ایمان ہے) تو تمکو اس مال سے بہتر (عوض) عطا فرمائیں گے جو تم سے (اسوقت فدیہ میں) لیا گیا ہے اور تمہاری مغفرت فرما دینگے۔ مراد یہ ہے کہ تمکو دنیا ہی میں اس کا عوض اس سے بہتر عطا فرما دینگے بمقابلہ مغفرت سے ظاہر یہی ہے کہ اس جملہ میں اعطا فی الدنیا مراد ہے اور جملہ ثانیہ میں اجر آخرت مراد ہے ویغفر لکم یعنی آخرت میں تمہاری مغفرت فرما دینگے واللہ غفور رحیم کہ اللہ تعالیٰ تو بہت مغفرت فرمانے والے اور رحم فرمانے والے ہیں (اسلئے تمکو اس وعدہ میں تردد نکرنا چاہئے ۱۲) حاصل آیت کا یہ ہوا کہ اگر تمہارے دل میں ایمان ہو تو تمکو اس مالی نقصان کا اندیشہ نکرنا چاہئے جو فدیہ سے اسوقت پہونچا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمکو دنیا و آخرت میں اس کا نعم البدل عطا فرمائینگے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ ہر نقصان و مصیبت کا نعم البدل ملتا ہے اور ہر چند کہ مورد تو خاص ہے مگر جس امر پر اس وعدہ کو مرتب فرمایا ہے وہ مورد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اس لئے آیت سے یہ قاعدہ مفہوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ ہر مصیبت کا نعم

الیدل ملتا ہے یہاں تو تعمیم پر کوئی صیغہ صراحۃً دال نہیں مگر دوسری نصوص سے اس تعمیم کی تائید ہوتی ہے۔ اس وعدہ اور قاعدہ کو ملحوظ رکھکر ایک اور حقیقت واضح ہوئی وہ یہ کہ مصیبت کی حقیقت تجارت ہے یہی حقیقت ہماری نظر سے غائب ہوتی ہے اس لئے مصیبت سے رنج زیادہ ہوتا ہے۔ اب دیکھو کہ تجارت میں انسان یہ چاہا کرتا ہے کہ میرے مال کی نکاسی ہو کہ جو چیزیں میرے ہاتھ کے تلے ہیں کوئی انکا لینے والا خریدنے والا ہو اگر خریدار کوئی نہ آئے تو تاجر گھبرا جاتا ہے خاص کر ایسی اشیاء میں جو باقی رہنے والی نہیں جیسے کل کے روز برف بہت ارزاں دہلی کے بھاؤ پر لگیا تھا کیونکہ خریدار کم ہو گئے اور برف کا رہنا دشوار تھا اسلئے دہلی کے بھاؤ پر بعض اپنی خوشی پر بھی دیگیا شہر والے تو ایسا بہت ہوتا ہے کہ شام کو بعض نہایت ارزاں ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تاجر اپنے مال تجارت کے پڑا رہنے پر رنجیدہ ہوتا ہے نکل جانے پر رنجیدہ نہیں ہوتا حالانکہ وہ اپنے خریداروں کے ہاتھ ایک محدود نفع پر بیچتا ہے مگر پھر بھی وہ خریداروں کا مشتاق رہتا ہے کہ کوئی میرا مال لیلے مرابحہ ہو تو تولیہ ہی ہو تولیہ ہو تو میلی کچیلی صافی ہی سہی یعنی نفع نہ ہو تو کچھ خسارہ ہی سہی چنانچہ بعض دفعہ ایسے مال کو جس کا خریدار کوئی نہ ہو کسیقدر خسارہ سے بھی فروخت کر دیتا ہے جب تجارت کی یہ حقیقت ہے۔ تو صاحبو! اگر میں یہ ثابت کر دوں کہ یہ واقعات رنج و مصیبت تمامتر تجارت ہی ہیں اور تجارت بھی ایسی جس سے بڑھکر نفع کسی تجارت میں نہیں ہوتا تو کیا پھر بھی نالہ و شیون باقی رہیگا۔ میں رنج طبعی کا منکر یا مانع نہیں جو فطری طور پر ہوتا ہے بلکہ میں آگے اسکی ضرورت پر کلام کرونگا کہ طبعی رنج تو ہونا چاہئے ورنہ ثواب و اجر ہی نہ ہوگا مگر میں اس وقت رنج عقلی کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں کہ واقعات رنج و مصیبت کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد رنج عقلی نہ ہونا چاہئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حالات کی دو قسمیں ہیں گوارا و ناگوار پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ اختیاری و غیر اختیاری یہ کل چار قسم کے حالات ہوئے جنمیں سے ہر ایک کے متعلق جدا جدا حقوق ہیں اور مومن اگر ان کے حقوق ادا کرتا رہے تو اسکو نعم البدل ملتا ہے اسلئے مومن کسی حالت میں نقصان میں نہیں بلکہ ہر حالت میں نفع میں ہے۔ اسی کو حدیث میں ہے نعم الرجل المؤمن

ان اصابتہ سراء حمد وان اصابتہ ضراء صبر وفی کل اجر او کما قال مومن آدمی بڑی اچھی حالت میں ہے اگر اسکو راحت پہونچتی ہے حمد و شکر کرتا ہے اگر تکلیف پہونچتی ہے صبر کرتا ہے اور ہر ایک میں اسکو اجر ملتا ہے یعنی شکر میں بھی اجر ہے اور صبر میں بھی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امور غیر اختیاریہ میں جو اجر ہے وہ اُن اعمال کی وجہ سے ہے جو اختیاراً اسوقت مومن سے صادر ہوتے ہیں یعنی راحت میں حمد جسکی حقیقت یہاں شکر ہے اور وہ ایک عمل ہے جو اس نے حق تعالیٰ کی حضور میں پیش کیا ہے اسکے عوض میں اجر ملتا ہے اور مصیبت میں صبر کرنا بھی ایک عمل ہے جسپر اجر ملتا ہے پس دونوں صورتوں میں نعم البدل اسی عمل پر ملا جو اختیاری ہے پس جسطرح اعیان کے اعطار واخذ کے عوض میں بھی انسان کے اوپر کچھ حقوق ہیں یعنی شکر و صبر مثلاً حق تعالیٰ بندہ کو نعمت مال عطا فرمائیں یا نعمت اولاد تو اُسکے عوض میں اسکے اوپر شکر واجب ہے یا اس سے مال و اولاد کو لیلیں تو اسپر صبر واجب ہے اسی طرح اعراض و اعمال پر بھی حقوق ہیں مثلاً نماز روزہ وغیرہ کی توفیق عطا فرمائیں یا ذکر میں انوار و علوم عطا فرمائیں تو اسپر شکر لازم ہے اور اگر ذکر میں انوار و کیفیات سلب ہوجائیں تو اسپر صبر لازم ہے اور یہاں خود اعمال پر بھی اجر ملتا ہے اور ان کا شکر ادا کرنے پر اجر ہے چنانچہ نماز روزہ حج زکوٰۃ کے عوض تو اسکو وہ اجر ملتا ہے جو خیال سے باہر ہے حدیث میں ہے

اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر تو نماز روزہ حج و زکوٰۃ پس جملہ اعمال صالحہ کا بجالانا بھی ایک تجارت ہوئی جسکے نفع کی یہ شان ہے کہ ؎

خرد کہ یابد ایں چنیں بازار را	کہ بیک گل می خری گلزار را
نیم جاں بستاند و صد جاں دہد	انچہ در وہمت نیاید آں دہد

اور اگر عبادت کا تعلق اموال سے ہو تو وہ بھی تجارت ہے جسکے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے صراحۃً لفظ ارشاد فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ جسمیں تجارت کی حقیقت پر صاف طور سے تنبیہ ہے (وقال تعالیٰ فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ ط وفیہ لفظ الشراء بمعنی البیع وقال

أُولٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ

ففیہا ان اختیار الکفر صفقۃ خاسرۃ وقال تعالیٰ ولبئس ما شروا بہ انفسہم لو کانوا یعلمون

(۲) چونکہ تجارت کی طرف طبائع عام طور سے راغب ہیں اسی لئے تجارت کا عنوان اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا کہ تم جو اعمال کرتے ہو وہ درحقیقت یہ ایک معاملہ تجارت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تم کر رہے ہو۔ افسوس نماز کو بھی لوگوں نے اسی لئے مصیبت سمجھ لیا ہے کہ اسکی حقیقت نہیں سمجھی اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ اسکی حقیقت تجارت ہے کہ ایک چیز دیدی اور ایک چیز لیلی تو نماز سے کبھی گرانی نہ ہو اور نہ اسکو بیگار کی طرح ٹالا جائے بلکہ جس طرح تاجر اپنے مال کو صاف ستھرا رکھتا ہے اور خوبصورت بنا کر خریدار کو دیتا ہے اسی طرح ہم بھی نماز کو خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا کرتے یہ تو گویا راحالات کے متعلق بیان تھا اب ناگوار حالات کے متعلق سنئے کہ ان میں بھی تجارت کی حقیقت موجود ہے اور گو اس حقیقت سے جہل عام ہے نعمتوں میں بھی اور مصائب میں بھی مگر نعمتوں میں اس جہل کا وہ ضرر نہیں جو مصائب میں ہے کیونکہ نعمتوں میں رنج تو نہیں ہوتا جس سے پریشانی بڑھکر دین اور دنیا کے کاموں میں خلل واقع ہو بخلاف مصائب کے کہ وہاں اس حقیقت کے جہل سے رنج کا اثر دل پر چھا جاتا ہے جس سے تمام کاموں میں خلل واقع ہو جاتا ہے اسلئے یہاں علاج کی ضرورت زیادہ ہے۔ اب میں مصائب کے متعلق بھی اس حقیقت کو ثابت کرنا چاہتا ہوں سنئے احادیث کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصائب میں بھی تجارت کے الفاظ حضورؐ نے استعمال فرمائے ہیں چنانچہ ایک صاحبزادی کا بچہ مرنے لگا اور انہوں نے حضورؐ کو بلایا تو آپ نے انکی تسلی کے لئے فرمایا ان للّٰہ ما اخذ وللّٰہ ما اعطی وکل عندہ باجل مسمّی فلتصبر ولتحتسب کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ دیا اور اللہ ہی کا ہے جو لیا پس صبر کریں اور ثواب کی امید رکھیں۔ یہاں اخذ و اعطاء ہے اور اخذ و اعطا ہی تجارت کی حقیقت ہے یہاں محض صوری تجارت ہے حقیقی تجارت نہیں کیونکہ حقیقی تجارت تو یہ ہے کہ اپنی چیز دے اور دوسرے کی لے اور یہاں جو کچھ ہے سب خدا ہی کا ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے ہم بچہ کو کوئی چیز بطور اباحت کے دیں (اباحت کی قید اسلئے بڑھائی تاکہ آگے شرعی اعتراض وارد نہ ہو) پھر کسی مصلحت سے وہ چیز اس سے لے لیں اور

دوسری دیدیں مثلاً کسی کو اپنی اولاد کو معمول تجارت سکھلانا مقصود ہے وہ اسکو ایک آبگینہ کا ٹکڑا دیتا ہے اور ایک اشرفی کے بدلےمیں بچہ سے اسکو خرید لے تاکہ وہ آبگینہ کی حقیقت اور روپیہ واشرفی کی قیمت سے واقف ہوجائے تو یہ درحقیقت تجارت نہیں ہے بلکہ صورت تجارت ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے بعض چیزیں بندہ کے نامزد کردی ہیں جو اباحت ہی کے طور سے ہے گو اسپر ملک کے آثار بھی مرتب کئے گئے ہیں مگر حضرت حق کی ملک کے اعتبار سے یہ نامزدگی اباحت ہی ہے ہاں دوسروں کے اعتبار سے ملک کہنا صحیح ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے طلبہ کو مدرسہ کی کتابیں دی جاتی ہیں تو مدرسہ کی ملک کے اعتبار سے تو یہ کتابیں طلبہ کے نامزد بطور اباحت کے ہیں مگر بعض آثار آپس میں ملک کے بھی ہیں چنانچہ ایک طالب علم سے دوسرا طالب علم بلا اذن کے کتابیں نہیں لے سکتا اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی بعض مصالح کی وجہ سے بعض اشیاء کو ہمارے نامزد فرمادیا ہے۔ ایک مصلحت تو یہ ہے کہ نامزدگی میں بندہ کو حظ آتا ہے کہ میرا مال میری بیوی - میرا بچہ میری زمین میرا مکان وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ تاکہ اس سے کوئی چھین نہ سکے اگر نامزدگی نہ ہو اور بندہ کی ملک نہ ہو تو کسی کے پاس کوئی چیز سلامت نہ رہے اور یہیں سے میں کہتا ہوں کہ حقیقت شریعت کی محتاج ہے یعنی وہ حقیقت جو عام طور پر صوفیہ کے ذہن میں ہے (ورنہ طریقت حقیقت شریعت ہی کے اجزاء ہیں) مگر جس حقیقت کو جہلاء صوفیہ گاتے پھرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ وہ بھی شریعت کی محتاج ہے اگر شریعت نہ ہو تو صوفی صاحب کی تسبیح و مصلی اور نذر لانے اگر کوئی ملا نا لیجائے پھر وہ بُرا نہ مانیں کیونکہ ؎

در حقیقت مالک ہر شے خداست   ایں امانت چند روزہ نزد ماست

جب بندہ کی کوئی شے نہیں نہ اسکو حق ملک حاصل تو ملانوں کو یہ کہنے کا حق ہے کہ کچھ دنوں خدا کا مال تمنے برتا اب ہم برتیں گے اعتراض اور ناگواری کی کیا بات ہے۔ جیسے مولانا نے ایک جبری کی حکایت لکھی ہے کہ وہ ایک شخص کے باغ میں گھسکر مالک کے سامنے انگور توڑ توڑ کر کھانے لگا - مالک نے کہا میاں یہ کیا حرکت ہے نہ اجازت لی نہ قیمت دی اور میرے باغ میں لگے تصرف کرنے جبری نے کہا بس بس خاموش بیٹھا رہ باغ بھی خدا کا پھل بھی

خدا کا میں بھی خدا کا تو روکنے والا کون ہے مالک بلغ بڑا ہوشیار تھا اس نے اپنے غلام کو آواز دی کہ ایک رسی اور ٹھکا لانا غرض دونوں نے رسی میں جبری کو باندھا اور ٹکائی شروع ہوئی اب لگا چلانے مالک بلغ نے کہا کہ رہا بھی خدا کا ٹھکا بھی خدا کا میں بھی خدا کا تو بھی خدا کا پھر چلاتا کیوں ہے چونکہ چوٹ کا تحمل نہ ہوسکتا تھا اسلئے یہ جواب نہ دیسکا کہ چلانا بھی خدا کی طرف سے ہے اسلئے اعتراض لغو ہے بلکہ ہوش درست کرکے کہنے لگا ؎

گفت توبہ کردم از جبر اے عیار　　اختیار ست اختیار ست اختیار

وہ چوٹ لگا کر صوفی نہ رہا بلکہ مولوی ہوگیا۔ تو صاحبو اگر یہ حقیقت واضح کردی جائے تو سب آدمی بالشویک ہوجائیں جنکا دعوی یہ ہے کہ سب انسان مساوی ہیں کسی کو کسی سے مالدار بننے کا حق نہیں بلکہ جسکے پاس زیادہ مال ہوتا ہے اُس سے لیکر غریبوں میں تقسیم کردیتے ہیں حضرت حاجی صاحب نے مثنوی کے اس شعر کا ؎

سر پنہان ست اندر زیر و بم　　فاش گر گویم جہاں برہم زنم

یہی مطلب بیان فرمایا تھا کہ اگر مسئلہ وحدۃ الوجود ظاہر کردوں تو عالم میں فساد برپا ہوجائے کم فہموں کی نظر سے امتیاز اٹھ جائے یہ جو عالم میں نظام وامن قائم ہے یہ شریعت ہی کی بدولت ہے کہ یہ زید کا حق ہے یہ عمرو کا حق ہے دوسرے کے حق میں تصرف حرام ہے تو ان مصالح کی وجہ سے اللہ تعالی نے بندہ کے نامزد بعض چیزیں کردی ہیں مگر ان کا یہ تو مطلب نہیں کہ تم اس نامزدگی سے حق تعالی کا بھی مقابلہ کرنے لگو۔ اگر کوئی آقا اپنے غلام سے کہدے کہ یہ پلنگ تمہارا ہے تو اسمیں مصلحت یہ ہے کہ دوسرے غلام اسکو تنگ نکریں بلکہ اسکی نامزد چیزیں بلا تکلف اسکو تصرف کرنے دیں اب اگر یہ غلام آقا کو بھی اس پلنگ پر بیٹھنے سے روکنے لگے تو یقیناً وہ بڑا نمک حرام ہوگا۔ صاحبو ایسی حالت ہماری ہورہی ہے خدا تعالی کے ساتھ کہ خدا تعالی نے تو ہماری مصلحت کے لحاظ سے نامزدگی فرمائی تھی ہم خدا تعالی کے تصرف کو بھی ان چیزوں سے روکنا چاہتے ہیں اور اگر وہ کوئی تصرف کرتے ہیں تو ہم پیٹ پھاڑ کر مرے جاتے ہیں حالانکہ جو چیز بادشاہ کے نامزد ہوجائے اور اسکے خزانہ میں پہونچ جائے وہ تو زیادہ محفوظ ہوجاتی ہے ہمارے نامزد رہتی تو خطرات کا اندیشہ تھا

چنانچہ جس بچہ کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اسکے بارہ میں یہی آیا ہے کہ اسکی فطرت میں کفر تھا اگر زندہ رہتا کافر ہوتا اور ماں باپ کو اس سے بہت محبت تھی اندیشہ تھا کہ ماں باپ بھی اسکے کفر کا اثر پہونچتا کیونکہ جس طرح اولاد ماں باپ کے اثر سے بگڑتی ہے اسی طرح کبھی والدین بھی اولاد کے اثر سے بگڑ جاتے ہیں تو اب جو اولاد بچپن میں مرجائے انکے متعلق سوچنا چاہئے کہ نہ معلوم یہ جوان ہو کر کیسے ہوتے ممکن ہے جوانی میں یہ ایسے ہوتے کہ ہمکو ان سے نفرت ہوتی اور ہم خود انکی موت کی تمنا کرتے اور اب معصومی کی حالت میں انتقال ہوا ہے تو یہ سب خطرات سے محفوظ ہو گیا کیونکہ معصوم بچے جمہور کے نزدیک جنتی ہیں اور امام صاحبؒ سے جو اس مسئلہ میں اللہ اعلم بما کانوا عاملین منقول ہے جسکا حاصل توقف ہے تو اسکی وجہ یا تو عدم بلوغ نصوص ہے اور اسمیں کچھ نقص نہیں کیونکہ تدوین علوم و احادیث سے پہلے علماء کو نصوص تدریجا ہی پہونچی تھیں تو ایک وقت میں اگر کسی عالم کو کوئی حدیث نہ پہونچے تو کیا تعجب ہے اور نو اور حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک وقت ایسا گذرا ہے جسکے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا الآیہ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۔ کہ زیادت علم کی دعا فرماتے رہا کیجئے جس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کے علوم میں بھی تدریجاً ترقی ہوتی تھی۔ دوسری بات میرے ذہن میں امام صاحب کے توقف کے متعلق یہ آئی ہے کہ امام صاحب نے اس عنوان میں ہمکو ایسے امور کی تحقیق سے منع فرمایا ہے جنپر دین کا مقصود موقوف نہیں چونکہ بچوں کے دخول جنت و عدم دخول کی تحقیق پر بعض دینی مقصود موقوف نہیں ہے تو جبکہ اسکی تحقیق نہ ہوئی ہو وہ اسکے درپے نہو اسلئے امام صاحب نے سائل کو مجمل جواب دیا اسکے سامنے تحقیق بیان نہیں فرمائی کیونکہ اس کا سوال فضول تھا۔ امام صاحب نے بہت سے فروع میں اسی اصل کو ملحوظ فرمایا ہے آجکل ایسے فضول سوالات بہت کئے جاتے ہیں جنپر دین کا کوئی مقصود موقوف نہیں مثلاً یہ سوال کیا جاتا ہے کہ فلانا کام بڑا گناہ ہے یا چھوٹا گناہ ہے میں جواب دیا کرتا ہوں کہ اگر چھوٹا گناہ ہوا تو کیا ارتکاب کا قصد ہے اگر کہے ہاں تو میں کہتا ہوں کیا کبھی اپنے چھپر میں

چنگاری لگانے کے متعلق بھی یہ سوال کیا ہے کہ یہ چنگاری چھوٹی ہے یا بڑا انگارہ ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ چھوٹی چنگاری ہے تو کیا اسکو چھپر میں لگانے کی جرأت کرو گے؟ اگر کہو نہیں کیونکہ ذرا سی چنگاری بھی کبھی بڑھ جاتی ہے میں کہتا ہوں کہ اسی پر چھوٹے گناہ کو قیاس کر لو جو شخص چھوٹے گناہ پر جرأت کرتا ہے وہ کل بڑے گناہ پر بھی جرأت کریگا۔

اسی طرح یہ سوال کیا جاتا ہے کہ چند مردوں کو ثواب بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پہونچے گا یا بلا تقسیم کے سبکو برابر پہونچے گا اگر تقسیم ہو کر پہونچتا ہے تو ابا جان کو تو بہت کم ملیگا۔ میں کہتا ہوں کہ تم اس فکر میں کیوں پڑے اگر تقسیم ہو کر بھی ثواب پہونچا تو اللہ تعالیٰ کو بڑھانا بھی تو آتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک چھوارہ کے صدقہ کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ جبل احد سے بھی بڑھ جاتا ہے اب بتاؤ کہ پہاڑ میں کتنے ارب چھوارے ہوں گے اور اتنے ارب میں اگر تقسیم جاری ہو تو کیا حرج ہے۔ ارے میاں اللہ تعالیٰ کے یہاں تو ذرا سا عمل بھی قبول ہو جائے تو بہت ہے پھر تم کس فکر میں پڑے۔ ہمارے حاجی صاحب نے خوب فرمایا ہے ؎

بس ہے اپنا ایک ہی نالہ اگر پہونچے وہاں گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

مگر اب علماء بھی ان مسائل کی تحقیق کے درپے ہو جاتے ہیں اور میں نے بھی طالب علمی میں ایسی تحقیق کی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ یہ شغل فضول تھا بس عوام کو یہ چاہئے کہ فضولیات کی تحقیق نہ کریں اور علماء کو یہ چاہئے کہ ان فضولیات کا جواب نہیں۔ مولانا محمد نعیم صاحب لکھنوی سے ایک شخص نے حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے متعلق سوال کیا مولانا نے سائل سے پوچھا کہ یہ سوال کس کا ہے اور وہ اور تم کیا کام کرتے ہو کہا کہ سوال فلاں حافظ صاحب کا ہے اور وہ رنگریز ہیں اور میں درزی ہوں فرمایا کہ تم کپڑے سیتے رہو اور ان حافظ صاحب سے کہدو کہ کپڑے رنگتے رہیں علی جانیں اور معاویہ جانیں تمہیں ان کے معاملہ کا کیا تعلق میں اطمینان دلاتا ہوں کہ قیامت کے دن ان کا مقدمہ تمہارے اجلاس میں نہ آئیگا۔

اسی طرح ایک شخص نے میرٹھ میں ایک عالم سے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین مومن تھے یا نہیں عالم نے کہا کہ آپ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں کہا ہاں پڑھتا ہوں کہا اچھا بتلاؤ نماز کے اندر کتنے فرض ہیں اب وہ خاموش ہے فرمایا جاؤ تمکو

نماز کے فرائض کی خبر نہیں جس کا سب سے اول قیامت میں حساب ہوگا - اور زاہد یلدز کی
تحقیق کے درپے ہے - اور ان فضولیات کی تحقیق میں نفس کا کید یہ ہے کہ فرائض و واجبات
کی تحقیق میں تو عمل کرنا پڑتا ہے اور عمل دشوار ہے اور فضولیات کے سوال میں لوگ تو اسکو
دیندار سمجھیں گے - بس ایسے ایسے باریک سوال کرتے ہیں اور کرنا کچھ پڑتا نہیں اسلئے عام طور
سے لوگ فضول سوال کرکے دیندار مشہور ہونا چاہتے ہیں خیر عوام تو جاہل ہیں مگر بعض
علماء کو کیا ہوگیا کہ وہ بھی ایسے سوالات کا جواب دیتے ہیں میں ایسا روکھا ہوں پالنپور کے
ایک جنٹلمین نے بھی چند روز ہوئے سود وغیرہ کی بابت سوال کیا میں نے لکھا کہ میں فلسفی نہیں
ہوں اسلئے میرے ذمہ مصالح و اسرار و فلسفہ احکام کا بیان کرنا ضروری نہیں صرف خدا
و رسول کا حکم بیان کرنا میرے ذمہ ہوگا اسلئے میں قال اللہ و قال الرسول کے سوا کچھ نہ کہونگا
تو امام صاحبؒ اس احتیاط کی وجہ سے اس مسئلہ میں جواب واضح نہیں دیا بلکہ توقف کے
عنوان سے سائل کو سوال لایعنی سے روکنا چاہا - دوسرا راز امام صاحب کے اس جواب میں
یہ ہے کہ اطفال کا جنتی ہونا اصل میں اخبار احادیث سے ثابت تھا مگر عوام آحاد و متواتر میں فرق ۱۸
نہیں کرتے اسلئے احتیاط کی اور یہ احتیاط وہ کریگا جسکو عظمت حق کا غلبہ ہو - اس سے
بڑھکر دیکھئے ملائکہ و انبیاء علیہم السلام قطعاً معصوم ہیں مگر حالت یہ ہے کہ انبیاء تھراتے ہیں لرزتے
ہیں تو جہاں عظمت کا غلبہ ہوگا وہاں احتیاط ضرور ہوگی اسلئے امام صاحب نے اس مسئلہ
میں توقف کیساتھ جواب دیا تاکہ عوام اسپر جزم کرکے بیفکر نہ ہوجائیں اور عشرہ مبشرہ کے
بارہ میں توقف اسلئے نہیں فرمایا کہ وہاں جو نصوص ہیں وہ معنیً متواتر اور اجماعی ہیں لیکن
اب ممکن ہے کہ مسئلہ اطفال بھی ظنی سے بڑھ گیا ہو بوجہ انضمام اجماع متاخرین کے گو وہ اجماع بھی
مختلف فیہ ہو کیونکہ بعض اجماع مختلف فیہ بھی ہیں جیسا اہل علم کو معلوم ہے - لہذا اب ہمکو
اسپر یقین کرلینا چاہئے کیونکہ اب یہ مسئلہ گویا متفق علیہ ہے - دوسرے ہمارا علاج اسی میں ہے
کہ ہم بچوں کو معصوم اور بیگناہ سمجھیں کیونکہ ہم لوگ بچوں کے مرنے سے زیادہ دلگیر ہوتے ہیں ہمکو
تسلی کی زیادہ ضرورت ہے اور زیادہ تسلی اسی میں ہے اب اسکے دلائل سنئے حدیث میں آتا ہے
کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے تین بچے مر گئے ہوں وہ اسکے لئے جہنم کی

آگے سے آٹھ بنائیں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ کسی کے دو بچے مرے ہوں فرمایا وہ بھی
کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ جسکا ایک ہی بچہ مرا ہو فرمایا وہ بھی پھر کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ
جس کا ایک بھی بچہ نہ مرا ہو قال انا فرط لامتی دلن یصابوا بمثلی فرمایا تو میں اپنی امت
کیلئے آگے جاکر سامان کرنے والا ہوں اور میری موت جیسا حادثہ میری امت پر کوئی نہ
آئیگا اسلئے انکے واسطے میری وفات کا صدمہ ہی مغفرت کو بس ہے (نعذیک بآباء نا و
امہاتنا یا رسول اللہ ص فلوان رب الناس ابقی محمدا لسعدنا ولکن امرہ کان ماضیا
(۱۲) یعنی میں آگے جاکر اپنی امت کیلئے مغفرت کی سعی وسفارش کروں گا اسپر شاید کوئی یہ کہے
کہ جیسے بے اولادوں کیلئے حضورؐ کی شفاعت کافی ہے ایسی ہی اولاد والوں کیلئے بھی
کافی تھی اولاد کی شفاعت کی بھی کیا ضرورت تھی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ہمکو زیادت تسلی
کیلئے اسکی ضرورت تھی دو وجہ سے ایک یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو ادب وخوف
کے ساتھ شفاعت فرمائیں گے اور بچہ ضد کیساتھ شفاعت کریگا یہ بچے جسطرح جہاں والدین
پر ضد کرتے ہیں قیامت میں اللہ تعالیٰ پر بھی ضد اور نادو نخرے کرینگے چنانچہ احادیث
میں آتا ہے کہ بچہ جنت کے دروازے پر جاکر کھڑا ہو جائیگا اس سے کہا جائیگا اندر جاؤ کہیگا
نہیں جاتے پوچھیں گے کیوں؟ کہے گا جبتک ہمارے ماں باپ ہمارے ساتھ نہوں گے
اسوقت تک ہم جنت میں نہیں جاسکتے تو اس سے حق تعالیٰ فرمائیں گے ایہا الطفل المراغم
ربہ ادخل ابویک الجنۃ اے اپنے پروردگار سے ضد کرنے والے بچے جا اپنے ماں باپ کو
بھی جنت میں لیجا دوسرے عقلاً عدد بڑھنے سے زیادہ قوۃ ہوتی ہے گو حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کو انضمام ضمیمہ کی ضرورت نہیں آپ تنہا ہی کافی ہیں مگر طبعاً عدد بڑھنے سے تسلی زیادہ
ہوتی ہے نیز حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی مسلمان کا بچہ مرتا ہے اور ملائکہ اسکی روح کو لیکر
آسمان پر پہونچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرماتے ہیں اخذتم ولد عبدی فقالوا
اللھم نعم ثم یقول ھل قبضتم ثمرۃ فواد عبدی قالوا اللھم نعم فیقول فماذا قال
عبدی قالوا اللھم حمدک واسترجع فیقول ابنوا لعبدی بیتا فی الجنۃ وسموہ بیت الحمد
(۱۲) کما قال) کیا تمنے میرے بندہ کے بچہ کو لیلیا وہ کہتے ہیں اے اللہ ہاں پھر فرماتے ہیں کیا تمنے

میرے بندہ کے جگر گوشہ کو لیلیا وہ کہتے ہیں اے اللہ ہاں پھر فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے کیا کہا فرشتے عرض کرتے ہیں اے اللہ اسنے آپکی حمد کی (مراد شکر ہے) اور صبر کیا اسپر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (کہ گواہ رہو میں نے اپنے بندہ کو بخشدیا اور) اسکے لئے جنت میں ایک محل تیار کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ یہ تو چھوٹوں کے مرنے پر وعدہ ہے جس سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بچوں کے مرنے پر نعم البدل عطا فرماتے ہیں یعنی مغفرت اور جنت کا محل اور بڑوں کے مرنے پر بھی اسی طرح اجر و ثواب کا وعدہ ہے حدیث میں ہے من اخذت صفیہ (ای حبیبہ) فصبر لم یکن لہ ثواب الا الجنۃ او کما قال حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جس شخص کے محبوب (اور پیارے) کو لیلوں (جو عام ہے ہر محبوب کو خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو یا ہمسر ہو جیسے بھائی اور بیوی وغیرہ ۱۲) پھر وہ صبر کرلے تو اس کا اجر جنت کے سوا کچھ نہیں (یعنی وہ جنت میں ضرور پہونچے گا ۱۲) یہاں بھی نعم البدل کا وعدہ ہے اور جنت سے بہتر نعم البدل کیا ہوگا اسی مضمون کو ایک بدوی نے بہت خوبی کیساتھ بیان کیا ہے جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور حضرت عبداللہ بن عباس کو بہت صدمہ ہوا تو بدوی نے آکر اشعار میں انکو تسلی دی اشعار تو اہل عرب کی گھنٹی میں ہیں بچہ بچہ یہاں تک کہ عورتیں بھی عرب میں شاعر ہوتی ہیں حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ مجھے اس بدوی سے بہتر کسی نے تسلی نہیں دی چنانچہ کہتا ہے ؎

اصبر نکن بک صابرین فانما　　　صبر الرعیۃ بعد صبر الرأس

اے ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ صبر کیجئے تاکہ ہم بھی آپ کی وجہ سے صابر بنیں کیونکہ رعیت کا صبر سردار کے صبر کے تابع ہے (مطلب یہ ہے کہ آپ مقتدای دین ہیں آپکے افعال کا سب اتباع کرتے ہیں پس اگر آپ حوادث میں صابر رہیں گے تو ہم بھی مصائب میں صابر رہا کریں گے اگر آپ نے صبر نکیا تو عوام بھی صبر نکریں گے سبحان اللہ کیسے اچھے عنوان سے صبر کی ترغیب دی ۱۲) آگے کہتا ہے ؎

خیر من العباس اجرک بعدہ　　　واللہ خیر منک للعباس

آپ کے لئے حضرت عباس کے زندہ رہنے سے وہ اجر بہتر ہے جو انکے وصال پر آپکو ملا

کیونکہ حضرت عباس اگر زندہ رہتے تو بہت سے بہت حضرت عباس آپ کو ملتے اور آپ کے
حق میں ثواب ان سے بہتر ہے کیونکہ ثواب کی حقیقت ہے رضاء خدا تو یوں کہئے کہ حضرت
عباس کے وصال پر صبر کرنے سے خدا آپکو ملا اور یقیناً خدا تعالیٰ سب سے بہتر ہیں
اور حضرت عباس کیلئے خدا آپ سے بہتر ہے کیونکہ وہ مرکر خدا کے پاس پہونچ گئے اگر
نہ مرتے تو دنیا میں رہتے جسمیں رضا بیت الٰہی نہیں ہوسکتی - اور حضرت عباس اگر آج
نہ مرتے تو کسی نہ کسی دن ضرور مرتے کیونکہ حرارت عزیزیہ کی رفتار ایک خاص حد پر منتہی
ہوجاتی ہے کبھی نہ کبھی ضرور ختم ہوگی خواہ مرض سے ہو یا بدون مرض کے چنانچہ نانپور میں
ایک بوڑھے میاں اسی طرح ختم ہوگئے کہ گھر میں آکر ماما سے کھانیکو کہا ماما کھانا لیکر آئی تو
یہاں بڑے میاں ختم ہوچکے تھے حالانکہ وہ مریض نہ تھے بس وہی بات تھی کہ حرارت
عزیزیہ اپنی حد پر پہونچکر ختم ہوگئی تھی اسی طرح مرنیوالے کے متعلق یہ سوچے کہ اگر وہ اسوقت
نہ مرتا بلکہ زیادہ دن تک بیمار رہکر صاحب فراش بنکر مرتا تو شاید مبغوض ہوکر مرتا کیونکہ عزیز بھی
گھبرا جاتے اور آپ میں اسکا بھی ضرر تھا کیونکہ تم اسکو اس حالت میں یاد کرتے تو ثواب بھی نہ ہوتا
کیونکہ ثواب اسی کو پہونچاتے ہیں جسکے مرنیکا صدمہ ہوتا ہے اور جسکے مرنے پر خوشی ہو کہ
اچھا ہوا پاپ کٹا اسکو بہت کم یاد کیا جاتا ہے اسی طرح تمہارا بھی نفع اسی میں ہے کہ اپنا عزیز
محبوب حالت میں مرے کیونکہ تم اسکو یاد کرتے ہو تو وہ بھی تمہارے واسطے دعا کرتا ہے پس
تم کو اس سے نفع پہونچتا ہے اور اسکو تم سے نفع پہونچتا ہے. کوئی یہ نہ سمجھے کہ فلاں شخص
تو عالم اور بزرگ ہیں انکو ہماری دعا اور ایصال ثواب کی کیا ضرورت ہے تو مرنے کے متعلق
یہ نفع عام ہے یا صاحبو! وہاں چھوٹے بڑے کا حساب نہیں بلکہ وہاں بعض مواقع پر چھوٹے
بڑوں کو اور شاگرد استاد کو اور مرید پیر کو بخشوائیں گے اور ہر شخص کو اپنی مغفرت کیلئے چھوٹی
چھوٹی باتوں کی تلاش ہوگی چنانچہ ایک شخص گرفتار ہوکر جہنم کی طرف جاتا ہوا ایک ولی کو
راستہ میں دیکھکر پہچان لے گا اور کہیگا کہ میں نے فلاں دن آپکو وضو کرایا تھا آج میری مدد کیجئے
یہ سنتے ہی وہ بزرگ اسکی شفاعت کریں گے اور بخشوالیں گے حضرت حاجی صاحب رحمۃ
اللہ علیہ پر یہ حقیقت خوب منکشف تھی اسی سلئے حاجی صاحب بیعت میں بہت جلدی

۲۱

فرماتے تھے حضرت کے یہاں قیود و شرائط نہ تھے اور فرماتے تھے کہ ہم تو اس نیت سے بیعت کر لیتے
ہیں کہ یہ دونوں جانب سے دستگیری ہے پس قیامت میں ہم میں اور تم میں جو مرحوم ہوگا وہ
مغضوب کو ساتھ لے لیگا اور عکس کا احتمال سبقت رحمتی کے خلاف ہے انشاء اللہ دونوں
میں سے ایک تو مرحوم ہو ہی گا سبحان اللہ حضرت کو اپنے مریدوں کے متعلق بھی یہ امید تھی
کہ شاید وہی ہمکو بخشوا لیں غرض یہ تجارت کیسی عمدہ ہے کہ ہر حالت میں اجر اور نعم
البدل ہی ملتا ہے۔ پھر اس سے بڑھکر یہ کہ نعم البدل کے ساتھ آپکی اصلی چیز بھی آپ کو
واپس دیدینگے کیونکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جتنے اعزہ مرتے ہیں اولاد ہو یا
بھائی اور باپ اور بیوی وغیرہ سبکی مفارقت چند روزہ ہے برزخ ہی میں ملجاوینگے اور
آخرت میں ملنا تو سب ہی جانتے ہیں۔ یہ واقعات تو اس عالم میں پہنچکر ہونگے۔ اور عین
موت کے وقت یہ حالت ہوتی ہے کہ ملائکہ مسلمان کی روح کو قبض کر کے ریشم میں بڑی
عزت کے ساتھ لپیٹ کر لیجاتے ہیں پھر راستہ میں فرشتے باہم چھینا جھپٹی کرتے ہیں وہ کہتا
ہے مجھے دو وہ کہتا ہے کہ اب میں لونگا پھر آسمانوں کے دروازے اسکے لئے کھل جاتے
اور تمام فضاء زمین و آسمان اسکی خوشبو سے معطر ہو جاتی ہے پھر آسمان والے اچھے اچھے
القاب و اسماء سے اسکو یاد کرتے اور اسکی تعریف کرتے ہیں پھر ارواح انسانیہ اسکا استقبال
کرتی ہے اور بہت عزت کیساتھ اسکو عالم ارواح میں لیجاتی ہے اور اس سے باتیں کرتی ہیں
جیسے مہمان سے میزبان باتیں کیا کرتا ہے اور ضروری باتیں کر کے زائد سوالات بھی کرتی ہیں
کہ فلاں شخص کیسا ہے فلاں کیسا ہے جن میں سے بعض کی نسبت یہ نو وارد یہ کہتا ہے کہ وہ تو مجھ
سے پہلے مر چکا ہے کیا وہ یہاں نہیں آیا اس پر سب ارواح افسوس کر کے کہتی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے جہنم
میں گیا یہاں نہیں آیا۔ صاحبو! ان واقعات کو یاد کرو اور سمجھ لو کہ ہمارا عزیز عزت و آسائش
میں پہنچا ہے اور جو یہ سمجھے کہ میرا عزیز عزت و آسائش میں ہے اسکو رنج کیوں ہو۔ رہا یہ کہ
احتمال تو عذاب کا بھی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ احتمال بھی مفید ہے تم اس احتمال سے اس
کو ثواب پہنچاؤ اور اسکے بعد امید رکھو کہ انشاء اللہ بخشدیا گیا رہا یہ کہ احتمال تو پھر بھی
رہا کیونکہ ایصال ثواب کے بعد وحی تو نہ آئے گی اور یقین مغفرت اب بھی نہ ہوا اسکا جواب

یہ ہے کہ دنیا بامید قائم تو آخرت بھی بامید قائم۔ تم اسباب مغفرت کیساتھ رب سے مغفرت کی امید رکھو کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے معاملات میں ظنیات سے بھی تسلی ہوجاتی ہے اور قطعیات سے تسلی تو انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کو نہیں ہوسکتی۔ صاحبو الجر بیشک لکن ظنیات ہی سے آپکو تسلی ہوجائیگی آپ ان باتوں کو دل میں مستحضر کرکے دیکھئے انشاء اللہ آپکو اس سے بہت کچھ تسلی ہوگی اور غم ہلکا ہوجائیگا چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میرا بچہ مرگیا جسکا مجھے بہت صدمہ ہے کوئی ایسی بات سناؤ جس سے میرا غم ہلکا ہوجائے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ان الاطفال من دعامیص الجنۃ کہ یہ بچے جو مرجاتے ہیں جنت کے دعامیص ہوجاتے ہیں۔ دعموص ایک کیڑا ہے جو پانی کے اندر ادہر سے اُدہر بھاگا پھرتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ بچے جنت میں ادہر اُدہر جاکے پھرینگے ہر ایک درجہ میں گھستے پھرینگے کہ انکو کوئی روک ٹوک نہوگی جس گھر میں چاہیں چلے جائیں گے جیسے یہاں دنیا میں بھی بچے کسی گھر سے نہیں رکتے جسکے گھر میں چاہتے ہیں گھس جاتے ہیں اور ہر جگہ انکی چاہ ہوتی ہے کیونکہ چھوٹا بچہ تو جانور کا بھی بھلا معلوم ہوتا ہے انسان کا بچہ تو کیوں نہ بھلا معلوم ہوگا ہر شخص کو چھوٹے بچے پر پیار بھی آتا ہے اور اُسکی تکلیف پر رحم بھی آتا ہے حتی کہ بھنگی کے بچہ پر بھی رحم آتا ہے رامپور کا قصہ ہے کہ قاضی سراج الحق صاحب مرحوم کے گھر میں بھنگن کمانے گئی اور اپنے بچہ کو باہر دروازہ پر بٹھلا گئی وہ رونے لگا قاضی صاحب باہر بیٹھک میں بیٹھے تھے وہ بچہ کے رونے کی آواز سنکر بیقرار ہوگئے اور فوراً اُسکو گود میں اٹھالیا اور اُسکو بہلاتے رہے۔ عہ لوگ بھنگیوں کے بچوں کو گود میں لینے سے اپنے کپڑوں اور بدن ناپاک سمجھنے لگتے ہیں یہ خیال غلط ہے خشک بچہ کو گود میں لینے سے نہ ہمارا بدن ناپاک ہوتا ہے نہ لباس ہاں اگر بھیگا ہوا ہو اور غالب گمان ہو کہ اسکے کپڑوں اور بدن پر نجاست لگی ہوئی ہے تو بیشک اس سے جسم اور لباس

عہ اس تعلیم اسلامی میں غور کرنا چاہیئے کہ اسلام نے کسی قوم کی چھوت چھات نہیں سکھلائی مسلمانوں کو ناپاک نہیں بنایا بخلاف دوسرے مذاہب کے کہ انکے یہاں چھوٹی قوموں کو ہاتھ لگانا سخت وبال کا سبب ہے کہ انکا دہرم خراب ہوجاتا ہے گویا وہ انسان کو کتے اور سور سے بھی بدتر سمجھتے ہیں ۱۲ ظ۔

کے ناپاک ہو جانیکا احتمال ہے مگر یہ کوئی بڑی بات نہیں ایک لوٹہ پانی سے سب پاک ہو سکتے ہیں مگر عام طور پر بھنگیوں کے بچوں سے لوگ گھن کرتے ہیں اسلئے قاضی صاحب نے واقعی یہ بڑا کام کیا انکو بہت اجر ملا ہوگا ہم جیسوں سے تو ایسا نہ ہو سکتا مگر جس سے یہ کام ہو سکے اسکو بڑا ثواب ملیگا کیونکہ اسمیں تواضع بھی ہے اور انسان کے بچہ سے ہمدردی بھی ہے اور اللہ تعالی کو تواضع و رحم یہ دو صفتیں بہت محبوب ہیں یہ تو آخرت کا نفع ہے اور دنیا کا نفع یہ ہے کہ وہ بھنگن تو قاضی صاحب کی جان نثار ہو گئی ہو گی جب تم اپنی چھوٹی قوموں کی اولاد سے ایسی ہمدردی کرو گے تو وہ ہر وقت تمہاری خدمت کیلئے جان و دل سے حاضر رہیں گے تو جس طرح یہاں پر بچے ہر شخص کو محبوب ہیں اور ہر ایک کو ان پر رحم آتا ہے اور کسی گھر سے انکو نہیں روکا جاتا اسی طرح جنت میں یہ بچے جہاں چاہیں بھاگے بھاگے پھریں گے۔ سو ان حالات کو سوچکر تسلی حاصل کرو جیسا کہ راوی کہتے ہیں کہ یہ حدیث سنکر حالانکہ خبر واحد تھی جو ظنی ہوتی ہے مجھے بہت تسلی حاصل ہوئی کہ سارا غم جاتا رہا۔ اب تو ہماری حالت یہ ہے کہ ہم لوگ صرف ایک پہلو کو دیکھتے ہیں کہ ہائے بچہ مر گیا دوسرے پہلو کو نہیں دیکھتے کہ وہ مر کر کہاں اور کس حالت میں گیا۔ ان باتوں کو سوچو تو ضرور دل کا غم ہلکا ہو جائیگا۔ اور سنئے حدیث میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کو غیب سے اسطرح تسلی دی گئی ان فی اللہ عزاء من کل مصیبۃ وخلفاً من کل فائت فباللہ فثقوا وایاہ فارجوا فانما المحروم من حرم الثواب کہ اللہ تعالی کی ذات ہر مصیبت سے تسلی کیلئے کافی ہے اور وہ ہر فوت ہونے والی چیز کا عوض ہیں اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی سے امید رکھو کیونکہ محروم تو وہ ہے جو ثواب (یعنی رضاء حق) سے محروم رہے۔ صاحبو! یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ تمہارے عزیز کے بدلے تمکو خدا ملتا ہے پس اب تو ایسے موقعہ پر یوں کہنا چاہئے ؎

۲۴

ف۔ ذرا مخالفین اسلام اس واقعہ میں غور کریں اور بتلائیں کہ کیا کوئی برہمن اور پنڈت اور اعلی ہندو ذات کا آدمی بھی ایک بھنگن کے بچہ کو گود میں اٹھا سکتا ہے اور اسکی ساتھ اپنی اولاد جیسا برتاؤ کر سکتا ہے ہرگز نہیں پھر حیرت ہی نہیں کہ اب بھی یہ لوگ مسلمانوں کو بے رحم اور اپنے کو رحم دل کہتے ہیں بجز اسلام کے ایسے زبیہ رحم کوئی قوم نہیں ہو سکتی ۱۲ ظ

روزہا گر رفت گو رو باک نیست   تو بمان اے آنکہ جز تو پاک نیست

کیا اس سے بھی آپکی تسلی نہوگی کہ آپکو اپنے عزیز کے بدلہ میں خدا مل جائے جسکی جنت بھی ہے اور دوزخ بھی ہے یقیناً جنت کے ملنے سے خدا کا ملنا بدرجہا بہتر ہے اسپر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ہارون رشید نے جو مسلمانوں کا بڑا بادشاہ اور خلیفہ تھا ایک دن جشن کیا اور یہ اعلان کردیا کہ دربار میں جتنی چیزیں موجود ہیں اُن میں سے جس چیز پر جو شخص ہاتھ رکھدیگا وہ اُسی کی ہوجائے گی درباریوں نے اس اعلان کے بعد ہاتھ رکھنا شروع کیا کسی نے جواہرات پر ہاتھ رکھا کسی نے سونے چاندی پر ایک باندی نے جو بادشاہ کو پنکھا جھل رہی تھی خلیفہ کی کمر پر ہاتھ رکھدیا۔ خلیفہ نے اس حرکت پر برہم ہوکر سوال کیا کہ یہ کیا حرکت تھی کہا حضور کا اعلان عام تھا کہ جو جسپر ہاتھ رکھدے وہ اُسی کی ہے اسمیں کوئی استثناء نہ تھا تو میں نے دیکھا کہ یہ درباری بیوقوف ہیں جو سونے چاندی اور جواہرات پر ہاتھ دھر رہے ہیں میں نے سوچا کہ ایسی چیز پر ہاتھ رکھنا چاہیے جسکے ہاتھ میں یہ سب چیزیں ہیں اسلئے میں نے حضور پر ہاتھ رکھدیا کہ جب آپ میرے ہونگے تو سب چیزیں میری ملک ہوجائیں گی اس جواب کو سنکر ہارون بہت خوش ہوئے (اور فرمایا کہ میں تیرا ہوگیا ۱۲) واقعی یہ باندی بہت سمجھدار تھی تو بتلائیے ان واقعات مصیبت میں کیا یہ بات تھوڑی ہے کہ ان کے ذریعہ سے خدا ہمکو ملتا ہے جسکی جنت بھی ہے اور دوزخ بھی۔ شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آیا ہو کہ دوزخ ہماری ہوگئی تو کیا نفع ہوا کیا ہم دوزخ میں رہیں گے اسکا جواب یہ ہے کہ افسوس آپنے بات کو سمجھا ہی نہیں۔ دنیا میں جیلخانہ بادشاہ کی ملک ہوتا ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ بادشاہ جیلخانہ میں رہتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم جسکو چاہوگے بخشوا لوگے اور جہنم سے نکلوا لوگے اسپر شاید آپ یہ کہیں کہ کیا کفار کو بھی بخشوا لیں گے اسکا جواب یہ ہے کہ جسکے تعلق سے جہنم بواسطہ آپکی ملک ہوئی ہے جب وہ کفار کو بخشنا چاہیں گے تو تم بھی نہ چاہوگے یہ تو آخرت کا نعم البدل تھا۔ اب یہ سمجھئے کہ دنیا میں بھی ہر فوت ہونیوالی چیز کا نعم البدل ہمکو عطا ہوتا ہے خواہ مال و اولاد فوت ہو یا کوئی عزیز و قریب چنانچہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں

٢٥

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کے وقت کیلئے ہمکو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم عندک احتسب مصیبتی فأجرنی فیھا وابدلنی بھا خیرا منھا (اے اللہ میں آپ سے اس مصیبت کا ثواب مانگتی ہوں پس مجھے اسکا اجر عطا فرمائیے اور اس کا نعم البدل دیجئے) حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جب میرے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے یہ دعا پڑھی مگر وابدلنی بھا خیرا منھا کہتے ہوئے دل رکتا تھا کیونکہ میں اپنے دل میں یہ کہتی تھی کہ ابو سلمہ سے بہتر کون ہوگا اور حضور کے ملنے کا وہم بھی نہ تھا کیونکہ سے آرزو تھی خواہ لیک اندازہ خواہ + حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے دل پر جبر کر کے یہ بھی کہا تو خدا تعالیٰ نے مجھے ابو سلمہ کے عوض حضور صلے اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت کی حقیقت تجارت ہے کہ ایک چیز لیگئی اور دوسری چیز دیگئی۔ نصوص میں تجارت پر صاف اشارات موجود ہیں اسی لئے اعمال کا وزن ہوگا جیسا تجارت میں وزن ہوا کرتا ہے اور جب وہاں اعمال بھی جو کہ اعراض ہیں اعیان بنجائینگے جیسا کہ وزن کا مقتضی ہے تو اعیان تو اعیان ہیں ہی۔ اور مصائب کے بارہ میں لفظ اخلف اعطاء ما سلب الخ وارد ہے یہ بھی معنی تجارت پر دال ہے اور نصوص اموال میں لفظ اقراض اور بذل نفس و بذل مال میں لفظ اشتری وارد ہے غرض جو چیز بھی ہمارے ہاتھ سے جاتی ہے اس کا عوض اور نعم البدل ہمکو ملتا ہے۔ اعمال کے متعلق مجھے ایک اور نص یاد آئی جس میں لفظ ایتاء بمعنی اعطاء ہے وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ أُولٰئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ ۝ (ترجمہ) اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حالت میں کہ انکے دل لرزاں و ترساں ہوتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف جانے والے ہیں یہ لوگ بھلائی میں ترقی کرتے اور انکی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسکے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو گناہ کر کے ڈرتے ہیں فرمایا نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو تصدق

عن ام سلمہ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من مسلم تصیبہ مصیبۃ فیقول ما امرہ اللہ انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا الا اخلف اللہ لہ خیرا منھا (رواہ مسلم) پارہ ۱۸ رکوع ۴ ؎

اور صلوٰۃ و صیام بجا لا کر ڈرتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہو اور خدا کے سامنے جا کر ہمکو شرمندگی ہو (وہاں یہ کہا جاوے کہ تمنے کیسا عمل ہمارے یہاں بھیجا ۱۲) حضرت عائشہؓ کے سوال سے یہ معلوم ہوا کہ اس آیت میں یُؤتُون اعطاء مال کیساتھ خاص نہیں بلکہ ہر عمل کو شامل ہے جبھی تو انھوں نے اسکو اعمال گناہ پر محمول کیا اور بعض لوگوں نے اسمیں یوں کہا ہو کہ حضرت عائشہؓ نے یہ سوال یاتون کی قرارت کے متعلق کیا ہو جو بمعنی یفعلون ہے اس صورت میں ایتاء سے استدلال ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ ترمذی کی حدیث میں اسکی تصریح ہو کہ یؤتون کے متعلق سوال کیا اور قرارت شاذہ بوجہ شذوذ کے ثابت نہیں اور حدیث صحیح پس صحیح کو غیر صحیح پر محمول نہیں کر سکتے اور اسکو مان ہی لیا جاوے تب بھی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی تفسیر عام ہونا ضروری ہے ورنہ شاذ کا مفسر اور متواتر کا غیر مفسر رہنا لازم آویگا تو اس تفسیر کا تعلق ایتاء سے بھی ہوگا پس یہ استدلال باقی رہا جب یہ ہے تو آیت میں ایتاء بمعنی ایتاء مال نہیں ہے بلکہ بمعنی ایتاء الوجود ہے[عہ] جسکا حاصل ایجاد ہے یعنی یہ ہوئے کہ وہ جس عمل صالح کو وجود دیتے ہیں اسکو کر کے ڈرتے رہتے ہیں کہ دیکھئے قبول ہوا یا نہیں بفکر نہیں ہو جاتے۔ تو یہاں لفظ ایتاء بمعنی اعطاء ہے جو تجارت کے مناسب ہے یہی وہ نصوص جن سے اعمال و احوال کا تجارت ہونا معلوم ہوتا ہے ان ہی میں سے ایک وہ آیت بھی ہے جسکو میں نے تلاوت کیا ہو یَا اَیُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ کہ ان قیدیوں سے فرما دیجئے کہ اگر تمہارے دلوں میں خیر ہوگی (یعنی ایمان) تو اللہ تعالیٰ تمکو اس سے بہتر چیز دیں گے جو تمسے لیگئی ہے۔ یہاں بھی نقصان مال پر نعم البدل کا وعدہ ہے جسکو ایمان کیساتھ مشروط کیا گیا ہے حاصل یہ ہوا کہ مومن کو ہر نقصان کا عوض اور نعم البدل ملتا ہے اور ان نصوص مذکورہ پر نظر کر کے ہمکو اس نص خبری کی تعمیم کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسری نصوص سے تعمیم ثابت ہے گو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مما اخذ منکم میں ما عام ہے مال کو اور غیر مال کو جیسے حسب اعمال اور اعیان داخل ہیں خصوصاً جبکہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ اعتبار عموم

[عہ] فالاتیار علی ہذا عام لکل عمل کعمومہ فی قولہ تعالیٰ ثم سئلوا الفتنۃ لآتوہا اے لاعقدوہا واما لباشرہا والاتیو قعت سنی قرارۃ یاتون ما اتوا من الاتیان وسہل التوجیہ انہا ان یکون یاتون تفسیر الیؤتون فظنیتہ قرأۃ ۱۲ منہ۔

نص ہے خصوص مورد کا اعتبار نہیں مگر مجھے خود اس قاعدہ ہی کے عموم میں کلام ہے اسلئے میں اس آیت پر تعمیم کا مدار نہیں کرتا بلکہ مجموعہ نصوص کے اعتبار سے اس مضمون کو عام کرتا ہوں۔ مگر اسکی تلاوت اس لحاظ سے ہوئی ہے کہ ایک مناسب سے دوسرے مناسب کی طرف اشارہ کرنا ابلغ ہے اور تمام نصوص کا پڑھنا دشوار تھا بلکہ کسی ایک کا اختیار ضروری تھا جسکے لئے وجہ مرجح میں نے بالکل تمہید کے شروع میں بیان کردی۔

خلاصہ یہ کہ معاملات تشریعیہ کا تجارت ہونا تو ظاہر ہے کہ ایک عمل ہم نے پیش کیا اور ہمکو اسکی قیمت مل گئی مگر اسکے علاوہ وہ ہمارے ساتھ جسقدر معاملات تکوینیہ بھی ہوتے ہیں ان سب کی حقیقت بھی تجارت ہی ہے جیسا مذکور ہوا اور اس حقیقت کو پیش نظر رکھکر غم بہت ہلکا ہو جائیگا۔ باقی طبعی غم کا میں انکار نہیں کرتا وہ تو ہوگا اور ہونا چاہئے کیونکہ اسی کی وجہ سے اجر ملتا ہے اور اس سے شان عبدیت ظاہر ہوتی ہے اگر انسان پر رنج و غم نہ ہو تو فرعون بے سامان ہو جائے مگر ضرورت اسکی ہے کہ اس غم کو ہلکا کیا جائے کیونکہ بکثرت خود مصیبت ہی جس سے راحت فوت ہوئی کے علاوہ بعض اوقات جو اصل دولت ہے اجر وہ بھی ضائع ہو جاتی ہے اور غم ہلکا ہونے کی وہی تدبیر ہے جسکا ذکر ہو رہا ہے یعنی جب انسان یہ سمجھیگا کہ ہر معاملہ میں حق تعالیٰ ہمکو نعم البدل عطا فرماتے ہیں تو غم ہلکا ہو جائیگا پھر وہ نعم البدل بھی اتنا عظیم ہے کہ اسکا اندازہ لگانا دشوار ہے اور مصائب پر صبر کرنا تو نہایت دشوار عمل ہے اس پر جو کچھ بھی ملنا ہو کیا تعجب ہے جیسے آیت اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ میں متنبہ بھی فرمایا ہے وہاں تو خفیف خفیف عمل پر بھی بے اندازہ اجر مل جاتا ہے چنانچہ حدیث ترمذی میں ہے کہ ایک بار اللہ اکبر کہنے سے آسمان و زمین کا درمیانی فضا بھر جاتا ہے اور سبحان اللہ کہنے سے آدھی میزان عمل اور الحمد للہ سے پوری میزان عمل بھر جاتی ہے یہ اسلئے فرمایا کہ شاید کسی کو اللہ اکبر کا ثواب سنکر یہ احتمال ہو کہ نہ معلوم میزان عمل بھی کسی چیز سے بھری ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ آسمان و زمین کی فضا سے بھی زیادہ ہو تو ایک عمل سے اگر فضا بھی بھر جاتا ہو تو ممکن ہے کہ وہ میزان بھرنے کیلئے کافی نہ ہو اور ہمکو سابقہ پڑے گا میزان ہی سے خصوص طالب علموں کو ایسے احتمالات بہت ہوتے ہیں کیونکہ ان کے

نزدیک تو کٹورا بھی حوض کے برابر ہو سکتا ہے جیسا ایک حکایت ہے کہ ایک بادشاہ و وزیر میں گفتگو ہو رہی تھی بادشاہ کہتا تھا کہ طلبہ عربی بہت عاقل ہوتے ہیں وزیر کہتا تھا کہ ان سے بڑھ کر بیوقوف کوئی نہیں اتفاق سے ایک طالب علم جوتیاں چٹخاتے خستہ حال سامنے سے گذرے بادشاہ نے انکو بلایا اور وزیر سے کہا کہ ابھی فیصلہ ہوا جاتا ہے دیکھو یہ طالب علم اتفاق سے میرے سامنے آگیا میں نے اسکو انتخاب کر کے نہیں بلایا اب میں اسکی عقل کا امتحان کر کے تمکو دکھلاتا ہوں کہ عربی طلبہ کیسے عاقل ہوتے ہیں طالب علم کو بادشاہ نے عزت سے بٹھلایا اور سامنے ایک حوض تھا اسکی طرف اشارہ کر کے اول وزیر سے سوال کیا کہ بتلاؤ اس میں کتنے کٹورے پانی کے آسکتے ہیں وزیر نے کہا کہ بدون شمار کے اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ حوض کو خالی کیا جائے اور کٹورہ بھر بھر پانی اس میں ڈالا جائے تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسمیں کتنے کٹورے آسکتے ہیں۔ بادشاہ نے اسکے بعد طالبعلم صاحب سے دریافت کیا کہ مولانا آپ بتلائیں کہ اسمیں کتنے کٹورے پانی آسکتا ہے طالبعلم نے کہا کہ یہ سوال مہمل ہے پہلے کٹورا تو متعین ہونا چاہئے کہ وہ کٹورا کتنا بڑا ہے اگر کٹورا حوض کی برابر ہے تو ایک کٹورا پانی آسکتا ہے اگر اس سے آدھا ہے تو دو کٹورے اگر تہائی تو تین اگر سوواں حصہ ہے تو سو کٹورے اگر ہزارواں حصہ ہے تو ایک ہزار کٹورے اور اگر لاکھواں حصہ ہے تو ایک لاکھ کٹورے غرض جو نسبت مساحت میں حوض سے کٹورے کو ہوگی اسی نسبت سے اسمیں کٹورے آسکیں گے۔ اسلئے اول کٹورا متعین کرنا چاہئے اسکے بعد سوال کرنا چاہئے۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اب انصاف کی بات تو یہ ہے کہ تم قلمدان وزارت اس طالب علم کے حوالہ کرو اور خود جا کر طالبعلمی کرو۔ مگر تمہارے خاندان میں وزارت چلی آرہی ہے اسلئے معاف کرتا ہوں اور تمکو اس عہدہ پر بحال رکھتا ہوں اسکے بعد مولوی صاحب سے کہا کہ مولانا آپ کو بہت تکلیف دی گئی معاف کیجئے گا اب آپ جا سکتے ہیں وہ سلام کر کے چلتے ہوئے اور اسکے دل میں وزارت کی ذرا بھی ہوس پیدا نہ ہوئی حالانکہ بادشاہ اسکی قابلیت وزارت کو تسلیم کر چکا تھا کیونکہ اس زمانہ میں طلبہ کو دنیا کی ہوس نہ تھی طلبہ اس زمانہ میں سب صوفی ہوتے تھے اسی لئے پہلے زمانہ میں خانقاہوں کی اور تعلیم

۲۹

تصوف کی ضرورت نہتی کیونکہ سب ماں کے پیٹ سے صوفی ہی پیدا ہوتے تھے اور اُنکا وہی مذاق ہوتا تھا جو حضرت غوث اعظم کا اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک سنجر بادشاہ ملک نیمروز نے آپکے مصارف کیلئے آپکو ایک معتد بہ حصہ ملک کا پیش کرنا چاہا آپ نے جواب میں یہ رباعی لکھی ؎

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد | در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانکہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب | من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

ایک عالم کی حکایت رسالہ القاسم دیوبند قدیم میں لکھی تھی کہ وہ خدمت دین میں مشغول رہا کرتے تھے کسب معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا ایک نانبائی آپکا معتقد تھا اور جان نثار تھا۔ اور ایسے شخص سے مانگ کر کھانا بھی جائز ہے اس سے آپنے کہہ رکھا تھا کہ بھائی جب کبھی ہمکو بھوک ستائے گی ہم بے تکلف تمہارے پاس آجایا کرینگے مگر ایک شرط ہے وہ یہ کہ ہمارے سامنے وہ ٹکڑے رکھدیا کرنا جو مسافروں کے آگے سے بچ جاتے ہیں اگر سالم روٹی دوگے تو ہم نہ کھائیں گے نانبائی نے اس خیال سے یہ شرط منظور کرلی کہ اسکے خلاف میں مولانا کو تکلیف ہوگی اور ٹکڑوں سے بھی رہ جائیں گے چنانچہ جب بھوک لگتی مولوی صاحب اُسکی دوکان پر پہونچ جاتے اور وہ مسافروں کے سامنے کے ٹکڑے بچے ہوئے انکے آگے رکھدیتا انکو پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور پھر علمی مشغلہ میں مشغول ہوجاتے اتفاق سے ایک دن جو گئے تو نانبائی نے کہا کہ آج تو ٹکڑے نہیں ہیں یا تو مسافروں نے ٹکڑے چھوڑے نہیں یا کوئی بہت کھانیوالا آگیا ہوگا جو ٹکڑے بھی کھا گیا تو مولوی صاحب خوش خوش وہاں سے یہ فرماتے ہوئے واپس آگئے تِلْکَ اِذًا کَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ کہ آج کی واپسی تو بڑے خسارہ کی ہوئی آپکو فاقہ میں بھی لطیفہ سوجھا کیونکہ قرآن سے اقتباس کرنا تو لطائف میں سے ہے سلف کی حکایتیں اس قسم کی بہت سنی ہیں ایک حکایت تو والد صاحب سے سنی ہے کہ طلبہ ایک گھڑا بنا لیا کرتے تھے جسکا منہ تنگ کرلیا کرتے جو خط گھر سے آتا اُسکو بغیر دیکھے پڑھے گھڑے میں ڈال دیتے اسی طرح برابر گھڑے میں خطوط ڈالتے رہتے یہاں تک جب سات آٹھ سال میں علم سے فارغ ہوتے اُسوقت وہ گھڑا توڑا جاتا اور تمام خطوط پڑھتے کسی میں رنج کی خبر ہوتی تو اُسکو دیکھکر رو لیتے کسی میں کسی خوشخبری ہوتی

عـــہ نظیر ملک نیمروز قطع الطمع لا فائدۃ المکاتبۃ من ... من الحرج ... الجواب ... ۱۲

عـــہ ان ... المنقطع ... فی ذلک ... فی ترک ... الفاقۃ ... الطریق ... ۱۲ ... فی طلب العلم ... ۱۲ اشرف

اُسکو دیکھکر ہنس دیتے ؎

گہ گریم وگہ خندم دیوانہ چنیں باشد ما

اور ایک حکایت اور سنی ہے کہ ایک دن ایک طالب علم کے پاس تیل نہ تھا تو وہ بڑے پریشان ہوتے اتفاق سے اُسی وقت ایک رئیس کا جلوس نکلا جسمیں مشعلیں اور فانوس وغیرہ بہت روشن تھے آپ کتاب ہاتھ میں لیکر اُس جلوس کیساتھ ہو لئے اور مطالعہ کرتے چلے گئے یہانتک کہ جلوس رئیس کے محل تک پہونچا آپ بھی اُسکی ساتھ محل میں چلے گئے خدام نے روکنا چاہا مگر رئیس نے منع کر دیا یہانتک کہ روشنی کے فانوس وغیرہ خاص آرام کے کمرہ میں پہونچے آپ وہاں بھی چلے گئے اور ایک تخت پر بیٹھکر کتاب دیکھتے رہے اور ایسے مستغرق تھے کہ نہ کسی عورت کی طرف نظر اٹھائی نہ باندی کی طرف۔ رئیس انکے اس استغراق پر محو ہوگیا جب مولوی صاحب مطالعہ سے فارغ ہو گئے اُسوقت آپکو ہوش آیا اور کتاب بند کرکے اِدہر اُدہر دیکھکر گھبرانے کہ میں کہاں آگیا اور کسطرح آگیا۔ رئیس نے انکی پریشانی دیکھکر عرض کیا کہ مولانا آپ ذرا پریشان نہوں آپنے تو مجھے اپنا گرویدہ بنالیا ہے واقعی علمی شوق اسی کا نام ہے جو آپکے اندر دیکھا اب میری درخواست یہ ہے کہ آپ میرے غریب خانہ ہی پر مقیم رہیں یہیں کھانا کھایا کریں اور یہیں مطالعہ کیا کریں میں آپکی خدمت کو اپنی سعادت سمجھونگا مولوی صاحب بولے کہ میں اس قید کو پسند نہیں کرسکتا میں آزاد رہنا چاہتا ہوں ہاں البتہ مجھے اسکی تکلیف ہے کہ بعض دفعہ میرے پاس تیل نہیں ہوتا جس سے مطالعہ کا حرج ہوتا ہے اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے پس اگر آپ اتنا کردیں تو عنایت ہوگی کہ کسی بنئے سے کہدیجئے کہ جب میں تیل لینا چاہوں تو مجھے تیل دیدیا کرے اور آپ کے حساب میں دام لکھدیا کرے مجھ سے اسکا مطالبہ نہ کیا کرے اس سے زائد کی مجھے ضرورت نہیں چنانچہ رئیس نے تیل کا انتظام کر دیا۔ ایسے ہی لوگوں کی بابت کوئی بزرگ فرماتے ہیں ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر ــــ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اور شیرازی فرماتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں ــــ کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

اسی طرح کا ایک قصہ استغراق کا حضرت شبلی کا ہے کہ ایک دن وہ حضرت جنید کے گھر میں بلا اطلاع کے گھس گئے حضرت جنید کی بیوی پردہ کے خیال سے اٹھنے لگیں حضرت جنید نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا کہ ان سے پردہ کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ اسوقت اپنے حواس[عــه] میں نہیں ہیں چنانچہ وہ دیر تک بیٹھے ہوئے ہنس ہنس کر مقامات میں گفتگو کرتے رہے اور حضرت جنید اپنی بیوی کو اٹھنے سے روکتے رہے یہانتک کہ کسی بات پر حضرت شبلی پھوٹ کر روئے تو حضرت جنید نے بیوی کو اشارہ کیا کہ اب چلی جاؤ اب انکو ہوش آگیا ہے تو بعض دفعہ استغراق ایسا قوی ہوتا ہے جسمیں صاحب استغراق کو مطلق خبر نہیں ہوتی کہ یہاں کوئی عورت بھی ہے یا نہیں مگر اسکا پہچاننا حضرت جنید جیسوں کا کام ہے تو ایک زمانہ میں تو طلبہ کی حالت یہ تھی اور اب یہ حالت ہے کہ ایک طالب علم نے میرے ایک دوست رئیس کو خط لکہا کہ میں عربی پڑھنا چاہتا ہوں اور گھر سے بوجہ تنگی کے خرچ نہیں آسکتا آپ میرے لئے ۵ روپے ماہوار تنخواہ مقرر کر دیجئے اسکے ساتھ ہی میری نسبت یہ بھی لکھدیا کہ آپ کو مجھکو یہ مشورہ دیا ہے وہ صاحب بہت عاقل ہیں خدا مال دے تو اسکے ساتھ عقل بھی دے انہوں نے وہ خط میرے پاس بھیجدیا کہ اس شخص کے متعلق کیا رائے ہے میں نے لکہا کہ اس کذاب کو ایک پیسہ نہ دیا جائے وہ کبھی میرے پاس بھی آتے ہیں میں انکی خبر لونگا۔ مگر وہ خط بہت دنوں سے میرے پاس رکہا ہوا ہے اب تک تو وہ صاحب آئے نہیں یا تو انکو جواب جانے سے شبہ ہوگیا کہ اس واقعہ کی مجھے اطلاع ہوگئی ان صاحب نے لکھدیا کہ اس لئے آپکی امداد سے منع کر دیا ہے اسلئے معذوری ہے (یا اس شخص نے دوسرے طلبہ کے ذریعہ سے خانقاہ میں اس خط کے متعلق تذکرہ سن لیا) اسلئے انہوں نے آنا ہی بند کر دیا۔ میں کٹورہ والے طالب علم کا ذکر کر رہا تھا غرض جب طلبہ کے نزدیک کٹورا بھی حوض کے برابر ہو سکتا ہے تو میزان عمل ان کے نزدیک زمین و آسمان سے بڑا ہو تو کیا بعید ہے کیونکہ میزان عمل تو اللہ تعالے کے

عــه فکان داخلا فی غیر اولی الاربۃ من الرجال فلا یصح قیاسہ علی الاعمی وقد امر بالحجاب عنہ فی قولہ صلے اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما لکون الاعمی من اولی الاربۃ یمیل الیہ النساء ویشعر بہا بمن ایضا بالحدس والتقبل وصوت الحلی فیمیل بقلیہ الیہن بخلاف المستغرق فانہ کالمجنون اوکالطفل الذی لا یشتہی ۱۲ ظ ش

کی میزان بھرا سلئے حضور نے شبہ کو رفع کرنے کیلئے فرمایا کہ الحمد للہ یملا المیزان الحمد للہ سے میزان عمل بھر جاتا ہے اب وہ شبہ رفع ہوگیا کہ شاید میزان خالی رہے پھر شاید کسی کو یہ وسوسہ ہو کہ بس اب نماز روزہ کی کیا ضرورت ہے ایکبار الحمد للہ کہہ لینا کافی ہے بڑا قصہ تو میزان عمل کا ہے وہ تو اس سے بھر ہی جائیگا جیسے ایک طالب علم نے گانوں میں جاکر نماز کا وعظ کہا اور یہ کہا کہ بے نمازی سور کتے کے مثل ہیں اس جملہ پر گانو والوں کو جوش آگیا اور سب نے چڑھائی کرکے مولوی صاحب کو مارنا چاہا میزبان نے یہ رنگ دیکھکر مولوی صاحب سے کہا کہ آج خیر نہیں لوگ آپ پر چڑھائی کرکے آرہے ہیں کہا کیا بات کہا آپ نے وعظ میں بے نمازیوں کو سور کتا بھی بنایا تھا لوگوں نے بس اتنی بات پر چڑھائی کر رہے ہیں کہا جی ہاں کہنے لگے تو تم بیفکر رہو میں ابھی سبکو ٹھنڈا کئے دیتا ہوں یہ تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ واقعی یہ تاویل کا دروازہ کھلا رہے تو بات کا بدلنا کچھ بھی مشکل نہیں چنانچہ گانوں والے آئے اور مولوی صاحب پر حملہ کرنا چاہا انہوں نے پوچھا کہ بھائی آخر میری کچھ خطا بھی ہے کہا اس سے بڑھکر کیا خطا ہوگی کہ تمنے ہمکو سور کتا بنایا کہا میں نے تمکو نہیں کہا تھا بلکہ بے نمازیوں کو کہا تھا گانوں والوں نے کہا پھر ہم بھی تو بے نمازی ہیں۔ مولوی صاحب بولے ہرگز نہیں تم بے نمازی کیوں ہوتے بتلاؤ کیا تمنے کبھی نئے کپڑے پہنکر آخری جمعہ کی نماز نہیں پڑھی بولے جی ہاں آخری جمعہ کی تو نماز پڑھی ہے کہا اور عید بقر عید کی نماز بولے وہ بھی پڑھتے ہیں۔ کہا پھر تم بے نمازی کدھر سے ہوئے۔ بے نمازی تو وہ ہے جو ایک دفعہ بھی عمر بھر میں خدا کے سامنے نہ جھکا ہو بس اس جواب سے سب خوش ہوگئے تو جیسے اس طالب علم نے عید بقر عید کی نماز سے گانوں والوں کو نمازی بنا دیا تھا ایسے ہی شاید کوئی نہ سمجھے کہ سبحان اللہ الحمد للہ سے میزان عمل تو بھر ہی جائیگا پھر اور عمل کی کیا ضرورت۔ اسکے دو جواب ہیں ایک الزامی ایک تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ سبحان اللہ الحمد للہ سے میزان کا ایک پلہ ہی تو بھریگا (کیونکہ اعمال صالحہ کا ثواب ایک ہی پلہ میں رکھا جاتا ہے دوسرا پلہ تو گناہوں کیلئے ہے ۱۲) تو ایک پلہ کے بھر جانے سے کیا نفع جب تک دوسرے پلہ کا حال معلوم نہ ہو (کیونکہ اگر وہ بھی بھر گیا تو آپ جنت

۳۴۳

میں نہ جاسکیں گے بلکہ اعراف میں رہیں گے اور اگر وہ بہت زیادہ بھر گیا کہ اعمال صالحہ کے پلے سے بھی بھاری ہوگیا تو جہنم میں جانا پڑیگا ۱۲) اسلئے دوسرے پلہ کی فکر بھی لازم ہے جسمیں گناہ رکھے جائیں گے اور ترکِ صلوٰۃ و ترک صیام و ترک زکوٰۃ و ترک حج یہ سب معاصی ہیں اگر گناہوں کا پلہ بھاری ہوگیا تو نیکیوں کا پلہ بھاری ہونے سے کیا ہوگا اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو سبحان اللہ والحمد للہ کا ثواب بیان فرمایا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ ان کلمات میں یہ خاصیت ہے یہ ایسا ہے جیسے طبیب یہ کہے کہ بنفشہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ دماغ کا تنقیہ کرتا اور مواد فاسد کو دفع کرتا ہے مگر سب جانتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تک اس کے ساتھ کوئی مضر شے استعمال نکی جائے جو اسکی خاصیت کو باطل کردے اب اگر کوئی سنکھیا کھا کر بنفشہ پی لے تو بتلایئے بنفشہ سے کیا خاک نفع ہوگا اور اگر اس صورت میں بنفشہ کی خاصیت ظاہر نہ ہو تو کیا حکیم کے دعوے کو غلط کہا جائیگا ہرگز نہیں ایسے ہی یہاں سمجھو کہ سبحان اللہ الحمد للہ کی واقعی یہ خاصیت ہے کہ میزان عمل کو بھر دیتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ کوئی منافی نہ پایا جائے۔ تو اب سمجھئے کہ حق تعالیٰ کی کسقدر عنایت ہے کہ ایک سبحان اللہ الحمد للہ پر اسقدر ثواب عطا فرماتے ہیں۔ دنیا میں تو والدین سبق کے ایک ایک لفظ پر ایک ایک پیسہ بھی نہیں دیتے البتہ بعض لوگ مکتب جانے پر ایک ہفتہ میں بچوں کو ایک آنہ تو دیدیتے ہیں اور ایک صاحب نے بیان کیا کہ ہمارے یا لجان مہینہ بھر تک حقہ بھرنے پر دو پیسے منصوری دیا کرتے تھے جو وزن میں تو ڈبل تھے مگر قوت میں کم تھے اگر کسی بچہ کو باپ نے عیدالفطر عید کے موقع پر ایک روپیہ دیدیا تو خوشی کی کوئی انتہا ہی نہیں خصوص پہلے زمانہ میں جبکہ روپیہ کم تھا۔ ہمیں یاد ہے کہ والد صاحب نے عید کے دن ہم دونوں بھائیوں کو دو دو آنہ کے پیسے دیئے بھائی اکبر علی نے تو لیلئے میں نے لینے سے انکار کردیا۔ والد صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کیوں واپس کردیئے میں نے کہا یہ تو تھوڑے ہیں۔ فرمایا ہمارے والد تو ہمکو عید کے دن دو پیسے دیا کرتے تھے اور ہم اس سے ہی بہت خوش ہوجاتے تھے میں نے کہا ہم میں اور آپ میں فرق ہے فرمایا وہ کیا۔ میں نے کہا فرق یہ ہے کہ آپ غریب کے

بیٹے تھے اور ہم اسیر کے بیٹے ہیں۔ اسپر بھائی اشارہ سے کہنے لگے کہ یہ کیا کہتے ہو گستاخی کرتے
ہو میں نے کہا اسمیں گستاخی کیا ہے ہم ان کو اپنے دادا پر ترجیح دے رہے ہیں اسمیں تو
اپنے والد کی تعظیم ہے والد صاحب ہنسنے لگے اور ایک ایک روپیہ عنایت فرمایا جب
ہم خوش ہوئے مگر آج کل ایک روپیہ کی بھی قدر نہیں اب تو بچے دو تین روپیہ سے کم میں
خوش نہیں ہوتے۔ غرض ہمکو اپنی اولاد کو ایک ہفتہ کی پڑہائی کے صلہ میں ایک آنہ دیتے
ہیں اور یہ بھی سب نہیں دیتے بلکہ بعض والدین ہی ایسا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایک
سبحان اللہ کے عوض میں اسقدر دیتے ہیں کہ انتہا نہ اوسکی اسپر مجھے ایک بات یاد آئی
وہ یہ کہ دیانند نے تناسخ کو ثابت کرکے (اور وہ ثبوت بھی اسی کے زعم میں ہے ورنہ
درحقیقت اسکے پاس اسکی کچھ دلیل نہیں) نجات ابدیہ پر اعتراض کیا ہے کہ مسلمان جو
اعمال صالحہ کے عوض میں نجات ابدیہ کے قائل ہیں یہ عقل کے خلاف ہے کیونکہ اسکی تو ایسی
مثال ہے جیسے کسی آدمی پر پانچ من بوجھ لاد دیا جائے جس سے اسکا کچومر نکلجائے
پس متناہی عمل کا غیر متناہی صلہ نہ ہونا چاہئے مجھے حیرت ہے کہ اس شخص کو عاقل کس نے
کہدیا پس اسی دلیل سے آپ اسکی دلیل عقل کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور گو یہ اس بےعقلی کی
بات کا جواب دینا ہمارے ذمہ لازم نہ تھا عقلاء خود اسکو سنکر ہنسینگے مگر ضعفاء کی حفاظت
کیلئے اسکا جواب دیا جاتا ہے وہ یہ کہ انسان پر پانچ من بوجھ لادنا اسوقت موجب تکلیف
ہے جبکہ ایک دم سے لاد دیا جاوے اور اگر غیر متناہی ثواب غیر متناہی مدت میں دیا جائے تو
اسمیں کیا اشکال ہے اور مسلمان جیسے نجات ابدیہ کے قائل ہیں تو وہ اسکی ساتھ اسکے بھی تو
قائل ہیں کہ اہل جنت ہمیشہ زندہ رہیں گے انکو کبھی موت نہ آئیگی (دوسرے لادنے کی بھی
ایک ہی کہی بھلا نجات ابدیہ سے کمر پر لادنا کیونکر لازم آگیا کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ایک
شخص کو اسقدر خزانہ دیدیں جو کبھی ختم نہ ہو اور وہ خزانہ ایک مقام پر محفوظ کرکے کنجی اس
شخص کے حوالہ کردیجائے کہ ضرورت کے وقت جتنا چاہے نکالے اور خرچ کرے تو کیا
اس شخص کے نزدیک عمر غیر متناہی عطا ہونا بھی لاد دینے کے مثل ہے تو اس کا حماقت ہونا ظاہر
ہے کیونکہ عمر طویل سے کسی پر بھی کچھ گرانی نہیں ہوتی بشرطیکہ قوائے دماغیہ و جسمانیہ

معطل ہوں بلکہ ایسی زندگی کا تو کفار میں دنیا ہی کے اندر ہر کس طالب، ولتجدنہم احرص الناس علی حیوۃ ومن الذین اشرکوا یود احدہم لو یعمر الف سنۃ (پ ۱) غرض آپ کو ہر عمل صالح پر بے انتہا اجر ملتا ہے اور ہر مصیبت پر نعم البدل عطا ہوتا ہے یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اہل نعم اہل مصائب کے اجر کا مشاہدہ کرینگے تو وہ تمنا کریں گے کاش ہمکو دنیا میں ہماری کھالیں مقراض سے قطع کیجاتیں تاکہ آج ہمکو بھی یہ ثواب حاصل ہوتا پس اس ثواب کے استحضار سے آپکو غم ہلکا کرنا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب مصائب درحقیقت تجارت میں داخل ہیں۔ یہ تو علاج عام ہے جو عوام کیلئے مناسب ہے اور ایک علاج خاص ہے جسکو خواص استعمال کرتے ہیں اس کا نام تفویض ہے جسکی حقیقت قطع تجویز ہے یعنی وہ اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ وہ جو چاہیں ان میں تصرف کریں۔ اپنی طرف سے وہ کوئی حالت یا انتظام تجویز نہیں کرتے۔ اور تمام تر پریشانی کا سبب تجویز ہی ہے کہ ہم نے ہر چیز کا ایک نظام خاص اپنے ذہن میں قائم رکھا ہے کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہئے اولاد کو اس طرح پڑھنا چاہئے پھر اس نظام کے خلاف واقع ہونے سے کلفت ہوتی ہے اور زیادہ حصہ اس نظام کا جو ہماری طرف سے تجویز ہوتا ہے غیر اختیاری ہے تو غیر اختیاری امور کیلئے نظام تجویز کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے اسی طرح تجویز کے لئے حدیث میں ہے اذا اصبحت فلا تحدث نفسک بالمساء واذا امسیت فلا تحدث نفسک بالصباح کہ جب صبح ہو تو شام کے متعلق اپنے دل میں خیال نہ لاؤ اور شام ہو تو صبح کے متعلق خیال نہ لاؤ۔ راحت اسی میں ہے اسی لئے اہل اللہ نے تجویز کو قطع کر کے یہ مذہب اختیار کر لیا ہے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو ‌ ‌ ‌ دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

اور یہ مذہب بنا لیا ہے ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من ‌ ‌ ‌ دل فدائے یار دل رنجان من

انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم خدا کے ہیں ان کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں تصرف کریں۔ پھر اس کے بعد بھی وہ مضطرب ہیں کبھی تو استحضار ثواب سے تفویض حاصل ہوتی ہے کہ اس سے ہم کو ثواب ملیگا۔ شاید آپ یہ کہیں کہ یہ تو وہی پہلا علاج ہو گیا مگر نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے پہلی

۳۳۶

صورت میں تو استحضار ثواب خود علاج تھا اور اس صورت میں اصل علاج تفویض ہے اور استحضار ثواب تقویت تفویض کیلئے ہے اور کبھی محض رضائے حق کیلئے تفویض کی جاتی ہے۔ استحضار ثواب کو بھی اس میں دخل نہیں ہوتا گو ثواب بھی مل جائے مگر یہ ثواب کیلئے تفویض نہیں کرتا گو ثواب سے استغنا بھی نہیں ہوتا بلکہ اپنے کو مستحق نہیں سمجھتا صرف استحقاق کی نفی ہوتی ہے کہ اگر ثواب نہ ملے تو عین عدل ہے کیونکہ میں اس کا مستحق نہیں یہ شخص محض اس لئے تفویض کرتا ہے کہ محبوب کا حق یہی ہے کہ اس کے سامنے اپنی رائے اور تجویز کو فنا کر دیا جائے یہ تفویض کا اعلیٰ درجہ ہے کیونکہ جو تفویض ثواب کیلئے ہوتی ہے وہاں عمل مفوت ثواب سے انقطاع تفویض کا احتمال ہو سکتا ہے اور تفویض للرضا میں یہ احتمال نہیں رہا یہ کہ تفویض کے بعد بھی بقاء رضا میں تو شبہ و احتمال ہو سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو جب تک تفویض باقی ہے رضا بھی باقی ہے۔ دوسرے صوفی ابن الحال ہوتا ہے وہ آئندہ کی فکر نہیں کرتا وہ بقاء رضا میں بھی تفویض سے کام لیتا ہے مگر یہ علاج چونکہ خاص ہے اس لئے میں نے اسکو تتمیم کے طور پر بیان کر دیا ہے ورنہ اصل علاج عام وہی ہے جو بیان کیا گیا ہے کہ استحضار ثواب کا مراقبہ کرے اور یہ بات سمجھ لے کہ ہر مصیبت پر نعم البدل ملتا ہے اور آخرت میں تو ملتا ہی ہے۔ دنیا میں بھی نعم البدل ملتا ہے اور خدا پر بھروسہ کر کے میں نہایت زور کیساتھ کہتا ہوں کہ دنیا میں بھی اسکو نعم البدل کا مشاہدہ ضرور ہوگا مگر اسکے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ کے معاملات میں غور کرتا رہے کہ اس واقعہ میں کیا حکمت ہے اگر غور کرتا رہیگا تو ہر واقعہ کی مصلحت سمجھ میں آجائیگی۔ بحمد اللہ مجھے تو خدا نے یہ دولت عطا فرمائی ہے مجھے تو ہر واقعہ میں کھلی آنکھوں مصلحت و حکمت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آجکل مجھے عذر ہے اسکی نسبت میں بیان نہیں کر سکتا کہ اسکا میرے دل پر کسقدر حظ ہے کیونکہ میں عرصہ سے یہ چاہتا تھا کہ سفر منقطع کر دوں کیونکہ مجھے سفر سے کلفت ہوتی تھی اور میں اسکے لئے بہانہ اور عذر تلاش کرتا تھا لیکن مجھے خبر نہ تھی کہ میرے جسم ہی میں ایک چیز ایسی موجود ہے جو میری اس کلفت کے رفع کا ذریعہ بن جائے گی یعنی مجھے آنت اترنے کا مدت سے مرض تھا لیکن پہلے اس میں کوئی تکلیف نہ تھی اب کچھ عرصہ سے اس میں خاص تکلیف شروع ہو گئی کہ اپنے موقعہ پر سے اس کا

۳۴۷

ہٹنا تکلیف کا سبب ہوتا ہے اور ادنیٰ سبب سے وہ ہٹ جاتی ہے جس سے تحرز خصوص سفر میں مشکل ہے لہذا اب میں نے سفر منقطع کر دیا خدا نے مجھے یہ عذر ایسا دیا جس سے میری تکلیف کا انسداد ہوگیا اسی طرح ہر وقت کوئی نہ کوئی مصلحت اور فائدہ ہر واقعہ میں سمجھ میں آجاتا ہے حتی کہ کسی عزیز کی موت میں بھی اور مصیبت و رنج کے واقعات میں بھی اور کم از کم یہ فائدہ تو ہر واقعہ میں مشاہد ہے کہ اس سے اخلاق کی اصلاح ہوجاتی ہے اور اپنی حقیقت عجز کا مشاہدہ ہوجاتا ہے اور یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔ تو صاحبو اگر غم بھی ہو مگر غم کی حکمت سمجھ میں آجائے تو غم ہلکا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کو غم سے پریشانی کم ہوتی ہے۔ پس انسان کو جو مصیبت پیش آئے اسوقت یہ سمجھ لے کہ مجھے اسمیں نفع ضرور ہوگا آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی گو دنیوی نفع ابھی سمجھ میں نہ آئے مگر غور کرتے کرتے وہ بھی سمجھ میں آنے لگیگا اور نہ سمجھ میں آئے تو آخرت کا نفع ہے ہی اور وہی ہمارا اصلی گھر ہے اسکے نفع کو مقدم سمجھنا چاہئے گو دنیا کا نفع بھی من وجہ مقصود ہے مگر آخرت کی برابر نہیں اور یوں تو آدمی سفر میں ریل میں اور سرائے میں بھی اپنی راحت کا اہتمام کرتا ہے کہ جگہ اچھی اور گرمی سردی کا آرام ہو تو اسی درجہ میں دنیا کی راحت کا بھی بقدر ضرورت اہتمام کرنے کا مضائقہ نہیں کیونکہ دنیا کی مثال آخرت کے سامنے سرائے جیسی ہے اسلئے دنیا کی مصلحت و منفعت بھی ایک درجہ میں مطلوب ہے اور شریعت نے بھی اجازت دی ہے اور یہاں سے ایک شبہ کا جواب بھی ہوگیا وہ یہ کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ علماء شریعت دنیا کمانے سے اور دنیا کی راحت و منفعت سے روکتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں قنوج میں ایک صاحب نے مجھ سے خود کہا کہ میں نے تمام شریعت کا خلاصہ یہ سمجھا ہے کہ نہ غم میں روؤ نہ خوشی میں ہنسو (بس ہنس بنکر رہو اور مرجاؤ) میں نے کہا سبحان اللہ آپنے خوب خلاصہ نکالا بلکہ شریعت کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی حال میں پریشان نہ رہو بلکہ راحت سے رہو غم میں بھی اور خوشی میں بھی کیونکہ شریعت غم کو ہلکا کرنیکا طریقہ بتلاتی ہے اور راحت کے متعلق ایسے امور کی تعلیم دیتی ہے جس سے اسباب راحت میں ترقی ہو زوال نہ ہو۔ واللہ لوگوں نے شریعت کو سمجھا نہیں اسلئے یہ غلط خلاصہ نکالا کہا خلاصہ ویسا ہی ہے جیسے مولانا جامی نے قصہ یوسف و زلیخا کا خلاصہ نکالا تھا وہ سفر میں ایک شخص کے رفیق تھے روٹی تھوڑی کی تھی اس نے مولانا جامی کو باتوں میں لگانا چاہا تاکہ خود روٹی زیادہ

کہا جائے اور کہا مولانا آپنے یوسف و زلیخا کا قصہ لکھا ہے ذرا وہ قصہ بیان تو کیجئے مولانا جامی سمجھ گئے کہ اسکا مقصود کچھ اور ہے فرمایا جی ہاں قصہ تو بہت لمبا ہے مگر خلاصہ اس کا یہ ہے یوسفِ گم گشتہ بازآید بکنعاں غم مخور (؟) ایک بڑے میاں تھے انکا ایک لڑکا تھا وہ گم ہوگیا تھا پھر ملگیا یہ کہہ کر کھانے لگے نیز یہ ایسا خلاصہ تھا جیسے ایک صاحب نے یہاں خانقاہ میں رہکر تصوف کا خلاصہ نکالا تھا کہ مجھے تو یہاں کی تمامتر تعلیم کا خلاصہ یہ معلوم ہوا کہ پیر کی تعظیم خوب کرنے رہیں میں نے کہا سبحان اللہ اچھا خلاصہ نکالا گویا مشائخ مخلوق کو اپنا بندہ بنانا چاہتے ہیں نعوذ باللہ اور نہ معلوم یہ خلاصہ انہوں نے کس تعلیم سے سمجھا حالانکہ یہاں تو تعظیم کی ممانعت ہے ہاں اطاعت کا حکم ہے کیونکہ اس طریق میں بدون تقلید و انقیاد کے کام نہیں چل سکتا ان حضرت کا نام بدر تھا میں نے انکو بدر کر دیا یعنی ان کو سکون سے حرکت میں لے آیا۔ (اسکی لطافت اہل ذوق لسان سے مخفی نہیں کیونکہ رقابت سکون ہے اور ساخراج تحریک ہے اسی طرح بدر میں دال کا سکون ہے اور بدر میں حرکت ہے ۱۲) میں یہ کہہ رہا تھا کہ جن لوگوں نے شریعت کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ دنیا میں پتھر بن کر رہو انہوں نے شریعت کو اور علماء کے مطلب کو نہیں سمجھا ایک مولوی صاحب جو مالدار بھی ہیں ان سے ترقی مال کے متعلق میری گفتگو ہوئی مگر وہ سمجھتے نہ تھے بالآخر میں نے یہ کہا کہ میاں تم تو مولوی ہو میں تمکو علمی اصطلاح میں سمجھاتا ہوں کہ علماء کی تعلیم کا حاصل اس بات میں یہ ہے کہ مال کو مقصود بالذات نہ بناؤ ورنہ بندۂ ذات ہو جاؤ گے بلکہ مقصود بالغیر بناؤ تو بالخیر رہو گے ورنہ مطلقاً جمع مال سے علماء منع نہیں کرتے اور وہ کیسے منع کر سکتے ہیں جبکہ حدیث میں حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ مصرح ہے کہ ایک مرتبہ وہ غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں آپ پر برسنے لگیں اور وہ انکو جمع کرنے لگے وحی آئی اے ایوب کیا میں نے تمکو اس سے مستغنی نہیں کر دیا ہے (کیونکہ ایوب علیہ السلام بہت مالدار تھے) تو آپنے عرض کیا بلٰی یا رب ولکن لا غنی بی عن برکتک کہ بیشک اے پروردگار آپنے مجھے اس سے غنی کر دیا ہے لیکن میں آپکی نعمت کی ترقی سے مستغنی نہیں ہوں۔ اگر مال جمع کرنا مطلقاً مذموم ہوتا تو ایوب علیہ السلام کا یہ جواب مقبول نہ ہوتا نیز حضرت کعب بن مالک نے ایک دفعہ

۴۹

اپنا تمام مال صدقہ کرنا چاہو تو حضور نے ارشاد فرمایا امسک علیک بعض مالک فھو خیر لک کہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ اپنے واسطے بھی رکھلو یہ بہتر ہوگا چنانچہ انہوں نے خیبر کا حصہ روک لیا۔ نیز خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ اپنے ازواج مطہرات کو سال بھر کا نفقہ دیدیا کرتے تھے یہ بھی ایک گونہ جمع مال ہے اور حضرت سفیان ثوری رح کا مقولہ ہے کہ حلال مال کی قدر کرو اسکو فضول ضائع نکرو ایک زمانہ تو وہ تھا جسمیں مال کا جمع کرنا دین کے واسطے مضر تھا اور اب وہ زمانہ ہے کہ مال کا جمع نکرنا دین کیواسطے مضر ہے پھر فرمایا کہ اگر ہمارے پاس یہ چند درہم و دینار نہوتے تو یہ اہل دولت تو ہمکو اپنا رومال بنا لیتے یعنی ہمکو پامال کردیتے۔ اب کسکا منہ ہے جو علماء کو بدنام کرے کہ یہ دنیا کملانے اور مال جمع کرنے سے روکتے اور ترقی کے مخالف ہیں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ آجکل جن اہل ترقی کو ترقی کی فکر ہے انکو صرف آمدنی کی فکر ہے مگر اسکی ساتھ ہی وہ خرچ بھی بہت کرتے ہیں پھر اس طرح ترقی کیسے ہوگی۔ ترقی کی صورت تو یہ ہے کہ ترقی آمدنی کی ساتھ خرچ کو بھی کم کیا جائے پس ان لوگوں کا اپنے کو حامی ترقی کہنا غلط ہے جو دعوے بلا دلیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا شیخ الٰہی بخش صاحب رئیس میرٹھ کا مقولہ ہے کہ آمدنی کی فکر سے زیادہ خرچ کی فکر لازم ہے اگر خرچ کی فکر ہو تو تھوڑی بھی کافی ہو جاتی ہے اور خرچ کا انتظام نہو تو بہت آمدنی بھی کافی نہیں آجکل لوگوں کی زیادہ پریشانی کا سبب یہی ہے کہ وہ اپنے خرچ کا انتظام نہیں کرتے اسی لئے ۵۰ اور ۶۰ روپے کی تنخواہ بھی انکو قلیل معلوم ہوتی ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ مدرسی سے پہلے میں نے ذہن میں اپنے لئے عـہ روپے تنخواہ تجویز کی تھی کہ بس ہم دو میاں بی بی کیلئے اتنا بہت ہے مگر آجکل تو عـہ روپیہ کی تنخواہ کا نام بھی عار ہے چنانچہ ہمارے ہی قریب ایک قصبہ میں چند مستورات نے جمع ہو کر اپنے اپنے شوہروں کی تنخواہوں کا تذکرہ کیا انہیں سے ایک عورت کے خاوند کی تنخواہ شاید عـہ تھی جب اسکی باری آئی تو وہ یہ کہتی ہوئی شرمائی کہ عـہ روپیہ تنخواہ ہے اسلئے وہ یوں کہتی تھی کہ تنخواہ تو انکی عـہ ہی روپیہ ہے مگر ماشاء اللہ اوپر کی آمدنی کافی ہے ایک عورت نے کہا ارے کمبخت توبہ کر حرام مال پر ماشاء اللہ کہتی ہے غرض شریعت تو دنیا میں راحت کے ساتھ

رہنے کی بھی اجازت بلکہ تعلیم دینی ہے لیکن اس کو مقصود بالذات بنانے کو روکتی ہے پس اگر دنیا کا کچھ نقصان ہو جاوے اور اس میں دنیا یا آخرت کا نفع ہو جاوے تو وہ نقصان حقیقت میں کچھ نقصان نہیں وہ ایک تجارت ہے اپنے دل کو سمجھا لینا چاہیئے میں نے اوپر کہا تھا کہ دنیوی نقصان سے خود دنیا میں نفع ہوتا ہے جو غور سے سمجھ میں آتا ہے مجھکو اس پر ایک حکایت یاد آ گئی۔ بریلی میں ایک صاحب یتیم خانہ کے مہتمم تھے انہوں نے میرے نام ایک فتوے کیلئے خط لکھا اور پتہ میں اپنے نام کے ساتھ گورنر یتیم خانہ ... لکھا ایک آفت یہ بھی ہو گئی کہ جاہ مقصود بالذات ہو گیا جاہ کے لئے اپنے لئے خاندانی عہدے پھر اُن عہدوں کے انگریزی نام تجویز کرتے ہیں تو ان صاحب نے اپنے کو گورنر لکھا مگر وہ ایسے گورنر تھے کہ جواب کیلئے آپ نے ٹکٹ تک نہ بھیجا تھا میں اسوقت تک ایسے خطوط کا جواب بیرنگ دیدیا کرتا تھا اس کا جواب بھی میں نے بیرنگ بھیجدیا تو گورنر صاحب نے واپس کر دیا اور مجھے ایک آنہ دینا پڑا کیونکہ اسوقت ایک ہی آنہ محصول تھا اتفاق سے اسی زمانہ میں میرا جانا بریلی ہو گیا میں نے بھائی سے یہ قصہ بیان کیا کہ میں ان گورنر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں مجھے ان سے ایک آنہ وصول کرنا ہے یہ کیسے گورنر ہیں کہ استفتا بھیں اور جواب کیلئے ٹکٹ نہ رکھیں اور بیرنگ جواب دیا جائے تو محصول بھی ہمارے ذمہ ڈالیں اسوقت بعض لوگ اور بھی بیٹھے تھے جب وہ چلے گئے تو بھائی نے کہا کہ تم نے غضب کیا اسوقت ان گورنر صاحب کے صاحبزادے بھی موجود تھے۔ میں نے کہا یہ اچھا ہوا کہ میرا مدعیٰ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ میں تو ان کو اس تہذیب پر تنبیہ کرنے کے لیے ہی ملنا چاہتا تھا اب مجھے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں صاحبزادے ... پہنچا دیں گے۔ دیکھئے ان گورنر صاحب کی حرکت سے میرا ایک آنہ کا نقصان تو ہوا مگر اس میں بھی حکمت تھی وہ یہ کہ میں نے آئندہ کیلئے قانون مقرر کر دیا کہ ایسے خطوط کا جواب بھی نہیں دیتا جنمیں ٹکٹ نہ ہو۔ یہ مجھکو نفع ہوا۔ صاحبو! میرے پاس دو چار مہینے رہئے تو میں ان واقعات الٰہیہ کی اسرار و حکم اسکے بعد بتلاتا رہوں گا جو روز انہ مجھے پیش آتے رہتے ہیں ہاں البتہ ان کے واقعات کا ... ذمہ دار نہیں کیونکہ اپنے واقعات کا علم انہی کو ہو سکتا

۱۴۱

ہے اور وہی اس کے منافع وحکم کو سمجھ سکتے ہیں گورنر کے قصہ پر ایک مضمون ذہن میں آگیا کہ آجکل تفاخر وتکبر کا مرض ایسا عام ہوا ہے کہ علماء میں بھی یہ مرض سرایت کر گیا چنانچہ بعض نوجوان اہل علم اپنے ناموں کے ساتھ فاضل دیوبند لکھنے لگے ہیں میں کہتا ہوں کہ ہاں تم فاضل ہو مگر فضیلت سے نہیں بلکہ فضول سے کیونکہ جو لوگ واقعی صاحب فضیلت تھے ان کی تو یہ حالت تھی کہ اپنا نام بھی پورا نہ لکھتے تھے حضرت شیخ العلماء مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ نے ہمیشہ اپنے دستخط میں بندہ محمود ہی لکھا نام بھی پورا نہ لکھا فاضل یا عالم تو وہ اپنے کو کب لکھتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے کو عالم ہی نہیں سمجھتے تھے ایک دفعہ خود فرمایا کہ ساری عمر کے علمی مشغلہ سے ہمکو تو یہ حاصل ہوا کہ جہل مرکب سے جہل بسیط میں آگئے یعنی اپنے جہل کا علم ہوگیا۔ اور اسی تفاخر کا یہ اثر ہے کہ اپنے ناموں کیساتھ نسبتیں لکھتے ہیں کوئی سبحانی بنتا ہے کوئی یزدانی آجکل چھوٹی قوموں کو بھی انصاری بننے کی فکر ہو رہی ہے ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ اسلام میں مساوات ہے اسلئے چھوٹی قوموں کو ذلیل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے لہذا مناسب ہے کہ انکو بڑے بڑے القاب سے یاد کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولا تنابزوا بالالقاب سبحان اللہ آیت کا مطلب آپنے خوب سمجھا آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ اسکو برے لقب سے یاد نہ کرو یہ تو مطلب نہیں کہ غیر واقعی بڑے بڑے القاب سے یاد کرو) پھر آپنے لکھا کہ چھوٹی قوموں کو اعظمی حنفی نعمانی وغیرہ القاب دیئے جائیں میں نے لکھا کہ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ شریعت نے نکاح وغیرہ میں جو کفارت کے احکام مقرر کئے ہیں وہ مصالح پر مبنی ہیں۔ اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ انتساب الی غیر الآباء حرام ہے تو اگر ان لوگوں کو بڑے بڑے القاب مذکورہ دیئے گئے تو چند روز میں لوگ ان کو حضرت امام اعظمؒ کی اولاد سمجھنے لگیں گے جیسا کہ ایک صاحب نے اپنے نام کے ساتھ نعمانی لکھنا شروع کیا تھا اور عام لوگ ان کو امام صاحب کی اولاد میں سمجھنے لگے۔ پھر اس تفاخر نے یہاں تک ترقی کی کہ بعض لوگ انسان سے حیوان بننے لگے کوئی اپنے نام کیساتھ طوطی ہند لکھتا ہے کوئی بلبل ہند۔ میں نے کہا کہ اب چند روز میں لوگ خر ہند اور زاغ ہند بھی بننے لگیں گے اب میں اصل مضمون کی طرف عود کرتا ہوں وہ یہ کہ بڑا سبب دنیوی نقصان سے پریشان ہونیکا

۴۲

یہ بھی ہے کہ مال وجاہ کو مقصود بالذات سمجھنے لگے اسلئے اسکے فوت کے وقت اسکے نعم البدل
پر نظر نہیں جاتی کیونکہ مقصود بالذات کا کوئی بدل نہیں ہوتا اگر ان کو مقصود بالذات نہ سمجھا جاوے
تو اسکے بدل ملنے پر قناعت ہوجاوے اس مرتبہ میں علماء اسکو مطلوب بتانیسے منع کرتے ہیں ورنہ
علماء کسب حلال اور جمع مال سے مطلقاً منع نہیں کرتے بلکہ کسب حلال کو تو فرض کہتے
ہیں کیونکہ حدیث میں اس کا امر ہے چنانچہ میں نے ایک دفعہ ایک بیان میں کہا تھا کہ ترقی
کے ہم مخالف نہیں البتہ بعض ترقی کے مخالف ہیں اور اسکو آپ بھی تسلیم کرینگے کیونکہ اگر
ہر ترقی مطلوب ہے تو ورم بھی ایک ترقی ہے اس کا علاج کیوں کیا جاتا ہے۔ بس جو درجہ
آپ کے یہاں ترقی ورم کا ہے وہی درجہ ہمارے یہاں بعض ترقی ورم کا ہے جس کا حاصل
یہ ہے کہ مال کے ایسے درپے نہ ہو کہ دین برباد ہوجائے ؎

مبادا دل آں فرومایہ شاد   کہ از بہر دنیا دہد دین بباد

اگر مال کے ساتھ دین پوری طرح محفوظ رہے تو پھر تم کو ترقی دنیا سے کون روکتا ہے
جتنی چاہو ترقی کرو خواہ بادشاہ ہوجاؤ خواہ وزیر ہوجاؤ خواہ ہفت اقلیم کو فتح کرلو مگر حدود
کے اندر رہو لیکن تجربہ سے یہ بھی ثابت ہوچکا ہے۔ حدود کی تمیز آپ کو خود نہ ہوگی بلکہ اسکے لئے
آپ کو اول کسی عالم کے پاس رہنے کی ضرورت ہوگی جو مسائل واحکام سے آپ کو واقف
کرے پھر محقق شیخ کے پاس رہنے کی ضرورت ہوگی وہ آپ کو صدرا شمس بازغہ نہ پڑھائیگا
بلکہ اس کی صحبت وتقریر ہی سے آپ کو حدود کا امتیاز ہوجائے گا۔ اکبر حسین صاحب
جج مرحوم فرماتے ہیں ؎   دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا۔

اور صحبت علماء ومشائخ کیلئے اس کی ضرورت نہیں کہ آپ اپنی ملازمت وغیرہ کو ترک
کرکے ان کے پاس رہیں بلکہ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ اپنی تعطیلات کا کچھ حصہ ان کی
خدمت میں گذارو چھوٹی چھوٹی تعطیلوں کو تو اپنی تفریح وغیرہ میں صرف کرو ہاں بڑی چھٹی
کی تنصیف کرکے نصف حصہ ان کے پاس رہو اور نصف حصہ اپنے وطن وغیرہ میں رہو
اتنا بھی اگر آپ کرتے رہیں تو کافی ہے اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو یوں کہا جائیگا کہ آپ کو دین کی طلب
ہی نہیں ابھی کچھ گذرے ہیں ایک صاحب عہدہ دار میرے پاس آئے تھے وہ کچھ شبہات بیان

۴۳

کرنے لگے میں نے کہا کہ آپ کے شبہات کے جوابات تو حاضر ہیں مگر ممکن ہے کہ ان جوابات سے آپ کی تسلی نہ ہو۔ کیونکہ آپ کے شبہات تو برسوں کے پرانے ہیں اور آپ تشفی چاہتے ہیں ایک جلسہ میں یہ ٹھیک نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ آپ چھ مہینے یہاں رہیں تو امید ہے کہ آپ کی تسلی ہو جائے گی۔ اور اگر کسی کو یہ ڈر ہو کہ ہم متقی بنجائیں گے تو دنیا کے مزے جاتے رہیں گے تو میں کہتا ہوں کہ تم یہ نیت کر لو کہ متقی نہ بنیں گے مگر خدا کیلئے علما و مشائخ کی صحبت میں رہکر ایک دفعہ دین کو سمجھ تو لو اس کا یہ اثر ہوگا کہ تم کو متقی بننے کیلئے کوئی دقت پیش نہ آئیگی بلکہ تم خود بخود عمل کے مشتاق ہو جاؤ گے اور تم کو اس وقت اعمال دینیہ میں وہ حظ اور لذت آئیگی کہ دنیا کی تمام لذتوں کو بھول جاؤ گے۔ علیگڈھ کے ایک طالب علم ایم اے میرے پاس آتے ہیں پہلے وہ بھی آزاد تھے مگر اب ان کی یہ حالت ہے کہ دین کا ان کو عشق ہو گیا ہے اور انکی حالت یہاں کے صلحاء کی برکت سے اس کا مصداق ہو گئی ہے ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے	رسید از دست محبوبے بدستم

گفتا من گل ناچیز بودم   ولیکن مدتے با گل نشستم

جمال ہمنشیں در من اثر کرد   وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اب وہ دنیا سے اسقدر متنفر ہیں کہ ان کے چچا نے ایک دفعہ ان سے فرمائش کی کہ ایک بنیے کے نام سودی قرض کا رقعہ لکھدو انہوں نے صاف انکار کر دیا چچا کو ناگوار ہوا ان کے والد کو اطلاع ہوئی ان کو بھی ناگوار ہوا اور کہا تم نے چچا کے حکم کی مخالفت کیوں کی۔ کہا وہ مجھے خدا کے حکم کی مخالفت کراتے تھے اور یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا ہاں میری ذات میں وہ کوئی تصرف کریں اس کے لئے میں جان و دل سے حاضر ہوں۔ مگر دین میں تصرف کریں تو یہ مجھکو گوارا نہیں پھر خدا نے غیب سے یہ سامان کیا کہ ان کے چچا کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کسی بزرگ کی زیارت ہوئی اور انہوں نے ان کو اس حرکت پر تنبیہ کی اور بھتیجے کی تائید کی چچا نے خواب سے بیدار ہو کر توبہ استغفار کیا اور بھتیجہ کو خط میں یہ سب واقعہ لکھکر ان سے معافی طلب کی اور سب راضی ہو گئے واقعی اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے سب کام غیب سے خود درست کر دیتے ہیں۔ اب آپ کی یہ حالت ہوگی کہ اگر پہلے عشرہ ر کانی ہوتے تھے تو اب عشرہ ر کانی ہوں گے اور دین برباد کر کے دنیا کمانے کی ہوس نہ ہوگی

ہوس نہ ہونے پر قصہ یاد آگیا۔ اثناؤں میں ایک سب جج تھے ان کے پاس دو تعلقداروں کا مقدمہ آیا ان میں سے ایک نے ایک لاکھ روپے رشوت میں پیش کئے سب جج صاحب نے اپنے نوکر کو حکم دیا اس نالائق کو باہر نکالدو۔ ہر چند کہ تعلقدار کے سامنے ایک سب جج کی کوئی حیثیت نہیں مگر ایسے وقت وہ بھی کچھ نہیں بول سکتا جو خوشامد میں رشوت دیتا ہوا اور دوسرا اس سے استغنا برتتا ہو۔ دوسرے فریق کو خبر ہوئی کہ ایک لاکھ روپیہ واپس کر دیا گیا وہ سوا لاکھ روپیہ لیکر آیا سب جج صاحب نے اسکو بھی نوکروں سے نکلوا دیا تبلایئے وہ کیا بات تھی کہ اس شخص نے سوا دو لاکھ روپے پر لات ماردی یقیناً اس کو رشوت لینے میں تکلیف تھی اور اسپر لات مارنے میں راحت تھی۔ مگر چونکہ وہ عالم نہ تھے اسلئے ایک حرکت انہوں نے خلاف بھی کی وہ یہ کہ غصہ میں فرمایا کہ پہلے میرا خیال اس مقدمہ میں انصاف کرنے کا تھا مگر چونکہ ان دونوں نے میرا دل بہت دکھایا ہے اسلئے اب ایسا فیصلہ کرونگا کہ دونوں سر پکڑ کر روئیں گے چنانچہ ایسا ہی فیصلہ کیا اور لطیفہ یہ ہوا کہ فیصلہ سنانے سے پہلے ان کی بدلی بھی ہوگئی مگر انہوں نے دو چار دن میں خوب محنت کرکے رات اور دن کا سارا وقت فیصلہ لکھنے میں صرف کیا اور جانے سے ایک دن پہلے فیصلہ سنا کر مقدمہ ختم کرکے چلے گئے پھر دونوں نے ہر چند ہائی کورٹ وغیرہ میں اپیل کیا مگر ظالم نے ایسا مدلل فیصلہ لکھا تھا کہ کہیں نہ ٹوٹ سکا۔ صاحبو! اب ایسے شخص کو دنیا کی ہوس کیونکر ہو سکتی ہے بلکہ اب اسکو تھوڑی آمدنی کافی ہوگی اور تھوڑی سی عزت کافی ہوگی اور تمام افکار سے آزاد ہوکر صرف ایک کی فکر میں گرفتار رہے گا اور اس آزادی پر خوش ہوکر یوں کہے گا ؎

نہ براشتر سوارم نہ چو اشتر زیر بارم نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم

اور یوں کہے گا ؎

گر دو صد زنجیر آرے بگسلم غیر زلف آں نگارے مقبلم

کیونکہ وہ زنجیر تو ایسی ہے کہ ؎

اسیرت نخواہد رہائی زبند شکارت نجوید خلاص از کمند

وہ تو ایسی قید ہے جیسے کسی عاشق کو اس کا محبوب جو کہ مدتوں کے بعد ترس ترس کر ملا ہو

پیچھے سے آکر اس طور سے کہ اسکو خبر بھی نہ ہو اسکو بغل میں دبا لے اور اتنا زور سے دبائے کہ اسکو طبعاً ناگوار بھی ہو مگر پیچھے مڑکر دیکھا تو محبوب کے چہرہ پر نظر پڑی تو گویہ نیا دبانا کہ جاتے ہوئے کو روک لیا ایک جگہ محبوس کر دیا قید بھی با مشقت ہے کہ زور سے دبا لیا کیونکہ معشوق تو موٹا تازہ تھا اسکو کوئی فکر و غم تھوڑا ہی تھا جو دبلا ہوتا اور عشاق اکثر توجہ غم عشق کے لاغر نحیف ہوتے ہیں جیسا مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق معشوقاں نہاں ست و ستیر عشق عاشق با دو صد طبل و نفیر

لیک عشق عاشقاں تن زہ کند عشق معشوقاں خوش و فربہ کند

اب اگر محبوب اس سے یوں کہے کہ تجھکو تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑ دوں اور ساتھ ہی یہ چرکہ بھی لگا دے کہ تجھے چھوڑ کر اسی طرح رقیب کو بغل میں لیا لوں کہ وہ بھی اس کا مدت سے مشتاق ہے تو یقیناً عاشق یوں کہے گا ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور کہے گا ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

تو جب ایک انسان کی محبت کا یہ حال ہے جو آپ ہی جیسا آدمی ہے مگر ذرا چمڑے کا رنگ کھلا ہوا ہے تو حق تعالیٰ کی محبت کا کیا حال ہونا چاہیئے جس کی نظیر کوئی بھی نہیں شیخ فرماتے ہیں ؎

ترا عشق ہمچو خودے ز آب و گل ربا ید ہمہ صبر و آرام دل

عجب داری از سالکان طریق کہ باشند در بحر معنی غریق

دما دم شراب الم در کشند وگر تلخ بینند دم در کشند

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلےٰ بود گوے گشتن بہر او اولےٰ بود

مولانا نے مجنوں کے واقعہ پر یہ شعر لکھا ہے واقعہ یہ تھا کہ مجنوں ایک دفعہ لیلیٰ کی زیارت کو اونٹنی پر سوار ہو کر چلا اونٹنی کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا جو پیچھے رہ رہ جاتا تھا

۴۶

اور اونٹنی بار بار اسکو مڑکر دیکھتی اور جسوقت مجنون اپنے خیال میں مستغرق ہوتا اور باگ ڈھیلی ہوجاتی اونٹنی پیچھے کو لوٹ جاتی پھر اسکو ہوش آتا اور یہ اسکو آگے بڑھاتا پھر مستغرق ہوجاتا اور اونٹنی پیچھے لوٹ جاتی جب بار بار ایسا ہوا اور راستہ کچھ طے نہوا تو بیقرار ہوکر کہا ؎

ھوی ناقتی خلفی وقدامی الھوی فانی وایاھا لمختلفان

اور اوپر سے فوراً کود پڑا اونٹنی کو ٹہلا کر اترنیکا بھی انتظار نہ کیا اوپر سے کودا تو میاں کا پیر بیکار ہوگیا چلنے کے قابل بھی نہ رہا تو اب آپ لیٹے لیٹے لڑھکنا شروع کیا اور کہا ؎

فان قطعت رجلی مشیت علی العصا + وان قطعت اخری حبوت وجیئت

اگر میرا ایک پیر کٹ جائے تو لاٹھی کے سہارے آؤں گا اگر دوسرا کٹ جائے تو گھسٹکر آؤں گا ۱۲) مولانا اسپر فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلےٰ بود گوے گشتن بہر او اولیٰ بود

چونکہ وہ لڑھک رہا تھا اسی لئے گوے گشتن فرمایا۔ جب لیلیٰ کی محبت میں یہ حال ہوگیا تو محبوب حقیقی کے عشاق پر کیا تعجب کرتے ہو۔ اب اسکو نہ کسی کا مرنا معلوم ہوگا نہ جینا ہر حال میں خوش رہے گا۔ اب اس کو نہ مال و زر خدا سے مانع ہوگا نہ فاقہ اور تنگدستی کیونکہ بعض لوگ مال و زر کے ساتھ بھی خدا سے علاقہ رکھتے ہیں اور بعض لوگ خالی ہاتھ ہوکر بھی خدا سے دور رہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل بہ تنہائی اندر صفائے نہ بینی

اور اگر سلطنت ہو زمینداری ہو مگر دل خدا سے لگا ہوا ہے تو پھر یہ حال ہوگا ؎

گرت مال و زر ہست و زرع و تجارت چو دل با خدا ایست خلوت نشینی

مگر ابتدا میں ایسی قوت نہیں ہوتی بلکہ چند روز اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ ؎

قال را بگذار و مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

اگر کسی میں فطری قوت ہو کہ مادرزاد ولی ہو ابتدا ہی سے خدا کے ساتھ تعلق ہو تو مبارک ہو ورنہ اگر کسی میں یہ قوت فطری نہو تو جس طرح ورزش سے جسم میں قوت آجاتی ہے نہ اللہ اسی طرح یہاں بھی بزرگوں کی صحبت سے اور ان کی تعلیم پر عمل کرنے

۴۷

سے دل میں قوت آجاتی ہے مگر صحبت کا نام سنکر ڈر مت جانا وہ تم سے چکی نہ پسوائیں گے بفکر رہو بلکہ آسان اور سہل طریق سے دل میں خدا کی محبت پیدا کر دینگے پھر دل میں ایسی قوت ہوگی کہ نہ بیماری سے گھبرائے گا نہ فقر و فاقہ سے نہ کسی عزیز کے مرنے جینے سے چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام بیماری میں بھی خوش تھے حالانکہ بیماری ایسی سخت تھی کہ تمام جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے اعزہ و اقارب سب نے چھوڑ دیا تھا صرف آپ کی بی بی حضرت رحمت علیہا السلام خدمت گذار تھیں اور اسی حالت میں تمام اولاد مرگئی مویشی اور غلام بھی مر گئے پہلے بڑے مالدار تھے اب مفلس ہوگئے تو حضرت رحمت نے عرض کیا کہ اے حضرت اب تو بہت تکلیف ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے تو بی بی سے فرمایا کہ اے رحمت یہ تو بتلاؤ کہ ہم راحت و آرام میں کتنی مدت رہے ہیں فرمایا اسی سال فرمایا کہ اسی سال تو کم از کم کلفت برداشت کرلیں پھر حق تعالیٰ سے عرض کرینگے ورنہ یہ کیا کہ جس خدا کی نعمتیں اسی سال کھائیں چار دن کیلئے اگر وہ آزمائے تو اس سے گھبرا جائے اور اس کی آزمائش کا تحمل نہ کرے۔ بتلائیے پھر اس سے بڑھکر کیا راحت ہوگی کہ کلفت بھی کلفت نہ رہے راحت ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ دنیا میں مومن کو جسقدر تکالیف پہونچتی ہیں سب کا نعم البدل اسکو دونوں جہاں میں ملتا ہے پس درحقیقت یہ ایک تجارت ہو کہ ایک چیز دی گئی اور ایک چیز لی گئی اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے تو انشاء اللہ رنج و غم کو ترقی نہ ہوگی اب دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم عطا فرمائیں اور عمل صالح کی اور صبر کی توفیق ہو چونکہ طبیعت مضمحل ہے اسلئے زیادہ بیان کی ہمت نہیں قدر ضرورت پر اکتفا کرتا ہوں وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

نوٹ۔ بعد بیان کے دریافت فرمایا کہ کتنی دیر ہوئی عرض کیا گیا کہ پونے چار گھنٹے بیان ہوا فرمایا اتنی دیر ہوگئی تو میں نے ناحق ہی معذرت کی ۱۲ ظ

اشرف علی

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ
رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

وعظ مسمّی بہ

التثبیت بمراقبۃ المبیت

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد المنان غفرلہ

مکتبہ تھانوی ۔ دفتر الابقاء
متصل مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ملہ

بیان فرمائی ہے ایک خاص عمل کی اسوقت مجھے اس عمل کی فضیلت کا بیان کرنا بھی مقصود ہے لیکن اصل مقصود ایک دوسرا امر بیان کرنا ہے جو سیاق کلام سے مقصود حق بھی معلوم ہوتا ہے یعنی مجھے ایک مراقبہ کا بیان کرنا زیادہ مقصود ہے اور چونکہ اس مراقبہ کا کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ ہر وقت کرنے کا ہے اسلئے وہ نفس پر گراں بھی ہوتا ہی کیونکہ نفس وقتی عمل کو تو آسان سمجھتا ہے کہ تھوڑی دیر کیلئے کسی کام میں مقید ہو جائے اور ہر وقت کی قید کو نہایت دشوار سمجھتا ہے اگرچہ وہ مراقبہ فی نفسہ دشوار نہیں صرف ایک بات کا دھیان رکھنا ہے اور کسی بات کا دھیان رکھنا کچھ مشکل کام نہیں کیونکہ کچھ سامان کرنا تھوڑا ہی پڑتا ہے مگر ہر وقت دھیان رکھنا بھی نفس کو گراں ہے۔ حق تعالیٰ جزائے خیر دے حکماء امت و فقہاء ملت کو کہ انہوں نے اس دشواری کو سہل کر دیا کہ اس کیلئے بھی انہوں نے ایک وقت مقرر کر دیا اسپر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب وہ مراقبہ کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں تو حکماء امت نے اسکو کس طرح مقید کر دیا کیونکہ یہ تو عموم کی تخصیص ہے جواب یہ ہے کہ حکماء نے عموم کی تحصیل ہی کیلئے یہ تخصیص کی ہے یعنی مقصود تو ان کا بھی یہی ہے کہ یہ مراقبہ ہر وقت ہو مگر چونکہ ابتداء میں ہر وقت اس کا استحضار گراں ہوتا ہے اسلئے انہوں نے ایک وقت مقرر کر دیا جس سے یہ مراقبہ مبتدی کو آسان ہو گیا پھر خاص وقت پر اس کی عادت ہو جانے سے ذہن میں یہ مراقبہ راسخ ہو جاتا ہے پھر رسوخ کے بعد خود بخود ہر وقت دھیان رہنے لگتا ہے غرض یہ تخصیص ابطال عموم کیلئے نہیں ہے بلکہ اسکی تحصیل و کمال کے لئے ہے خوب سمجھ لو بہر حال حکماء امت نے اس دشواری کو آسان کر دیا ہے یہ بات اخیر میں بیان کرنے کی تھی مگر میں نے گھبراہٹ دفع کرنے کیلئے اس کو پہلے ہی بیان کر دیا تاکہ سامعین مطمئن ہو کر سنیں کہ ان کو کوئی دشوار بات نہ بتلائی جائے گی اب اسکی تعیین سننا چاہئے کہ یہاں کونسا مراقبہ مقصود ہے اور گو حق تعالیٰ نے صراحۃً یہاں کسی مراقبہ کو ذکر نہیں فرمایا مگر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ یہاں صراحۃً تو کسی خاص عمل کے امر کا ذکر نہیں بلکہ محض ایک خبر مذکور ہے کہ حق تعالیٰ ثابت رکھتے ہیں ایمان والوں کو پکی بات کے تو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ظالموں کو بچلا دیتے ہیں مگر اس پر علماء

ومفسرین کا اجماع ہے کہ اخبار قرآنیہ سے محض خبر ہی مقصود نہیں بلکہ مقصود کوئی انشاء ہوتا ہے اور اخبار قرآنیہ ہی کی کیا تخصیص ہے میرے نزدیک تو خبر من حیث ہو خبر کسی عاقل کے کلام میں بھی مقصود نہیں ہوتی بلکہ عقلاء کے ہر جملہ خبریہ سے کوئی انشاء ہی مقصود ہوتا ہے اور جس جملہ خبریہ سے کوئی انشاء مقصود نہ ہو وہ لغو ہوتا ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو یہاں خبر سے محض خبر مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ چونکہ ایسا ایسا ہونے والا ہے لہذا اس واقعہ سے ڈرنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں یعنی ایمان والوں میں داخل ہونا چاہیئے ظالمین میں سے نہ ہونا چاہیئے۔ پس یہاں بھی تصریح تو اس کی ہے کہ حق تعالیٰ کے خاص بندوں کی یہ فضیلت ہے کہ دنیا و آخرت میں حق تعالیٰ ان کو ثابت رکھتا ہے اور کافروں کی یہ مذمت ہے کہ ان کو بچلا دیتا ہے لیکن اس سے ایک مراتبہ کی طرف اشارہ بھی ہو گیا کہ اس وقت سے ڈرنا چاہیئے جس میں کافر بچلیں گے اس لئے ایمان و عمل کا اہتمام کیا جاوے۔ بظاہر اس آیت پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ ہی ثابت رکھتے ہیں اور وہی بچلا دیتے ہیں تو الزام کس پر اس کا جواب ظالمین کے لفظ سے ہو گیا کہ انہوں نے ظلم کیا تھا جس کی نحوست سے بچل گئے یہ تو حکیمانہ جواب تھا اگر اس پر بھی کوئی شغب کرے تو آگے حاکمانہ جواب بھی دیدیا وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ کسی کے باوا کا کچھ اجارہ نہیں جو اللہ تعالیٰ جو چاہیں کرتے ہیں حکیمانہ جواب سے بعض دفعہ شور و شغب قطع نہیں ہوتا اسلئے حاکمانہ جواب بھی بیان فرما دیا اب سب کی زبانیں بند ہو گئیں یہ تو ترجمہ آیت کا تھا مگر اس سے وہ واقعہ معلوم نہیں ہوا جس کی نسبت تثبیت و اضلال کی خبر دی گئی ہے اس کیلئے تفسیر کی ضرورت ہے اور قرآن کی تفسیر کہیں تو قرآن ہی سے ہوتی ہے اور کہیں حدیث سے اس آیت کی تفسیر حدیث سے معلوم ہوتی ہے حدیث کیا ہے ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنکی شان یہ ہے ؎

گفتہ او گفتہ اللہ بود ۔۔۔ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اسلئے حدیث بھی بمنزلہ قرآن ہی کے ہے سو حدیث میں آچکا ہے کہ یہ آیت عذاب

قبر کے متعلق ہے پس ثابت ہوگیا کہ یہاں عذاب قبر سے ڈرنے کا اور اس کے استحضار کا امر ہے مگر اس پر ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے میں اس کا بھی جواب دیئے دیتا ہوں وہ یہ کہ یہ سورت مکی ہے اور احادیث صحاح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو عذاب قبر کا علم مدینہ میں ہوا ہے پھر یہ آیت عذاب قبر کے متعلق کیونکر ہو سکتی ہے اگر اس میں عذاب قبر کا ذکر نا ہوتا تو حضورؐ کو مکہ ہی میں اس کا علم ہو جاتا اسکا ایک جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس سورت کی خاص اس آیت کو مدنی مانا جاوے مگر میں نے اس کو کہیں منقول نہیں دیکھا اس لئے میرے نزدیک دوسرا سہل جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تَثْبِیْتُ وَاِضْلَالُ فِی الْاٰخِرَةِ کی تفسیر کا ایک جزو تو مکہ میں منکشف ہو گیا تھا یعنی قیامت میں حساب و کتاب کے وقت مسلمانوں کا ثابت قدم رہنا اور کفار کا بچلنا اور ایک جزو یعنی تَثْبِیْتُ وَاِضْلَالُ فِی الْقَبْرِ مدینہ میں منکشف ہوا کیونکہ آیت میں لفظ فی الآخرۃ وارد ہے اور آخرت دو ہیں ایک حقیقی یعنی قیامت اور ایک اضافی یعنی قبر پس مکہ میں آپ کو تَثْبِیْتُ وَاِضْلَالُ فِی الْاٰخِرَةِ کا پہلا جزو منکشف ہو گیا جو قیامت کے متعلق تھا اور دوسرا جزو مدینہ میں منکشف ہوا یعنی عذاب و نعیم قبر پس اب آیت کے مکی ہونے اور عذاب قبر کے متعلق نازل ہونے میں کچھ تنافی نہیں کیونکہ دراصل یہ آیت قیامت اور قبر دونوں کے متعلق تھی مگر مکہ میں آپ کو اس کا علم نہ تھا مدینہ پہنچکر آپ کو معلوم ہوا کہ اس آیت میں عذاب قبر کا بھی ذکر ہے اور لفظ آخرت اسکو بھی عام ہے حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور وہ سوال کرتے ہیں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی بہرحال حدیث سے اس کا عذاب قبر کے متعلق ہونا صراحۃً معلوم ہو رہا ہے اور اسپر جو اشکالات تھے وہ بھی سب رفع ہو گئے اور یہ میں اوپر بتلا چکا ہوں کہ اس خبر سے مقصود یہ ہے کہ اس واقعہ کو یاد رکھو اور اس وقت کیلئے تیاری کرو اس سے مقصود بیان کی تعیین بھی ہو گئی اور اسوقت میں نے اس مضمون کو اسلئے اختیار کیا ہے کہ ہمارے اندر بڑا مرض یہ ہے کہ ہم اعمال میں سستی کرتے ہیں جسکا سبب غفلت عن الآخرۃ ہی

اور اس کا علاج تذکرہ آخرت ہے اسی کو میں مراقبہ کہتا ہوں چاہیے مراقبہ کی صورت متعارفہ سے ہو ویسے ہی چلتے پھرتے دھیان رکھا جائے مقصود یہ ہے کہ جو غفلت اعمال کی خرابی کا سبب ہو رہی ہے وہ دفع ہونا ضروری ہے مگر باوجود ضروری ہونے کے اس میں بہت ہی کوتاہی ہو رہی ہے اور اس کوتاہی کا ایک بڑا سبب ہے اور یہ بات آج ہی میرے ذہن میں آئی ہے اور اسی کے بیان کیلئے میں نے یہ آیت اختیار کی ہے وہ یہ کہ جب لوگوں سے آخرت کی یاد کو کہا جاتا ہے تو ان کا ذہن فوراً اس طرف جاتا ہے کہ آخرت تو بہت دور ہے اس سے پہلے بہت سے واقعات پیش آنے والے ہیں امام مہدی کا ظہور ہوگا حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول ہوگا دجال نکلے گا پھر آفتاب مغرب سے نکلے گا اس کے بھی ایک مدت بعد نفخ صور ہوگا اسوقت یہ عالم فنا ہوگا پھر قرن کے قرن اسی حالت فنا میں گذر جائیں گے پھر دوسرا نفخ صور ہوگا تب کہیں قیامت آئیگی اس بُعد کی وجہ سے انسان آخرت کو اپنے ذہن میں نہیں آنے دیتا کہ یہ تو ابھی بہت دور ہے اور اگر کسی کے ذہن میں خیال آتا بھی ہے تو اس بعد کی وجہ سے اس کا کچھ زیادہ اثر نہیں ہوتا کیونکہ خطرۂ بعیدہ سے عادۃً تاثر کم ہوتا ہے چنانچہ اسی لئے عقلاء کا مقولہ مشہور ہے ؎

بترس از بلائے کہ شب درمیان ست

اگرچہ فی الواقع یہ بات علی الاطلاق[ع] غلط ہے کیونکہ طبیعت کو مشوش کرنے کیلئے طبعاً اس رات کے بعد کی مصیبت بھی کافی ہے مگر شعراء و عقلاء کی طبیعت پر عموماً ایسی بلا جسکے آنے میں زیادہ توقف ہو بہت گراں نہیں ہوتی اسی وجہ سے آخرت سے غفلت ہے اور غفلت کی وجہ سے لاپروائی ہے چنانچہ اسی لاپروائی کی وجہ سے بعض لوگ جب ان کو کسی گناہ پر ٹوکا جاتا ہے بیدھڑک کہدیتے ہیں کہ جاؤ بس تم ہی جنت میں چلے جانا ہم دوزخ ہی میں چلے جائیں گے۔ یہ بات ان لوگوں نے اپنی طبیعت کے موافق کہی کیونکہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض جرائم کیلئے تقادم عہد کو مسقط مانا گیا ہے اور شریعت میں بھی فی الجملہ اسکی رعایت ہے گو یاد رکھو یہ حکم دنیا ہی میں ہے آخرت میں یہ قاعدہ نہیں کہ تقادم عہد سے جرم ساقط یا خفیف

ع: علی الاطلاق اسلئے کہا کہ اگر اس بلا سے مراد بلائے دنیا ہو اور مقصود بیان اثر ہو بلکہ تعمیم ہو قطع کامل کی تو یہ کلام صحیح اور مفید ہے ۱۲

ہو جانے یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ آخرت کو دنیا پر قیاس کرتے ہیں پھر بعد آخرت کی وجہ سے اپنے جرائم کو خفیف سمجھنے لگتے ہیں بعض بیہودہ لوگوں کا یہ قول سنا گیا کہ آخرت میں تو ہزاروں لاکھوں سے بھی زیادہ مخلوق ہوگی ممکن ہے کہ اس ہجوم میں ہم بچ جائیں جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے کہ جب جرم میں ہزاروں شریک ہوں تو ان میں بعض لوگ گرفتاری سے بچ جاتے ہیں مگر یہ بھی وہی غلط قیاس ہے چنانچہ تھانہ بھون میں ایک صاحب نے کسی کے کیکر کاٹ لیے تھے ایک آدمی نے ان سے کہا کہ میاں قیامت میں جب اترے پترے کھلیں گے اس وقت اس فعل کا انجام معلوم ہوگا تو اس نے کس قدر بیہودہ جواب دیا میں وہاں کہاں ملوں گا بے شمار مخلوق ہوگی کہیں چھپ رہوں گا یہ کلمہ بہت ہی سخت ہے گو اس پر کفر کا فتویٰ ہو یا نہ ہو غرض غفلت عن الآخرت سے یہ سب نتائج پیدا ہو رہے ہیں جس کے دفع کرنے کے لئے آخرت کی یاد بہت مفید ہے مگر اس کا بعد کوتاہی کا سبب ہو رہا تھا اس لئے آج یہ بات ذہن میں آئی کہ آخرت کی دو قسمیں ہیں ایک قریب ایک بعید تو اگر آخرت بعیدہ کا خوف نہیں تو آخرت قریبہ کا خوف تو ہونا چاہیے اور وہ موت ہے اور موت کچھ بعید نہیں کیونکہ سفر اور ریل اور گاڑی اور کھانا پینا اور بیمار ہونا اور چلنا پھرنا یہ سب موت ہی کے اسباب ہیں اور ان کو کوئی بعید نہیں سمجھتا اس لئے آخرت بعیدہ کے مراقبہ سے غالباً موت کا مراقبہ زیادہ نافع ہوگا اس لئے میں نے اس آیت کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں لفظ الآخرۃ کی تفسیر قبر سے وارد ہوتی ہے جس نے مراقبہ آخرت کو قریب کر دیا کہ آخرت صرف قیامت ہی کا نام نہیں بلکہ آخرت قبر ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور قبر میں جانا کچھ دور نہیں تو اس کو ہی یاد کر لیا کرو قرآن شریف میں ایسے اشارات بکثرت ہیں جن میں خاص مراقبات کی تعلیم کی گئی ہے اور ساتھ کے ساتھ ان کو نہایت قریب بھی کر دیا ہے چنانچہ ایک مقام پر حق تعالیٰ نے توحید کی تعلیم فرمائی ہے تو اس کے لئے ایک مراقبہ بتلایا ہے کہ مخلوقات الٰہیہ میں غور کیا کرو پھر ساتھ ہی اس مراقبہ کو قریب بھی کر دیا فرماتے ہیں اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ وَاِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس حکمت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اونٹ تو اہل عرب کے سامنے ہر وقت ہی رہتا ہے تو

سب سے پہلے ایسی چیز کا مراقبہ بتلایا گیا جس کے استحضار میں کچھ بھی تعب نہیں پھر آسمان کا مراقبہ بتلایا جو اونٹ پر سوار ہونے والے کے سامنے ہی ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے آسمان کو مدور پیدا کیا ہے اسلئے اس کے کنارے ذرا نگاہ اٹھانے سے فوراً نظر آجاتے ہیں پھر اونٹ پر سوار ہو کر عرب کے میدان میں چلو تو ذرا دائیں دیکھنے سے پہاڑ ہی پہاڑ نظر آئیں گے تو آسمان کے بعد پہاڑ کا مراقبہ بتلایا کہ اسکی حکمتوں میں غور کرو اس کے بعد زمین کا مراقبہ بتلایا جو سوار کے نیچے ہوتی ہے جب منزل میں پہونچکر آرام کرتے ہیں غرض اس ترتیب میں غور کرنے سے میرا مدعیٰ ثابت ہو گیا کہ خدا تعالیٰ مراقبات کو قریب کرنے کا بہت اہتمام فرماتے ہیں اسی طرح آخرت کا مراقبہ ذرا بعید تھا حق تعالیٰ نے حضورؐ کو بتلا دیا کہ قبر بھی آخرت میں داخل ہے اس سے موت اور ما بعد الموت کا مراقبہ بہت قریب ہو گیا کیونکہ قبر کیا چیز ہے یہی زمین تو ہے جس پر آپ روزانہ چلتے پھرتے ہیں جس میں موت کے بہت سے اسباب ہیں بعض دفعہ ٹھوکر لگ جانے سے موت آجاتی ہے چنانچہ ایسا ہوا ہے اور یہ بھی نہ سوچو تو یہی سوچ لو کہ ہم اسی میں ایک دن دفن ہونگے اس مراقبہ کو کر کے دیکھئے انشاء اللہ غفلت دور ہو جائے گی اور اعمال صالحہ کا اہتمام دل میں پیدا ہو گا اول تو اس کا دھیان ہر وقت ہی کرنا چاہئے اور اگر ایسا نہ ہو تو کثرت تو ہونی چاہئے چنانچہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص مقدار میں اس کا دھیان کر لینا بھی کافی ہے حدیث میں ہے کہ جو شخص بیس دفعہ روزانہ موت کو یاد کر لیا کرے اسکو شہادت کا ثواب ملے گا پس ہر وقت نہ ہو سکے تو اس مراقبہ کی کثرت ہی ہو اور اگر موت کے بعد کا حساب و کتاب بھی یاد کر لیا کرو تو اور بھی اچھا ہے پھر اپنا سونا بھی آپ کو گراں ہو گا یہ مطلب نہیں کہ تم سونا چھوڑ دو گے بلکہ نیند کا آنا ناگوار ہو گا اور سونے کو جی نہ چاہے گا ہاں اگر حال غالب ہو گیا تو پھر یہ بھی ہو جائے گا کہ نیند ہی نہ آسکے گی اس وقت تم سونے والوں سے یوں کہو گے ؎

چوں چنیں کارے ست اندر رہ ترا — خواب چوں می آید اے ابلہ ترا

بعض اولیاء اللہ کو ایسا پیش آیا ہے روض الریاحین میں ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ رات کو بالکل نہ سو سکتے تھے اور یہ حالت ذمے سے ساعت نہیں سونے دیتی یا ایھا الذین

اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ۔ ان کی یہ حالت تھی کہ ذرا غنودگی آتی اور پھر
گھبرا کر اٹھ جاتے۔ یہ غلبۂ حال تھا اور اگر حال تھوڑا یا حال ہوا مگر یہ شخص مغلوب نہ ہوا بلکہ غالب
علی الحال رہا تو نیند آئے گی یہاں سے یہ شبہ رفع ہو گیا کہ انبیاء کو تو نیند آتی تھی حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے متعلق احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تمام رات کبھی نہیں جاگے کچھ
حصہ ضرور سوتے تھے جواب یہ ہے کہ آپ مالک الحال تھے مملوک الحال نہ تھے مگر اس
سے آپ خوش نہ ہوں کہ ہماری حالت بھی حضور کے مشابہ ہے ہم بھی تمام رات نہیں جاگتے
بلکہ حضور کی طرح ہمکو بھی نیند آتی ہے کیونکہ ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

کفار نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم میں اور رسول میں کیا فرق ہے ہم بھی کھاتے ہیں یہ بھی کھاتے
ہیں یہ بھی سوتے ہیں ہم بھی سوتے ہیں مگر فرق یہ تھا کہ ایک بار ابوجہل بھی بتخانہ میں گیا تھا۔
اور حضور بھی تشریف لے گئے تھے ابوجہل تو بتوں کے سامنے سجدہ میں گر پڑا اور حضور کے سامنے
خود وہ بت ہی سجدہ میں گر پڑے لہذا حضور کی نیند کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو کیونکہ آپ نے
فرمایا ہے تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي کہ نیند میں میری آنکھیں ہی سوتی ہیں قلب
نہیں سوتا۔ اسی لئے سونے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہ ٹوٹتا تھا اس سے شاید
لیلۃ التعریس کے قصہ سے کسی کو شبہ ہو گا کہ جب آپ کا دل نہیں سوتا تھا تو پھر اس
واقعہ میں آپ کی نماز فجر کیوں قضا ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ روشنیٔ صبح کا دیکھنا
آنکھ کا فعل ہے قلب کا فعل نہیں مبصرات کا ادراک قلب کو بواسطۂ بصر ہی کے ہو سکتا
ہے اور اس وقت آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں اسلئے صبح کا ادراک نہ ہو سکا اس پر پھر
یہ اشکال ہوتا ہے کہ وقت کا اندازہ کرنا تو قلب کا فعل ہے پھر حضور نے وقت کا اندازہ
کیوں نہ کر لیا یہ اشکال اور اس کا جواب میں نے کہیں منقول نہیں دیکھا یہ ابھی میرے
قلب پر وارد ہوا ہے اور جواب بھی حق تعالیٰ نے ساتھ ساتھ قلب میں ڈال دیا ہے اسکا
جواب یہ ہے کہ قلب سے وقت کا اندازہ اسوقت ہو سکتا ہے جبکہ قلب کسی فکر اہم میں مشغول
نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اسوقت مشاہدۂ جمال الٰہی میں مشغول تھا اور کامل کسی

اے ایمان والو اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں

کے ساتھ ادھر متوجہ تھا کیونکہ آپ آنکھیں بند کئے ہوئے تھے اور آنکھیں بند کرکے قلب کو پوری یکسوئی ہوتی ہے جیساکہ مشاہدہ ہے اسلئے وقت کا اندازہ بھی نہ ہوسکا دوسرا جواب بہت ہی سہل یہ ہے کہ نوم عین سے مراد نعاس ہے اور نعاس میں بھی اندازہ پر قدرت نہیں ہوتی (قُلْتُ وَالْجَوَابُ الْاَصْلِیُّ مَاوَرَدَ فِی الْحَدِیْثِ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ اللّٰہِ لِیَشْرَعَ لَھُمْ اَیْ اَحْکَامُ الْقَضَاءِ فَلَمْ یَکُنْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَسِیَ بَلْ قَدْ نُسِّیَ وَمَا نَامَ بَلْ قَدْ نُوِّمَ ۱۲ جامع) غرض حضورؐ کی نیند کو اپنی نیند پر قیاس نہ کرو آپ تو نیند میں بھی حق تعالیٰ سے غافل نہ ہوتے تھے اور تم جاگتے ہوئے بھی غافل ہو۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر ہر وقت موت کا دھیان نہ ہوسکے تو کثرت تو یہ ہونا چاہئے جسکی ایک مقدار حدیث میں بھی وارد ہے کہ بیس دفعہ موت کو یاد کرلیا کرے مگر یاد کے یہ معنی نہیں کہ موت موت کا وظیفہ پڑھ لیا کرو بلکہ یہ سوچ لو کہ اپنے دوست کو کس طرح یاد کرتے ہیں اس طرح کوئی یاد نہیں کرتا کہ اسکے نام کا وظیفہ پڑھ لے زید زید زید بلکہ دوست کا یاد کرنا یہ ہے کہ اس کی صورت و سیرت کا تصور کرے اس کی باتوں کو یاد کرے اسی طرح موت کی یاد یہ ہے کہ اسوقت جو باتیں پیش آئیں گی ان کو ذہن میں حاضر کرے جس کی تفصیل احادیث سے معلوم ہوگی مثلاً حدیث میں ہے کہ دفن کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر مردہ کا اچار ڈال لو اور دفن نہ کرو تو یہ فرشتے نہ آئیں گے بعضے اسی خیال میں ہیں چنانچہ ایک جاہل دیندار نے مکہ میں یہ وصیت کرنے کا ارادہ کیا کہ میری لاش کو دفن نہ کیا جاوے بلکہ ایک پہاڑ پر رکھدیا جائے تاکہ سوال قبر نہ ہو میں نے کہا سبحان اللہ کیا آپ قبر اس گڑھے کو سمجھتے ہیں کہ اسمیں اگر دفن نہ کیا جائیگا تو قبر کے معاملات ہی بند ہو جائیں گے بلکہ قبر تو عالم برزخ کا نام ہے جس میں انسان اس عالم سے منتقل ہوکر پہونچتا ہے چاہے دفن ہو یا نہ ہو غرض فرشتے تو وقت کی ایک معین مقدار کے بعد آجاتے ہیں گو اس وقت غسل ہی ہو رہا ہو یا نماز ہی ہو رہی ہو وہ اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور تمام سوالات و جوابات روح سے ہوتے ہیں اور اسوقت روح کو اس جسم عنصری سے ایسا تعلق

عہ میرے نزدیک مناسب جواب وہ ہے جو کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ امر الٰہی جانب سے تھا تاکہ قضا کے احکام نافذ ہوں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھولے نہیں بلکہ آپ بھلائے گئے اور اسی طرح سوئے نہیں بلکہ آپ کو سلایا گیا۔

ہوتا ہے جیسا لباس اتارنے کے بعد ہم کو اپنے لباس سے تعلق ہوتا ہے کہ اگر کوئی ہماری رزائی چھین کر آگ میں جلادے تو گو ہم متالم ومحترق نہیں ہوتے مگر ہمکو ناگوار ہوتا ہے باقی روح کو زیادہ تعلق مرنیکے بعد جسم مثالی سے ہوتا ہے جو اس جسم عنصری کے علاوہ دوسرا جسم ہے جسکے ماننے سے بہت سے اشکالات رفع ہوتے ہیں ضغطۂ قبر وغیرہ سب باتیں اسی جسم مثالی سے ہوتی ہیں غرض مردہ میں موت کے بعد بھی برزخی حیات ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ میت کو قرعِ نعال کی آواز آتی ہے اور جو کوئی عزیز و قریب اس کی قبر پر آتا ہے اسے پہچانتا بھی ہے گو معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے مگر احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے بعض لوگوں نے عدم سماع موتی کا مسئلہ امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے مگر امام صاحب کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں امام صاحب سے صراحتہً یہ امر منقول نہیں اور جس مسئلہ سے لوگوں نے اسکو مستنبط کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کا جواب عدم سماع موتی کو مستلزم ہے وہ یمین کا مسئلہ ہے جس کا مبنی عرف پر ہے اسلئے امام صاحب کا کلام اس بارہ میں صریح نہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ فقہاء متاخرین نے جب یہ دیکھا کہ عوام کے عقائد سماع موتی کے مسئلہ سے خراب ہوتے ہیں اسلئے انتظام عوام کی غرض سے اس کا انکار کر دیا ہو۔ تو ممکن ہے کہ ان فقہاء کو بھی صحت سماع موتی کا علم ہو مگر عوام کی اصلاح کیلئے مصلحتہً انکار کیا ہو (فَيَكُوْنَ مِمَّا يُعْلَمُ وَلَا يُفْتٰى بِهٖ وَلَهٗ نَظَائِرُ فِي الْفِقْهِ)[۱۲] واقعی اس مسئلہ کی وجہ سے عوام کے عقائد یہاں تک بگڑ گئے ہیں کہ اب لوگ مردوں سے حاجات مانگتے ہیں کوئی ان سے اولاد مانگتا ہے بھلا ان کے پاس اولاد کہاں کیا وہ پلا پلایا بچہ تمہاری گود میں دیدیں گے جیسا بچپن میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ بچے دائی کے گھر میں جمع رہتے ہوں گے وہ لاکر عورتوں کو دیدیتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ مردوں سے اولاد مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے لئے دعا کر دیں گے تو پہلے اس کا ثبوت دو کہ وہ اسوقت خاص تمہارے مطلوب کے لئے دعا کرنے کے ماذون بھی ہیں غرض موت کو تفصیل کیسا تھ یاد کرنا چاہئے اور حدیث میں آتا ہے کہ اے عمر اسوقت کیا حال ہوگا جبکہ قبر میں دو فرشتے گرجتے اور برستے آئیں گے مگر مومن اس سے گھبرائے نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکے متعلق سوال کرکے اطمینان کرلیا ہے وہ یہ کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اسوقت ہماری عقل بھی درست ہوگی یا نہیں آپ نے فرمایا نعم کھیئتکم الیوم یعنی تم جیسے اسوقت ہو ایسے ہی اسوقت عاقل ہوگے اسپر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر کچھ خطرہ نہیں انشاء اللہ سمجھ کر صحیح جواب دیدیں گے شرح الصدؒ دوسرے مومن کیساتھ عنایت حق ہوگی چنانچہ اسی آیت میں ارشاد ہے یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ (پارہ ۱۳ رکوع ۱۶) جب حق تعالیٰ ہی کو تمہیں پاس کرنا منظور ہے پھر گھبرانا کاہے کا کیونکہ جب ممتحن کو پاس کرنا منظور ہوتا ہے تو وہ مضمون کی تقریر خود کرکے طالب علم سے پوچھتا ہے کہ تمہارا یہی مطلب ہے وہ کہدیتا ہے جی ہاں بس پاس ہوگیا مولانا لطف اللہ صاحب علیگڈہی کا طریقۂ امتحان یہی تھا مولانا بہت کم کسی کو فیل کرتے تھے بس جہاں طالب علم نے گڑبڑ کی اور مولانا خود مطلب بیان کرکے فرماتے کہ تمہارا یہی تو مطلب ہے جسکو پوری طرح ادا نہیں کرسکے وہ کہتا جی ہاں اور مولانا اس کو پاس کردیتے اسی طرح مولانا ذوالفقار علی صاحب بھی بہت سہل امتحان لیا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ ممتحن کو اپنے درجے اور طالب علم کے درجہ کے تفاوت میں غور کرکے سوال کرنا چاہئے اور اسی درجہ کے جواب کا منتظر رہنا چاہئے بعض ممتحن طلبہ سے ایسے سوالات کرتے ہیں جو مدرسین سے کرنے چاہئیں یہ بہت ظلم ہے حضرت حاجی صاحب نے مولانا ذوالفقار علی صاحب کی نسبت فرمایا تھا کہ مولانا کی طبیعت میری مرضی کے موافق ہے وہ یہی بات تھی کہ مولانا ہر شخص سے اس کی فہم کے موافق معاملہ کرتے تھے اور طبیعت میں رحمت ورأفت کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ حاجی صاحب کے اس ارشاد کی اطلاع جب مولانا کو پہونچی تو بہت مسرور ہوئے بہرحال جب دنیا میں شفیق ممتحن کے امتحان سے پریشانی نہیں ہوتی تو حق تعالیٰ کے امتحان سے کیوں پریشان ہوتے ہو مطمئن رہو کیونکہ حق تعالیٰ سب سے زیادہ رحیم وکریم ہیں وہ تم کو پاس ہی کردیں گے۔ دوسری بات تسلی کی ایک اور ہے جو ظنی ہے وہ یہ جب فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ سوال کریں گے کہ من ھذا الرجل یہ حضرت کون ہیں تو بعض اہل محبت کا قول ہے کہ اسوقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر

مبارک سے مومن کی قبر تک سب حجابات اٹھ جائیں گے اور ہذا سے جو کہ اشارہ حسیہ کے لئے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ محسوسہ کی طرف اشارہ ہوگا۔ حدیث کے اس محمل کے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک نکتہ بھی فرمایا کہ حق تو یہ تھا کہ ہم حضورؐ کے سامنے مرتے اور حضورؐ ہمارے جنازہ کی نماز پڑھتے مگر یہ تو بعض حکمتوں کی وجہ سے حق تعالیٰ کو منظور نہ ہوا تو اب کیا عجب ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں آپ کی زیارت ہوگی پھر یہ شعر پڑھا

کشتگے کہ عشق دارد نگذاردت بدینساں بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

گو یہ بات قطعی نہیں مگر ظن کے متعلق بھی حدیث قدسی میں آیا ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ کہ میں اپنے بندہ کے گمان کیساتھ ہوں پھر کیوں نہ گمان رکھا جائے صاحب بعض دفعہ ہنستے ہنستے ہی گھر بس جاتا ہے بس تم امید رکھو کہ انشاء اللہ قبر میں حضورؐ کی زیارت ہوگی خدا تعالیٰ اس گمان کو پورا کر دیں گے قاضی یحییٰ بن اکثم شیخ بخاری کا جب انتقال ہوا تو حق تعالیٰ نے ان سے پوچھا یَا شَیْخَ السُّوْءِ مَا عَمِلْتَ لَنَا اے بُرے بڈھے تونے ہمارے واسطے کیا عمل کیا ہے قاضی یحییٰ خاموش ہوگئے حق تعالیٰ نے فرمایا بولتے کیوں نہیں ہو عرض کیا یا اللہ میں ایک سوچ میں ہوں پوچھا کیا سوچ ہے عرض کیا میں نے یہاں کا حال تو اور طرح کا سنا تھا ارشاد ہوا کیا سنا تھا عرض کیا حَدَّثَنَا فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ عَنْ فُلَانٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَسْتَحْيِيْ مِنْ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان کا لحاظ فرماتے ہیں اور میں اسوقت معاملہ اس کے خلاف دیکھ رہا ہوں اب مجھے یہ سوچ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا راویوں نے غلطی کی حکم ہوا کہ جاؤ تمہارے سب راوی سچے اور میرا حبیب بھی سچا آج ہم تمکو محض بڑھاپے ہی کی وجہ سے بخشتے ہیں (یہ واقعہ کسی بزرگ کو قاضی یحییٰ اکثم کے انتقال کے بعد مکشوف ہوا ہوگا یا کسی نے ان کو خواب میں دیکھا ہو اور انہوں نے بیان کیا ہوگا) تو حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کے ساتھ حسن ظن کا یہ نفع ہوا کہ قاضی یحییٰ کو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے مغفرت کی امید تھی حق تعالیٰ نے ان کا یہ گمان پورا کر دیا اسی طرح اگر ہم یہ امید رکھیں کہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی تو

یہ گمان بھی انشاء اللہ پورا ہوگا اور یہ ایسی خوشی کی بات ہے کہ اس کا خیال کر کے تو مسلمانوں کو قبر میں جانیکا شوق پیدا ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر مسلمان کو سب سے زیادہ محبت ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ ایک تو توقع ہے اور ایک دھوکہ ہے اگر اسباب جمع کر کے امید ہو وہ تو توقع ہے اور بدون اسباب کے امید ہو تو دھوکہ ہے جیسے نکاح کے بعد اولاد کی تمنا کرنا تو توقع ہے اور بدون نکاح کے اس کی تمنا کرنا محض دھوکہ ہے۔ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ میں دراصل اسباب کی تعلیم ہے کیونکہ عادۃً اسباب ہی سے ظن پیدا ہوتا ہے بدون اسباب کے امید نہیں ہوتی ہاں کسی ذن کو ہو جائے تو اور بات ہے بہرحال مومن کو احوال و اہوال آخرت سے خوف تو رکھنا چاہیے اور اعمال میں کوشش کرنا چاہیے مگر پریشان نہ ہونا چاہیے اس کے لئے تسلی کی بہت چیزیں ہیں چنانچہ قبر کے متعلق تو اوپر گذر چکا پھر قیامت میں جب قبروں سے نکلیں گے اسوقت فرشتے طرح طرح کی بشارتیں سنائیں گے لَا یَحْزُنُہُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَ تَتَلَقّٰہُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ط ھٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (پارہ ۱۷ رکوع ۷) یعنی مسلمانوں کو قیامت کی بڑی گھبراہٹ پریشان نہ کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (کہ اس دن تم کو طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہونگی ۱۲) ایک جگہ ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَشْتَہِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ۝

(پارہ ۲۴ رکوع ۱۸) یعنی جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اسپر جمے رہے (یعنی اسلام ہی پر مرے ۱۲) ان پر فرشتے نازل ہوں گے احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول ملائکہ موت کے وقت بھی ہوتا ہے اور قیامت میں بھی ہوگا پھر وہ فرشتے یوں کہیں گے کہ تم نہ (آئندہ ضرر کا) اندیشہ کرو نہ (کسی حاصل شدہ نفع کے فوت ہونے کا) رنج کرو اور اس جنت کی خوشخبری حاصل کرو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے رفیق تھے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

رفیق رہیں گے) اور تمہارے لئے آخرت میں وہ چیز بھی ہے جس کی تم کو خواہش ہے اور وہ بھی ہے جس کی تم درخواست کرو اور یہ بطور مہمانی کے ہے پروردگار بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔ غرض مرتے وقت بھی اور قیامت میں بھی فرشتے اس طرح بشارتیں سنا سنا کر مومن کو مطمئن کریں گے اور میدان حشر میں مسلمانوں کیلئے عرش کا سایہ ہوگا اور گو قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا لیکن حدیث میں آتا ہے کہ مومن کو ایسا معلوم ہوگا جیسے نماز شروع کرنے سے سلام پھیرنے تک کا وقت معلوم ہوا کرتا ہے اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں ؎

عاشقاں را با قیامت روز محشر کار نیست — عاشقاں را جز تماشائے جمال یار نیست

عشاق کیلئے تو میدان حشر ایک تماشاگاہ ہوگا ان کو کچھ پریشانی نہ ہوگی یہ واقعات قبر کے بعد ہوں گے۔ غرض مسلمان تو قبر میں تو ٹھیک ٹھیک جواب دیدیگا جس پر فرشتے کہیں گے کہ تم سے ہمکو یہی امید تھی کہ تم صحیح جواب دو گے اس کے بعد ایک کھڑکی جنت کی طرف کھولدی جائے گی اور مومن سے کہا جائیگا نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعَرُوْسِ کہ تم عروس کی طرح سو رہو جس کو بجز محبوب کے اور کوئی نہیں جگایا کرتا اور اگر مردہ مومن نہیں ہے تو وہ قبر میں فرشتوں کو گرجتا برستا دیکھکر گھبرا کر اٹھتا ہے اور اگر مومن فاسق ہو تو اس کی بابت علماء نے کہا ہے کہ احادیث میں کچھ تصریح نہیں اب یا تو مقائسہ کیا جائے کہ جس طرح اس کی حالت بین بین ہے کہ اعتقاد میں مومن کے مشابہ ہے اور عمل میں کفار کے مشابہ ہے اسی طرح اس کے ساتھ معاملہ بھی قبر میں بین بین ہوگا اور یا ظن رحمت سے اسکو مومن کا قرار دیکر پہلی صورت میں داخل کیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ امید ہی کیوں نہ رکھی جائے۔

پھر جب فرشتے کافر سے سوال کریں گے تو وہ کہے گا ہاہ ہاہ ھَاہٗ ھَاہٗ لَا اَدْرِیْ افسوس میں کچھ نہیں جانتا اسپر فرشتے اسکو گرزوں سے ماریں گے اور کہیں گے لَا دَرَیْتَ وَ لَا تَلَیْتَ کہ نہ تو نے خود سمجھا نہ کسی کے اتباع سے ایمان اختیار کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک تحقیقی ایک تقلیدی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان تقلیدی بھی معتبر ہے جیسے بعض عوام کو ایمان کی حقیقت پوری طرح معلوم نہیں ہوتی صرف اتنا جانتے ہیں

کہ ہم مسلمانوں کے دین پر ہیں یہ ایمان تقلیدی ہے یہ بھی معتبر ہے مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب سے میں نے سنا فرماتے تھے کہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دھوبی جب مرا اور اس سے قبر میں سوال ہوا کہ مَنْ رَّبُّكَ وَمَا دِيْنُكَ تو اس نے جواب دیا کہ حضور میں تو بڑے پیر کا دھوبی ہوں (مطلب یہ تھا کہ جو مذہب ان کا ہے وہی میرا ہے) اسپر فرشتوں نے اسے ہنسکر چھوڑ دیا کہ یہ تو بڑے شخص کا آدمی ہے اور اسپر کچھ اشکال نکیا جائے کیونکہ اسکی ایسی مثال ہے جیسے مقتدی کہا کرتا ہے کہ جو نیت امام کی وہی میری اور اس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یمن سے آتے ہوئے حج کا احرام اس طرح باندھا تھا أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور حضور نے اس نیت کو معتبر سمجھا اسی طرح ایمان میں بھی تقلید صحیح ہے۔ غرض انسان یا تو محقق ہو تب کامیابی ہے یا کسی محقق کا مقلد ہو اگر محقق ہوا تو وہ ایسا جواب دیگا کہ فرشتے بھی دنگ رہ جائیں گے حضرت رابعہ بصریہ کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا اور قبر میں فرشتوں نے سوال کیا کہ مَنْ رَّبُّكِ وَمَا دِيْنُكِ تو انھوں نے فرمایا کہ تمہارے سوال کا جواب تو میں بعد کو دوں گی پہلے تم میرے سوال کا جواب دو کہ تم کہاں سے آرہے ہو کہا آسمان سے پوچھا آسمان زمین میں کتنا فاصلہ ہے کہا پانسو برس کی مسافت ہے فرمایا تم خدا تعالیٰ کو نہیں بھولے کیونکہ بہت دور سے آرہے ہو فرشتوں نے کہا ہم تو خدا تعالیٰ کو نہیں بھولے فرمایا جب تم اتنی دور سے چل کر بھی نہیں بھولے تو کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ رابعہ زمین سے چار گز نیچے آکر خدا تعالیٰ کو بھول گئی ہوگی حالانکہ زمین پر ایک ساعت بھی میں اس سے غافل نہیں رہی یہ سنکر فرشتے متعجب

یہ مذہب کون سا اور بزرگ کیا دین تھا

ف۱ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دین وایمان کو جانتا نہ تھا بلکہ اس جانتے ہوئے کی یہ ایک سادہ تعبیر تھی جیسا کسی صحیفہ میں سب عقائد لکھے ہوں اور کوئی شخص اسکو سمجھکر کہے کہ میرے یہ عقائد ہیں وہ کافی ہے ۱۲

ف۲ مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ میں امام کی نماز میں اقتدا کرتا ہوں تو یہ نیت صحیح ہے اور جسکو غیر صحیح لکھا ہے وہ یہ ہے کہ میں امام کی اقتدا کرتا ہوں اور یوں نہیں کہا کہ اسکی نماز میں اقتدا کرتا ہوں وجہ یہ کہ پہلی صورت میں نماز کی تعیین نہ ہوئی کہ فرض ہے یا نفل اور اقتدا میں دونوں احتمال ہیں کیونکہ متنفل کی اقتدا بھی مفترض کے پیچھے جائز ہے اور دوسری صورت میں تعیین ہوگئی کیونکہ امام کی نماز فرض ہے اور اس نے بھی کہا ہے کہ اس کی نماز میں اقتدا کرتا ہوں تو ایسا ہو گیا جیسے یوں کہے کہ فرض نماز میں اقتدا کرتا ہوں کذا فی الدر المختار ورد المختار ۱۲ منہ

رہ گئے۔ یہ مقام ناز ہے جسکے آگے فرشتے بھی نہیں چل سکتے اسی کو عارف فرماتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی ہیں | کہ ناز بر فلک وحکم بر ستارہ کنم

اور حضرت غوث اعظمؒ فرماتے ہیں ؎

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست | گویم آنکس کہ ربود ایں دل دیوانہ ما

یہ بھی حضرت رابعہؒ ہی کے قول کے مثل ہے۔ غرض کافر چونکہ ایمان تحقیقی وتقلیدی دونوں سے محروم ہے اسلئے فرشتے اسکو قبر میں عذاب دیں گے اور دوزخ کی کھڑکی کھولدینگے اور وہ سمجھے گا کہ قیامت میں اسمیں داخل ہونا ہوگا اور مومن کیلئے جنت کی طرف کھڑکی کھولی جائیگی اور وہ یہ سمجھے گا کہ قیامت کے دن اس میں داخل ہونا ہوگا اس لئے مسلمان جنت کو دیکھکر قیام ساعت کی تمنا کریگا اور کافر دوزخ کو دیکھکر یہ کہے گا کہ قیامت کبھی نہ آوے اس کے عذاب سے تو قبر ہی کا عذاب اہون ہے واللہ اعلم۔

اب یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ یہ آیت عذاب قبر کے متعلق تو ہے لیکن اسمیں تثبیت کا وعدہ دنیا اور آخرت دونوں کے بارہ میں ہے چنانچہ ارشاد ہے یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ؎ اب سوال یہ ہے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس پوری آیت کو تلاوت فرماکر عذاب قبر کے متعلق فرمایا ہے تو آپنے معاملۂ قبر کو حیاۃ دنیا میں داخل فرمایا یا آخرت میں سو احتمال دونوں طرف ہے قبر کو حیات دنیا میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے اور آخرت میں بھی۔ دوسرا احتمال تو محتاج تاویل نہیں کیونکہ موت سے حیات دنیا منقطع ہوجاتی ہے اس لئے مابعد الموت حیات دنیا میں داخل نہیں بلکہ وہ آخرت میں داخل ہونا چاہئے البتہ پہلا احتمال محتاج تاویل ہے اسپر کہہ سکتے ہیں کہ گو موت سے حیات دنیا منقطع ہوجاتی ہے مگر حیات اخرویہ بھی شروع نہیں ہوتی کیونکہ حیات اخرویہ وہ ہے جبکہ یہی جسد عنصری دوبارہ زندہ ہوگا اور یہ قیامت میں ہوگا قبر میں جسد عنصری زندہ نہیں ہوتا گو روح کو اس سے تعلق رہتا ہے پس گو موت کے بعد انسان کو نہ حیات اخرویہ حاصل ہوتی ہے نہ حیات دنیویہ بلکہ حیات برزخیہ ہوتی ہے مگر حیات برزخیہ کو حیات دنیا سے بہ نسبت آخرت کے قرب

زیادہ ہے اس لئے حکماً وہ حیات دنیا میں داخل ہو سکتی ہے لیکن یاد آیا در منثور میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الآخرۃ کی تفسیر عذاب قبر سے فرمائی ہے اب کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہی نہ دوسرا احتمال رہا البتہ ایک اور اشکال وارد ہوگا وہ یہ کہ ایک حدیث میں آتا ہے اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْحُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے حالانکہ دخول جنت یا دخول نار قیامت کے بعد ہوگا عالم برزخ میں دخول جنت و نار نہ ہوگا اس کا ایک جواب تو علماء نے دیا ہے وہ یہ کہ برزخ میں جو مسلمانوں کو راحت اور کفار کو عذاب ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو نعیم جنت اور عذاب جہنم سے تشبیہ دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو برزخ میں ایسی راحت ہوگی کہ گویا وہ جنت کے باغ میں ہیں اور کفار کو ایسی تکلیف ہوگی کہ گویا جہنم کے گڑھے میں ہیں اور صوفیہ نے یہ کہا ہے کہ جنت و جہنم دو ہیں ایک حقیقی اور ایک مثالی اگر اس قول کو مان لیا جائے تو پھر اس حدیث میں تاویل نہ کرنا پڑے گی صوفیہ کہتے ہیں کہ قبر میں مومن کے لئے جس جنت کی طرف کھڑکی کھولی جائے گی وہ جنت مثالیہ ہے اسی طرح کافر کے لئے جس جہنم کی طرف کھڑکی کھلے گی وہ بھی مثالی جہنم ہے پھر قیامت کے بعد حقیقی جنت و جہنم میں دخول ہوگا اور یہ اشکال نہ کیا جائے کہ مومن اور کافر کے لئے جنت و جہنم میں داخل ہونیکے بعد تو پھر خروج نہ ہوگا پھر مسلمان اور کفار اس جنت مثالیہ و جہنم مثالیہ سے قیامت کے دن کیونکر نکلیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ عدم خروج وغیرہ یہ احکام جنت و جہنم حقیقیہ کے ہیں مثالیہ کے یہ احکام نہیں اس سے خروج ہو سکتا ہے بلکہ صوفیہ نے تو یہ کہا ہے کہ دنیا میں بھی کفار کو جہنم اور مومنین کو جنت محیط ہے کیونکہ اعمال سیئہ جہنم ہیں اور اعمال صالحہ جنت ہیں اور حقیقی جنت و دوزخ کا ثواب و عذاب انہی اعمال کی صورت جو ہریہ ہے بس دنیا میں بھی ہر شخص یا جنت میں ہے یا دوزخ میں مگر حال کے بعد تو یہ احاطہ معلوم ہو سکتا ہے بدون حال کے اس احاطہ کا ادراک دشوار ہے بس اب میں ختم

کرنا چاہتا ہوں۔ خلاصہ بیان کا یہ ہے کہ ہمکو معاصی سے بچنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے جنکا سبب غفلت عن الآخرۃ ہے اور غفلت کا علاج تذکر ہے اور تذکر آخرت کا سہل طریقہ موت کو یاد کرنا ہے پس ہمکو غفلت دور کرنیکے لئے موت کو یاد کرنا چاہیئے اور یاد کرنے کا طریقہ بھی میں نے بتلا دیا کہ صرف موت موت کا ورد کرنا کافی نہیں بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ حدیث میں جو باتیں موت کے متعلق وارد ہیں کہ دفن کے بعد فرشتے قبر میں آئینگے اور اس طرح سوال و جواب ہوگا اس کا تصور کیا جائے اگرچہ یہ مراقبہ ہر وقت کر سکتا ہے مگر حکمائے امت نے اسکے لئے بھی ایک وقت مقرر کر دیا ہے تاکہ تعیین وقت سے کام میں سہولت ہو جائے اچھا وقت اس کے لئے سونیکا وقت ہے کیونکہ اَلنَّوْمُ اَخُو الْمَوْتِ سونا بھی موت کے مشابہ ہے تو سوتے وقت ہمکو یاد کرنا چاہیئے کہ ایک دن وہ بھی آنیوالا ہے جبکہ ہم بہت لمبی نیند سوئیں گے جسکے بعد قیامت سے پہلے اٹھنا ہی نہ ہوگا۔ روزانہ سوتے ہوئے اسکو یاد کرنا چاہیئے تاکہ ہمکو قول ثابت کی برکتیں حاصل ہوں رہا یہ کہ قول ثابت سے مراد کیا ہے اور اس کی برکتیں کیا ہیں اسکو قرآن ہی سے معلوم کرو چنانچہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس میں توحید کا ذکر ہے اس میں حق تعالیٰ نے کلمۂ توحید و کلمۂ کفر کی مثال بیان فرمائی ہے صاحب تفسیر (یعنی امام فخر رازی) کا قول ہے کہ تمام قرآن تین مضمونوں کی شرح ہے توحید و رسالت و معاد یہ قول مجھے بہت ہی پسند آیا اس کا لحاظ کر لینے سے تمام قرآن مرتبط معلوم ہوتا ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ حضرت حاجی صاحب نے مثنوی کا خلاصہ نکالا تھا کہ تمام مثنوی میں دو مضمون اصل مقصود ہیں ایک توحید حالی دوسرے حقوق شیخ واقعی عجیب خلاصہ ہے جس کے بعد تمام مثنوی مرتبط معلوم ہوتی ہے غرض اوپر کی آیات میں توحید کا ذکر ہے فرماتے ہیں اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ اسمیں کلمہ طیبہ کی مثال بیان فرمائی ہے جس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے حدیث میں اس کی تصریح ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کے تابع ہے وہ بھی مراد ہے کیونکہ متبوع کے ساتھ تابع کا ہونا لازم ہے مگر چونکہ اہل ایمان اس امت سے پہلے بھی گذرے ہیں اور جو فضائل

ایمان کے ہیں وہ ان کیلئے بھی ثابت ہیں اور لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا قرین ہر امت میں بدلتا رہا ہے کوئی لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ نُوحٌ نَجِیُّ اللّٰہِ کہتا تھا کوئی اِبْرَاهِیْمُ خَلِیْلُ اللّٰہِ کہتا تھا کوئی مُوسٰی کَلِیْمُ اللّٰہِ کوئی عِیْسٰی رُوْحُ اللّٰہِ اور ہم مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے ہیں تو یہ جملہ متبدل ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ غیر متبدل ہے جس میں تمام اہل ایمان مشترک ہیں اسلئے اکثر احادیث میں لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ پر اکتفا کیا گیا ہے باقی مطلب وہی ہے کہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مع اپنے قرین کے جو ہر امت مسلمہ کیلئے الگ الگ ہے۔ اور صوفیہ کا ادب دیکھئے کہ وہ جب اپنے مریدوں کو ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تعلیم کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر تو اتنی تعداد میں کیا کرو دوسو یا پانچسو دفعہ اور کبھی کبھی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بھی کہہ دیا کرو یہ نہیں بتلاتے کہ ہر دفعہ پورا کلمہ کہا کرو اس طرح انہوں نے تابع و متبوع دونوں کا حق ادا کر دیا خوب فرماتے ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ کی کہ وہ مشابہ ہے شجرہ طیبہ (پاکیزہ درخت) کے شجرہ طیبہ سے مراد شجرہ نخلہ ہے اس کو مثال کیلئے یا تو اسواسطے خاص کیا کہ اہل عرب کے نزدیک وہ اطیب الاشجار ہے مگر میرے نزدیک حقیقت میں وہ عرب و عجم سب میں اطیب شجرہ ہے ایک تو اس کی پیدائش سہل ہے بعض دفعہ تو خود ہی اگ آتا ہے چنانچہ سیکڑوں درخت کھجور کے خود رو موجود ہیں پھر اس کی خدمت کی جائے تو اس کا پھل نہایت عمدہ اور لذیذ ہے پھر اس کی کوئی چیز ضائع نہیں ہر ایک میں منافع بینہ موجود ہیں لکڑی کڑیوں میں کام آتی ہے پتوں سے پنکھے اور بوریئے بنتے ہیں شاخوں سے بھی چھت کے تختہ کا کام لیتے (اور بنگال میں اس سے رس نکالتے ہیں جیسے گنے کا رس نکالا جاتا ہے ۱۲ جامع) اور بینہ کی قید اس لئے لگائی کہ منافع خفیہ تو ان چیزوں میں بھی ہیں جنکو ہم بیکار سمجھتے ہیں جیسا کہ گلزار ابراہیم میں ایک حکیم کا قصہ لکھا ہے کہ اسکو ایک دن پاخانہ میں بیٹھے بیٹھے خیال ہوا کہ یہ پاخانہ کا کیڑا کس کام آتا ہے اس میں بظاہر کوئی منفعت نہیں معلوم ہوتی اس خیال کا آنا تھا کہ چند روز میں اس کی آنکھیں اندھی ہو گئیں بڑا گھبرایا بہت علاج کئے

مگر کچھ نفع نہ ہوا اتفاق سے ایک دفعہ کوئی دوسرا حکیم اس کی بستی میں آیا جو آنکھوں کا علاج
کرتا تھا اس اندھے حکیم نے بھی اس سے رجوع کیا اس نے کوئی دوا اس کی آنکھ میں لگا دی
جس سے بہت جلد آنکھیں کھل گئیں اور اچھی طرح نظر آنے لگا اس نے حکیم سے
پوچھا کہ اس دوا کے کیا اجزا ہیں دوسرے حکیم نے کہا کہ اس کا جزو اعظم گو کا کیڑا ہے
اس وقت اس کو تنبہ ہوا کہ یہ غیب سے مجھ کو سزا دی گئی تھی کیونکہ میں نے اس کو
بیکار خیال کیا تھا حق تعالیٰ نے اس طرح مجھکو اس کا نفع بتلایا ہے پس منافع خفیہ سے
تو کوئی چیز بھی خالی نہیں گو ہمکو علم نہ ہو مگر کھجور کے تو ہر جزو میں منافع بین ہیں جنکو ہر
شخص سمجھ سکتا ہے اسلئے وہ عرب و عجم سب کے نزدیک اطیب شجر ہے آگے فرماتے ہیں
اَصْلُهَا ثَابِتٌ کہ اس کی جڑ تو جمی ہوئی ہے یعنی زمین میں وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ
اور اسکی شاخیں آسمان میں ہیں نخلہ میں اس صفت کا ہونا تو ظاہر ہے اور کلمہ طیبہ
کیلئے یہ وصف اس طرح ثابت ہے کہ اس کی بھی ایک جڑ ہے جو مومن کے قلب میں
جمی ہوئی ہے پس قلب مومن بمنزلہ ارض کے ہے اور اعتقاد توحید جو اس میں راسخ
ہے وہ کلمہ طیبہ کی جڑ ہے اور قلب مومن کو ارض سے تشبیہ قرآن میں دوسری جگہ
مصرح ہے سورۂ حدید میں ہے اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ
اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ
وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا
لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ع (ترجمہ) کیا مسلمانوں کے لئے
اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور اس دین حق پر عمل کیلئے جھک جائیں
جو اللہ کی طرف سے ان پر نازل ہوا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ بنیں جن کو ان سے پہلے
کتاب دی گئی تھی پھر ان کے دل سخت ہو گئے اور زیادہ تر ان میں سے فاسق ہیں جان لو
کہ اللہ تعالیٰ زمین کو مردہ ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے حضرت عبد اللہ بن عباس
نے اس کی تفسیر میں صراحۃً فرمایا ہے کہ ارض سے قلب مراد ہے اوپر جو اہل کتاب کی
قساوت کا ذکر تھا جس سے ان کے مایوس اور ناامید ہو جانے کا احتمال تھا اس آیت سے مایوسی

کو قطع کیا گیا ہے کہ گو تمہارے دل سخت تو ہوگئے مگر نا امید ہونیکی کوئی وجہ نہیں اللہ تعالیٰ
مردہ دلوں کو بھی زندہ کر دیتے ہیں اور رفع عَمَلُهَا فِی السَّمَاءِ یہ ہے کہ وہ عالم ملکوت کی طرف بلند
ہوتا ہے جس کی تفصیل دوسری آیت میں ہے اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ
الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ اچھا کلام اسی تک پہونچتا ہے یعنی حق تعالیٰ ہی اس کو قبول فرماتے ہیں اور
اچھا کام اسکو بلند کرتا اور پہونچاتا ہے صعود سے مراد تو قبول ہے اور رفع سے مراد ذریعۂ
قبول بنتا ہے۔ اب اگر عمل صالح سے مراد ایمان ہے تب تو قبول سے مراد نفس قبول ہے
کیونکہ ایمان ہر عمل کے قبول کیلئے شرط ہے اور اگر دیگر اعمال صالحہ مراد ہیں تو وہ نفس قبول
کیلئے شرط نہیں مگر کمال قبول کیلئے شرط ہیں آگے فرماتے ہیں وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ۵ چونکہ مثال عجیب تھی اسلئے اس کی حکمت بتلاتے ہیں کہ حق تعالیٰ
لوگوں کیواسطے مثالیں اسلئے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ خوب سمجھ لیں کیونکہ مثال سے
توضیح مقصود خوب ہو جاتی ہے آگے کلمہ کفر کی مثال ہے وَمَثَلُ کَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ کَشَجَرَةٍ
خَبِیْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ع اور گندہ کلمہ کی
(یعنی کلمہ کفر و شرک کی) ایسی مثال ہے جیسے خبیث درخت ہو (حدیث میں اس کی تفسیر
آئی ہے کہ وہ حنظل کا درخت ہے) جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اسکو کچھ ثبات
ہی نہو (چنانچہ حنظل کے درخت کے جڑ دور تک نہیں ہوتی نیز حنظل اور اس کا پھل بو
اور مزہ میں بھی تلخ ہوتا ہے اسی طرح کلمہ کفر سے دلکو بےچینی ہوتی ہے راحت نہیں ملتی اور
اسکی جڑ گو کافر کے دل میں ہے مگر حق کے سامنے باطل ایسا مضمحل و مغلوب ہے کہ گویا اس کے
جڑ ہی نہیں اور جب اس کے جڑ ہی نہیں اور جب اسکی جڑ ہی نہیں تو پھل وغیرہ کیا ہوتے اسلئے
نہ یہاں شاخونکا ذکر فرمایا نہ پھل کا اور یہ عجیب نکتہ ہے اس مقام میں کہ چونکہ کفر کا کچھ تو وجود ہے اسلئے
اس کا کچھ ذکر فرما دیا اور چونکہ اس کا معتدبہ وجود نہیں اسلئے بقیہ آثار کو ذکر نہیں فرمایا کیونکہ
ذکر اس شے کا ہوتا ہے جو کچھ تو ہو اور یہ فی الجملہ وجود بھی دنیا میں ہے اور آخرت میں تو
کفر معدوم ہی ہو جائیگا کیونکہ وہاں سبکو ایمان حاصل ہو جائیگا گو کفار کا وہ ایمان معتبر
نہیں کیونکہ بالاضطرار ہوگا اختیار سے نہوگا آگے اس آیت میں جسکی میں نے تلاوت کی ہے

پارہ ۱۳ رکوع ۱۶

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کے اثر کا ذکر ہے اوپر تو دونوں کی مثال تھی یہاں دونوں کے اثر
کا بیان ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات کی برکت سے (مراد کلمہ طیبہ
ہے جس کی جڑ مضبوط ہے) دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں مضبوط رکھتا ہے دنیا میں
تو اس طرح کہ مومن کلمہ کی برکت سے شیاطین الانس والجن کے اغواء سے محفوظ رہتا ہے اور مرتے
دم تک ایمان پر قائم رہتا ہے۔ اور آخرت میں اس طرح کہ قبر میں نکیرین کے سوال کا صحیح صحیح جواب دیگا
آگے کلمۂ کفر کے اثر کا بیان ہے وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ یعنی اس کلمہ خبیثہ کی نحوست سے کافروں
کا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں بچلا دیتے ہیں۔ دنیا میں تو ان کا بچلنا ظاہر ہے
اور آخرت میں بچلنا یہ ہے کہ قبر میں ان سے نکیرین کے سوال کا جواب نہ بن پڑے گا بلکہ حیرت
زدہ ہوکر کہیں گے افسوس ہم کچھ نہیں جانتے۔ غرض قول ثابت سے مراد کلمہ طیبہ ہے
جسکا ذکر اوپر کی آیت میں تھا اسی کی بدولت آخرت میں نجات ہوگی جس کی ایک جڑ ہے اور
کچھ شاخیں ہیں جڑ تو عقیدہ توحید ہے اور شاخیں اعمال صالحہ ہیں ان سب کا مجموعہ قول
ثابت ہے پس عقیدۂ توحید کو پختہ کرو جسکا طریقہ کثرت ذکر ہے اور اعمال کو صالح کرو
جس کا طریقہ یہ ہے کہ علم دین حاصل کرو مسائل کی کتابیں دیکھو وعظ کی کتابیں مطالعہ
کرو اور ان کے موافق عمل شروع کرو جس کے لئے ہمت کی ضرورت ہے کہ دین پر عمل کرنے
میں اگر کوئی ملامت کرے تو کسی کی پروا نہ کرو پھر انشاء اللہ آپ کو وہ دولت ملے گی کہ
تمہارے اقوال و اعمال و احوال میں نورانیت ہوگی اور کثرت ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ اگر
کسی کی تربیت و تعلیم حاصل ہے تب تو اس سے پوچھکر کوئی ذکر شروع کرو اور اگر کسی کی
تربیت نہیں ہے تو چلتے پھرتے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد کرتی رہو کام کیوقت زبان سے
کسیقدر جہر کرتی رہو تاکہ یاد رہے اور خالی وقت میں تسبیح ہاتھ میں رکھو یہ مذکرہ ہے اس سے
ذکر یاد رہتا ہے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ بعد کمال کے بھی تسبیح ہاتھ میں رکھتے تھے
کسی نے کہا حضرت اب تو آپکو اس کی ضرورت نہیں رہی فرمایا جس رفیق کی بدولت یہ بات
حاصل ہوئی ہے کیا اب اسکو چھوڑ دوں یہ تو بڑی بے مروتی ہے۔ غرض تسبیح سے غفلت
نہیں ہوتی ذکر کا دھیان رہتا ہے اس کو ہاتھ میں رکھو اور کسی کے طعن کی پروا نہ کرو

لوگوں میں مرض ہے کہ جہاں کسی نے تسبیح ہاتھ میں لی اور اس پر طعن شروع کیا مگر جب تم کو تسبیح سے دولت ملتی ہو تو مخلوق کو بکنے دو کیا کسی کے طعن سے ڈر کر اپنا نقصان کر لوگے یہ تو قول ثابت کے حاصل کرنے کا طریقہ ہے اور اس کے نباد کا طریقہ وہ ہے جسکے لیے میں نے اس بیان کو اختیار کیا تھا یعنی موت کا مراقبہ اور قبر میں جانیکا تصور کرنا اس سے دنیا کی محبت دل سے کم ہوگی آخرت کا اہتمام پیدا ہوگا اور اعمال میں کوتاہی کا سبب حب دنیا وعدم اہتمام آخرت ہی تھا جب یہ دونوں مرتفع ہو جائیں گے پھر عمل میں انشاء اللہ کوتاہی نہوگی لیجیئے میں نے مکمل نسخہ اور کامل مطب بیان کر دیا ہے اب عمل کرنا نکرنا آپ کے ہاتھ ہے دعا کیجیے کہ حق تعالے ہم کو توفیق عمل اور فہم سلیم عطا فرمائیں آمین

وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تمت رجب ۱۴۰۹ھ

(مستعجل)

ضروری معروضہ

الحمد للہ تعالیٰ ثم الحمد للہ تعالیٰ۔ اس دسمبر ۸۸ء کے رسالہ الابقاء پر آپکا زرِ رسالہ ختم ہو گیا۔

۱ ڈاک خانہ نے وی پی جسٹری وغیرہ کا خرچہ دگنا کر دیا ہے۔ الابقاء بذریعہ وی پی منگانے سے آپکے آٹھ روپیہ کا نقصان ہے۔ لہٰذا زرِ رسالہ منی آرڈر سے ارسال فرما کر اپنے آٹھ روپیہ بچالیں اور اپنے آٹھ روپیہ کا نقصان نہ کریں۔

۲ جدید سال ۱۹۸۹ء کے لئے تیس روپیہ براہ کرم آج ہی ارسال فرمادیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

۳۔ اپنے منی آرڈر کے ساتھ ساتھ ہی کم از کم ایک ایک یا دو دو خریدار کا بھی زرِ سالانہ ارسال فرمادیں تو اس خالص دینی تبلیغی اصلاحی رسالہ کی ترقی اشاعت کا ثواب آپ کو مل جاوے گا۔

امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ثم ان شاء اللہ تعالیٰ میری یہ تینوں عرضیں قبول فرماویں گے۔

محمد عبد المنان عفی عنہ دفتر الابقاء مکتبہ تھانوی مسافر خانہ بندر روڈ۔ کراچی ۱